امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ

شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء والحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد الہند

بقیة الوقف، احکام مسجد، کتاب البیوع، اقالة سلم، صرف، بیع فاسد، بیع الاثمار، بیع الوفا، کتاب الربٰو

ناشر:

زکریا بک ڈپو انڈیا الهند

امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ: .... مفتی شبیر احمد قاسمی

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294
مالک: .... مکتبہ زکریا — 01336-223323
ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND
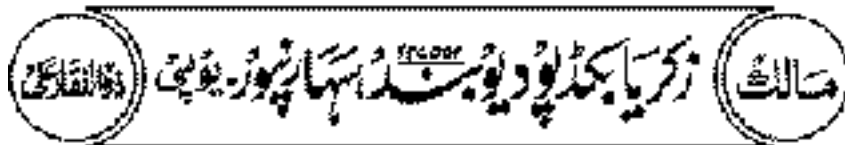
ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)
Ph. (01336) 223323(O) 225223 (R)
Fax : (01336) 225223
Mob.: 09897352223, 09319861123

اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

١٢/ بقية كتاب الوقف

مسئلہ نمبر:............صفحہ نمبر

١٣/ كتاب أحكام المسجد

مسائلة أهل الخلة في مسئلة الظلّة

رسالہ القوال الأهلي في وقف جامع دهلی

۱۴/ کتاب البیوع

۲ / باب الإقالة (واپسی بیع) اور بیع بالخیار

۳/ باب: بیع سَلم (بد ھنی)

۴/باب: بیع صَرف اور رائج الوقت سکّوں نوٹوں کی بیع (سونے چاندی کی بیع)

٥/ باب: بیع فاسد

٦/ باب: بیع الوفاء

۷/ باب: جائز و ناجائز یا مکروہ معاملاتِ بیع

۸/ باب: حوادث الفتاویٰ جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام

۱۵/ کتابُ الربوا

۱۲ / بقية كتاب الوقف

توکیل بالوقف اور تعلیق بالوقف کا حکم

سوال (۱۴۸۱): قدیم ۲/۵۹۰- ایک شخص حج کو جاتے وقت اپنے ورثہ اور مختار کار لوگوں کو کہہ گیا تھا بلکہ مسودہ کرایا تھا کہ جلدا جلدی میں میں اس وقت اپنی کچھ جائداد وقف کر کے رجسٹری کرانہ سکا۔

''اے میرے عام مختار کارو میری فلاں گاؤں فلاں جائداد حسب قانون سرکاری اسٹامپ میں لکھوا کر میری طرف سے رجسٹری کرادینا''۔

اور سب مصارف کی بھی تصریح کر دی۔ اس شخص کے حج کو جانے کے بعد حسب حکم تعمیل کی گئی وقف نامہ رجسٹری ہو چکا، حج سے آنے کے بعد ایک مولوی صاحب کے وقف کے متعلق مسائل بیان کرنے سے وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ کو ٹھیک یہ ارادہ صاف نہیں ہوا تھا کہ فلاں تاریخ سے یہ جائداد وقف ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں خاص ہو جاوے بلکہ اس ڈر سے کہ خدانخواستہ راہ حج میں میرا انتقال ہو جاوے اور میری نیت پوری نہ ہو میں نے وقف نامہ رجسٹری کرایا ہے یہ میں جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اسلئے ایں وقت عرض ہے کہ اس شخص واقف کو وقف کی آمدنی میں قبل وقف کی طرح تصرف کرنا حسب نیت اس کے جائز ہے یا نہیں عند الناس کیا حکم ہے اور عند اللہ کیا حکم ہوگا؟

الجواب: توکیل بالوقف جائز ہے اور تعلیق وقف بالخطر جائز نہیں چونکہ یہاں وقف یا تو خود کیا ہے اور توکیل بالتکمیل ہے یا اگر توکیل بالوقف ہے مگر کلام میں تعلیق نہیں گو نیت میں وہ دعویٰ کرتا ہے؛ لہٰذا یہ وقف صحیح ہو گیا۔ غیر مصارف میں اُس کا صرف جائز نہیں البتہ اگر واقف خود متولی ہو تو وقت حاجت بقدر کفاف اُس میں سے لینا درست ہے۔ (۱)

---

(۱) عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس فأردت ان أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب ←

دليل المسئلة الأولى ما في رد المحتار لو قال: أنت وكيلي في كل شيئ يصير وكيلاً في جميع التصرفات المالية واختلفوا في طلاق وعتاقٍ ووقف. الخ (١) ودليل الثانية ما في الدرالمختار وأن يكون (الوقف) منجزاً لامعلقاً إلابكائن ولامضافاً ولا موقتاً. الخ ج:٣، ص: ٦٥٥. (٢)

۴/ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اُولیٰ ص ۱۳۳)

مسجد کی زائد آمدنی مجاہدین ومجروحین اور یتیموں پر خرچ کرنے کا حکم

سوال (۱۴۸۲): قدیم ۲/ ۵۹۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر مساجد کے اتنے اوقاف ہیں کہ ہر ہر مسجد کے سالانہ خرچ ہوتے ہوئے ہزاروں روپیہ بچ جاتے ہیں

← **والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يوكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاری، کتاب الوصايا، باب قول الله عزوجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/ ٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

ذهب جمهور الفقهاء: المالكية والشافعية والحنابلة في المذهب وأبو يوسف ومحمد من الحنفية إلى أن الوقف متى صدر ممن هو أهل للتصرف مستكملا شرائطه أصبح لازما، وانقطع حق الواقف في التصرف في العين الموقوفة بأى تصرف يخل بالمقصود من الوقف، فلا يباع ولا يوهب ولايورث، وذلک لقول النبی صلى الله عليه وسلم لعمر بن الخطاب رضی الله عنه: تصدق بأصله ولا يباع ولا يوهب ولايورث، ولأن الوقف تبرع يمنع البيع والهبة والميراث فلزم بمجرد صدور الصيغة من الواقف كالعتق. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١١٩)

ولا يحل الأكل منها إلا بالشرط فإن الإجماع على أن الواقف إذا لم يشرط لنفسه الأكل منها لا يحل له أن يأكل منها. (فتح القدير، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٠٩- ٢١٠، كوئٹه ٥/ ٤٣٨)

إن إنتفاع الواقف بغلة الوقف لا بد أن يكون بالشرط، فلا يحل الأكل من الموقوف إلا إذا إشترط ذلک. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٤٥)

(١) شامي، كتاب الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٢٤٠، كراچي ٥/ ٥١٠۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور اُن بچے ہوئے روپئے سے سال دو سال کو متولی دوسری ملکیتیں خریدتے جاتے ہیں جس سے ماہواری خرچ تو مثلاً سو روپئے کا اور آمدنی ہزار بارہ سو کی ہے اب اسی طرح اگر بڑھا کرے تو اُس آمدنی سے سوائے ملکیت بڑھنے کے اور کوئی طرح کا فائدہ متصور نہیں ہے اور خدانخواستہ اگر متولیان میں کچھ قصور آیا تو ضائع ہونے کا خوف ہے؛ لہٰذا اُن اوقاف کی آمدنی سے فقراء مساکین خصوصاً مجاہدین کی بیوہ اور یتامیٰ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو ملکیتیں اصل وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہیں جو اصل وقف سے بہت بڑھی ہوئی ہیں جس کی مسجدوں میں کچھ ضرورت نہیں ہے اُس ملکیت کا کل حصہ یا بعض حصہ مجاہدین مجروحین بلقانی اور اُن کی بیوہ یتامیٰ پر خرچ کرنا جیسا کہ اس وقت اشد ضرورت ہے فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور حدیث شریف میں اس طرح ہے:

عن عائشةؓ قالت: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لولا أن قومک حدیثو عهد بجاهلية أوقال بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل اللّٰه ولجعلت بابها بالأرض ولأدخلت فيها من الحجر. رواه مسلم. (١)

آیا اس سے استدلال صحیح ہے یا نہیں اور کوئی فقہاء کی جزئیات سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: في الدر المختار. ويبدأ من غلته بعمارة، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس (إلىٰ قوله) إلىٰ اٰخر المصالح. وفي رد المحتار في تفسير العمارة: وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره. وقوله: إلىٰ اٰخر المصالح أي مصالح المسجد ج:٣، ص: ٥٨١-٥٨٢-٥٨٣. (٢)

وفي الدر المختار: لوشرط الواقف تقديم العمارة، ثم الفاضل للفقراء وللمستحقين لزم الناظر إمساك قدرالعمارة. الخ وفي رد المحتار: ويصرف الزيادة علىٰ ماشرط الواقف. ج:٣، ص: ٥٨٦. (٣)

---

(١) مسلم شریف، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، النسخة الهندية ١/٤٢٩، بيت الأفكار رقم: ١٣٣٣۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٦٠-٥٦١، كراچي ٤/٣٦٧۔

(٣) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات لأجل العمارة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٦٥-٥٦٦، كراچی ٤/٣٦٩۔

وفي الدر المختار: قلت: إنما يكون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة كما مر أما مدرس الجامع فلا؛ لأنه لايتعطل لغيبته بخلاف المدرسة حيث تقفل أصلا. اه ج:٣، ص:٥٨٧. (١)

ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ وقف مسجد سے صرف اُنھیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے اور دخل بھی درجہ موقوف علیہ میں حتیٰ کہ روایت اخیرہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ مدرس جامع (*) بھی شعائر مسجد میں داخل نہیں؛ کیونکہ وہ موقوف علیہ آبادی مسجد کا نہیں؛ حالانکہ ظاہر ہے کہ اُس کو زیادت رونق میں دخل ہے، مگر اس دخل کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا؛ البتہ اگر فاضل عن العمارہ میں واقف تصریح کردے کہ فقراء وغیرہم میں خرچ کیا جاوے تو حسب روایت وسطیٰ اُس وقت غیر مصالح مسجد میں فاضل کو صرف کریں گے (٢) اب ظاہر ہے کہ مجروحین اور یتامیٰ واہل مقتولین کی امداد کو مسجد کی آبادی میں کوئی دخل نہیں اس لئے اگر واقف نے صرف مسجد کے مصالح کا وقف کے وقت ذکر کیا ہے تب تو اس امداد میں صرف کرنا جائز نہیں (٣) اور اگر کسی دوسرے مصرف کا بھی ذکر کیا ہے تو اس کی نسبت مکرر سوال کیا جاوے،

(*) دوسال ہوئے کہ المشیر جلد:٢/نمبر:٢٦/ص:١٠/کالم نمبر:٢/مورخہ:١١/ جولائی ١٩١٢ء میں ایک میرا لکھا ہوا جواب اس کے خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی، صحیح جواب یہ ہے کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ ١٢ منہ

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات لأجل العمارة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٦٧/٦، كراچی ٣٧٢/٤۔

(٢) **الذي يبدأ من ريع الوقف عمارته شرط الواقف أم لا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة واعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم بقدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح هذا إذا لم يكن معينا. فإن كان الوقف معينا على شيئ يصرف إليه بعد عمارة البناء كذا في الحاوي القدسي.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، مكتبه زكريا قديم ٣٦٨/٢، جديد ٣٥٦/٢)

البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣٥٦/٥، كوئٹه ٢١٣/٥۔

(٣) **الفاضل من وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح.** (هنديه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشرفي المسجد، الفصل الثانى، مكتبه زكريا قديم ٤٦٣/٢، جديد ٤١٤/٢) ←

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اُس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اُس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اُس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اُس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتیٰ کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں.

لما في الدر المختار: ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها كذا الرباط والبئر والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أوبئر أوحوض إليه ج:٣، ص:٥٧٤(١). قلت: دخلت الصورة المسئولة في عموم مفهوم الاستغناء. وفي رد المحتار: فإن المسجد أوغيره من رباط أوحوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلک أوقافه ياكلها النظار أوغيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج إليه. ١ه ج، ص:٥٧٥ (٢) وذكر قبل هٰذا كلاماً طويلاً تائيداً لذلک۔

← الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى العشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ١٧٩/٨، رقم:١١٥٦٥۔

المحيط البرهانى، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون في المساجد، نوع آخر منه في المسائل التى تعود إلى قيم المسجد، المجلس العلمي:١٣٨/٩، رقم:١١٣٨٧۔

(١) (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٩/٦، كراچى ٣٥٩/٤)

ذهب الفقهاء الى أنه لو تعطلت الجهة الموقوف عليها فان ريع الوقف يصرف إلى جهة أخرى مماثلة للجهة التي تعطلت منافعها ولم يرج عودها. فلو كان هناک وقف على مسجد أو رباط أوحوض فخرب المسجد أو الرباط أو الحوض وأصبح لا ينتفع بها، فإن ما وقف على المسجد يصرف على مسجد اٰخر ولا يصرف إلى حوض أو بئر أو رباط، وما وقف على الحوض أو البئر أو الرباط يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦١/٤٤)

(٢) شامي كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٥٥٠/٦، كراچى ٣٦٠/٤ ۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

رہا استدلال کرنا اس پر حدیث مذکور فی السوال سے وہ اس لئے تام نہیں کہ اُس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد تعمیر کعبہ ہی کی ہو چنانچہ اُس کا اقتران **لجعلت بابها بأرض و لأدخلت فيها** الخ کے ساتھ اس کا قرینہ قریبہ ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ جن لوگوں نے یہ کنز جمع کیا تھا ان کی نیت عام ہے فقراء وغیرہم کو۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کنز وقف نہ تھا بلکہ امانت تھا کیونکہ وقف کے لوازم سے ہے انتفاع مع بقاء العین اور روپیہ میں اس کی صورت بھی ممکن ہے کہ اُس سے تجارت کریں اور منافع کو قربات میں صرف کریں اور ظاہر ہے کہ جمع کرنے والوں کی یہ نیت ہرگز نہ تھی پس جب امانت ہوا، اور مالک معلوم نہ تھے تو اس کا حکم مثل لقطہ کے یہی ہے کہ فقراء میں صرف کیا جاوے اور یہ توجیہ اخیر اقرب الی الفقہ ہے بہرحال استدلال تام نہیں۔

۵/محرم الحرام ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی، ص ۵)

مسجد کی زائد آمدنی کا مصرف

سوال (۱۴۸۳): قدیم ۲/۵۹۳- اگر کسی مسجد کی جائداد موقوفہ کی آمدنی اُس کے مصارف سے بہت بڑھ جاوے کہ سالہا سال بھی اُس مسجد میں اُس کی ضرورت محتمل نہ ہو تو ایسی صورت میں اُس آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا امام ومؤذن کی تنخواہ یا دیگر مصارفِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مشرّح ومدلل ارشاد ہو۔ بینوا توجروا

الجواب: **في الدر المختار. ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ. وفي رد المحتار: لف ونشر مرتب فظاهره أنه لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. اهـ ج:٣، ص:٥٧٤ (١). قلت: وهذه الرواية وإن كانت منقولة في صورة خراب المسجد وغيره؛ لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب و هذا ظاهر عندي.**

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٩/٦، كراچی ٣٥٩/٤۔ ←

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اُس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کر سکتے ہیں؛ لیکن اس ترتیب سے کہ اوّل اقرب مساجد میں اور اگر اُس میں ضرورت نہ ہوتو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں۔

تاریخ ۳/ ج ۲، ۳۳ھ (تتمۂ ۳، ص ۱۳۹)

مسجد کی زائد آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنے کا حکم

(۱) **سوال** (۱۴۸۴): قدیم ۲/۵۹۴ - اگر ایک مسجد کہ آمدنی در سال ششصد روپیہ دارد در محلّہ دوم مسجد ویران ست الحال محلّہ دار کہ مسجد نادار است می گویند از مسجد جائداد والہ ہر چہ موجود است در مسجد نادار خرچ می کنیم مسئلہ بحریر آرند در شرع شریف درست ست یا نہ؟

← **فلو كان هناك وقف على مسجد أو رباط أو بئر أوحوض فخرب المسجد أوالرباط أو الحوض وأصبح لا ينتفع بها فان ما وقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولا يصرف إلى حوض أو بئر أو رباط، وما وقف على الحوض أو البئر أوالرباط يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦١)

وسئل شمس الأئمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضی أن يصرف أوقافه الی مسجد آخر أو حوض آخر فقال: نعم. (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٩٦، رقم: ١١٦٢٣)

هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التی يستغنی عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٧٨، جديد ٢/ ٤١٩۔

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، المجلس العلمي ٩/ ١٥١، رقم: ١١٤٤١ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **ترجمۂ سوال**: ایک مسجد جس کی سالانہ آمدنی چھ سو روپیہ ہے اور دوسرے محلّہ میں مسجد ویران ہے، ویران مسجد والوں کا مطالبہ ہے کہ جائداد والی مسجد میں جو کچھ موجود ہے۔ اس میں سے ویران مسجد میں خرچ کرتے ہیں مسئلہ تحریر فرمائیں، شریعت میں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب (١): ہرگاہ مسجد جائداد آباد ست اگرچہ مستغنی ست آمدنی او در جائے دیگر صرف کردن درست نیست۔

و لو لم يتفرق الناس و لكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أوعلى العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلىٰ عمارة ما هو محتاج إلى العمارة قال لا كذا في المحيط. (٢) **عالمگیری جلد ثانی ،ص:١٠٤۔** واللہ اعلم

١١/ ذی قعدہ ١٣٠٠ھ (امداد ثانی، ص ٨٤)

سوال (١٤٨٥): قدیم ٢/٥٩٤- ایک جامع مسجد آباد کے متعلق دکانیں اور مکان وقف ہیں اُن کا کرایہ ہمیشہ سے اُس کے مصارف شکست و ریخت وفرش یعنی جانمازوں اور کوزوں اور گھڑوں وغیرہ حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ مؤذن میں صرف ہوتا ہے اگر حاکم وقت مسلمان یہ چاہے کہ اُس کا حق دوسری مسجدوں کی ترمیم اور حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ مؤذن میں بھی صرف ہوا کرے جن مسجدوں میں کسی قسم کی آمدنی وقف نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو جو روپیہ صرف ہو چکا ہے وہ کسی کو واپس دینا واجب ہے یا نہیں؟ اور آمدنی وقف مسجد کس کس مصرف میں صرف کرنیکا حکم ہے؟

---

(١) **ترجمۂ جواب**: جب جائداد والی مسجد آباد ہے تو اگرچہ مستغنی ہے اس کی آمدنی دوسری جگہ خرچ کرنا جائز نہیں۔

(٢) عالمگیرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التى يستغنى عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٧٨، جديد ٢/٤١٩۔

حضرتؒ نے زائد آمدنی کو دوسری ضرورتمند مسجد میں صرف کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن بعض جزئیات سے دوسری ضرورت مند مسجد میں منتقل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ نیز حضرتؒ ہی نے ماقبل میں اپنے طویل جواب میں اس کی گنجائش فرمائی ہے۔ جواب نمبر: ١٤٨٢ر کا ملاحظہ فرمائیں:

فقہاء کی عبارات ذیل میں ہیں:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد الخ وتحته (في الشامية) يصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ (درمختار مع الشامي زكريا ديوبند ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩) ←

الجواب: جب پہلی مسجد آباد ہے اُس کے وقف کی آمدنی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔(۱)

في الشامية المطبوعه بمصر الجزء الثالث منها، ص: ۵۷۴. ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد أو حوض اٰخر. فقال: نعم! ومثله في البحر عن القنية (۲). وفي الدر المختار مع الشامي، ص: ۵۷۵. اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الاٰخر عليه وإن اختلف أحدهما لايجوز له ذلك. اھ (۳)

اور جب یہ انتقال ناجائز ہے تو جو صرف ہوا ہے اُس کا ضمان حاکم پر جس کے امر سے صرف ہوا ہے واجب ہے۔

فى الشامية: ص: ۵۸۲. ذكر في البحر: أن كون التعمير من غلة الوقف إذا لم يكن الخراب بصنع أحد (إلىٰ قوله) وخرابها يضمن لأنه فعل بغير إذن. اھ (۴) قلت: دل تعليله أن التصرف الغير المشروع في الوقف يوجب الضمان.

← فلو هناك وقف على مسجد أو رباط أو بئر أو حوض فخرب المسجد أو الرباط أو الحوض وأصبح لا ينتفع بها، فإن ما وقف على المسجد يصرف إلى مسجد آخر الخ (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) پہلی مسجد آباد ہو تو دوسری مسجد میں اس وقت منتقل کرنا ناجائز ہوتا ہے کہ جب پہلی مسجد کو ضرورت ہو؛ لیکن اگر پہلی مسجد آباد ہونے کے باوجود وہ زائد آمدنی اور زائد سامان سے مستغنی ہو جائے تو دوسری ضرورت مند مسجد کے لئے منتقل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ جواب نمبر: ۱۴۸۲ر کے حاشیہ میں بھی جزئیات منقول ہیں:

آگے جواب نمبر: ۱۴۸۲ر میں بھی گنجائش تحریر فرمائی ہے۔

(۲) شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٥٠، كراچي ٤/٣٥٩۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٥١، كراچي ٤/٣٦٠۔

(۴) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب كون التعمير من الغلة إن لم يكن الخراب بصنع أحد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٦٠، كراچى ٤/٣٦٧۔

اور جو روپیہ تعمیر وترمیم ضروری سے بچ جائے اس کو مصارف مذکورۂ سوال میں صرف کرنا جائز ہے۔

في الشامية: ص: ٥٨٢/ والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا، ثم ما هو أقرب إلىٰ العمارة و أعم للمصلحة كالإمام للمسجد (إلىٰ قوله) ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ اخر المصالح هذا إذا لم يكن معينا فإن كان الوقف معينا على شيئ يصرف إليه بعد عمارة البناء. اھ(١)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر واقف کی تصریح مصارف کے باب میں معلوم ہو تو وہ سب سے مقدم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

١٧/ جمادی الاول ١٣٢٢ھ (امداد ثانی ص ٩٣)

مسجد کی زائد آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا

سوال (١٤٨٦) قدیم ٢/٥٩٥- ایک مقام پر دو مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے ایک میں نہیں، جس میں جمعہ ہوتا ہے اُس کے مرمت وغیرہ کے لئے زید نے کچھ چندہ جمع کیا ہے جو حسب ضرورت خرچ ہوا اور کچھ بچ رہا۔ اب جمعہ والی مسجد تو درست ہے مگر دوسری مسجد کی چار دیواری اور چھجے وغیرہ شکست ہیں تو کیا وہ چندہ جو جمعہ والی مسجد کے لئے کیا گیا تھا اس میں سے کچھ روپیہ اس مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا (*)؛ اس لئے اُن لوگوں سے اجازت لینا ضروری ہے۔ (٢)

(*) یہ مسئلہ ابھی منقح نہیں ہوا کہ چندہ مساجد ومدارس وغیرہ معطی کی ملک سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں۔ اہلِ علم غور فرمالیں ١٢ تصحیح الاغلاط ص ٨

---

(١) شامي، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب اليها، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٦٠، كراچي ٤/ ٣٦٧- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) **ولو أن قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبهم شيئ. قالوا: يصرف الفاضل في بنائه ولا يصرف إلى الدهن والحصر. هذا إذا سلموه إلى المتولي ليبنى به المسجد وإلا يكون الفاضل لهم يصنعون به ما شاءوا.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٤١٩، كوئٹه ٥/ ٢٥٠) ←

البتہ جو دینے والے مجہول یا مفقود ہوں اُن کے حصہ کی نسبت کی موافق دوسری مسجد میں صرف کر دینا جائز ہے۔ (۱)

۲۷/محرم ۱۳۲۲ھ (امداداوّل،ص ۴۷)

مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ میں لگانے کی ممانعت

سوال (۱۴۸۷): قدیم ۲/۵۹۵- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ راندیر ضلع سورت میں جو مساجد ہیں اُن کی آمدنی بفضلِ خدا بہت اچھی ہے ان میں سے ایک مسجد کی آمدنی سالانہ پچیس ہزار روپیہ ہے اور سالانہ خرچ آٹھ دس ہزار روپیہ ہے زائد جمع ہوتا ہے اور مسجد کے لئے اور مکانات خریدے جاتے ہیں۔ اب یہ خوف ہے کہ یہ روپیہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ حاجت مسجد سے بہت زائد ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس روپیہ سے کسی دینی مدرسہ کی مدد کرسکتے ہیں وہ مدرسہ مسجد سے علیٰحدہ ہو وہ طلبہ وہاں نماز کے لئے حاضر ہوتے ہیں، مہربانی فرما کر حکم شریعت سے اطلاع دیں کہ دینی مدرسہ کی مدد اِس مسجد کے مال سے درست ہے یا نہیں؟

← **بعث شمعا في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۴۱۹، كوئٹه ۵/۲۵۰)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي ، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۷۹، كراچی ۲/۲۶۹)

الوكيل يتصرف بولاية مستفادة من قبل المؤكل فيلي من التصرف قدر ما ولاه. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة ، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۲۶)

(۱) **ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة فللقاضى صرف خشبه الى عمارة المسجد الآخر إذا لم يعلم بانيه ولا وارثه وإن علم يصرفها هو بنفسه. قلت إن شاء .** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۴۲۴، كوئٹه ۵/۲۵۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہیے(۱) اگر اُس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اُس کا حق مقدم ہے اسی طرح بترتیب۔(۲)

۵/ رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۲۴۳)

---

(۱) **وإن اختلف أحدهما بان بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (وفي الشامي) أى الصرف المذكور.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥١، كراچي ٤/ ٣٦٠)

وإن اختلف أحدهما (الواقف والجهة) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا أومدرسة، ووقف عليهما أوقافا، لا يجوز للحاكم نقل مخصص أحدهما للآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل الثامن: استبدال الوقف وبيعه حالة الخراب، هدٰى انٹرنیشنل ديوبند ٨/ ٢١٨)

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف......وقد علم أنه لا يجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٦-٢١٧)

(۲) **حشيش المسجد وحُصُره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف الى أقرب مسجد اورباط (وفي الشامية) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب الى حوض وعكسه.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٩، كراچي ٤/ ٣٥٩)

فلو كان هناك وقف على مسجد أو رباط أو بئر أو حوض ،فخرب المسجد أو الرباط أو الحوض وأصبح لا ينتفع بها،فإن ما وقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولا يصرف الى حوض أو بئر أو رباط، وما وقف على الحوض أو البئر أو الرباط يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف کرنے کا حکم

سوال (١٤٨٨): قدیم ٢/ ٥٩٦- محاصل اوقاف مساجد شاہی میں سے اُن طلبہ کا وظیفہ مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں جو اسی مسجد کے مدرسہ میں پڑھتے ہوں یہ مدرسہ بناء مسجد کے بعد متولیان کی رائے سے جاری ہے محاصل اوقاف اس قدر اخراجات مسجد سے فاضل ہیں کہ کئی ہزار روپیہ بنک میں جمع ہیں اور اس مدرسہ اور اس مسجد کی ضروریات کی وجہ سے اس روپیہ کی کتابیں خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ جو متولی کہ بعد بنائے مسجد عام مسلمانوں کی رائے سے مقرر ہوں وہ بانی مسجد کے حکم میں ہیں اور اس لحاظ سے اُن کی نیابت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اوّل چند مقدمات لکھتا ہوں پھر جواب لکھوں گا (مقدمۂ اولیٰ) یہ اوقاف مسجد کے ہیں نہ مدرسہ کے لئے (مقدمۂ ثانیہ) بعد وقف کے مصرف بدلنا خود واقف کو بھی جائز نہیں (مقدمۂ ثالثہ) ایک مصرف سے استغناء کے وقت اُسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہیے جیسے مسجد مسجد مدرسہ مدرسہ ونحوذلک (دلیل مقدمۂ اُولیٰ) **في الدر المختار مع الشامي: و بيان المصرف كقولهم علىٰ مسجد كذا من أصله لتوقف صحة الوقف عليه فتقبل بالتسامع جلد: ٣، ص: ٦٢٦.** (١)

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں شہرت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقف نے مدرسہ کی جہت مقرر نہیں کی۔

(دلیل مقدمۂ ثانیہ) **في الدر المختار مع الشامي: وقف ضيعة على الفقراء و سلمها للمتولي، ثم قال: لوصيه أعط من غلتها فلانا كذا وفلانا كذا لم يصح لخروجه عن ملكه بالتسجيل الخ ج٣، ص ٥٧٤.** (٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي ، كتاب الوقف، مطلب في البراءات السلطانيه والدفاتر الخاقانية، مكتبه زكريا ديوبند ٦ /٦٢٣، كراچي ٤/ ٤١٤۔

(٢) الدر المختار مع الشامي ، كتاب الوقف، مطلب:في نقل أنقاض المسجد و نحوه، مكتبه زكريا ديوبند:٦/ ٥٤٩-٥٥١، كراچي ٤/ ٣٥٩ ۔ ←

پس گو متولی حکم بانی میں ہو لیکن خود بانی بھی ایسا تصرف نہیں کرسکتا تھا۔

(دلیل مقدمۂ ثالثہ) **في الدر المختار مع الشامي: وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أوبئر أوحوض إليه جلد٣، صفحه ٥٧٤.** (١)

اور یہ جزئیہ گو درصورت خراب ہونے مصرف اوّل کے ہے لیکن استغناء امر جامع ہے درمیان خراب ہونے اور فاضل رہنے رقم کے پس جب مقدمات ثلثہ دلیل سے ثابت ہو چکے۔ اب جواب ظاہر ہے کہ اس فاضل میں سے کچھ تو محفوظ رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ شاید مسجد میں مرمت وغیرہ کی ضرورت واقع ہو

← **رجل وقف ضيعة له على الفقراء في صحته، وأخرجه من يده، ثم قال: لوصيه عند الموت أعط من غلة تلك الضيعة كذا لفلان، وقد كان قال: لوصيه افعل ما رأيت من الصواب فجعله لأولئك باطل؛ لأنه صارحقا للفقراء، فلا يملك تغيير حقهم.** (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون في المتفرقات، المجلس العلمي ١٦٢/٨، رقم: ١١٤٧٨)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره۔ (مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٩/٦، كراچي ٣٥٩/٤۔

ذهب الفقهاء إلى أنه لو تعطلت الجهة الموقوف عليها فإن ريع الوقف يصير الى جهة أخرى مما ثلة للجهة التى تعطلت منافعها ولم يرج عودها فلو كان هناك وقف على مسجد أو رباط أو بئر أو حوض. فخرب المسجد أو الرباط أو الحوض وأصبح لا ينتفع بها، فإن ما وقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولا يصرف الى حوض أو بئر أو رباط، وما وقف على الحوض أو البئر أو الرباط يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦١/٤٤)

سئل شمس الأئمة الحلوانى عن مسجد أو حوض خرب لا يحتاج إليه لتفرق الناس، هل للقاضى أن يصرف أوقافه الى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم. (هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤٧٨/٢، جديد ٤١٩/٢)

الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل السابع والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ١٩٦/٨، رقم: ١١٦٢٣۔

اور باقی کو دوسری مساجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہیے مدرسہ یا اس کے متعلقات کتب وغیرہ کی خرید میں صرف نہ کیا جائے۔(۱)

هذا ما ظهر لی الاٰن ولعل الله يحدث بعد ذلک أمرا.

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض شبہات محتملۃ الوقوع کو رفع کر دیا جائے۔

(شبہ اولیٰ) **في الدر المختار مع الشامي ويبدأ من غلته بعمارته ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلک إلىٰ اٰخر المصالح وإن لم يشترطه الواقف لثبوته اقتضاء. ج:۳،ص: ۵۸۲. (۲)**

اس کا حل یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ ہے اور وقف علی المدرسہ میں مدرس وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں؛ بلکہ دو ورق کے بعد ایک جزئی میں مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں وہ جزئی یہ ہے۔

---

(۱) **وان اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين ورجل مسجدا و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلک (در مختار) أى الصرف المذكور.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد نحوه، مكتبه زكريا ديوبند٦/ ٥٥١، كراچي ٤/ ٣٦٠)

وان اختلف أحدهما (الوقف والجهة) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا،لا يجوز للحاكم نقل مخصص أحدهماللآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف وبيعه حالة الخراب، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٨/ ٢١٨)

أما إذا اختلف الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياء للوقف ورعاية لشرط الواقف وهذا هو الحاصل من الفتاوىٰ.وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر.

(البحر الرائق، كتاب الوقف ، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٦-٢١٧)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف،مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٦٠-٥٦١، كراچي ٤/ ٣٦٧۔

قلت إنما يكون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة كما مر أما مدرس الجامع فلا لأنه لايتعطل لغيبته بخلاف المدرسة حيث تقفل أصلا۔(١)

(شبہ ثانیہ) في الدرالمختار مع الشامي: للواقف الرجوع في الشروط ولو مسجلاً ج:٣ ،ص: ٥٧٥. (٢)

اس کا حل یہ ہے کہ اِس پر شامی نے کہا ہے **وفيه كلام سيأتي** پھر صفحہ ٦٦٨ اس کے ایفاء میں کلام طویل کیا ہے جو نہایت شافی کافی ہے اُس میں یہ عبارت بھی ہے:

لايجوز أن يفعل إلا ماشرط وقت العقد اور یہ بھی ہے **و ما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولاتخصيصه بعد تقرره ولاسيما بعد الحكم. الخ (٣)**

(شبه ثالثة) في الدرالمختار مع الشامي .السلطان يجوز له مخالفة الشرط (إلىٰ قوله) لأن أصلها لبيت المال. اه وأيده الشامي بقول أبي السعود: إن أوقاف الملوك والأمراء لايراعى شرطها؛ لأنها من بيت المال أو ترجع إليه. اه

اورظاہر غالب بھی ہے کہ یہ اوقات بیت المال سے ہیں اِس کا حل یہ ہے کہ اس کے بعد شامی نے کہا ہے:

قلت: والمراد من عدم مراعاة شرطها أن للإمام أو نائبه أن يزيد فيها وينقص ونحو ذلک وليس المراد أنه يصرفها عن الجهة المعينة الخ ج:٣،ص:٦٦٧-٦٦٨. (٤)

واللہ اعلم وعلمہ اتم

٢٦/ ذی الحجہ ١٣٢٢ھ (امداد ثانی، ص ٩٥)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في القطع الجهات لأجل العمارة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٦٧، كراچي ٤/ ٣٦٧۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥١، كراچي ٤/ ٣٦٠۔

(٣) شامي، كتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط، مكتبه زكريا ديوبند: ٦/ ٦٨٥، كراچي ٤/ ٤٥٩۔

(٤) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب للسلطان مخالفة الشرط اذا كان الوقف من بيت المال، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٥٤-٦٥٥، كراچي ٤/ ٤٣٧۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

رسالہ القاسم کی عبارت پر اشکال کا جواب

سوال (۱۴۸۹): قدیم ۲/ ۵۹۸ - بعد سلام مسنون عرض ہے عرصہ ہوا کہ آپ کی ایک تحریر دربارۂ وقف رسالہ القاسم میں شائع ہوئی تھی غالبًا آپ نے اس میں یہ تحریر (*) فرمایا تھا کہ اگر وقف اس نیت سے کیا جاوے کہ احکام فرائض کا وقف کے مال متروکہ میں اجراء نہ ہونے پائے تو واقف مرتکب معاصی ہوگا میں ممنون ہوں گا اگراز راہ کرم مجھے آگاہ فرمائیں کہ کن ادلّہ کی رو سے آپ فرماتے ہیں لوگ معترض ہوتے ہیں کہ وقف کرنا ایک امر ثواب ہے امّا وقف کرنے سے بہر صورت وارث محروم ہو جائیں گے تو ایک امر ثواب سبب ہوا ایک امر غیر مشروع کا۔ اس کا کیونکر جواب ہوگا، ایک اور مسئلہ ہے کہ مثلاً زید کی فقط ایک لڑکی ہے اس نے اپنی کل جائداد کو وقف علی الاولاد کر دیا، تو اس صورت میں یقیناً زید کے اور ورثاء مثلاً زید کے عموی زاد بھائی حق وراثت سے محروم رہ جائیں زید کی ایسے وقف سے یقیناً نیت یہ ہے کہ اُس کی کل جائداد اُس کی لڑکی کو ملے اُس کو اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بغض نہیں ہے مگر فطرتی طور پر وہ یہ نہیں چاہتا کہ اُس کی جائداد اُس کی اولاد کے سوا دوسروں کو مل جاوے۔ تو ایسی صورت میں آیا زید گنہگار رہوگا یا نہیں؟ اگر آپ نے اپنی کسی کتاب میں پوری بحث فرمائی ہو تو اُس کتاب کا حوالہ فرمایئے تاکہ میں اُس کو پڑھ کر پوری کیفیت سے مطلع ہوں؟

الجواب: مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

في الدرالمختار: كتاب الوقف، وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا بر الأحباب وفي الاٰخرة بالثواب يعني بالنية من أهلها. الخ وفي رد المحتار: بل التقرب به موقوف علىٰ نية القربة فهو بدونها مباح .الخ ج:۳،ص:۵۵۴. (۱)

(*) جواب آئندہ لکھنے کے وقت میں نے اصلی عبارت کو نہ دیکھا تھا تصدیق سائل کی بناء پر جواب لکھ دیا بعد میں دیکھا تو اُسمیں یہ مضمون اور طرح ہے جس پر کوئی شبہ ظاہراً بھی نہیں ہوسکتا۔ ملاحظہ ہو پرچہ القاسم بابت صفر ۱۳۳۰ھ اُس پوری عبارت کو ملاحظہ فرما کر اگر کوئی شبہ ہو پیش فرمایا جاوے۔ ۱۲ منہ مدظلہم العالی

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٢١، كراچي ٤/ ٣٣٩۔ ←

وفي الدرالمختار: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب. وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوىٰ (إلىٰ قوله) ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. الخ ج: ۴،ص: ۵۸۵.(۱)

ان روایات میں تصریح ہے کہ وقف ہبہ وغیرہ میں ثواب جب ہی ہوگا کہ نیت محض ثواب کی ہو گو اُس سے کسی کا اضرار بھی لازم آجائیگا مگرلزوم ضرر وقصد ضرر میں فرق ہے اور جب خاص ضرر پہنچانا ہی مقصود ہوتو ثواب نہ ہوگا گو عقد کا نفاذ ہوجاوے پس اس بنا پر اگر کسی نے خاص اسی غرض سے وقف کیا کہ اُس کے نزدیک احکام فرائض مضر ہیں جیسا اس زمانہ میں بہت سے نکتہ چیں شرائع پر پیدا ہوئے ہیں تو یہ مذموم ہوگا(۲) اور اگر یہ نیت نہیں تو مضائقہ نہیں گو اس سے بھی لازم یہی آجاوے۔ اسی طرح اگر کسی مصلحت سے بیٹی کو نفع پہنچانا مقصود ہے تو مضائقہ نہیں گو اُس میں ابناء العم کا حرمان بھی لازم آئے گا مگر خاص مقصود اُن کا اضرار نہ ہو۔(۳)

یکم رجب المرجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص ۴۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، (مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٠١-٥٠٢، كراچي ٤/٦٩٦۔

(۲) عن أنس بن مالک رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/١٩٤، دارالسلام رقم:٢٧٠٣)

عن سليمان بن موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراثا فرضه الله قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ١/٩٦، رقم:٢٨٥-٢٨٦)

(۳) يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين، وإن وهب ماله كله لواحدجاز قضاء وهو آثم. (البحر الرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/٤٩٠، كوئٹه ٧/٢٨٨)

ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلک ...... روى المعلىؒ عن أبي أبي يوسفؒ أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار.وإن قصد به الإضرار سوّى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوىٰ رجل وهب في صحته كل المال ←

واقف کی شرط کے مطابق متولی مقرر کرنا

سوال (۱۴۹۰) قدیم ۲/ ۵۹۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے مصرفِ خیر میں وقف کی اور اُس کے انتظام صرف کے بابت واجب العرض مصدقہ بندوبست میں اور وصیت نامہ میں حسب ذیل شرائط لکھیں:

شرط واجب العرض مصدقہ واقف بندوبست میں بالفعل میں زید اس موضع کا مہتمم ہوں میرے اختیار سے آمدنی مصرف خیر میں صرف ہوتی رہے گی اور بعد فوت مہتمم کی اولاد سے جو شخص از قسم ذکور لئیق ہووے وہ مہتمم مقرر ہوکر نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ آمدنی صرف کرتا رہے گا مگر کسی مہتمم کو اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا۔ اگر کوئی مہتمم براہ بددیانتی یا بے ایمانی آمدنی اُس کی مصرف خیر میں صرف نہ کرے تو وہ بثبوت امور مذکورہ لائق موقوفی متصور ہوکر سرکار کو اختیار ہے کہ جس شخص کو لائق اور مناسب خاندان سے سمجھیں مہتمم مقرر کریں۔

شرط وصیت نامہ: اقرار یہ ہے کہ تاحیات اپنی آمدنی وپیداوار مواضعات مذکور کو اپنے ہاتھ اور اختیار سے حسبۃً للہ صرف کرتا رہوں گا اور بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لئیق ہووے نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ حسب دستور وطریقہ مستعملہ مجھ گنہ گار کے صرف کرتا رہے مگر اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا اور نہ یہ حقیت لائق توریث ہوگی؛ چنانچہ بعد وفات زید زید کا ایک بڑا بیٹا خالد جو لائق سمجھا گیا مہتمم مقرر ہوکر بائیس برس تک منتظم رہا۔

اب سوال یہ ہے کہ بعد وفات خالد خالد کا بڑا بیٹا جو لائق ہے اور پانچ سال سے بحکم کلکٹر صاحب بہادر وجنٹ صاحب بہادر وکمشنر صاحب بہادر جائداد وقف کا کام دیانت سے دے رہا ہے وہ یا خالد کا حقیقی یا سوتیلا بھائی حسب مضمون واجب العرض ووصیت نامہ بالا ونیز شرعاً ان میں کون متولی ہونا چاہئے۔ اور مخفی نہ رہے کہ خالد کا سوتیلا بھائی خالد کے مہتمم ہونے کے وقت سے اب تک متمنی تولیت کا ہے۔

← **لـلولد جاز في القضاء ويكون آثما فيماصنع.** (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس مكتبه زكريا ديوبند قديم ۴/ ۳۹۱، جديد ۴/ ۴۱۶)

خانية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، والهبة للصغير، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۳/ ۱۹۴، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹. **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اور خالد کی وفات کے بعد سے اب تک پانچ سال سے مقدمات استقرار حق تولیت وغیرہ دائر کرر کھے ہیں۔
کیا جو شخص زیادہ متمنی تولیت کا ہو وہ شرعاً متولی یا مہتمم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : في الدرالمختار : طالب التولية لا يولى إلا المشروط له النظر؛ لأنه مولى فيريد التنفيذ (إلیٰ قوله) ومادام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف لايجعل المتولى من الأجانب؛ لأنه أشفق ومن قصده نسبة الوقف إليهم. وفي رد المحتار : قوله: طالب التولية الخ وهل المراد انه لاينبغي أولايحل استظهر في البحرالاوّل تأمل قوله إلا المشروط له النظر بان قال جعلت نظر وقفي لفلان قوله ومادام أحد (إلیٰ قوله) جامع الفصولين لوشرط الواقف كون المتولى من أولاده وأولادهم ليس للقاضى أن يولى غيرهم بلاخيانة ولو فعل لايصير متوليا. ج: ٢،صفحه: ٦٣٤ و ٦٣٥و ٦٣٦. (١)

وفي الدرالمختار : شرط لنفسه مادام حيا، ثم لولده فلان ماعاش ثم بعده للأعف الأرشد من أولاده فالهاء تنصرف للابن لا للوقف لأن الكناية تنصرف لأقرب المكنيات بمقتضى الوضع. وفي رد المحتار : قوله: بمقتضى الوضع أي: الأصل وهو عودالضمير إلیٰ أقرب مذكور إليه. قلت: وهذا الأصل عندالخلو عن القرائن ولذا قال في الخيرية: سئل عمن وقف علیٰ ولده حسن وعلیٰ من يحدث له من الأولاد ثم علیٰ أولاده المذكور ثم على أولاده الإناث وأولادهن ثم حدث للواقف ولد اسمه محمد ثم مات حسن الذكور فهل الضمير في يحدث له راجع إلیٰ حسن لأنه أقرب مذكور أم إلى الواقف فيدخل محمد؟ فأجاب مفتي الحنفية بمصر مولانا الشيخ حسن الشرنبلالي بأنه راجع إلى الواقف، ثم قال في الخيرية: أن هذا مما لايشك ذوفهم فيه

← **للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيماصنع.** (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/٦ ١ ٤)

خانية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لوالده ، والهبة للصغير، مكتبه زكرياديوبند جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩. *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

(١) الدر المختار مع الشامي ،كتاب الوقف،مطلب: طالب التولية لا يولى، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٣٥-٦٣٧، كراچي ٤/ ٤٢٣-٤٢٥۔

إذ هو الأقرب إلى غرض الواقف مع صلاحية اللفظ له وقد تقرر في شروط الواقفين أنه إذا كان للفظ محتملان تعين أحدهما بالغرض وإذا أرجعنا الضمير إلىٰ حسن لزم حرمان ولد الواقف لصلبه واستحقاق أولاد أولاد البنات وفيه غاية البعد ولا تمسك بكونه أقرب مذكور لما ذكرنا من المحظور وهذا غاية ظهوره غنى عن الاستدلال ۵۱. ج ۳، ص ٦٦٨ و ٦٦٩. (١)

اس میں تین مقام پر کلام ہے اول واجب العرض کی اس عبارت مہتمم کی اولاد سے جو شخص الخ اور وصیت نامہ کی اس عبارت بعد میرے میری اولاد سے الخ کا مطلب ایک ہی ہے پہلی عبارت سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ واقف کی مراد مہتمم سے ہر مہتمم ہے تاکہ خالد مہتمم کا بیٹا خود واقف کے دوسرے بیٹے پر مقدم رکھا جاوے کیونکہ اس عبارت سے پہلے زید نے اپنے کو مہتمم کہا ہے پس یہاں بھی مہتمم سے مراد خود ہی ہے پس لفظ مہتمم کی اولاد اور لفظ میری اولاد دونوں مترادف ہیں۔ ثانی لفظ نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ کے مفہوم میں جو کہ دونوں عبارتوں میں مشترک ہے گفتگو رہی کہ آیا یہ مراد ہے کہ اول کوئی شخص میری اولاد سے پھر اُس کے بعد اُس اولاد کی اولاد سے اگرچہ اُس وقت میری اولاد میں سے بھی کوئی موجود ہو یا یہ مراد ہے کہ اول میری اولاد سے کوئی ہو اور اگر میری اولاد متعدد ہو تو جب اُن میں سے کوئی نہ رہے تب اولاد کی اولاد کی نوبت آوے۔ سو اغراض واقف و محاورات بلاشک وشبہ قرینہ ہے تعیین معنی ثانی کا اور اتباع غرض واقف کا اور اتباع قرینہ کا ضروری ہے جیسا کہ روایات بالا میں سے روایت اخیرہ میں مصرح ہے اور اگر درمختار کی عبارت ''فالهاء تنصرف الخ سے معنی اوّل کا شبہ ہو تو اُسی کی عبارت ''بمقتضى الوضع مع شرحها عن رد المحتار'' سے اُس کا ازالہ کرلیا جاوے پس بنا بر تقریر مذکور صورت مسئولہ میں مستحق تولیت کا زید کا دوسرا بیٹا ہے نہ کہ زید کا پوتا۔ (٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب اذا كان للفظ محتملان تعين أحدهما بغرض الواقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٨٥-٦٨٦، كراچي ٤/٤٦٠۔

(٢) **قال في جامع الفصولين: شرط الواقف أن يكون المتولي من أولاده وأولاد أولاده هل للقاضي أن يولي غيره بلا خيانة ولو ولاه هل يكون متوليا؟ قال شيخ الاسلام برهان الدين في فوائده لا.** (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٨)

هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤١٢، جديد ٢/٣٨٢۔

ثالث: تمنی تولیت کا مانع ہونا مطلقاً نہیں ہے بلکہ اُس سے **مشروط لہ النظر طالب التنفيذ لذلك الشروط** مستثنیٰ ہے جیسا خود درمختار میں اوپر تصریح ہے اور اس کا مشروط لہ النظر ہونا اوپر ثابت ہو چکا؛ لہٰذا طلب تولیت اُس کے لئے مانع نہیں ہوگی۔(۱)

۱۸/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۷)

مال موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے

(۲) **سوال** (۱۴۹۱): قدیم ۲/ ۶۰۲ - چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ مال موقوفہ از ملکیت واقف بر مذہب مفتی بہ زائل می شود یا نہ؟

(۳) **الجواب**: **في الدرالمختار: وعندهما هو (أي الوقف) حبسها علىٰ حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها علىٰ من أحب ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له إبطاله ولايورث عنه وعليه الفتوىٰ. ابن الكمال. وفيه والملك يزول عن الموقوف الخ. وفيه ولايتم حتىٰ يقبض ويفرز فلايجوز وقف مشاع يقسم خلافاً للثاني ويجعل اٰخره لجهة قربة لاتنقطع (إلىٰ قوله) واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط و أسهل بحر.**

---

(۱) **إن المشروط له النظر لو طلب من القاضي تقريره فيه أجابه لأنه إنما يريد التقيد لا أصل التولية لأنه مولى.** (النهر الفائق، كتاب الوقف، قبيل كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳۳)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۱، كوئٹه ۵/ ۲۳۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **ترجمۂ سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مفتی بہ مذہب کے مطابق مال موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۳) **ترجمۂ جواب**: درمختار اور شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ مال موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے جیسا کہ صاحبین کا مذھب ہے خواہ محض قول سے یا متولی کو سپرد کرنے سے اور اکثر علماء کے نزدیک صرف قول سے ہی ملکیت سے نکل جاتا ہے لیکن وقف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی آخری جہت قربت غیر منقطعہ ہو۔

وفي الدرر وصدرالشريعة: وبه يفتى وأقره المصنف وفي رد المحتار: تحت قوله: وجعله أبو يوسف كالإعتاق فلذلک لم يشترط القبض والإفراز. اھ ح: أي فيلزم عنده بمجرد القول كالإعتاق بجامع إسقاط الملک. قال في الدرر: والصحيح أن التأبيد شرط اتفاقا؛ لكن ذكره ليس بشرط عند أبي يوسف وعند محمد لابد أن ينص عليه. اھ و صححه في الهداية أيضاً ج ٣، ص ٥٦٤. (١)

ازیں عبارت ہویدا است کہ مفتیٰ بہ ہمیں است کہ وقف از ملک واقف زائل می شود کما ذہبنا الیہ خواہ بمجرد قول خواہ بہ تسلیم الی المتولی واکثر باوّل فتویٰ دادند لیکن شرط صحت وقف آنست کہ آخر جہۃ قربۃ غیر منقطعہ باشد۔

۷/محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۰۸)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٢٠- ٥٣٥- ٥٣٨، كراچي ٤/٣٣٨-٣٤٩-٣٥١۔

قال أبو يوسف يزول ملكه بمجرد القول وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف وليا و يسلمه إليه. (هداية، كتاب الوقف، مكتبه اشرفيه ديوبند ٢/٦٣٧)

وإذا لزم عندهما فإنه يلزم بمجرد القول عند أبى يوسف بمنزلة الإعتاق بجامع إسقاط الملک وعند محمد لابد من التسليم إلى المتولى والإفراز والتأبيد ......الترجيح قد اختلف والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل ولذا قال: في المحيط. ومشايخنا أخذوا بقول أبى يوسف ترغيبا للناس في الوقف. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٢٨-٣٢٩، كوئٹه ٥/١٩٧)

وعندهما هو حبس العين على ملک الله تعالى على وجه يعود نفعه على العباد فيلزم ويزول ملكه بمجرد القول عند أبى يوسف وهو قول الأئمة الثلاثة وبه يفتى مشايخ العراق لأنه إسقاط للملک كالإعتاق وعند محمد لا يلزم ولا يزول ملكه مالم يسلمه إلى ولي.

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٦٩-٥٧٢)

هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند، قديم ٢/٣٥١، جديد ٢/٣٤٧.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

موقوفہ زمین کی آمدنی سے دوسری زمین خریدنے کی شرط لگانے کا حکم

(۱) **سوال** (۱۴۹۲) قدیم ۲/۶۰۳ - وہم در وقف نامہ می نویسد کہ از محاصل جائدادِ اولاً در کار مسجد تصرف کنند بعد ازاں خراج جائداد موقوفہ ادا سازند انچہ ازاں باقی ماند جائداد دیگر ازاں خریدہ شود و آں ہم در مال موقوفہ داخل شود پس ایں جائداد بعد وقف در مال موقوفہ داخل میتواں شد یا نہ؟

(۲) **الجواب**: **في الدر المختار: وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أوشرط بيعه ويشتري بثمنه أرضا أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها. في رد المحتار: ويشتري بثمنه أرضاً أي وأن يشتري. الخ ج:٣،ص:٥٩٩.** (۳)

پس ہرگاہ اشتراء ارض اخری بثمن اولیٰ بعد اشتراط جائز ست پس اشتراط اشتراء ارض اخریٰ بمنفعت اولیٰ بدرجہ اولیٰ جائز باشد و ارض اخریٰ ہم وقف باشد۔

۷/محرم ۱۳۳۲ھ ہجری۔ (تتمۂ ثانی، صفحہ ۱۰۹)

---

(۱) **ترجمۂ سوال**: وقف نامہ میں لکھا ہے کہ جائداد کی آمدنی سے پہلے مسجد کے کام میں خرچ کریں اس کے بعد موقوفہ جائداد کا خراج ادا کریں جو کچھ اس سے بچ جائے اس سے دوسری جائداد خریدی جائے اور وہ بھی موقوفہ مال میں شامل کردی جائے تو وقف کے بعد والی یہ جائداد مال موقوفہ میں شامل ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) **ترجمۂ جواب**: جب پہلی زمین کی قیمت سے دوسری زمین خریدنے کی شرط لگانا جائز ہے تو پہلی زمین کی آمدنی سے دوسری زمین خریدنے کی شرط لگانا بدرجۂ اولی جائز ہوگا۔ اور دوسری زمین بھی مال موقوفہ میں شامل ہوگی۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٨٣-٥٨٤، كراچي ٤/٣٨٤-٣٨٥۔

ولو قال أرضي هذه صدقة موقوفة أبدا على أن لى أن أستبدل بها أخرى يكون الوقف جائزا استحسانا إذا كان الشراء بثمن الأولى، كذا في محيط السرخسي وكما اشترى الثانية تصير الثانية وقفا بشرائط الأولى قائمة مقام الأولى. (هندية، كتاب الوقف، الباب الرابع في ما يتعلق بالشرط في الوقف، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٠٠، جديد ٢/٣٧٥) ←

اولادِ واقف کے درمیان تنخواہ میں کمی بیشی کرنا

(۱) **سوال** (۱۴۹۳) قدیم ۲/۶۰۳ - بعدازاں متولی اول راازمحاصلۂ آں یک صدروپیہ و دیگرمتولیان راسی یا چہل چہل روپیہ در ماہوارمی رسد ہم چنیں امتیازنمودن در وقف ما بین اولاد ذکور (متولیان) درمشاہرہ صحیح ست یانہ؟

(۲) **الجواب**: این تفاوت ہم جائز ست وآں مبنی ست بر جواز تفاوت کہ درنمبر:۲ مذکورشد۔

ولا مانع منه فيجوز.

۷/محرم ۱۳۳۲ھ ہجری (تتمۂ ثانیہ،ص ۱۰۹)

← **ولو شرط الواقف أن يبيعها ويشتري بثمنها أرضا أخرى ولم يزد صح استحسانا، وصارت الثانية وقفا بشرائط الأولى. ولا يحتاج إلى ايقافها لأن الأرض تعينت للوقف، فيقوم ثمنها مقامها في الحكم وبمجرد شراء أرض بثمنها تصير وقفا على شرائط الأولى من غير تجديد وقف.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٥)

ولو قال الواقف في الوقف: على أن أبيعها وأشترى بثمنها أرضا أخرى ولم يزد على هذا...... في الاستحسان يصح الوقف لأن الأرض الأولى تعينت للوقف فيكون ثمنها قائما مقامها في الحكم، وكما لواشترى الثانية تصير الثانية وقفا بشرائط الأولى وقائمة مقام الاولى.

(خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣/٣٠٦،جديد ٣/٢١٢) شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

(۱) **ترجمۂ سوال**: اسکے بعدیہ معلوم کرنا ہے کہ متولی اول کواس کی آمدنی سے سوروپیہ اوردوسرے متولیوں کوتیس تیس یاچالیس چالیس روپیہ ماہانہ ملتا ہے تو کیا متولیوں کی مذکراولاد کے درمیان مشاہرہ میں فرق کرنا اس طرح درست ہے یانہیں؟

(۲) **ترجمۂ جواب**: اس طرح فرق کرناجائز ہےاوریہ مبنی ہےاس فرق کے جواز پرجونمبر:۲/ میں ذکرکیا گیا ہےاورکوئی چیز مانع نہیں ہے؛ لہٰذا جائز ہے۔ (نمبر:۲/سے مراد ماقبل کا جواب ہے۔) اسی میں جزئیات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

مال موقوف سے بعض ورثاء کو محروم کرنے کا حکم

(۱) **سوال** (۱۴۹۴): قدیم ۲/۶۰۳ - واز مال موقوفہ زوجہ ودختران را محروم نمودن و در عوض آں ہر یکے را دہ دہ بیگہ زمین دادن جائز است یا نہ؟

(۲) **الجواب**: في الدر المختار عن الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار وان قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالابن عندالثاني وعليه الفتوىٰ. ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز و أثم. وفي رد المحتار: وعليه الفتوىٰ أي علىٰ قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذى هو قول محمد. رملي ج:٣ ،ص:٧٨٥. (٣)

وفي الدرالمختار كتاب الوصية وندبت بأقل منه ولو عند غنى ورثته أو استغنائهم بحصتهم كتركها أي كما ندب تركها الخ في رد المحتار في اٰخر الحاشية على قوله و لو عند غنى و رثته مانصه.

تنبيه: قال في الحاوي القدسي: من لا وارث له ولادين عليه فالأولىٰ أن يوصى بجميع ماله بعدالتصدق بيده ج٥،ص ٦٤٠. (۴)

---

(۱) **ترجمۂ سوال**: اور مال موقوفہ سے بیوی اور لڑکیوں کو محروم کرنا اور اس کے عوض میں ہر ایک کو دس دس بیگہ زمین دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) **ترجمۂ جواب**: درمختار اور شامي کی عبارت سے معلوم ہوا کہ بخشش میں فرق یا بعض کو محروم کرنا یا بعض کا حصہ کم کرنا جب کہ اسکو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہو یا ان کے نقصان کا سبب ہو گناہ کا سبب ہے اگر چہ تصرف نافذ ہو جائے گا اور اگر مذکورہ خرابی نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، اور یہی حکم وقف کا ہے اگر چہ سوالات بالا میں مذکورہ تمام تصرفات نافذ اور صحیح ہو جائیں گے لیکن اگر ثواب کی نیت کے دعوے کے حیلہ سے ورثاء کو محروم کرنا منظور ہو تو وقف مقبول نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٥٠١-٥٠٢، كراچي:٥/٦٩٦۔

(۴) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/٣٤١، كراچي ٦/٦٥١-٦٥٢۔

ازیں روایات مستفاد شد کہ ایں تفاوت در عطایا حرمان بعضے یا تنقیص نصیب بعضے ہرگاہ کہ قصد اضرار ایشاں باشد یا موجب ضرر ایشاں باشد موجب گناہ است اگرچہ نافذ باشد و اگر محذور مذکور نباشد مضائقہ نیست و کذلک الوقف اگرچہ تصرفات مذکورۂ اسئلہ بالا ہمہ نافذ صحیح باشند کما ذکر فی الاجوبۃ لاکن اگر بحیلہ دعوی نیت قربت ورثہ را محروم کردن منظورست وقف مقبول نباشد۔(۱) واللہ اعلم

وانچہ سوال کردہ شدہ است کہ قواعد تصرف مال موقوف چیست وبچہ صورت صحیح گردد وبچہ صورت غیر صحیح پس انچہ سوال کردنی باشد جزئیات سوال کردہ شود۔

۷/محرم ۳۲ھ (تتمہ ۲، ص ۱۰۹)

---

(۱) عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير رضى الله عنهما وهو على المنبر يقول: أعطانى أبى عطية، فقالت عمرة بنت رواحة : لا أرضى حتى تشهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال : إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية فأمرتنى أن أشهدک يا رسول الله قال: اعطيت سائرولدک مثل هذا، قال لا، قال فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال : فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ۱/ ۳۵۲، رقم: ۲۵۱۵، ف: ۲۵۸۷)

صحيح مسلم، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، النسخة الهندية: ۲/ ۳۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۲۳۔

ولو وهب رجل شيأ لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلک...... روى المعلى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى : أنه لا بأس به اذا لم يقصد به الإضرار وان قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضى خان وهو المختار كذا في الظهيرية .رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ، ويكون آثما فيما صنع كذا في فتاوى قاضى خان. (هندية ، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، مكتبه زكريا قديم ۴/ ۳۹۱، جديد ۴/ ۴۱۶)

خانية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، والهبة للصغير، مكتبه زكريا جديد ۳/ ۱۹۴، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲۷۹۔

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة الا لزيادة فضل له في الدين. وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم. كذا في المحيط . (البحر الرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۹۰، کوئٹہ ۷/ ۲۸۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنی اولاد پر خرچ کرنا

سوال (١٤٩٥) قدیم ٢/٦٠٤- کسی واقف نے کوئی جائداد وقف کی اور اُس کا مد مقرر کردیا اور اُس کا متولی ایک آدمی کو بنادیا اور واقف کا انتقال ہوگیا ہے یا کسی نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ ہمارے بعد میرا خوراک کا کھانا روزانہ کسی مسکین کو دیا جاوے تو ایسے وقت میں متولی یا موصی الیہ اپنے عزیز میں سے جو غریب و مسکین ہے مثلاً اولاد کو دینا چاہے تو درست و جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ شخص موافق شرط واقف کے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں (١)۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر اولاد نابالغ ہے اور باپ غنی ہے تو وہ اولاد شرعاً غنی ہے وہ مصرف اُس وقف کا نہیں ہوسکتی۔ (٢)

تتمہ سوال سابق: ایسے ہی اُسی مد مذکور سے کسی سیّد کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دے سکتا ہے۔

---

(١) **ان مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، مكتبه زكريا ديوبند:٦/٦٦٥، كراچي:٤/٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٨٥، رقم:١٥٢)

شرط الواقف كنص الشارع أى في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، مكتبه زكريا ديوبند:٦/٦٤٩، كراچي ٤/٤٣٣)

(٢) **وإنما منع من الدفع لطفل الغنى لأنه يعد غنيا بغناء أبيه.** (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٢٩، كوئٹه ٢/٢٤٦)

ولا يجوز الى صغير والده غنى. (قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في من توضع فيه الزكاة۔ مكتبه زكريا قديم ١/٢٦٦، جديد ١/١٦٣)

ولا إلى ولد غنى اذا كان صغيرا لأنه يعد غنيابمال أبيه. (هداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات اليه ومن لايجوز، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢٠٦)

في الدر المختار: وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبنی هاشم. الخ باب المصرف. (١)

یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۲۲)

وقف کی آمدنی متولی کی اولاد یا سید پر خرچ کرنے کا حکم

سوال (١٤٩٦): قدیم ٢/ ٦٠٥ - اُس قربانی کی کھال کی قیمت جو مال وقف یا وصیت سے حسب ہدایت واقف یا موصی کیا جاتا ہے اُسکی کھال کی قیمت متولی یا موصی الیہ اپنی اولاد محتاج پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ مصرف زکوٰۃ ہو تو درست ہے کیونکہ اس قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجبہ بحکم زکوٰۃ ہے۔ (٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فى الحوائج الأصلية، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٠، كراچي ٢/ ٣٥١-

أما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٠، كوئٹه ٢/ ٢٤٦)

وأما التطوعات فيجوز صرفها إليهم ...... وقد سوى صاحب الكافي بين التطوع والوقف، قيده في بعض المعتبرات بما إذ سماهم في الوقف يجوز، أما إذا لم يسمهم فلا. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٣١)

وأما الوقف عليهم فالمذكور في الكافي في جوازه كالنفل. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٦٦) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(٢) **مصرف الزكاة والعشر ...... هو فقير وهو من له أدنى شيىء (تحته في الشامية) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٨٣، كراچي ٢/ ٣٣٩)

أى مصرف الزكاة والعشر، وما أخذه العاشر من تجار المسلمين قاله الشمنى وعمم القهستاني كل صدقة واجبة ......هو الفقير. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٤) ←

تتمہ سوال سابق :علیٰ ہذا سیّد کو وہ قیمت دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب : في رد المحتار تحت قول الدرالمختار وجازت التطوعات إلیٰ قوله لبني هاشم مانصه قيد بها ليخرج بقية الواجبات الخ ج٣، ص٧١٠.(١)

یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص۱۲۲)

خاص الفاظ کہے بغیر عملی طور پر وقف کرنے کا حکم

سوال (۱۴۹۷): قدیم ۲/ ۶۰۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ زید اور عمرو دونوں باہم حقیقی بھائی ہیں ان دونوں نے ایک مسجد بنا کر اپنی ایک اراضی مشترکہ کا ماحصل مسجد کے اخراجات میں عمرو کے اہتمام سے رکھا مگر کوئی وقف نامہ تحریر نہیں کیا دیگر جائداد جو باہم زید وعمرو کی مشترک تھی تقسیم کرلی مگر یہ اراضی بدستور رکھی بعد فوت ہوجانے زید وعمرو کے عمرو کے بڑے بیٹے نے اپنا اہتمام رکھا اور ماحصل آمدنی اراضی مذکور سے مسجد کا کام چلاتا رہا اس وقت تک نہ زید کی اولاد ذکور نے اور نہ عمرو کی دیگر

(١) شامي، كتاب الزكاة باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية، مكتبه زكريا ديوبند ٣٠٠/٣، كراچي ٣٥١/٢۔

جواب میں مذکور عبارت سے معلوم ہوا کہ سید کو چرم قربانی کی قیمت دینا جائز نہیں کیونکہ اس قیمت کا تصدق واجب ہے اور سید صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ہے البتہ نفلی صدقہ خیرات سید اور ھاشمی کو دینا جائز ہے۔

عن محمد وهو ابن زياد سمع أبا هريرة يقول: أخذ الحسن بن عليّ تمرة من تمر الصدقة فجعلها في فيه،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كخ كخ، ارم بها أما علمت أنالا نأكل الصدقة. (مسلم شريف، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى آله وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون غيرهم النسخة الهندية ٣٤٧/١،بيت الأفكار رقم ١٠٦٩)

بخاری شريف، كتاب الزكاة، باب ما يذكر في الصدقة للنبى صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ٢٠٢/١،رقم:١٤٦٩، ف:١٤٩١۔

ولا إلى بني هاشم ......ولا فرق في المنع بين الزكاة وغيرها كالنذور والكفارات وجزاء الصيد. (النهر الفائق، كتاب الزكاة،باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٤٦٥/١-٤٦٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اولاد نے بڑے بھائی سے کچھ تعارض کیا حالانکہ ایک مہاجن نے اپنی ڈگری اولاد زید پر اجرا کرا کے یہ اراضی قرق کرالی تھی عمرو کے بڑے بیٹے کے صرف اس عذر سے کہ اس اراضی کا ماحصل ہمیشہ مسجد میں صرف ہوتا رہا ہے عدالت نے واگزاشت کردی حالانکہ کاغذات سرکار میں بھی مشترکہ لکھی چلی آتی ہے اولاد عمرو میں بھی باہم کل جائداد تقسیم ہوگئی مگر یہ اراضی بدستور مشترکہ قائم رکھی اب اگر پوتے عمرو کے اور اولاد اناث زید کی اپنا اپنا حصہ طلب کریں تو تقسیم یہ اراضی ہوسکتی ہے یا نہیں یا موقوفہ تعامل بالا سے سمجھی جاوے گی عندالشرع جو حکم ہو تحریر فرمایئے؟ بینوا توجروا

الجواب : اثبات وقف کے لئے جو الفاظ خاصہ فقہاء نے لکھے ہیں چونکہ اُن الفاظ میں سے کوئی لفظ زید اور عمرو نے نہیں کہا اس لئے بعض مسجد میں صرف کرتے رہنے سے وقف ہونا ثابت نہ ہوگا (١) اور اُس میں میراث جاری ہوگی ہر وارث کو اپنا حصّہ لینے کا استحقاق ہے۔ جواب میں نے قواعد سے دیا ہے بہتر ہے کہ دیوبند وغیرہ سے بھی تحقیق کرلیا جاوے۔

٢٦/ ربیع الاول ١٣٣٢ھ (تتمۂ ثانی، ص ١٣١)

---

(١) اس میں دو چیزیں سوالنامہ میں مذکور ہیں: (١) مسجد تعمیر ہوجانے کے بعد جب نماز کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے تو وقف تام ہوجاتا ہے۔ اس کا جزئیہ یہ ہے۔

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني وتحته في الشامية: قوله بالفعل أى بالصلاة فيه ،ففي شرح الملتقى : أنه يصير مسجدا بلا خلاف...... قلت: وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف. حتى أنه إذا بنى مسجدا وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٤-٥٤٥، كراچي ٤/ ٣٥٥-٣٥٦)

(٢) دوسری چیز اس کے لئے اراضی کا مسئلہ ہے اور اس اراضی کو عملی طور پر مسجد کے لئے متعین کرنا واضح ہے اور اسی سے مسجد کے اخراجات پورے ہورہے ہیں۔ مگر وقف کے لئے فقہاء نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی لفظ مالکوں نے استعمال نہیں کیا ہے اس لئے وہ اراضی مسجد کے لئے وقف نہیں ہے، بلکہ مسجد کی ملکیت ہوگئی ہیں لہذا مسجد کو بوقت ضرورت اس کی تبدیلی کی بھی گنجائش ہوگی۔

وفي الخانية: المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتا أودارا أو مستغلا آخر جاز لأن هذا من مصالح المسجد فإن إراد المتولي أن يبيع ما اشترى أو باع اختلفوا فيه، قال بعضهم: لا يجوز هذا البيع لأن هذا صار من أوقاف المسجد. وقال بعضهم : يجوز هذا البيع ←

متولی کے لئے متعینہ رقم سے زائد لینا جائز نہیں

سوال (۱۴۹۸): قدیم۲/ ۶۰۶- آراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اُس کے مصرف میں صرف کر دیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کر کے اپنا حقِ محنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

اور بر وقت اُٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بھینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں بجزان مدات کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا؟

الجواب: یہ سب حقوق وابواب اصل اجرت کے ساتھ ملحق ہو کر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اُس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اصل اُجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔(۱)

← **وهو الصحيح لأن المشترى لم يذكر شيئا من شرائط الوقف فلا يكون ما اشترى من جملة أوقاف المسجد.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦، كوئٹه ٥/ ٢٠٧)

خانية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا، مكتبه زكريا جديد ٣/ ٢٠٧، وعلى هامش الهندية قديم ٣/ ٢٩٧. **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) ليس للمتولى أخذ زيادة على ماقرر له الواقف أصلا، ويجب صرف جميع ما يحصل من نماء وعوائد شرعية وعرفية لمصارف الوقف الشرعية. (تحته في الشامي) حاصل ما ذكره المصنف أنه سئل عن قرية موقوفة يريد المتولى أن يأخذ من أهاليها ما يدفعونه بسبب الوقف من العوائد العرفية من سمن ودجاج وغلال يأخذونها لمن يحفظ الزرع ولمن يحضر تذريته، فيدفع المتولى لهما منها يسيرًا ويأخذ الباقي مع ما ذكر لنفسه زيادة على معلومه، فأجاب جميع ما تحصل من الوقف من نماء وغيره مما هو من تعلقات الوقف يصرف في مصارفه الشرعية كعمارته ومستحقيه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يأخذه المتولى من العوائد العرفية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٧٢، كراچي ٤/ ٤٥٠)

یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہوسکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل نمبر: ا ر کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا مقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔(۱)

۲۶/ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۳۲)

زمین کے تابع ہوکر مکانات بھی وقف ہوں گے

سوال (۱۴۹۹): قدیم ۲/ ۶۰۶- عالمگیری وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ بغیر ذکر کئے تبعاً وقف میں بناء یعنی مکانات اور اشجار داخل وقف ہوجاتے ہیں الفاظ یہ ہیں:

یدخل فیه البناء والنخیل والأشجار۔

اب صورتِ سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے زمینداری خرید کی اور اپنے ایک حصہ اراضی میں (جس میں زراعت کرتا تھا اور وہ اراضی اُسی خرید شدہ زمینداری کی ہے) زمیندار نے اپنا مکان مسکونہ اور اپنی اولاد کے لئے مکانات بغرض سکونت تعمیر کرایا اور ہر ایک اپنے مکانات میں رہنے لگے بعد تعمیر مکانات عرصہ کے بعد ایک وقف نامہ لکھا اور کل حصّہ زمینداری کو وقف کردیا اور الفاظ وقف کے یہ ہیں ''کل حصّہ جائداد کا وقف کردیا'' جب کل حصہ جس کا مالک تھا وقف کردیا تو وہ آراضی اور وہ مکانات جو کہ بغرض سکونت تعمیر کرایا تھا سب کے سب شرعاً وقف ہوگئے جیسا کہ مسئلہ عالمگیری میں موجود ہے اگرچہ مکانات کا کچھ ذکر وقف نامہ میں نہیں مگر تبعاً سب داخل وقف ہوگئے اب انتقال واقف کے بعد مکان مسکونہ خود واقف کا متولی کو ملے گا یا ورثہ تقسیم کریں گے اور مکانات مسکونہ جو اپنی اولاد کے لئے تعمیر کرائے تھے وقف کرنے سے قبل چونکہ یہ سب مکانات بھی داخل وقف ہوگئے تو اب متولی کیا ان سب مکانات پر تنہا قبضہ کرے گا یا ورثہ بوجہ متروکہ کے تقسیم کریں گے اور اگر ورثہ کو ان سب میں ترکہ ملے تو بناء سے کیا مراد ہے کون سے مکانات وقف میں داخل ہوجاتے ہیں

---

(۱) وما ذکره المصنف فیما یأخذه المتولي من أهل القریة کالذي یهدي له من دجاج وسمن . فإن ذلک رشوة، وکالذی یأخذه من الغلال المذکورة التی جعلت للحافظ، فافهم؛ لکن الذی یظهر أن الغلال إذا کانت من ریع الوقف،یجب صرفها في مصارف الوقف. وأما مثل الدجاج فیجب رده علی أصحابه. وهو ما أشار إلیه بقوله: ویجب علی الحاکم أمر المرتشي برد الرشوة علی الراشي. (شامي، کتاب الوقف،مطلب في تحریر حکم ما یأخذه المتولي من عوائد، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٦٧٢، کراچي ٤/ ٤٥٠- ٤٥١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور اگر کل مکانات وقف ہوگئے تو تنہا متولی قبضہ کریگا اور سب کو مکانات مسکونہ سے علیحدہ کرنے کا شرعاً اختیار ہوگا یا نہیں؟ اگر اختیار نہیں تو متولیان کو اختیارات ان سب مکانات میں کس قسم کے ہوں گے اور مکان مسکونہ خود واقف کا کس کو ملے گا ورثہ کو یا متولی کو آں حضور اس مسئلہ کے متعلق جو تحقیق ہو تحریر فرما کر سرفراز فرماویں یہ سب مکانات مسکونہ وقف کرنے سے قبل کے تعمیر کئے ہوئے ہیں چونکہ واقف کی ملکیت کے سب مکانات ہیں اور وقف نامہ میں علیحدہ نہ کیا اس لئے بغیر ذکر کئے وقف میں داخل ہوگئے اور اسی وجہ سے تحقیق کی ضرورت ہوئی کہ کیا معاملہ ورثہ سے کیا جاوے؟

الجواب: روایت مذکورۂ سوال کا صریح مقتضاء ہے کہ صورتِ مسئولہ میں یہ سب مکانات وقف ہوگئے؛ البتہ اگر ان کا استثناء ہوتا تو وقف نہ ہوتے؛ لیکن اب وقف ہونے میں کوئی تردد نہیں اور جب تبعاً للارض وقف ہیں تو شرائط مصارف میں بھی ارض کے تابع ہیں (۱) مثلاً ارض موقوفہ کے منافع اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا مساکین وغیرہم کے متعلق ہوں تو ان مکانات کو بھی کرایہ پر دیکر ان کی آمدنی ان ہی مصارف میں صرف کی جاوے گی۔ (۲)

---

(۱) **ذكر الخصاف في وقفه: إذا وقف الرجل أرضا في صحته على وجوه سماها ومن بعدها على الفقراء. فإنه يدخل في الوقف البناء والنخيل والأشجار كذا في المحيط.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز، مكتبه زكريا قديم ٣٦٣/٢، جديد ٣٥٣/٢)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث فيما يدخل في الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣٦/٨، رقم: ١١١٤٠۔

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث في بيان ما يجوز من الأوقاف ومالا يجوز، المجلس العلمي ٥٠٤/٨، رقم: ١٠٩٣٢۔

قال في الإسعاف: ويدخل في وقف الأرض ما فيها من الشجر والبناء. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعا للعقار، مكتبه زكريا ديوبند ٥٥٢/٦، كراچي ٣٦١/٤)

ويدخل الأشجار والبناء في وقف الأرض كما يدخل في البيع. (خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، فصل في ما يدخل في الوقف من غير ذكر وما لايدخل، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٠٨/٣، جديد ٢١٦/٣)

(۲) **جميع ما تحصل من الوقف من نماء وغيره من تعلقات الوقف بصرف في مصارفه الشرعية كعمارته ومستحقيه.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في ما يأخذه المتولى من العوائد العرفية، مكتبه زكريا ديوبند ٦٧٢/٦، كراچي ٤٥٠/٤)

البتہ اگر متولی کے پاس کوئی مستقل مکان کافی نہ ہو اور کرایہ دینے کے لئے گنجائش نہ ہو تو بحیثیت تولیت اپنی متوسط آسائش کے قدر کسی قطع سے منتفع ہوسکتا ہے۔(۱)

۱۹/ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی،ص ۱۵۴)

عام قبرستان میں درخت لگانے کا حکم

سوال (۱۵۰۰): قدیم ۲/ ۶۰۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجۂ ذیل میں:

نمبر۱: عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت پھلدار لگائے تو اُس درخت کا پھل ولکڑی وہ شخص اپنے مصرف میں لانے کا مستحق ہے یا نہیں اور اُس درخت کا مالک ہے یا نہیں؟

نمبر۲: بلا اجازت غارس کے عام مسلمانان اُس درخت کی لکڑی کسی میت کے تختہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

نمبر۳: اگر وہ درخت غارس کا نہیں ہے تو اُس کا پھل ولکڑی خود غارس ونیز عام مسلمانان کو کھانا ولے جانا درست ہے یا نہیں؟

نمبر٤: ان درختوں کی قیمت سے مسجد کی مرمت ہوسکتی ہے یا نہیں یا صرف قبرستان ہی پر صرف کیا جاوے؟ بینواتوجروا

---

(۱) **أما الناظر بشرط الواقف فله ما عينه له الواقف، ولو أكثر من أجر المثل كما في البحر. ولوعين له أقل فللقاضي أن يكمل له أجر المثل بطلبه.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب:المراد من العشرللمتولى أجر المثل، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٥٣، كراچي ٤/٤٣٦)

وأما بيان ماله فإن كان من الواقف فله المشروط ولو كان أكثر من أجرة المثل وإن كان منصوب القاضى فله أجر مثله. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٠٩، كوئٹه ٥/٢٤٤)

لو لم يشترط الواقف للناظر شيئا لا يستحق شيئا إلا إذ جعل له القاضى أجرة مثل عمله في الوقف فيأخذه على أنه أجرة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/٢١٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب عن الکل :اگراُس نے بہ نیت وقف لگائے ہیں تو اُس وقف کا جومصرف ہے وہی ان درختوں کا مصرف ہے اور اگر بہ نیت اپنے مالک ہونے کے لگائے ہیں تو خود اس کی ملک ہیں(۱) دوسروں کواُن سے منتفع ہونا بلا اس کے اذن کے جائز نہیں (۲) البتہ متولی قبرستان کو یا عام مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس شخص کو مجبور کریں کہ وہ ان درختوں کواُکھاڑ لے اور زمین قبرستان کو خالی کردے (۳) اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔

۱۷/شوال ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی،ص ۱۷۵)

ویران مساجد وقبرستان کا حکم

سوال (۱۵۰۱): قدیم ۲/ ۶۰۸ - (استفتاء) پُرانی دہلی میں بہت سی مساجد قدیمہ ایسی ہیں جو گردش زمانہ سے بالکل ویران ہوگئی ہیں اور قطعی طور پر غیر آباد ہیں ان میں سے اکثر پر لوگوں نے مالکانہ

---

(۱) **وفي الخانية: لو غرس الواقف للأرض شجرا فيها قالوا: إن غرس من غلة الوقف أو من مال نفسه لكن ذكر أنه غرس للوقف يكون للوقف وإن لم يذكر شيئا وقد غرس من مال نفسه يكون له ولورثته من بعده ولا يكون وقفا.** (البحر الرائق، کتاب الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ۵/ ۳۴۱، کوئٹه ۵/ ۲۰۴)

خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف،فصل : في الأشجار، مكتبه زكريا قديم ۳/ ۳۱۰، جديد ۳/ ۲۱۷۔

هندية، كتاب الوقف الباب الثاني عشر، مكتبه زكريا قديم ۲/ ۴۷۶،جديد ۲/ ۴۱۸۔

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه اشرفيه ديوبند ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچي ۶/ ۲۰۰)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶۔

(۳) **ومن غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۸۳، كراچي ۶/ ۱۹۴)

ولو غرس أو بنى في أرض الغير قُلِعَا وردت أي قلع البناء والغرس وردت الأرض الى صاحبها. (تبيين الحقائق، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۱۲، كوئٹه ۸/ ۱۱۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

تصرف کرلیا ہے اور اُن میں یا تو رہائش اختیار کرلی ہے یا مویشی باندھتے ہیں یا اُن کا چارہ از قسم بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں، بعض ایسی بھی ہیں کہ جو بالکل خالی ہیں اور اُن کو وہ لوگ جنھوں نے کہ اس زمین کو جہاں کہ وہ واقع ہیں خرید کیا ہے یا ترکہ میں پایا ہے اپنی ملکیت گردانتے ہیں پس علمائے دین متین سے یہ سوالات ہیں:

(**الف ١**) : آیا کہ مسجد کسی وقت میں کسی کی ملکیت ہوسکتی ہے یا نہیں اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملکیت بنا کر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(**الف ٢**) :اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اُس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اُس کو بطور مسجد رکھا جاوے؟

(**ب**) :پُرانی دہلی میں مقبرے قدیمہ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر کی یہی کیفیت ہے کہ جو مذکورہ بالا مساجد کی۔ ان مقبروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا؟

الجواب (**الف ١**) : **في الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام. والثاني: أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتي الحاوى القدسي. وفي رد المحتار: قوله: ولو خرب ماحوله الخ أي ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به و قد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اٰخر قوله عندالإمام والثاني فلا يعود ميراثاً ولايجوز نقل ماله إلىٰ مسجد اٰخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوىٰ حاوى القدسي وأكثر المشائخ عليه. مجتبي وهو الأوجه فتح. اھ بحر. ج٣،ص ٥٧٣ .(١)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کرسکتا۔(٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب : فيما لوخرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/ ٣٥٨ ۔

(٢) **عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت ما لا وهوعندى نفيس، فأردت أن أتصدق به.فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله،لا يباع ولا يوهب ولا يورث؛ ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر. فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن سبيل ولذى القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يوكل صديقه ←**

(**الف ٢**) : یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کی سو اس کا مدار قدرت پر ہے اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اُس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے۔ (١)

وهذا من القواعدالشرعية (ب) في الدرالمختار بعد العبارة المارة في (الف)و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما. (٢) اه

← **غير متمول به.** (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله عزوجل و ابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف:٢٧٦٤)

إن الوقف لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل الى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالى. (شامي، كتاب الوقف ٦/٥٢١، كراچي ٤/٣٣٨-٣٣٩)

ومن إتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه و لا يورث عنه. (هداية، كتاب الوقف، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/٦٣٧)

فقال محمدؒ: إذا خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أولخراب القرية أو لم يخرب؛ لكن خربت القرية بنقل أهلها واستغنوا عنه فانه يعود الى ملك الواقف أو ورثته. وقال أبو يوسف : هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى. كذا في الحاوى القدسى .(البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند:٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٦٤، رقم:١١٥١٩)

(١) عن طارق بن شهاب قال أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان،فقام إليه رجل. فقال : الصلاة قبل الخطبة.فقال قد ترك ما هنالك، فقال أبو سعيد أمّا هذا فقد قضى ما عليه،سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطيع فبقلبه،وذلك أضعف الايمان . (مسلم شريف، كتاب الإيمان،باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان الخ۔ النسخة الهندية ١/٥١، بيت الافكار رقم:٤٩)

ترمذى شريف، كتاب الفتن،باب ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، النسخة الهنديه ٢/٤٠، رقم:٢١٧٢۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٩، كراچي ٤/٣٥٩. *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

قلت: قوله: وكذا أي مثل المسجد في الحكم أي عدم عوده إلىٰ ملك أحد ويتفرع عليه الحكم المذكور في (الف ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی وہی حکم ہے جو مساجد کا مذکور ہوا۔ الف ۲ میں بھی۔

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ۲، ص ۱۷۹)

وقف کا رہن باطل ہے اور سودی قرض کی رقم کا حکم

سوال (۱۵۰۲) قدیم ۲/ ۷۰۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد کے متعلق کچھ دوکانیں ہیں ان دوکانوں کو رہن رکھ کر سود پر روپیہ لیا اور اُس روپیہ سے اول ٹین کا سائبان بنایا؛ لیکن وہ سائبان بوجہ چند وجوہ کے ناکارہ رہا پھر کچھ دنوں بعد وہ چھپر فروخت کر کے اُس کی قیمت سے سقاوہ اور فرش تیار کرایا؛ حالانکہ ہنوز دوکانیں رہن ہیں اور جو روپیہ لیا گیا تھا اُس پر برابر سود چڑھ رہا ہے تو اُس سقاوہ سے پانی لے کر وضو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اُس فرش پر جس میں سود کا روپیہ لگا ہے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ چھپر نصف قیمت پر فروخت ہوا ہے؟

الجواب: وقف کا رہن باطل ہے اس لئے یہ رہن کالعدم ہے (۱) اور جو روپیہ قرض لیا ہے وہ لینے والے کے ذمہ ہے جس طرح اپنے نام سے لیتا ہے اور اگر اپنے نام سے روپیہ لیکر سقاوہ یا فرش تیار کرایا جاتا گو اُس رقم میں سود بھی دینا پڑے تو اُس کے استعمال میں کوئی حرج نہ تھا سود دینے سے قرضہ کی رقم حرام نہیں ہوتی۔ (۲)

۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، صفحہ ۱۸۸)

---

(۱) **فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٩، كراچي ٤/ ٣٥٢)

ولا يملك الوقف بعد ما صح بإجماع ولا يوهب ولا يرهن. (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣١٩)

ولا يملك...... أفاد بمنع تمليكه وتملكه منع رهنه فلا يجوز للمتولي رهنه. قال في الخيانية: المتولي إذا رهن أرض الوقف بدين لا يصح. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٢، كوئٹه ٥/ ٢٠٥)

(۲) **وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: أنه من باب الإرفاق،** ←

غرض واقف کی رعایت ضروری

سوال (۱۵۰۳): قدیم ۲/ ٦١٠ - ایک قرآن شریف کے تیسوں پارے علیٰحدہ علیٰحدہ جلد کرا کر زید نے وقف کر دیا واسطے ایصال ثواب کے بطریقہ سنت کے کہ کسی صاحب کے یہاں حادثہ موت کا ہو گیا تو قرآن شریف پڑھوادیا جس میں سویم و بدعت نہ ہو بغیر قیود دن ونخود والا ئچی دانہ و پنج آیۃ شریفہ یعنی اگر فرصت ہوئی تو دن موت کے بھی یا اُس کی تجہیز وتکفین کے بعد یا اگلے روز ۔ اب چونکہ اہلِ بطالت و بدعت کا خیال ہوتا ہے کہ قرآن شریف مذکورہ کو سویم وغیرہ میں لے جاویں اور وقف کنندہ و اکثر مردمان کا خیال ہے کہ نہ دیں تا کہ بدعت کے کاموں کی ہمارے وقفی قرآن پاک سے تلاوت نہ ہو تو یہ دینا اچھا ہے یا نہ دینا اچھا ہے اگر چہ زید تلاوت قرآن شریف کو باعث اجر عظیم جانتا ہے؟

الجواب: تلاوت قرآن تو فی نفسہ طاعت ہی ہے عوارض سے اُس میں کراہت آ جاتی ہے اس لئے دینے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وقف کنندہ کی نیت کے خلاف نہ ہو۔(۱)

۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۱۸۸)

← **بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا ...... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافيا للعقد ويبقى القرض صحيحا ...... ومرادهم بكون القرض صحيحا والشرط باطلا: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط. يصير دينا عليه.** (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، رسالة كشف الدجى عن وجه الربا، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٦٠٠، إدارة القرآن كراچي ١٤/ ٥٣٣-٥٣٤) **شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(١) **إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، مكتبه زكريا ديوبند٦/ ٦٦٥، كراچي ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٨٥، رقم: ١٥٢)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٤٩، كراچي ٤/ ٤٣٣) **شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

مسجد میں لگے درخت کے پھل کا حکم

سوال (۱۵۰۴): قدیم۲/۶۱۰- مسجد میں اکثر ادھر کوئی درخت پھلدار لگا دیتے ہیں جو صحن مسجد میں رہتا ہے یا کسی دوسری طرف جہاں نماز کبھی بھی نہیں ہوتی ہے تو اس پھل کا کھانا تمام مصلی کو اور اہل بستی کو جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اگر کل پھل کو فروخت کرکے تعمیر مسجد میں لگایا جائے تو کیا حرج ہے اگرچہ ایک ہی آدمی درخت لگاتا ہے؛ لیکن چونکہ مسجد میں ہے اس وجہ سے تمام لوگ حصّہ دار بنتے ہیں؛ کیونکہ مسجد کسی خاص شخص کی نہیں ہوتی ہے اس لئے اہلِ محلّہ بانٹ کر کھاتے ہیں؟

الجواب: غارس سے پوچھنا چاہیے کہ کس نیت سے لگایا ہے اگر اپنے لئے لگایا ہے تو بدون اُس کے اذن کے کسی کو کھانا درست نہیں (۱) اور اگر وقف للمسمین کے لئے لگایا ہے تو سب کو کھانا جائز ہے اور اگر وقف للمسجد کے لئے لگایا ہے تو پھر اُس کو فروخت کرکے مسجد ہی میں صرف کرنا واجب ہے۔ (۲) اور درصورت نیت نفع نفسہ یا نفع للمسمین متولی مسجد کو اختیار ہے جب چاہے اُکھاڑ ڈالے۔ (۳) فقط
۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۹۹)

---

(۱) **لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه.** (قواعد الفقه، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ۱۱۰)

لایجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغضب، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۲۹۱، کراچي ٦/ ۲۰۰)

الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۸/ ۲۹٦۔

(۲) **ماغرس في المسجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبیل وهو الوقف علی العامة کان لکل من دخل المسجد من المسلین أن یأکل منها وإن غرس للمسجد لایجوز صرفها إلا إلی مصالح المسجد الأهم فالأهم کسائر الوقوف.** (البحر الرائق، کتاب الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ٥/ ۳٤۲، کوئٹه ٥/ ۲۰٥)

غرس في المسجد أشجارا تثمر إن غرس للسبیل فلکل مسلم الأکل وإلا فتباع لمصالح المسجد. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب إستاجر دارافیها أشجار، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٦٤٨، کراچي ٤/ ٤۳۲)

النهر الفائق، کتاب الوقف، مکتبهزکریا دیوبند ۳/ ۳۱۸۔

(۳) **ومن غرس في أرض غیره بغیر إذنه أمر بالقلع والرد.** (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغضب، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۲۸۳، کراچي ٦/ ۱۹٤) ←

مسجد کی زمین کے پھلوں کا حکم

سوال (۱۵۰۵): قدیم ۲/۶۱۱- مسجد کی زمین میں کچھ میوہ جات کے درخت ہیں جن کے پھل مسجد کے نمازیوں کو تقسیم کردیئے جاتے ہیں تو یہ تقسیم کردینا جائز ہے یا نہیں؟ یا فروخت کرکے مسجد کے اخراجات میں صرف کرنا ضروری ہے۔ فقط۔

الجواب: اگر بانی یا درخت لگانے والے کی نیت معلوم ہو تو اُس کے موافق حکم ہوگا اور اگر کچھ معلوم نہ ہو تو بوجہ عرف کے نمازیوں کو تقسیم کردینا درست ہوگا۔ (۱)

۵/ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اوّل، ص ۱۳۱)

← **ولو غرس أو بني في أرض الغير قُلعَا أو رُدَّتُ أي قلع البناء والغرس وردت الأرض إلى صاحبها.** (تبيين الحقائق، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٣٢٩، إمدادية ملتان ٥/٢٢٩)

البحر الرائق، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند٨/٢١٢، كوئٹه ٨/ ١١٧ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرتؒ کا استدلال ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ما غرس في المسجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها وإن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف، وكذا إن لم يعلم غرض الغارس. (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٤٢، كوئٹه ٥/٢٠٥)

النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣١٨۔

غرس في المسجد أشجاراتثمر إن غرس للسبيل فلكل مسلم الأكل، وإلا أي وإن لم يغرسها للسبيل بأن غرسها أولم يعلم غرضه فتباع لمصالح المسجد. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب استأجر دارا فيها أشجار، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٤٨، كراچي ٤/٤٣٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی رقم سے سین بورڈ لگوانا

سوال (۱۵۰۶): قدیم ۲/۶۱۱- دروازہ مدرسہ اسلامیہ سنبھل پر ایک تختہ پر مدرسہ کا نام لکھ کر لگایا گیا ہے وہ سڑک ریل پر واقع ہے۔ تختہ اس واسطے لگایا گیا ہے کہ ہر شخص اُس کو سمجھ لے کہ یہاں مدرسہ ہے شاید کچھ نفع ہو بعض صاحبان کی یہ رائے ہے کہ یہ کام مدرسہ کا نہیں ہے اس واسطے اس کی قیمت مدرسہ کی آمدنی سے دینا جائز نہیں ہے جناب والا کا کیا ارشاد ہے؟

الجواب: فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش ونگار مال وقف سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے (۱) پس اسی نظیر پر صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس تختہ کی تعلیق سے مدرسہ کو کوئی بیّن نفع ہو تو مال مدرسہ کا لگانا اِس میں جائز ہے اور اگر کوئی معتد بہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اُس کے دام دینا چاہیے۔

۹/ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل وثانی، ص ۱۸)

---

(۱) **ولابأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب وقوله: لابأس يشير إلى أنه لايؤجر عليه لكنه لايأثم به وقيل هو قربة وهذا إذا فعل من مال نفسه أما المتولي يفعل من مال الوقف مايرجع إلى أحكام البناء دون مايرجع إلى النقش حتى لوفعل يضمن.** (هداية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱٤٤)

هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني: فيما يكره في الصلاة ومالايكره، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۰۹، جديد ۱/ ۱٦٨ـ

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٥- ٦١٦ـ

ويجوز نقشه بالجص وماء الذهب إذاتبرع به إنسان سوى جدار القبلة، وأما المتولي فلايفعل من مال الوقف إلا ما يرجع إلى أحكام البناء حتى لوجعل البياض فوق السواد للنقاء ضمن. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۹۰)

ولايكره نقش المسجد وهو المذكورفي الجامع الصغير بلفظ لابأس به...... قال المصنف في الكافي: وهذا إذافعل من مال نفسه أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش فلوفعل ضمن حينئذ لما فيه من تضييع المال. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦٤- ٦٥، كوئٹه ۲/ ۳٦- ۳۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

سوال (۱۵۰۷): قدیم ۲/۶۱۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بازار میں تھی جب سرکار وقت کو ترتیب جدید اس بازار کی منظوری ہوئی بازاری مسلمانوں کو رضا مند کر کے وہ مسجد منہدم کرا دی اور اس کا ہرجہ یعنی قیمت اثاثہ وز مین مسلمانوں کو دی کہ بعوض اُس کے دوسری مسجد بنوالیں۔

مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے اہتمام سے بنوائینگے تو روپیہ تلف ہو جائے گا سرکار اپنے انتظام سے بنوا دے سرکار نے موافق اجازت اور مرضی مسلمانوں کے باہتمام رئیس مسلمانان وہ مسجد اُس روپیہ سے بنوادی اور رئیس مذکور نے بھی اپنے پاس سے کچھ روپیہ اُس میں شامل کیا۔ بعد تیار ہو جانے کے سرکار کو اُس سے کچھ تعلق نہ رہا بالکل قبضہ و دخل و اہتمام مسلمانوں میں آگئی جیسے کہ اور مساجد ہیں اور نماز جماعت بھی اُس میں بکثرت تمام ہوتی ہے اور مسجدوں سے بہت زائد بلکہ مغرب کے وقت گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اب یہ مسجد شرعاً مسجد صحیح ہے یا غیر صحیح اور نماز اس میں جائز ہے یا نہیں اور ثواب مثل اور مساجد صحیحہ کے ہوگا یا نہیں اور بباعث اِس کے کہ روپیہ ہرجہ کا سرکار انگریزی نے دیکر وہ مسجد باہتمام اپنے گو بکارکنی رئیس مسلم ہو تیار کرائی ہے مسجدیت میں کچھ نقصان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: وہ مسجد شرعاً بالکل صحیح ہے۔(۱)

---

(۱) اگر پہلی مسجد کی زمین جو حدود مسجد میں تھی بازار میں شامل کر لیا ہے تو یہ ناجائز عمل تھا؛ اس لئے کہ ایک دفعہ بن جانے کے بعد وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے اس جگہ کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں؛ لیکن منجانب سرکار جبر ہو تو مجبوری ہے۔

ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليد خله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لايسعهم ذلك. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٥٧، جديد ٢/٤١٠)

الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي و العشرون في مسائل وقف المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٦٢، رقم: ١١٥١١ ـ ←

اور اسہل توجیہ اِس کی یہ ہے کہ وقت بناء وہ محض ایک مکان تھا؛ لیکن بعد بناء جب مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں نے اس کو عملاً وقف کردیا وقف ہوکر مسجد تام ہوگئی (۱) اور دوسری توجیہات بھی ممکن ہیں مگر یہ سب سے سہل اور واضح ہے۔ واللہ اعلم

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (حوادث ا و ۲، ص ۷۳)

← **ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلو ذلك المسجدله، ليدخل هو داره، ويعطهم مكانه عوضا عما خير اله، فيبيع منه أهل المحلة قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك.** (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد، المجلس العلمي ١٢٧/٩، رقم: ١١٣٤٥)

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي وتحته في الشامية فلا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوايصلون فيه أولا وهو الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيمالوخرب المسجدأوغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٨/٦، كراچي ٣٥٨/٤)

قال أبويوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لايعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٣٢١/٥، كوئٹه ٢٥١/٥)

(١) **وللمسلين أن يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصي ببنائه أو ترميمه إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني أو سياسي الخ.** (تفسير مراغي سورة التوبة تفسير الآية: ١٧، الجزء العاشر، مكتبه تجارية ٧٤/٤)

ولو أن ذميا أوصي بأن يشتري من ثلث ماله رقابا...... ولو أوصي بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين، أو يبنى به مسجد للمسلين إن كان ذلك لقوم بأعيانهم صحت الوصية وتعتبر تمليكا لهم، وكانوا بالخيار إن شاء وا، حجوا به وبنوا المسجد وإن شاء وا لا. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن في وصية الذمي والحربي، مكتبه زكريا ديوبند قديم، ١٣١/٦-١٣٢، جديد ١٥٢/٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سرکار کا مسجد منہدم کر کے اس کے عوض دوسری مسجد تعمیر کرانا

سوال (۱۵۰۸): قدیم۲/۶۱۲ - ایک مسجد سرکار انگریزی نے بمشورہ ورضا مندی عوام مسلمانان بازاریوں کے نہ خواص شہر کے بضرورت تعمیر دکانات کے منہدم کرادی اوراس کے ہرجہ کا روپیہ بلکہ کچھ زیادہ اپنے پاس سے مسلمانوں کو کہ بعوض اس کے دوسری مسجد تعمیر کرالیں مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے یہاں کے لوگ روپیہ تلف کر ڈالیں گے سرکار ہی خود اپنے اہتمام سے تعمیر کرادے اور بعض مسلمانوں نے بھی کچھ روپیہ اپنے پاس سے بطور چندہ شامل کیا سرکار نے بعوض اُس مسجد منہدمہ کے دوسری مسجد دوسرے مقام پر اُس روپیہ سے بایماء عوام مسلمانان تعمیر کرادی اوراپنا تعلق بالکل اُس مسجد سے قطع کر دیا اور مثل مسجد سابق منہدمہ کے مسلمانوں کو اُس مسجد میں قبض ودخل وتصرف حاصل ہوگیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ مسجد شرعاً بحکم مسجد ہے یا نہیں؟ اور نماز اُس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز اگر جائز ہے تو بکراہت جائز ہے یا بلا کراہت؟ اُس میں نماز پڑھنے والے کو ثواب مسجد کامل کا ملے گا یا نہیں؟ اور مسجد منہدمہ کا اثاثہ اور سامان بالائی اور زمین کا عوض مسلمانوں کو سرکار رِوقت غیر اہل اسلام یا اہلِ اسلام یا کسی اور شخص سے جو ظلماً مرتکب اس فعل قبیح کا ہو بجبر یا بلا جبر لینا درست ہے؟

الجواب: یہ جزئی نظر سے نہیں گزری اس لئے اس کی ایک نظیر یا کلی نقل کرتا ہوں۔

في الدر المختار: متى ثبت بطريق شرعي وقفية مكان وجب نقض البيع. وفي رد المحتار: لو هدم المشترى البناء إن شاء القاضي ضمن البائع قيمة البناء فينفذ بيعه أوضمن المشترى ولا ينفذالبيع ويملك المشترى البناء بالضمان ويكون الضمان للواقف لاللموقوف عليهم. اه والمراد بالبناء نقضه وهذا إذا لم تمكن اعادته وإلا أمر بإعادته كما سنذكره في الغصب جلد ثالث، ص: ٦٥٦ و ص: ٦٥٧. (١) في الدرالمختار: في أحكام الاستبدال ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها وإن لم يذكرها اه. جلد مذكور، ص ٥٩٩ وص ٦٠٠. (٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب إذا هدم المشتري أو المستأجر دارالوقف ضمن، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٦٧، كراچي ٤/٤٤٦-٤٤٧۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، مكتبه زكريا ديوبند٦/٥٨٣، كراچي ٤/٣٨٥۔

اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہادم مسجد سے اولاً مطالبہ ہوگا کہ اُسی کا اعادہ بعینہ کرے(۱) اور جہاں یہ قدرت نہ ہوتو اُس سے ضمان لیا جائے گا خواہ قیمت ملے یا دوسری تعمیر وہ سب ضمان ہے(۲) اور ضمان بدل ہوتا ہے مضمون کا اور بدل کا حکم مبدل منہ کے ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ دوسری مسجد من کل الوجوہ مسجد ہوگی۔(۳)

---

(۱) **هدم حائط مسجد يؤمر بتسويته وإصلاحه كذافي القنية.** (هندية، كتاب الغصب، الباب الثالث: فيما لايجب الضمان باستهلاكه، مكتبه زكرياديوبند قديم ١٢٩/٥، جديد ١٥١/٥)

أهل المسجد تقدموا إلى أهل النهر بإصلاح النهر فإن لم يصلحوا حتى انهدم حائط المسجد وانكسر ضمنوا مرمة ما انهدم. (خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا، مكتبه زكريا قديم ٢٩٢/٣، جديد ٢٠٤/٣)

من هدم حائط غيره فإنه يضمن نقصانها ولا يؤمر بعمارتها، إلا في حائط مسجد كما في كراهة الخانية. (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ٤٤٢/٢، رقم: ١٧١٠)

(۲) **إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لاسيما في ديارنا لمداومتهم في الحقوق.** (شامي، كتاب الحجر، قبيل مطلب: تصرفات المحجور بالدين كالمريض، مكتبه زكريا ديوبند ٢٢١/٩، كراچي ١٥٠/٦)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٦٠٦/٩، كراچي ٤٢٢/٦۔

الفقه الإسلامي وأدلته، الحدود، الفصل الثالث حدالسرقة، المبحث الثاني: مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٦٧/٦-٦٨۔

(۳) جو مسجد منہدم کردی گئی وہ بھی مسجد ہونی چاہئے؛ کیونکہ کسی جگہ جب ایک بار مسجد بن جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہتی ہے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے؛ لیکن سرکار کے استیلاء کی وجہ سے مسلمانوں کے اختیار سے باہر ہو جائے تو مجبوری ہے۔

ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولايسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لايسعهم ذلك. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكرياديوبند قديم ٤٥٧/٢، جديد ٤١٠/٢)

الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون، في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ١٦٢/٨، رقم: ١١٥١١۔ ←

اور نماز اُس میں بلا کراہت جائز ہے اور ثواب بھی اُس میں کامل ملے گا اور مسجد اول منہدم کا تخمینہ ضمان جس قدر ہوتا ہے اگر دوسری مسجد میں ہادم کا اِس قدر صرف نہیں ہوا تو بقدر تکمیل کمی کے ہادم سے ضمان کا مطالبہ باقی ہے خواہ اثاثہ وسامان سے پورا کرے یا نقداً اُس سے لیا جاوے اور اگر بقدر تخمینہ ضمان صرف ہو گیا ہے تو اب سامان کا مطالبہ جبراً نہیں پہنچتا ہے اگر بخوشی درخواست کرنے سے مل جائے تو مضائقہ نہیں اور باقی جو کافر ابتداءً مسلمین کے لئے مسجد بنائے وہ مسجد نہیں ہے۔(۱)

← المحيط البرهاني، كتاب الوقف الفصل الحادي والعشرون، فيمسائل وقف المساجد، المجلس العلمي ٩/١٢٧، رقم: ١١٣٤٥۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقي مسجدا عندالإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى وتحته في الشامية: فلايعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف مطلب فيمالو خرب المسجدأوغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

قال أبويوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ما له إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهوالفتوى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

(۱) حضرتؒ نے جو فرمایا ہے کہ غیر مسلم کافر کی بنائی ہوئی مسجد شرعاً مسجد نہیں ہے، اور آخر میں حضرتؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اس کے خلاف صراحت مل جائے تو استنباط پر صریح مقدم ہے، تو عرض یہ ہے کہ اس بات کی صراحت مل گئی ہے کہ غیر مسلم کافر نے مسلمانوں کے لئے جو مسجد بنائی ہے وہ شرعاً مسجد ہی ہوگی اور جواب ۱۵۰۷-۱۵۰۸ بھی ملاحظہ ہو:

وللمسلين أن يقلبو من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصي ببنائه أو ترميمه إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني أو سياسي ألخ. (تفسير مراغي ٤/٧٤، بحواله محمودية ميرٹھ ٢٢/١٢٣)

ولو أن ذميا أوصي بأن يشتري من ثلث ماله رقابا...... ولوأوصي بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين، أو يبنى به مسجد للمسلين إن كان ذلك لقوم بأعيانهم صحت الوصية وتعتبر تمليكا لهم، وكانوا بالخيار إن شاء وا، أحجوا به وبنوا المسجد وإن شاء وا لا. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن في وصية الذمي والحربي، مكتبه زكريا ديوبند قديم، ٦/١٣١-١٣٢، جديد ٦/١٥٢)

لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عند ناو عندهم. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣١٦، كوئٹه ٥/١٩٠) ←

كما في باب وصية الذمي من الهداية ومنها إذا أوصىٰ بما يكون قربة في حقنا ولايكون قربة في معتقدهم كما إذا أوصى بالحج أو بأن يبني مسجداً للمسلمين أو بأن يسرج في مساجد المسلمين وهذه الوصية باطلة بالإجماع اعتباراً لاعتقادهم. اه (١)

اگر کہیں اس کے خلاف تصریح مل جائے تو صریح مقدم ہے مستنبط پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

٢/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی، ص ۹۷)

اسی قسم کا ایک سوال باب الوقف پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ (امداد ثانی، ص ۹۷)

غیر مسلم حاکم کو وقف میں تصرف کا حق حاصل نہیں

سوال (۱۵۰۹): قدیم ۲/۶۱۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص اپنے بعد کوئی وقف جائداد بغرض نذر نیاز وخیرات وغیرہ وصیتاً چھوڑ جائے تو اس میں انتظامی طور پر اس وقت کی گورنمنٹ اگر کوئی قانونی کارروائی سے دست انداز ہو تو کس حد تک درست ہوسکتا ہے یا اگر متولی یا سجادہ خانقاہ وغیرہ اس میں بیجا تصرف کریں تو کس شخص کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے اور کن کن شرائط کے ساتھ؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر واقف نے خود کسی کو متولی مقرر کیا ہے اور وہ تولیت کا اہل بھی ہے تو اُس کے ہوتے ہوئے بلکہ اس کے وصی کے ہوتے ہوئے بھی کسی کو وقف میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں حتیٰ کہ قاضی یعنی حاکم شرعی بھی اُس سے مؤخر ہے۔

وفي الفتاوى الصغرى الرأي للواقف لا للقاضي فإن كان الواقف ميتا فوصيه أولىٰ من القاضي، فإن لم يكن أوصى فالرأي للقاضي. اه بحر. ومفاده أنه لايملک التصرف في الوقف مع وجود المتولى (إلىٰ قوله) فأفاد أن ولاية القاضي متأخرة من المشروط له و وصيه. اه رد المحتار ج٣، ص ٢٣٥. (٢)

← ممجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٨۔

(١) هداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٦٨٩۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) شامي، كتاب الوقف، مطلب: التولية خارجة عن حكم سائر الشرائط، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٣٦، كراچي ٤/ ٤٢٣۔ ←

اور اگر اُس واقف کا یا اُس کے وصی کا مقرر کیا ہوا کوئی متولی نہیں ہے تو اُس وقت قاضی یعنی حاکم شرعی کو کوئی متولی مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

في الدرالمختار: كتاب الوقف، ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي. اه مختصراً. (١)

اور قاضی کے شرائط میں ایک شرط اُس کا مسلم ہونا بھی ہے۔

كما في الدرالمختار: وأهله أهل الشهادة. وفي رد المحتار: وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في قذف شروط لصحة توليته و لصحة حكمه بعدها. ج:۴، ص:۴۶۲-۴۶۳. (٢)

← **وفي الفتاوى الصغري: إذامات المتولي والواقف حي فالرأي في نصب قيم آخر إلى الواقف لاإلى القاضي، فإن كان الواقف ميتا فوصيه أولي من القاضي، فإن لم يكن أوصي إلى أحد فالرأي في ذلک إلى القاضي، فأفاد أن ولاية القاضي متأخرة عن المشروط له ووصيه.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٨٩، كوئٹه ٥/٢٣٢)

وفي الأشباه في قاعدة الولاية الخاصة أقوى من الولاية العامة بعدأن ذكر فروعا، وعلى هذا لايملک القاضي التصرف في الوقف مع وجود ناظرولومن قبله. (شامي، كتاب الوقف، مطلب: لايملك القاضي التصرف في الوقف مع وجود الناظرولومن قبله، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٠، كراچي ٤/٣٧٤)

الأشباء والنظائر، القاعدة السادسة عشر: الولاية الخاصة أقوى من الولاية العامة، مكتبه زكريا قديم ص:٢٣٢، جديد ١/٣٩٧۔

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند٦/٦٣٣-٦٣٦، كراچي ٤/٤٢١-٤٢٤۔

ولو مات المتولي بلاتفويضها إلى غيره فالرأي في نصب المتولي إلى الواقف، ثم إلى وصيه، ثم إلى القاضي، (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٣)

بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثاني: في نصب المتولي وما يملكه أولا، مكتبه زكريا جديد ١٣٣/٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٥١۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب القضاء مطلب: الحكم الفعلي، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٢٣-٢٤، كراچي ٥/٣٥٤۔ ←

اور اگر حاکم مسلم موجود نہ ہوتو پھر عامہ ثقات مسلمین کو متولی منتخب کرنے کا حق شرعاً حاصل ہے۔

في رد المحتار: ثم عن التاتارخانية ماحاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا علیٰ نصب رجل متولياً لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح؛ ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي؛ ثم اتفق المتاخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضی في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف. الخ ج:٣، ص:٦٣٣. (١) قلت فلما جاز نصب المسلمين متوليا مع وجود القاضی لبعض العوارض فكيف مع عدم القاضی.

اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہوخواہ وہ واقف کا مقرر کیا ہوا یا قاضی کا یا عامۂ مسلمین کا اُس کو معزول کردینا واجب ہے اور یہ حق معزول کردینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔

← **وأهله من هو أهل للشهادة وشرط أهليته أي القضاء شرط أهليتها أي الشهادة من العقل والبلوغ والإسلام والحرية وغيرها.** (مجمع الأنهر، كتاب القضاء، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢١١)

أهله أي القضاء أهل الشهادة...... وشرط أن يكون من أهل الشهادة لأن كلا منهما يستمد من أمر واحد هو شروط الشهادة من الإسلام والتكليف والحرية وكونه غير أعمى ولا محدودا في قذف ولا أصم ولا أخرس. (النهرالفائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٥٩٦)

(١) شامي، كتاب الوقف، مطلب: الأفضل فيزماننا نصب المتولي بلا إعلام القاضي، وكذا وصي اليتيم، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٣٤، كراچي ٤/٤٢٢۔

وفي مجموع النوازل سئل شيخ الإسلام عن أهل مسجد اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح مسجدهم فتولى ذلک باتفاقهم هل يصير متوليا مطلق التصرف في مال المسجد على حسب مالو قلده القاضي؟ قال:نعم،قال مشايخنا المتقدمون يجيبون عن هذه المسألة ويقولون: نعم، والأفضل أن يكون ذلک بأمر القاضي، ثم اتفق المشايخ المتأخرون وأستاذنا على أن الأفضل أن ينصبوا متوليا ولايعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٨٠، رقم: ١١٥٧١)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد، المجلس العلمي ٩/١٣٩، رقم: ١١٣٩٢۔

في الدرالمختار: وينزع وجوبا لو الواقف، فغيره بالأولىٰ غير مأمون أوعاجزا أوظهر به فسق. الخ مختصراً. في رد المحتار: مقتضاه أثم القاضي بتركه. الخ ج:٣، ص: ٥٩٤. (١)

اوراوپر معلوم ہو چکا کہ عامۂ مسلمین بجائے قاضی کے ہیں اس لئے اگر قاضی نہ ہوتو عامۂ مسلمین کو یہ حق معزول کرنے کا حاصل ہے لیکن اگر عامۂ مسلمین بذاتِ خود اپنے اِس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قانوناً قادر نہ ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ حکامِ وقت سے استعانت کریں اور اُن سے درخواست کرکے متولی صالح کومقرر کراکر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں پس یہ متولی صالح شرعاً مسلمین کی طرف سے ہوگا۔ اورقانوناً حکام وقت کی طرف سے ہوگا۔

قياساً لهذه الاستعانة على الاستعانة بالمتولى غير المسلم كما في رد المحتار وشرط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه كما في الإسعاف الخ ج:٣،ص :٥٩٥ (٢) واللہ اعلم

۱۲/ ربیع الثانی ص ۱۳۳۲ھ (حوادث اوّل وثانی ص ۱۳۵)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧٨/٦، كراچي ٣٨٠/٤۔

ويعزل القاضي الواقف المتولي على وقفه لو كان خائنا كما يعزل الوصي الخائن نظرا للوقف واليتيم، ولا اعتبار بشرط الواقف أن لايعزله القاضي والسلطان لأنه شرط مخالف لحكم الشرع فبطل، واستفيد منه أن للقاضي عزل المتولي الخائن غير الواقف بالأولى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٤١١/٥، كوئٹه ٢٤٥/٥)

وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه صح وينزع لوخائنا وإن شرط أن لاينزع (كنز) تحته في النهر: يجب على الحاكم نزعه إذاكان خائنا غيرمأمون على الوقف وكذا لوكان عاجزا نظراللوقف وصرح بأن مما يخرج به الناظرما إذا ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه كذا في الفتح. (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣٢٧/٣)

ولو شرط الواقف الولاية لنفسه وكان خائنا ينزع منه أي يعزل القاضي الواقف المتولي على وقفه وإن شرط الواقف أن لاينزع لأنه شرط مخالف للحكم الشرعي فيبطل ......وفي البزازية إن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن، ولاشك فيه. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٦٠٢/٢)

(٢) شامي، كتاب الوقف، مطلب: في تولية الصبي، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧٩/٦، كراچي ٣٨١/٤۔ ←

مملوکیت پر وقف کے احکام کی تحقیق

سوال (۱۵۱۰): قدیم ۲/ ٦١٥ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس کے واقعات یہ ہیں کہ حضرت غلام قاسم صاحب قادری کو زمانۂ سجادگی میں سرکار سے ایک جاگیر عطا ہوئی اس کی سند دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معطی کی غرض اعطاء جاگیر سے مقبرہ کے عود وگل وغیرہ کے مصارف ہیں نہ معطی لہ یعنی غلام قاسم صاحب کے ذاتی مصارف۔ اس سے معلوم ہوا کہ عطاء جاگیر بطور تملیک نہیں ہے بلکہ محض بطور اعانۃ علی الخدمۃ بلا تملیک ہے پھر یہ جاگیر مع سجادگی و جملہ اوقاف میرے والد کی طرف منتقل وتفویض ہوئی ایک زمانہ میرے والد جاگیر وغیرہ پر قابض رہے میں ابھی حمل میں ہی تھا کہ میرے والد اس عالم سے چل بسے اپنے انتقال کے پہلے حاضرین کے سامنے اپنے علاتی بھائی مسمی سید محمد مرتضٰی صاحب کو وصیت فرمائی کہ اگر میرے گھر لڑکا ہو تو یہ جاگیر مع سجادگی و جملہ اوقاف اُس نو مولود بچہ کو تفویض کرنا۔ تو میرے علاتی چچا سیّد محمد مرتضٰی صاحب نے اس وصیت کو قبول فرمایا۔ خدا کی شان جب میں پیدا ہوا تو چچا صاحب نے خیال فرمایا کہ جو کچھ غیب سے ملا ہے وہ اوگلنا پڑے گا اس لئے اپنی ذاتی وجاہت سے صغرسنی میں میری حکام وقت کو دھوکا دیکر اپنے اور اپنے فرزندوں کے نام جاگیر مذکور کی جدید سند کرالی صرف سجادگی بعد سن شعور واپس کی۔ اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ کیا وصی کو وصیت میں خلاف منشاء موصی اسی طرح تغیر کر کے کچھ وصیت پورا کرنا یعنی سجادگی مجھ کو دینا اور کچھ وصیت کو طاق نسیاں پر رکھنا یعنی جاگیر وغیرہ کو آں جناب کا ہضم کر لینا باوجود موصی لہ یعنی میرے مطالبہ کے مجھ کو نہ دینا از روئے شرع شریف جائز ہے؟ اور حکام وقت کا دھوکا کھا کر سیّد محمد مرتضٰی صاحب کے نام جدید سند کر دینا کیا قابلِ اعتبار ہے؟ اور یہ اعطاء جدید لمن کتب اسمہ في الدیوان کا کیا مصداق ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ اس کا جواب مع روایت فقہی سرفراز ہو؟

← **ولاتشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠)

البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٧٨، كوئٹہ ٥/ ٢٢٦-

وأجاز الحنفية أن يكون الناظر ذميا وأن الإسلام ليس بشرط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: معطی کی اگر وہ ملک تھی تو اُس میں کارکن وغیرہ مقرر کرنے کا حق اُسی کو حاصل ہے(۱) البتہ اگر معطی نے اس معطی لہ کو اس کا بھی اختیار دیدیا تھا یا اختیار تو نہ دیا تھا مگر اُس کے اس فعل کو جائز رکھا تو یہ تصرف معطی لہ کا صحیح ہوگا (۲) لیکن مالک کے حق میں یہ لازم نہیں ہوا یعنی معطی مالک اسے بدل بھی سکتا ہے پس معطی کو اختیار ہے خواہ موصیٰ لہ کو انتظام سپرد کردے خواہ قابض کو اور خواہ کسی تیسرے کو اور خواہ جاگیر ہی کو انتزاع کرلے اور اگر یہ جاگیر بطور وقف کے دی ہے اور معطی لہ متولی ہے تو متولی کو متولی ہونے کی حیثیت سے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرنے کا اختیار شرعاً حاصل نہیں ہوتا بلکہ اولاً واقف کو اور اُس کے بعد اُس کے وصی کو اور وہ نہ ہو تو حاکم کو اختیار ہوتا ہے؛ البتہ اگر متولی کو واقف نے یہ بھی اختیار دیا تھا کہ کسی کو متولی مقرر کرے تو اُس وقت اُس کا یہ فعل بھی جائز ہوگا۔(۳)

---

(۱) **كل يتصرف في ملكه كيف شاء.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه إتحاد ديوبند ١/٦٥٤، رقم: ١١٩٢)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، مكتبه رشيد ص ٧)

المالک للشئ هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيئته. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: وأما بيان مايبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٣٨)

(۲) **الوكيل يتصرف بولاية مستفادة من قبل المؤكل فيلى من التصرف قدرماولاه.** (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٢٦۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل. (شامي، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند٣/١٧٩، كراچي ٢/٢٦٩)

تصرفات الفضولي التي لها مجيز حالة العقد منعقدة موقوفة على إجازة المجيز من البيع والإجارة والنكاح والطلاق ونحوها، فإن أجاز ينفذ وإلا فيبطل. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، بيان مايرجع إلى النفاذ الملك والولاية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٤٣)

(۳) **وإذا أراد المتولى أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لايجوز إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم، هكذا في المحيط.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤١٢، جديد ٢/٣٨٢)

البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٨٨، كوئٹه ٥/٢٣٢۔

الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٦٢، رقم: ١١٢٠٩۔

إن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته، وإن لم يشترطها وأن له عزل المتولي. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبة زكريا ديوبند ٥/٣٨٦، كوئٹه ٥/٢٣١) ←

لیکن اس صورت میں تبدیل وعزل کا واقف کو اختیار حاصل ہوگا (۱) پس صورتِ مسئولہ میں معطی واقف ہے تو اب مدار تولیت کا وصیت متولی پر نہ رہے گا واقف یا وصی واقف کو اختیار ہوگا خواہ قابض کو رکھے خواہ موصیٰ لہ کو پس مدار اُس کے اختیار پر ہوگا (۲) اور یہ سب اُس وقت ہے کہ جب وہ جاگیر زمین کا رقبہ ہو ورنہ اگر رقبہ دوسرے شخص کی ملک ہو اور معطی نے صرف اُس کا سرکاری محصول معطیٰ لہ کو وصول کر کے خرچ کرنے کی اجازت دی ہو تو اُس میں یہ وصیت وغیرہ سب باطل ہے غیر مملوک وغیرہ مقبوض میں کوئی تصرف ہی جائز نہیں۔ (۳)

في الدر المختار: ولاية نصب القيم إلىٰ الواقف، ثم لوصيه ثم للقاضي وفيه إرادة المتولي إقامة غيره مقامه في حياته إن كان التفويض له بالشرط عاما صح ولايملك عزله وإلا لاوانظر مايتعلق به في رد المحتار (ج ۳ص: ٦۳۳ تا ٦۳۷) (۴).

٦/ شعبان ۱۳۳۳ھ۔

← شامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٣٣-٦٣٤، كراچي ٤/٤٢١.

(۱) **إذامات المتولي والواقف حي، فالرأي في نصب قيم آخر إلى الواقف لاإلى القاضي وإن كان الواقف ميتا فوصيه أولي من القاضي فإذالم يكن أو صي إلى أحد فالرأي في ذلك إلى القاضي.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف إلخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤١١، جديد ٢/٣٨٢)

البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٨٩، كوئٹه ٥/٢٣٢۔

مات المتولي والواقف حي، فالرأي في النصب إلى الواقف لاالحاكم، وبعد موت الواقف الرأي إلى وصيه لا إلى الحاكم، وإن لم يكن له وصي، فالرأي الآن إلى الحاكم. (بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في نصب المتولي وما يملكه أولا، مكتبه زكريا ديوبند، جديد ٣/١٣٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٥١)

(۲) **لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، اشرفية ديوبند ص: ١١٠)

لايجوز التصرف في مال غيره بلاإذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٩١، كراچي ٦/٢٠٠)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/٢٩٦۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٦٣٣-٦٣٨، كراچي ٤/٤٢١-٤٢٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متولی کی اجازت کے بغیر غائب ہونے والے امام کی تنخواہ کے متعلق سوالات

سوال (١٥١١): قدیم ٢/ ٦١٧- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید واقف نے ایک جائداد مصارف و وارد و صادر مسجد کے واسطے وقف کی اُس کے بعد ورثہ متولیان کی غفلت سے وہ رہن وغیرہ ہو کر نیلام وبیع ہوگئی اور ایک عرصہ تک بقبضہ مشتری نیلام ودیگر مشتریان رہی من بعد بار جاع نالش منجانب مسلمانان وہ کل جائداد مسجد کو واپس ہوئی اور عدالت نے اُس کے اہتمام وانتظام کے لئے جدید متولیان مقرر کئے تاکہ آئندہ وہ خطرۂ زوال سے محفوظ رہے اور قواعد وضوابط درباره انتظام مقرر کر دیئے متولیان نے منجملہ دیگر انتظامات کے خالد کو امام تنخواہ دار واسطے پڑھانے نماز پنجگانہ و جمعہ وغیرہ کے مقرر کیا۔ اب جب امام مذکور کو ضرورت اپنے خانگی کام کی ہوتی ہے تو وہ باوجود تنخواہ دار ہونے کے بعض وقت بلا اجازت اور اکثر ایام میں اجازت متولیان سے غیر حاضر ہو جاتا ہے اُس کی غیر حاضری میں بعض وقت بلا تقرر متولیان کوئی غیر شخص نماز پڑھا دیتا ہے اور اکثر وقت میں مقرر کردہ متولیان شخص عوضی نماز پڑھاتا ہے اب اس کیفیت کے بعد سوالات مفصلہ ذیل کا جواب شرعی مطلوب ہے تاکہ متولیان اس پر کاربند ہوں۔

نمبر١: خالد امام مقرر کردہ متولیان تنخواہ دار اُس وقت یا اُن ایام کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں جس وقت یا جن ایام میں بلا اجازت متولیان وہ غیر حاضر رہا ہے؟

نمبر٢: خالد امام تنخواہ دار اگر ذریعۂ درخواست رخصت اجازت لیکر غیر حاضر رہے تو اُن ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا شرعاً وہ مستحق ہے یا نہیں؟

نمبر ٣: جو شخص بلا اجازت متولیان خالد امام مذکور کے بجائے ایام غیر حاضری میں نماز پڑھائے تو خالد امام مذکور اُن ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

نمبر٤: جو شخص بلا اجازت متولیان اور بہ اجازت خالد امام ایام غیر حاضری خالد امام صاحب میں نماز پڑھائے تو خالد امام کو اُن ایام کی تنخواہ پانے کا حق ہے یا نہیں؟

نمبر٥: متولیان نے امام کی غیر حاضری میں کسی شخص کو تنخواہ دار عوض امام مقرر کیا تو امام صاحب ان ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کے مستحق ہوں گے یا دیگر عوض مقرر کردہ؟

نمبر٦ : ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ کمیٹی متولیان میں یہ قانون پاس ہوا تھا کہ آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا ہے کہ رخصت اتفاقیہ ایک سال کے اندر دس یوم سے زیادہ نہیں مل سکتی خواہ اس دس یوم کو کوئی ملازم متفرق طور سے حاصل کرے یا ایک دفعہ اور دیگر اقسام رخصت کی اگر کسی ملازم کو ضرورت ہو تو بوضع تنخواہ وبمنظوری کمیٹی متولیان حاصل کر سکے گا سو یہ قاعدہ مقرر کردۂ متولیان شرعاً قابل نفاذ ہے یا نہیں اور جو دس یوم قانون مذکور کے موافق رخصت میں شمار کئے جاتے ہیں شرعاً اُن ایام کی تنخواہ امام کو لینا اور متولیان کا دینا کیسا ہے۔ ان کا جواب مع دلائل وعبارت کتب فقہ معتبرہ مفتیٰ بہ ارقام ہو؟ بینوا توجروا

الجواب : چونکہ فتویٰ جواز استیجار علی الامامۃ پر ہے امام کو اجیر کہا جاوے گا اور اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں جو شروط مباحہ موافقہ للشرع مقرر کرلی جاویں وہ لازم اور مدار احکام ہو جاتی ہیں (۱) اور جن شروط کی تصریح نہ ہو اُس میں بقاعدۂ المعروف کالمشروط (۲) اُس عمل کے متعلق جو عرف ہو اُس کا اعتبار رہو گا۔ پس جو شرائط وضوابط سوال نمبر: ٦ ؍ کے ذیل میں مذکور ہیں چونکہ اُن کی تصریح کردی گئی ہے اور اُن میں سے کوئی شرط خلاف شرع نہیں ہے اس لئے وہ شروط تو بعینہا لازم اور نافذ ہیں اُن کی مخالفت کرنے کی صورت میں امام مستحق تنخواہ کا نہیں ہے اگر آمدنی وقف میں سے دی جائے گی یا لی جاوے گی آخذ ومعطی دونوں گنہگار رہوں گے اور جو بعض صورتیں دوسرے بعض نمبروں میں مذکور ہیں:

---

(۱) **عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.** (ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲)

يعتبر ويراعي كل ما اشترط العاقدان. (شرح المجلة لسليم رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲٦٤، رقم المادة: ٤۷۳)

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ٥٤۔

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۲٥، رقم: ۳۳٥)

المعروف عرفا كالمشروط شرطا. (الأشباه والنظائر، القاعدة السادسة، المبحث

الثالث، مکتبہ زکریا دیوبندقدیم ص: ١٥٦، جدید ١/ ٢٧٨)

مثلاً امام کا دوسرے شخص کو اپنی جگہ مقرر کر جانا ونحو ذلک اگر اس کی نسبت متولی نے امام سے اذناً یا نہیاً تصریح کردی ہے تو اُس کا اعتبار ہوگا اور اذن کی صورت میں اُس کو مقرر کرنے کا اختیار ہوگا اور نہی کی صورت میں مقرر کرنے کا اختیار نہ ہوگا، پھر جس صورت میں اس کا اختیار امام کو دیا گیا ہے اُس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ معاہدہ ہوگیا ہے کہ وہ دوسرا امام منجانب امام اول کے ہوگا گویا امام کے ذمہ اقامت جماعت کا انتظام ہے خواہ خود کرے یا کسی اور کے ذریعہ سے کرے تب تو امام متولی سے پوری تنخواہ لے گا اور دوسرے امام کو اوّل امام کی طرف سے سمجھا جاوے گا خواہ وہ متبرع ہو یا اُس سے کچھ لے اور اگر امامِ اوّل سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امام ثانی بھی منجانب متولی ہوگا تو پھر امام اول اُس تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا؛ بلکہ امام اول جس تنخواہ پر اُس کو ٹھیرا گیا ہے اُتنی تنخواہ کا وہ امام ثانی بھی مستحق ہوگا بشرطیکہ متولی کی اجازت دادہ مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ اور جس صورت میں متولی نے امام اول کو اس انابت سے منع کردیا ہے اگر وہ کسی کو مقرر کر جاوے گا اگر وہ متبرع ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کو کوئی استحقاق تنخواہ کا نہیں اور اگر تنخواہ دار ہے تو یہ تنخواہ امام اوّل کے ذمہ لازم ہوگی باقی اس نہی کی صورت میں امام اوّل کا مستحق تنخواہ ہونا اس میں شرط مصرح سوال نمبر ٦ پر عمل ہوگا جس کا بیان شروع جواب میں گزر چکا اور جس صورت میں خود متولیوں نے عوضی مقرر کیا ہے اُس کا حکم ظاہر ہی ہے کہ وہی مستحق تنخواہ کا ہوگا اور اگر بعض امور کی تصریح نہیں ہے تو زمانۂ عدم تصریح تک تو عرف پر عمل ہوگا اور جس وقت سے تصریح ہو جاوے گی جس کا اختیار متولیان کو ہر وقت ہے اور جس کے بعد امام کو بھی اختیار ہے کہ اگر نوکری کرنا ہو تو قبول کرلے ورنہ نوکری چھوڑ دے اور تصریح کے وقت سے تصریح پر عمل ہوگا اور اس تقریر سے سب نمبروں کا جواب ظاہر ہوگیا اور تفصیل مذکور جن کلیات شرعیہ پر مبنی ہے معلوم ومشہور ہیں؛ چنانچہ جا بجا درمیان میں اُن کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا ہوں مگر تقویۃً وتائیداً بعض جزئیات خاصہ بالمقام بھی نقل کئے دیتا ہوں۔

في الدر المختار: وهل يأخذ (أي المدرس) أيام البطالة كعيد و رمضان لم اره وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي والأصح انه يأخذ لأنها للاستراحة اشباه من قاعدة العادة محكمة وسيجئ ما لو غاب فيلحفظ. وفي رد المحتار: تحت قوله: وينبغي الحاقه بعد كلام طويل مانصه فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ وكذا لو بطل في يوم غير معتاد لتحرير درس إلا إذا نص الواقف

علی تقييد الدفع باليوم الذى يدرس فيه كما قلنا. الخ قوله: سيجئ أي عن نظم الوهبا نية بعد قوله مات المؤذن والإمام. ج:٣، ص:٥٨٨. (١) أقول يعتبر في كل عقد عرف ذلک العقد فكما يعتبر في التدريس عرف التدريس يعتبر في الإمامة عرف الإمامة ثم في الدرالمختار بعد قوله مات المؤذن والإمام الخ ما نصه ونظم ابن الشحنة الغيبة. الخ وفي رد المحتار: تحت هذا القول ما نصه قال الطرطوسى ومقتضاه أن المدرس ونحوه إذا أصابه عذر من مرض أو حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم لأنه أراد الحكم في المعلوم علىٰ نفس المباشرة، فإن وجدت استحق المعلوم وإلا فلا وهذا هو الفقه. اه ملخصاً قلت: ولاينافي هٰذا مامر من المسامحة بأسبوع ونحوه لأن القليل مغتفر كما سومح بالبطالة المعتادة علىٰ مامر بيانه في محله ج٣، ص ٦٣٠، ص ٦٢١. (٢)

في الدرالمختار: عن المنظومة المحبية لاتجز استنابة الفقيه لا. ولاالمدرس لعذر حصلا. كذلک حكم سائرالأرباب. أولم يكن عذر فذا من باب. في رد المحتار وسكت عما يعينه الأصيل للنائب كل شهر في مقابلة عمله والظاهر انه يستحقه لأنها إجارة وقد وفي العمل بناء على قول المتاخرين المفتىٰ به من جواز الاستئجار علىٰ الإمامة والتدريس وتعليم القرآن إلىٰ اٰخر ما قال واطال ج٣، ص ٦٣١ وص ٦٣٢ الىٰ ص٦٣٣ (٣) وفيه التصريح لأكثرماحررت.

١٩/ ذی قعدہ ١٣٣٣ھ (تتمۂ ثالثہ ص١٠٤)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٦٧/٦-٥٦٨، كراچي ٣٧٢/٤-٣٧٣۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في الإمام والمؤذن إذامات في أثناء السنة، مكتبه زكريا ديوبند ٦٢٧/٦-٦٣٠، كراچي ٤١٧/٤-٤١٩۔

(٣) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب مهم في الاستنابة في الوظائف، مكتبه زكريا ديوبند ٦٣١/٦، كراچي ٤١٩/٤-٤٢٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وقف کے لئے تابید شرط ہے

سوال (١٥١٢): قدیم ٢/٦٢١ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین دریں باب کہ ذیل کی کیفیت و بیانات کے ساتھ جو بنام نہاد وقف یا ہبہ کیا گیا ہے بروے فقہ حنفیہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کا کیا اثر ہے (کیفیت رپورٹ وحکم) نواب ناصر احمد خان ونواب فاخر احمد خان نے حاضر ہوکر بشناخت ابوالحسن نمبردار کہا کہ ہم نے اراضی کھیوٹ نمبر ١٤٠ میں سے منجملہ اپنے حصہ لہ لمیگہ کے مع حصہ چاہ سالم مندرجہ کھیوٹ نمبر ١٤٠ جو بقدر لہ لمگہ ہوتا ہے بلا حصہ شاملات دیہ بطور وقف بنام حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت باہتمام خواجہ سجاد حسین صاحب ہبہ کردی ہے اور قبضہ دیدیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی جب تک کہ یہ عمارت قایم رہے تب تک ہائی اسکول مذکور مالک ہوگا بصورت قایم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثانِ ہبہ کنندگان کو پہونچے گی۔ خواجہ سجاد حسین صاحب نے بھی تسلیم کیا مقابلہ جمع بندی سے ہوگیا داخل خارج منظور ہے؟

الجواب: في الدر المختار: وإذا وقته بشهر أو سنة بطل اتفاقا درر وفي رد المحتار هذا إذا شرط رجوعه بعد الوقت (إلىٰ قوله) اما إذا شرط رجوعه إليه بعد مضي الوقت فقد أبطل التابيد فيبطل الوقف وبعد أسطر هكذا الوقال أرضي هذه صدقة موقوفة شهرا فإذا مضى شهر فالوقف باطل (إلىٰ قوله) باطل مطلقاً كما علمت اٰنفا ج٣، ص ٥٦٦ و ص ٥٦٧. (١)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبويوسف بين قوله موقوفة وقوله موقوفة على فلان، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٣٨-٥٣٩، كراچي ٤/٣٥١-

وأما في نفس التأبيد فشرط بالإجماع حتى لو وقّته بشهر مثلا بطل بالإتفاق كما في الدرر والغرر والتنوير وغيرهما. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٧٥)

ولو قال أرضي هذه صدقة موقوفة شهرا فإذا مضى شهر فالوقف باطل، كان الوقف باطلا في الحال في قول هلال لأن الوقف لايجوز إلا مؤبدا، فإذا كان التأبيد شرطا لايجوز مؤقتا كذافي فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٣٥٦، جديد ٢/٣٥٠) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے۔

والتوقيت بانقطاع السكول كالتوقيت بالشهر والسنة لاشتراک العلة وهي إبطال التأبيد وهو ظاهر.

اور ہبہ اس لئے نہیں ہے کہ اسکول میں موہوب لہ ہونے کی صلاحیت نہیں۔(١)

ولاهبة بدون الموهوب له. واللہ اعلم

١٩/ ربیع الاول ١٣٣٤ھ (تتمۂ ٤، ص ١٨)

متولی کے لئے متعینہ رقم سے زائد لینا جائز نہیں

سوال (١٥١٣): قدیم ٢/ ٦٢١- اراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اُس کے مصرف میں صرف کر دیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کر کے اپنا حق المحنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

اور ہر وقت اُٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بھینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں بجز اس مدارت کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا۔

الجواب: یہ سب حقوق وابواب اصل اجرۃ کے ساتھ ملحق ہو کر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اُس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اصل اُجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔(٢)

← خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، مكتبه زكريا قديم ٣/ ٣٠٤، جديد ٣/ ٢١٣۔

إذا كانت الجهة يتوهم انقطاعها لايتوفر عليه مقتضاه ولهذا كان التوقيت مبطلاله كما لو وقف عشرين سنة لايصح اتفاقا. (فتح القدير، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٩٨، كوئٹه ٥/ ٤٢٨)

(١) **يشترط الفقهاء في الموهوب له أن يكون أهلا لملک مايوهب له.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/ ١٢٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) **ليس للمتولي أخذ زيادة على ما قرر له الواقف أصلا، ويجب صرف جميع ما يحصل من نماء وعوائد شرعية وعرفية لمصارف الوقف الشرعية. (تحته في الشامي)** ←

یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہوسکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل نمبر :۱/ کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا تقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔(۱)

۲۶/ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

وقف علی الأولاد کا حکم

سوال (۱۵۱۴): قدیم ۲/۶۲۲ - وقف علی الاولاد جائز ہے یا نہیں۔ اس کی بابت حضور والا کی کیا تحقیق ہے اگر جائز ہے تو با کراہت یا بلا کراہت؟

الجواب: وقف علی الاولاد جائز ہے بلا کراہت (۲)

← **حاصل ما ذكره المصنف أنه سئل عن قرية موقوفة يريد المتولي أن يأخذ من أهاليها ما يدفعونه بسبب الوقف من العوائد العرفية من سمن ودجاج وغلال يأخذونها لمن يحفظ الزرع ولمن يحضر تذريته، فيدفع المتولي لهما منها يسيرا ويأخذ الباقي مع ماذكر لنفسه زيادة على معلومه، فأجاب: جميع ماتحصل من الوقف من نماء وغيره من تعليمات الوقف يصرف في مصارفه الشرعية كعمارته ومستحقيه.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يأخذه المتولي من العوائد العرفية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٧٢، كراچي ٤/٤٥٠)

(١) **وما ذكره المصنف فيما يأخذه المتولي من أهل القرية كالذي يهدي له من دجاج وسمن، فإن ذلك رشوة، وكالذي يأخذه من الغلال المذكورة التي جعلت للحافظ فافهم، لكن الذي يظهر أن الغلال إذا كانت من ريع الوقف، يجب صرفها في مصارف الوقف، وأما مثل الدجاج فيجب رده على أصحابه، وهو ما أشار إليه بقوله: ويجب على الحاكم أمر المرتشي برد الرشوة على الراشي.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في تحرير حكم مايأخذه المتولي من عوائد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٧٢، كراچي ٤/٤٥٠-٤٥١۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(٢) **رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدى ونسلي فالوقف صحيح، يدخل فيه الذكور والإناث من ولده وولد ولده، ومن قربت ولادته ومن بعدت، ويستوي فيه ولد البنين والبنات أحرارا كانوا أومملوكين وحصة المملوك تكون لمولاه، وكذا لوقال: على نسلي وذريتي، فهو جائز وهو مثال الأول، كذافي الحاوي.** (هندية كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: في الوقف على نفسه وأولاده ونسله، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٣٧٥، جديد ٢/٣٦١)

لیکن اگر نیت خالص نہ ہوتو کراہت ظاہر ہے(١) اور اگر مبنی اس کا یہ خیال ہے کہ قانون میراث مضر اور نامناسب ہے تو پھر یہ فعل محض بددینی ہے۔(٢)

٨/ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ رابعہ،ص ٤١)

مرہون جائداد وقف کرنا اوراس کا بعض حصہ فروخت کرکے زررہن کی ادائیگی کی شرط لگانا

سوال (١٥١٥): قدیم ٢/٦٢٢ - والدصاحب کی ایک حقیت دوسرے شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور بعد رہن کے حقیت مذکورہ کو والدصاحب نے وقف علی الاولاد کردیا ہے اور تا حیات والدصاحب

---

(١) **لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار وإن قصده فسوي...... ولووهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٥٠١-٥٠٢، كراچي ٥/٦٩٦)

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين، وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم. (البحر الرائق، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ٧/٤٩٠، كوئٹه ٧/٢٨٨)

ولووهب رجل شيأ لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض في ذلك على البعض ...... روي المعلى رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذالم يقصد به الإضرار وإن قصد به الإضرار سوي بينهم يعطي الابنة مثل مايعطي للابن وعليه الفتوى، رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤/٣٩١، جديد ٤/٤١٦)

(٢) **عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة.** (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ٢/١٩٤، دارالسلام، رقم: ٢٧٠٣)

عن سليمان بن موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراثا قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دارالكتب العلمية بيروت ١/٩٦، رقم: ٢٨٥-٢٨٦) شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جائداد موقوفہ پر خود قابض رہیں گے میرے پاس ایک اور حقیت ہے جس کی نسبت بوجہ بہت سے نقصانات کے میرا عرصہ دراز سے یہ خیال ہے کہ اُس کو علیٰحدہ کر کے دوسری اچھی اور موقع کی حقیت خرید کروں۔ اتفاق سے اس وقت میری حقیت کا ایک شخص خریدار ہو گیا ہے مگر دوسری حقیت اس وقت موقع کی موجود نہیں اور والد صاحب کی موقوفہ ومرہونہ حقیت شہر کے قریب بھی ہے اور زیادہ تر اس میں مسلمان ہی کاشتکار ہیں اور ہے بھی معافی مگر شرعی مسئلہ اور حضور والا کی رائے بغیر میں اس کام کو نہیں کر سکتا ہوں سوال یہ ہے کہ:

نمبر ۱: والد صاحب کی موقوفہ ومرہونہ حقیت کی فک رہن تو والد صاحب یا جو شخص متولی ہو وہی موافق شرائط وقف نامہ کے کرا سکتا ہے مگر مرتہن سے رہن در رہن میں بھی کر سکتا ہوں اگر مرتہن کا روپیہ برضا مندی والد صاحب دیکر اس حقیت کو قبضہ میں کروں تو اس کی آمدنی مجھے اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں یعنی وہ آمدنی سود میں شامل ہوگی یا نہیں؟

نمبر ۲: اگر کسی وقت اس حقیت موقوفہ مرہونہ کا میں خود یا کوئی میری اولاد میں سے متولی ہو تو اس وقت وہ رقم جو مرتہن کو اس وقت زر رہن کے طور پر دی جاوے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو حسب شرائط وقف نامہ اس حقیت کو خلاص کرنے اور اپنے متروکہ روپیہ کو واپسی کا شرعاً حق رہے گا یا نہیں؟ والد صاحب نے وقف نامہ میں اس حقیت کو فک کرانے کی یہ صورت تحریر کی ہے کہ ایک دوسری حقیت موقوفہ کو بیع کر کے اس حقیت کو فک کرایا جاوے اس وجہ سے اس وقت اس روپیہ سے فک کرانا تو ممکن نہیں دوسرے یہ کہ موقوفہ حقیت پر جو اپنے قابو کی نہیں اپنی ملک کا روپیہ جس کی مقدار بھی کسی قدر زیادہ ہے صرف کر دینے کی ہمت نہیں ہے؟

ان وجوہات سے بعض احباب کا اصرار ہے کہ اسی حقیت کو کسی طرح واپس لے لوں اگر شرعاً جائز ہو اور ظاہری حالت میں حضور میرے لئے اس کارروائی کو نامناسب تصور نہ فرماویں تو اس معاملہ کو کر لوں کیونکہ مرتہن خود اپنا روپیہ لینا چاہتا ہے ورنہ میں کبھی پاس نہ جاؤنگا؟

الجواب: في الدر المختار: ولا (يكون الوقف ١٢) بخيار شرط ولا ذكر معه اشتراط بيعه وصرف ثمنه لحاجته فإن ذكره بطل وقفه بزازية وفي رد المحتار قلت: ولو اشترط في الوقف استبداله صح وسيأتي بيانه (ص ٥٥٧ ج٣).(١)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٢٥/٦، كراچي ٣٤٢/٤۔

وفي الدر المختار: وجاز شرط الاستبدال به أرضا أخرى حينئذٍ أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضا اخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها وإن لم يذكرها ص: ٥٩٩ (١). في الدرالمختار: وبطل وقف راهن معسر (إلىٰ قوله) وإن وقف المرهون فافتكّه يجز فإن مات عن عين تفى لا يغير أي وإلا فيبطل أو للعلة يمهل فليتأمل. وفي رد المحتار: قوله: بطل وقف راهن معسر فيه مسامحة والمراد أنه سيبطل ففي الإسعاف وغيره لو وقف المرهون بعد تسليمه صح وأجبره القاضى علىٰ دفع غلته إن كان موسراً وإن كان معسراً بطل الوقف وباعه فيما عليه. اه وكذا لومات فإن عن وفاء عاد إلى الجهة وإلا بيع وبطل الوقف كما في الفتح و فيه تحت قوله وإلا فيبطل مانصه وبحث فاضل فقال ينبغى أن لا يبطل الوقف ويؤخذمن غلته لوفاء الدين كسعاية العبد إذا لم يقدر بزمن والجامع بينهما التحرير فإن الوقف تحرير عن البيع وتعلق حق الغير يقضى من ريعه كسعاية العبد بل أنه أمكن إذ قد يموت العبد قبل أداء السعاية والعقار باقى رعاية للمصلحة فليتأمل. اه مافي شرح الوهبانية ج٣، ص ٦١١ وص ٦١٢. (٢)

ان روایات ودرایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

نمبر ۱: مرہون کا وقف جائز ہے جب واقف ادائے زررہن کا انتظام کرسکے۔

نمبر ۲: ایک انتظام یہ بھی ہے کہ اس کے ادا کے لئے کوئی چیز بیع کے لئے نامزد کردے۔

نمبر ۳: بہ نسبت ایک جزو وقف کے بیع کرنے کے خود وقف کی آمدنی سے ادا کرنا اصلح للوقف ہے پس اس کا جواز بالا ولیٰ ہے۔

نمبر ۴: جب مصلحت وقف کے لئے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہہ دے اس کے فک کی مصلحت کے لئے قرض لینا اولیٰ بالجواز ہے۔

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في إستبدال الوقف وشروطه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٨٣-٥٨٥، كراچي ٤/٣٨٤-٣٨٥۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب الوقف في مرض الموت، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٠١-٦٠٢، كراچي ٤/٣٩٧-٣٩٨۔

نمبر ۵: جب مصلحت وقف کے لئے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہہ دے تو خاص اُس جزو وقف کا بیع کرنا جو کہ وقت وقف کے مرہون تھا اور قرض لے کر فک رہن کر دیا گیا دوبارہ اس مقرض کے پاس رہن رکھ دینا اولیٰ بالجواز ہوگا۔ اور یہ امور خمسہ بعض تو روایات کے منطوق ہیں اور بعض مفہوم ہیں۔ اب بعد ان امور کے ممہد ہو جانے کے جواب سوال کا سمجھنا چاہئے کہ جب راہن کے اذن سے مرتہن کسی دوسرے کے پاس رہن رکھ دے تو حقیقت اس عقد کی یہ ہوگی کہ اصل راہن نے مرتہن ثانی سے قرض لیکر اس مرتہن ثانی کو وکیل بنا دیا کہ وہ مرتہن اوّل سے فک کرے پھر مرتہن اوّل کو وکیل بنادیا کہ وہ مرتہن ثانی کے پاس رہن رکھ دے پس شرعاً یہ رہن منجانب راہن اصلی کے ہوگا اور تمام احکام جو مرتہن اوّل کے لئے ثابت تھے مرتہن ثانی کے لئے ثابت ہوجاویں گے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس عقد رہن در رہن کو کہ جس کی شریعت میں بدون اس توجیہ کے کچھ بھی اصل نہیں ہے یہ دونوں راہن اول اور مرتہن ثانی اسی عنوان سے اختیار کریں خواہ قانونی دستاویز میں یہ الفاظ نہ لکھے جاویں لیکن زبانی کہہ لینا بھی شرعاً کافی ہے اور اس اختیار کی مصلحت بلکہ ضرورت شرعیہ یہ ہے کہ پھر توجیہ کی ضرورت اور تاویل کی حاجت نہ رہے عقد ضمنی سے عقد صریح أقرب إلیٰ الصحة وأبعد عن الشبه ہوتا ہے پھر جب یہ مرتہن ثانی بجائے مرتہن اوّل کے بعقد صحیح بالطریق المذکور ہوگیا تو اب اس کا حق صرف زرِ رہن میں ہوگا خواہ وہ جزو وقف جو مشروط للبیع تھا فروخت کر کے زر رہن ادا کیا جاوے جس وقت بھی ممکن ہو اور یا خود اس مرہون کی آمدنی سے یہ مرتہن اس کو پورا کرے یہ باختیار مرتہن ہی ہے۔ (۱)

---

(۱) وإن وقف المرهون فافتكه يجز: فإن مات عن عين تفي لايغير أي وإلا فيبطل أو للغلة يمهل (درمختار) وفي حاشية الطحطاوي قال الشرنبلالي في شرح البيت صورتها رهن عقاراثم وقفه وقفا صحيحا انعقد فلو لم يفتكه حتى مضى سنون لايبطل الوقف فإذا افتكه أو أجاز المرتهن نفذ وليس له الفسخ فإن مات الراهن قبل الفكاك وله مال يفي بالدين قضي منه الدين ونفذ الوقف وإن لم يكن له مال رفع أمره للقاضي فيبطل ويباع للدين وهذا يخالف عتق العبد الرهن لايباع ويسعي في الدين إن لم يزد على قيمته ولايبطل العتق...... قال الشرنبلالي في الشرح وبحث فاضل فقال ينبغي أن لايبطل الوقف ويؤخذ من غلته لوفاء الدين كسعاية العبد إذا لم يقدر بزمن والجامع بينهما التحرير فإن الوقف تحرير عن البيع وتعلق حق الغير يقضي من ريعه كسعاية العبد بل أنه أمكن، إذ قد يموت العبد قبل أداء السعاية والعقار باق رعاية للمصلحة فليتأمل. (حاشية الطحاوي على الدرالمختار، كتاب الوقف، المكتبه العربية كوئٹه ٢/ ٥٥٠)

اور انتفاع اس مرہون سے جس طرح مرتہن اوّل کو بحیثیت مرتہن ہونے کے ناجائز تھا اسی طرح اس مرتہن ثانی کو ناجائز ہے(۱) بلکہ اگر یہ مرتہن اس مرہون کی آمدنی سے زرِرہن تدریجاً لینا قبول نہ کرے تو پھر آمدنی اس مرہون کی بھی مصارف وقف ہی میں صرف ہوگی البتہ اگر یہ مرتہن بوجہ اس کے کہ اولاد واقف راہن میں ہے اور وہ جائداد وقف علی الاولاد ہے اس حیثیت خاصہ سے یہ بھی مصارف وقف میں سے ہے اور خواہ حالاً خواہ مآلاً جو کچھ بھی مقتضی ان شرائط وقف نامہ کا ہو تو اس حیثیت سے موافق شرط وقف کے اس مرہون کی آمدنی سے منتفع ہوسکتا ہے(۲) اس تقریر میں سوال کے ہر جزو کا جواب آگیا ہے منطبق کرلیا جاوے اور اگر کسی سوال کا جواب مفہوم نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔

۱۰/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ، ص۴۲)

سرکاری زمین یا روپیہ سے وقف کا حکم

سوال (۱۵۱۶): قدیم ۲/ ۶۲۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی مالدار ہے اس کا ارادہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا وقف کروں جو پچاس ساٹھ لاکھ روپے کی مقدار میں ہو

---

(۱) **وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لابا لاستخدام ولا سكنى ولا لبس.** (هداية، كتاب الرهن، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٥٢٢)

لايحل للمرتهن أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقي له المنفعة فضلا فتكون ربا وهذا أمر عظيم. (شامي، كتاب الرهن، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٨٣، كراچي ٦/ ٤٨٢)

كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جرنفعا حرام، زكريا ديوبند ٧/ ٣٩٥، كراچي ٥/ ١٦٦۔

مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣- ٢٧٤۔

(۲) **إذا قال في صحته: جعلت أرضي هذه صدقة موقوفة لله تعالىٰ أبدا على ولدي وولد ولدي وأولاد أولادهم ونسلهم أبداماتناسلوا، فإنه يدخل في غلة هذه الصدقة كل ولد كان له يوم وقف هذا الوقف وكل ولد يحدث له بعد هذا الوقف قبل حدوث الغلة وولدالولد أبدا.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: في الوقف على نفسه وأولاده ونسله، مكتبه زكريا ديوبندقديم ٢/ ٣٧٦، جديد ٢/ ٣٥٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس میں ایک بہت بڑا مدرسہ صرف یتیموں کی پرورش اور دینی تعلیم کے واسطے کھولا جاوے جس کی مقدار پانچ سو یتیم ہوں اُس میں قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ اور دینیات کے رسالے پڑھائے جاویں اور پندرہ سولہ سال تک اُن کو اُس میں رکھا جائے جب وہ اپنے مذہب سے واقف ہوجائیں تو اُن کو اگر ضرورت سمجھی جائے تو ہنر سکھا دیا جائے لیکن یہ ضروری نہیں اور نہ وقف میں شرط۔ صرف وقف دینیات کی تعلیم کے واسطے اور وہ بھی یتیم غربا کے لئے جو سنی مسلمانوں ہوں۔ ہاں وہ یہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک بہت بڑی زمین جو چند صد گز ہو سرکارِ ہند سے لے تاکہ اس میں بہت بڑا مکان بنادے جس میں مذکورہ بالا تمام انتظام مدرسہ و رہائش یتیماں و اُن کی خورد ونوش اور مدرسین کا ہوسکے یہ زمین جو سرکارِ ہند سے لی جائے گی اس کی قیمت کچھ نہیں دینی ہوگی بلکہ وہ بطریق امداد دے گی اسی طرح یہ بھی کہ مثلاً پچاس ہزار روپیہ بطریق امداد سرکار ہند سے لے اور اس کو بھی مذکورہ روپیہ میں شامل کردے لیکن سرکاری کوئی حق اس پر نہیں۔ ہاں جو اس کے متولی اور ٹرسٹی مقرر ہوں ان میں سے چار چھ تو مسلمان ہوں جن کو واقف مقرر کرے اور دو سرکاری آدمی بھی ہوں اس لئے کہ آئندہ کوئی اس وقف کو ضائع نہ کردے اور ہضم نہ کر جائے ان کو بھی منتظمین میں شریک کیا جائے اور سب مل کر کام کریں۔ ساتھ ساتھ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سرکار کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں تاکہ اس کے روپے سے لون سود وغیرہ کا کام کرے اور اس کے روپے کو زیادہ کرے بلکہ واقف خود مکانات خریدے اور اُن کو وقف کردے جو اُن کا کرایہ آئے اس سے یتیم خانہ مذکورہ کا سب انتظام کیا جائے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کسی قسم کا سودی کوئی کام ان کی آمدنی سے کرسکے اگر کوئی شخص اس طرح سے وقف کرے تو خدا کے یہاں اس کا موأخذہ ہوگا یا نہیں۔ یہ وقف مقبول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سرکار سے زمین یا روپیہ لینے سے جب یہ شخص مالک ہوگیا تو مثل دوسری مملوک چیزوں کے اس کا وقف بھی صحیح ہے۔(۱)

---

(۱) **وشرطه شرط سائر التبرعات وفي الشامية: أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكا باتا.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٢٣، كراچي ٤/٣٤٠)

يشترط أن يكون الواقف مالكا للموقوف وقت الوقف ملكا باتا وهذا باتفاق. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٣٠)

الخامس من شرائطه الملك وقت الوقف. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣١٤، كوئٹه ٥/١٨٨)

اور حُسن نیت کے بعد کوئی امر مانع مقبولیت بھی نہیں گو بلاضرورت ایسا کرنا متہم ہونا ہے اس لئے احتیاط بہتر ہے(۱) اور اتنا بڑا مال ہونیکی حالت میں ظاہراً ضرورت بھی نہیں؛ لیکن تولیت کے لئے اسلام شرط ہے(۲) اگر وہ سرکاری آدمی مسلمان نہ ہوں وہ شرعاً متولی نہ ہوں گے؛ البتہ اگر متولی صرف مسلمان ہی ہوں اور سرکاری آدمی بضرورت ان کی نگرانی رکھیں اس کا مضائقہ نہیں۔

ہفتم شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ، ص۱۹۲)

---

(۱) **التحرزعن مواضع التهمة واجب.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية ۵۸/۳)

التحرز عن مواضع التهم واجب. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۷/۲، كوئٹه ۲۹۰/۲)

(۲) حضرتؒ نے یہ جولکھا ہے کہ تولیت کے لئے اسلام شرط ہے، احقر کو سمجھ میں نہیں آیا، اس لئے کہ فقہی جزئیات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی تولیت صحیح ہوجاتی ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

وأجاز الحنفية أن يكون الناظر ذمياً وإن الاسلام ليس بشرط ولو كان الناظر ذمياً وأخرجه القاضي لأي سبب ثم أسلم الذمّي لاتعود الولاية اليه الخ. (الموسوعة الفقهية ۲۰۹/۴۴)

شامی میں ہے: **ويشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته وإسلامه (إلى قوله) ولو كان عبداً يجوز قياساً واستحسانا لأهليته في ذاته (الى قوله) ثم الذمي في الحكم كالعبد الخ.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب: في تولية الصبي، مكتبه زكريا ديوبند ۵۷۹/۶، كراچي ۳۸۱/۴)

ولاتشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف ولو كان ولده عبداً يجوز قياسا واستحساناً لأهليته في ذاته إلى قوله والذمي في الحكم كالعبد. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۸/۵، كوئٹه ۲۲۶/۵)

ولاتشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد. (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، مكتبه زكريا قديم ۴۰۸/۲، جديد ۳۸۰/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وقف معلق درست نہیں

سوال (۱۵۱۷): قدیم ۲/ ۶۲۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد مرنے کے وقت کہتے گئے کہ جب تک میری بیوی نکاح ثانی نہ کرے میری تمام اشیاء پر قابض رہے اور نکاح کر لینے پر تمام چیزیں مسجد پر وقف ہیں چنانچہ مسماۃ رحمت اُن کی زوجہ نے نکاح بھی کر لیا۔ اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: نہ یہ وصیت زوجہ کے لئے صحیح ہے اور نہ یہ وقف صحیح ہے۔

لأنه لا وصية للوارث في حال ما (۱) ومن شرائط الوقف أن يكون منجزا لا معلقا إلا بكائن و لامضافا ولاموقتا الخ. درمختار. (۲)

۲۴/ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ، ص ۱۲۱)

---

(۱) **عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قدأعطي كل ذي حق حقه فلاوصية لوارث.** (سنن الترمذي، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دارالسلام رقم: ۲۱۲۰)

سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دارالسلام رقم: ۲۸۷۰۔

ولالوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث. (شامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۴۶، كراچي ۶/ ۶۵۵-۶۵۶)

ومنها كون الموصى له أجنبيا حتى لاتجوز الوصية لوارث. (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۴۱۷)

لاتجوز الوصية للوارث. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۶۹)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۵۲۴، كراچي ۴/ ۳۴۱۔

وشرائطه أهلية الواقف للتبرع من كونه حرا عاقلا بالغا وأن يكون منجزاغير معلق فإنه مما لايصح تعليقه بالشرط. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۳۱۳، كوئٹه ۵/ ۱۸۸)

خزانچی چندہ کے روپیہ میں سے قرض لینا جائز نہیں

سوال (۱۵۱۸): قدیم ۲/ ٦٢٧ - زید چندہ بلقان کا خزانچی ہے اگر وہ کسی اپنے کام میں اُس میں سے کوئی روپیہ صرف کردے اور بجائے اُس کے دوسرے وقت اپنے پاس سے اُس کو پورا کردے تو وہ عنداللہ گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ لیکن جب اُس روپیہ کا منی آرڈر یا اُس کو بذریعہ تار روانہ کیا جائے تو اصل روپیہ تو پہنچے گا نہیں بلکہ ڈاک خانہ سے ایک کاغذ جائے گا اور دوسرا ڈاک خانہ روپیہ دیدے گا، ایسی صورت میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں جواب باصواب سے مطلع فرمایئے؟۔

الجواب: اپنے کام میں اُس کا صرف کرنا جائز نہیں (۱) اور قیاس اس کا منی آرڈر یا تار پر صحیح نہیں کیونکہ یہ تصرف تو باذنِ معطین ہے اور اپنے صرف میں لانا بلا اذن ہے (۲) اور ظاہر ہے کہ ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں ہوسکتا۔

۲۹/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اور ۲، ص ۱٦)

← **وشرطه أهلية التبرع من كونه حرا مكلفا وأن يكون منجزا غيرمعلق لما أنه لايصح تعليقه.** (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۱۱)

وأما شرطه فهو الشرط في سائر التبرعات من كونه حرا بالغا عاقلا، وأن يكون منجزا غير معلق. (فتح القدير، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٨٦، كوئٹه ٥/ ٤١٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد، فأنفق من تلك الدراهم في حاجته، ثم رد بدلها في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذلك.** (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع العشرون: في الأوقاف التي يستغني عنها الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٩٨، رقم: ١١٦٢٩)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون: صرف غلة الأوقاف إلى وجوه أخر، المجلس العلمي ٩/ ١٥٣، رقم: ١١٤٥٠۔

رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء المسجد وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه ثم رد بدلها في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذلك. (خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۳/ ۲۹۹، جديد ۳/ ۲۰۹)

(۲) **لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۱۱۰) ←

چندہ جمع کرنا اس طور سے کہ بیس فیصدی کاٹ کر اُن اہل چندہ کے ورثہ کو دینا جو فوت ہو جاویں

سوال (۱۵۱۹): قدیم ۲/ ٦٢٧ - ایک نیا قاعدہ جاری ہوا ہے۔ کچھ آدمیوں نے چندہ کھولا ہے وہ چندہ بیس فیصدی کاٹ کر ما بقی ان ممبروں کے ورثاء کو دیدیا جاتا ہے کہ جو فوت ہو گئے ہوں اور بیس فیصدی کاٹ کر اُن اصحاب کے واسطے رکھا جاتا ہے کہ جو بیس سال تک زندہ رہیں اور اُس سہ ماہی کا روپیہ بھی کہ جس میں کوئی فوت نہ ہو اس مد میں جمع کر دیا جاتا ہے تو جو ممبر پانچ سال تک چندہ دیتا رہا ہو پھر اتفاق زمانہ سے وہ نا قابل ہو جائے تو اس مد سے اُس کی امداد کی جاتی ہے متوفي کے وارث کو روپیہ ملنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے وہ تعداد اموات اور چندہ دہندگان پر منحصر ہے جواب کافی سے آگاہ فرمائیے۔

الجواب: بالکل حرام ہے۔(۱)

۳/ شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ، ص ۱۷۰)

← **لایجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه ولا ولایته.** (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغصب، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۲۹۱، کراچي ٦/ ۲۰۰)

الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۸/ ۲۹٦۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، مکتبه إتحاد دیوبند ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) یہ معاملہ لائف انشورینس (جیون بیمہ) کے مرادف ہے؛ لہٰذا جیون بیمہ میں جس طرح سود اور جوا، (سٹّہ) کی وجہ سے حرمت کا حکم لگتا ہے، اسی طرح اس میں بھی انہیں علتوں کی بناء پر حرمت کا حکم لگے گا۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورة المائدة: ۹۰]

عن ابن مسعود عن أبیه قال: لَعَنَ رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الرباء ومؤکله وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب لعن آکل الربا ومؤکله، النسخة الهندیة ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸)

← **إن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى وسمي القمار قمارا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص.** (شامي، كتاب الحظروالإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٧٧، كراچي ٦/٣ ٠ ٤)

تبيين الحقائق، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٦ ٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٧ ـ

إن القمار مشتق من القمر الذي يزداد وينتقص، سمي القمار قمارا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، أو يستفيد مال صاحبه فيزداد مال كل واحد منهما مرة وينتقص أخرى، فإذاكان المال مشروطا من الجانبين كان قمارا، والقمار حرام ولأن فيه تمليك المال بالخطر وأنه لايجوز. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل السابع في المسابقة، المجلس العلمي ٨/ ١٤، رقم: ٩٤٨٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/ کتاب أحکام المسجد

مسائلة أهل الخلة في مسئلة الظلّة

یعنی حکم سائبان در مسجد

سوال (۱۵۲۰): قدیم ۲/ ۶۲۸ - بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر نے مسجد پیر محمد والی کی چار سہ دریوں کے سامنے ٹین کا سائبان ڈلوایا تھا اُن میں ایک سہ دری جنوبی شمال رویہ مسجد کے متصل ہے اس کے سائبان کے متعلق بعض حضرات اکابر سے بطور تحقیق کچھ خط و کتابت ہوئی اُس کو اس غرض (*) سے نقل کرتا ہوں کہ اہل علم سے اس باب میں مزید تحقیق کر لی جاوے اور میرے قول و فعل کو حجت نہ سمجھا جاوے میں نے اپنی فہم کے موافق کہا ہے اور کیا ہے۔ **وسمیتها بما سمیتها إشارة إلی الاسم المسمّی نواث الکابر نخبة الأکابر.**

مکتوب اوّل آں بزرگ

مکرم و محترم سندی ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ (ایک اور مضمون کے بعد) آپ کی سہ دری کے سائبان کے متعلق مجھ کو خلجان ہے میں اُس کو ناجائز سمجھ رہا ہوں اور آپ جائز مولوی...... کی تقریر کچھ فہم میں نہیں آئی اس لئے مکلّف خدمت ہوں کہ مفصل کیفیت اُس کی تحریر فرماویں کہ وہ جنوبی سہ دری داخل مسجد ہے یا خارج۔ اور مسجد کے ساتھ اُس کی تعمیر ہے یا بعد تعمیر کی گئی یا اُس کا کوئی حصہ داخل مسجد ہے بعد تفصیلی علم کے اگر خلجان رہا تو عرض کروں گا۔ (پھر ایک اور مضمون ہے) والسلام

۳۰/ شوال ۱۳۳۱ھ

(*) اور اس لئے بھی کہ اس مکاتبت میں متعدد اصول و فروع فقہیہ مفیدہ اہل علم ہیں جو اور واقعات میں کام آسکتے ہیں اور ایک غرض اس امر کا بھی دکھلانا ہے کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ کا کیا رنگ ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

معروض احقر بجواب مکتوب اوّل

(بعد القاب وآداب (*) و دیگر مضامین) مولوی............ سے جو مضمون ذکر کیا تھا وہ مطول تھا؛ اس لئے بوجہ عدم انضباط کے ادا نہیں کر سکتے ملخص اس کا یہ ہے کہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے جز ومسجد ہے اور سائبان بھی بقصد مصلحت مسجد ڈالا گیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اکثر ایام میں ظہر کی جماعت باہر کے درجہ میں ہوتی ہے تو صفِ اوّل پر تو سائبان قدیم کا سایہ ہوتا ہے؛ لیکن دوسری صف جو بچوں کی ہوتی ہے زیادہ بچے دھوپ میں ہوتے تھے گو بضرورت وہ اس دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوتے تھے مگر وہ سایہ کافی نہ ہوتا تھا۔ اب وہ اس سائبان کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ البتہ اس دیوار میں ایک پُرانی غلطی اکابر کے وقت کی ہے کہ اس سہ دری کی کڑیاں اُس پر رکھی ہیں سواس غلطی کے تدارک کا بھی خیال ہے اس طرح کہ شرقی غربی دیوار پر ایک گاٹر رکھ کر کڑیوں کو اُس پر ٹکا دیا جاوے۔ والسلام (تاریخ نقل کرنا یاد نہیں رہا)

مکتوب دوم بجواب معروض بالا

مکرم ومحترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ (بعد ایک مضمون کے) سائبان مسجد کے متعلق جناب نے دو مقدمے تحریر فرمائے۔

اوّل یہ کہ دیوار جس پر سائبان رکھا ہوا ہے جز ومسجد ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ سائبان بھی بقصد مسجد ڈالا گیا ہے ان دونوں مقدموں میں زیادہ اہم پہلا مقدمہ ہے یہ مقدمہ تاوقتیکہ دلیل سے ثابت نہ ہو تصفیہ نہیں ہوسکتا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاف اقویٰ ہے؛ کیونکہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے یہ جز ومجموعہ سہ دری ہے جو خارج ہے اور جز وخارج (**) خارج علاوہ اس کے اس کا جز ومسجد ہونا غیر معقول ہے کیونکہ اگر یہ دیوار مسجد کی ہوتی تو اس میں تین در ہونے کی کوئی

(*) یہاں جو کاغذ رہ گیا تھا، اس میں القاب وآداب منقول نہ تھا، صرف خط جو گیا تھا اس میں لکھا گیا تھا۔ ١٢ منہ

(**) في هذه المقدمة كلام لأن بعض أقسام الخارج ما يكون مركبًا من الداخل والخارج فكيف يحكم على جميع أجزائه التي بعضها داخل بكونها خارجاً۔ ١٢ منہ

وجہ نہ تھی پھر سہ در خود شہادت دے رہے ہیں کہ اس دیوار کو جس میں در ہیں مسجد سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس دیوار کا سلسلہ بلاانقطاع شرقی جانب میں دور تک (*) چلا گیا ہے جو یقیناً خارج مسجد ہے تو یہ حصہ بھی داخل مسجد نہیں ہوسکتا ماوراء اس کے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ دیوار مسجد کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے یا بعد میں، پس اگر یہ دیوار اب فرش مسجد پر بنائی گئی ہو تو بھی داخل نہیں ہوسکتی ہاں اگر یہ امر ثابت ہوجاوے کہ اوّل یہ دیوار لب فرش مسجد پر احاطہ مسجد پر احاطہ مسجد کے لئے قائم کی گئی تھی اور بعدازاں اس میں در بنائے گئے تو البتہ یہ دیوار دیوار مسجد ہوسکتی ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی شرعاً یہ امر ضروری ہوگا کہ اس کے در بند کئے جاویں اور اُس کو سہ دری کی دیوار نہ قرار دی جاوے کہ جو خارج از مسجد ہے۔ بالجملہ حضرت غور فرماویں یہ کسی طرح معقول نہیں ہے کہ یہ دیوار جزو مسجد ہے اور درحقیقت یہ اکابر کی غلطی نہیں ہے انھوں نے اس دیوار کو خارج خیال فرما کر اُس پر کڑیاں رکھی ہیں اور یہ خیال اُن کا صحیح تھا کہ یہ دیوار خارج مسجد ہے کیونکہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے اس پر سائبان کا ڈالنا یہی غلطی ہے۔ دوسرا مقدمہ جو تحریر فرمایا اُس میں کلام کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ اُس سے اشکال رفع ہوسکے۔ فقط والسلام (تاریخ نہ تھی)

معروض احقر بجواب مکتوب دوم

(بعد آداب والقاب کے) دیوار کو جو میں نے جزو مسجد لکھا وہ اس بناء پر کہ وہ فرش مسجد پر بنی ہوئی ہے جیسا حدود متقابلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گو بعد میں بنائی گئی۔ چنانچہ ایک بار میں نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بھی یہی شبہ پیش کیا تھا کہ صورت مسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوار حدود مسجد کے اندر داخل ہے پھر خارج مسجد کی کڑیاں اُس پر کیسے رکھی گئی ہوں گی۔

حضرت نے فرمایا ہاں اب غور کرنے سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا۔ اس ارشاد سے وہ خیال دل میں متمکن ہوگیا تھا۔ پس اگر اس بناء پر یہ دیوار جزو مسجد ہو تو کڑیوں کا اس پر رکھا جانا پُرانی غلطی ہوگی جس کو میں نے عریضۂ سابقہ میں عرض کیا تھا مگر اُس صورت میں سائبانِ مسجد کا رکھا جانا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور اگر اس سے قطع نظر کرکے دیوار کو خارج مسجد کہا جاوے۔

(*) یہ دیوار تک نہ تھی صرف حد مسجد تک تھی بہت بعد میں ایک نئی دیوار بنا کر اس سے متصل کردی گئی تھی۔ ۱۲ منہ

(بناءً علی القرائن المذکورۃ في المکتوب السامی) تو اُس وقت پھر سائبان کا بمصلحت مسجد اُس پر رکھا جانا اور بھی سہل ہوگا؛ کیونکہ غیر مسجد کو مسجد کے لئے مشغول کرنے میں کوئی وجہ منع کی نہیں معلوم ہوتی اور کڑیوں کا رکھا جانا بھی غلطی نہ ہوگی؛ البتہ اس تقدیر پر صرف یہ اشکال باقی رہے گا کہ جو دیوار جزو مسجد نہیں ہے اُس کو فرش مسجد پر بنانے سے غیر مسجد کے ساتھ مسجد کو مشغول کیا جس کا احداث گزشتہ غلطی ہے اور ابقاء حالی غلطی ہے تو اُس کی تلافی میرے خیال میں یہ آتی ہے کہ اس وقت سب اہل محلّہ ملکر اُس دیوار کو مسجد کا جزو قرار دیدیں اور سہ دری کی کڑیوں کے لئے ایک گاٹر شرقی وغربی دیوار پر رکھدیا جاوے کیونکہ دیوار کے ہدم میں وقف کا حرج عظیم ہے۔ اسی طرح در بند کر کے سہ دری کی تعطیل میں بھی یہی اضرار بالوقف ہے۔ والسلام

۶/ ذی قعدہ، ۱۳۳۱ھ

مکتوب سوم بجواب معروض مذکور

مکرم ومحترم مصدر مکارم دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موجب برکت ہوا۔ کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو، بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کردوں، اس وقت مجھ کو دو امر عرض کرنے ہیں، ایک تو دیوار کے متعلق کہ مسجد ہے یا نہیں؟ دوسرے سائبان کے متعلق کہ اگر دیوار کو دیوار مسجد قرار دیا جاوے تو سائبان اُس پر ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیوار کے متعلق جو تذکرہ ہوا اُس سے اتنا معلوم ہوا کہ بظاہر دیوار بعد میں فرش مسجد پر بنائی گئی ہے جس کا اُس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا اور اب بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد پر خارجی دیوار کا بنانا قدیم غلطی ہے پس واقعی سہ دری کی دیوار جب مسجد پر بنائی گئی تو وہ بوجہ اس کے کہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے مسجد پر اُس کا ہونا ناجائز تھا تو صرف کڑیوں کا اُس پر رکھا جانا یہ پُرانی غلطی نہیں بلکہ غلطی تو یہ ہوئی کہ خارجی دیوار مسجد پر بنائی گئی، اب یہ بات کہ اگر اس دیوار کو اہل محلّہ متفق ہوکر مسجد میں داخل کرنا چاہیں تو جزو مسجد ہوسکتی ہے یا نہیں مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا مگر ہاں اس قدر خیال ضرور ہے کہ محض گاٹر ڈال کر اور کڑیوں کو اُس پر

ٹھیرا کر جدا کر دینے سے داخل مسجد نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ اُس دیوار کا اتصال تربیع جو دونوں جانبوں (*) شرق وغرب میں ہے وہ غیر مسجد سے منفصل نہ ہو جاوے ہاں اگر گاٹر ڈال کر کڑیاں اُس پر رکھ دی جائیں اور اتصال تربیع بھی منفک کر دیا جاوے تو اُس وقت کیا عجب ہے کہ وہ دیوار باتفاق اہل محلّہ دیوار مسجد قرار پاسکے، اب رہی دوسری بات کہ جب یہ دیوار دیوارِ مسجد ہو جاوے تو اس پر سائبان ڈالنا جائز ہوگا یا نہیں؟ میرے نزدیک سائبان ڈالنا اُس وقت بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ عرفاً سائبان محض دیوار کے لئے نہیں ڈالا جاتا نہ تابع دیوار ہوتا ہے؛ بلکہ تابع مجموعہ مکان ہوتا ہے جس مکان پر سائبان ڈالا جاتا ہے پس صورتِ موجودہ میں سائبان سہ دری کا تابع ہے نہ کہ دیوارِ مسجد کا؛ لہٰذا ناجائز ہونا چاہئے اور اگر منفعت پر نظر کی جائے تو بہ نسبت منفعت مسجد منفعتِ سہ دری اقویٰ اور اہم ہے؛ کیونکہ سہ دری کے بیٹھنے والوں کی بھی راحت مدنظر ہے اور مسجد کے نمازی بچوں کی بھی راحت کا خیال ہے لیکن اس غرض کے حصول میں مقصود اہم جماعت یعنی توسط امام کی مخالفت لازم آتی ہے؛ لہٰذا یہ مقصود بھی اس قابل ہے کہ ملحوظ نظر نہ ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ اغراض کو اس میں دخل نہیں کیونکہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں ہے۔ فقط والسلام خیر ختام (تاریخ نہ تھی)

معروض احقر بجواب مکتوب سوم

(بعد القاب و اداب) والا نامہ نے مشرف فرمایا اظہارِ حق کا تکرار حاشا وکلاّ کہ قلب پر بار ہو۔ اور بحمد اللہ مجھ کو تو عادت ہے کہ جب کسی امر کا حق ہونا واضح ہو جاتا ہے پھر اپنی رائے پر اصرار نہیں ہوتا، سو اب تک اس کا انتظار رہے جو نہیں ہوا اور مجھ کو بھی تکرار فی الجواب خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق نے اس پر جری کیا قبل سائبان بننے کے تو وجدان سامی کو بجائے دلیل سمجھ کر اُس کا اتباع کرتا مگر مجھ تک اس مضمون کا زبانی پیام صرف بدیں عنوان پہنچا کہ خارج مسجد کا پانی مسجد میں لینے کا محذور لازم آوے گا؛ چونکہ یہ بناء مقصود تھی؛ کیونکہ سائبان کہ جس کا پانی مسجد میں گرتا مسجد کا جزو بنایا جاتا تھا سو اُس کا پانی مسجد ہی کا پانی تھا؛ اس لئے وہ بنالیا گیا اب بعد بننے کے اُس کی تفکیک میں خود شبہ تصرف فی المسجد بالہدم والخراب کی وجہ سے

(*) غرب میں تو اس کی اس لئے حاجت نہیں کہ اس جانب اتصال مسجد ہی سے ہے؛ البتہ شرق میں جدید دیوار سے اتصال اس کا حادث ہو گیا جیسا کہ حاشیہ مکتوب دوم میں مذکور ہے۔ ١٢ منہ

عدم جواز کا احتمال ہوگیا سواس احتمال کے رفع کے لئے نہایت صریح دلیل کی جو کہ کافی شافی ہو ضرورت ہے جواب تک نہیں ملی دیوار کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ محض تبرعاً تھا جس کے لکھنے کی اصل وجہ تو استفسار گرامی کا جواب تھا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی شامل ہوگیا تھا کہ اس کی بھی تحقیق ہو جاوے گی شاید کوئی صورت اُس پرانی غلطی کی اصلاح کی نکل آئے باقی نفس مسئلہ واقعہ میں اُس کو کوئی دخل نہیں اور سائبان کا جواز اُس پر موقوف نہیں؛ کیونکہ اگر وہ جزو مسجد نہ ہو تو اُس کو مسجد کے کام میں لانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ عریضۂ سابقہ (*) میں عرض کیا ہے۔ اور ظاہر بھی ہے کہ اگر مسجد میں شامیانہ کھڑا کیا جاوے اور اُس کی طنابیں محلّہ کے مکان میں باندھ دی جاویں تو بلاشبہ درست ہے یا فناء مسجد کی کسی عمارت میں باندھ دی جاویں تو اُس کا جواز اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اس لئے دیوار کے قصہ کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کے متعلق عرض کرتا ہوں سو عرفاً اس کا تابع سہ دری ہونا اور تابع بہ حکم متبوع ہوتا ہے سو میرے خیال میں اس عرف کی مزاحم نیت بانی کی ہوسکتی ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی بانی مسجد فرش مسجد کے حصہ اخیرہ کو یہ سمجھ کر (کہ لوگ یہاں وضو کریں گے اور مسجد میں غسالہ کا گرانا جائز نہیں) مسجد سے خارج رکھنے کی نیت کرلے اور امتیاز کے لئے ہیئت تعمیر کی بھی کچھ بدل دے تو یقیناً جائز ہے اور مساجد قدیمہ میں وضو کرنے کی یہی تاویل ہو بھی سکتی ہے ورنہ عامۂ مسلمین کا بے حرمتی مساجد میں مبتلا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حساً وصورۃً وہ حصہ تابع مسجد بلکہ جزو مسجد ہے اور تابع بحکم متبوع ہوتا ہے تو چاہئے کہ اس وضع عرفی کے اعتبار سے اس کو جزو مسجد کہہ کر اُس پر وضو کو جائز نہ کہا جاوے پس حکم جواز سے صاف ثابت ہوا کہ نیت بانی کی اُس عُرف کی مزاحم ہو جاوے گی یہاں بھی بانی ظلہ نے اُس کو سہ دری کا جزو بنانے کی نیت نہیں کی اور یہ امر کہ منفعت جالسین سہ دری کو بھی ہوگی سو گو وقوعاً ایسا ہوگا مگر میرے نزدیک یہاں بھی اس وقوع پر نیت کو رجحان ہوگا اور نیت ہے منفعت مسجد کی اس کی نظیر یہ ہے کہ تقلیل نز (نمی) کے لئے غرس اشجار کو مسجد میں جائز کہا گیا ہے اور دوسری اغراض کے لئے ناجائز حالانکہ وقوعاً دوسری اغراض بھی متحقق ہوں گی رہا منفعت سہ دری کا اقویٰ اور اہم ہونا سو اس کا اندازہ پورا پورا حالت سابقہ کے تجربہ پر موقوف ہے کہ بچوں کو زیادہ تکلیف تھی یا جالسین سہ دری کو تو واقعی سہ دری والوں کو کچھ بھی تکلیف نہ تھی دھوپ تو وہاں آتی ہی نہ تھی برسات میں کبھی کبھی بوچھار آتی تھی

(*) یعنی مکتوب دوم کے جواب میں بقولہ اور اگر اس سے قطع نظر کر کے الی قولہ اور بھی سہل ہوگا۔ ۱۲ منہ

تو سالہا سال سے اُس کے لئے پردوں کا کافی انتظام چلا آتا تھا اور میں نے ہمیشہ سے التزام کر رکھا ہے کہ مصالح سہ دری کے لئے جو چیز بنی اُس کے دام اپنے پاس سے دیتا ہوں؛ چنانچہ پردے اور فرش یہ سب میرے ہی داموں کے ہیں اور اسی لئے باوجود ہزاروں روپیہ مسجد و مدرسہ میں صرف ہو جانے کے سہ دری میں کبھی لپائی تک نہیں کرائی باوجود ضرورت کے۔ پس اگر سائبان میں مصالح سہ دری کا قصد ہوتا تو انشاء اللہ تعالیٰ اُسکو اپنے پاس سے بناتا بلکہ اس سائبان سے سہ دری میں روشنی کسی قدر کم ہو جانے سے بعض لکھنے (*) پڑھنے والوں کو اُن کے کام میں ایک گونہ تکلف ہو گیا اسی لئے بناء کے قبل سہ دری کے مصالح کا وسوسہ بھی نہیں بلکہ میں نے تو ان مصالح کے مشورہ پیش کئے جانے کے وقت تصریحاً اُن کو رد کر دیا کیونکہ بعض نے پیش بھی کیا تھا؛ البتہ اول مصلحت ذہن میں یہ آئی تھی کہ اس کے مقابل شمالی سہ دری (**) کے سائبان کے بعد اگر یہ سائبان نہ ہوا تو تقابل کی خوشنمائی جاتی رہے گی؛ لیکن اس کے ساتھ ہی اس مصلحت کو نا کافی سمجھ کر تردد تھا کہ اُسکے بعد یہ مصلحت ذکر کی گئی اس کو البتہ معتد بہ مصلحت سمجھ کر کام جاری کر دیا۔ رہا توسیط امام کی مخالفت تو عذر حر و مطر میں عفو ہو سکتا ہے خصوص غیر مکلفین کے لئے اس کی نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف الصّف منفرداً مکروہ ہے مگر اب فقہاء نے احتمال تجاذب عوام کے سبب اجازت دی ہے کہ اوّل صف میں سے کسی کو نہ کھینچے تنہا کھڑا ہو جائے تو اس عذر کو رافع کراہت قرار دیا رہا یہ کہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد کے لئے ہو جائز نہیں واقعی اگر ایسا قصداً کرے تو یہ حکم سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر اس کا قصد نہ ہو گو کوئی خاص نفع حاصل ہو جاوے تو اس صورت میں اس کا عدم جواز سمجھ میں نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص مسجد کی پشت پر مکان بناوے اور وہ جانب شرق میں اس لئے اپنی دیوار نہ بناوے کہ مسجد کی دیوار غربی پردہ کے لئے کافی ہے تو کیا اُس کو ناجائز کہا جائے گا؛ حالانکہ مسجد کا جز و غیر مسجد کے کام میں آیا۔ یا اگر ایسے ہی مکان کی دیوار شرقی بھی ہو؛ لیکن ذرا پست ہو کے کہ محلے کے بعض ایسے مکانات کی چھت سے سامنا ہوتا ہو جن میں اور اُس مکان میں مسجد مذکور حائل ہو اور فرض کیا جاوے کہ بمصلحت راحت نمازیان اس مسجد کی چھت اونچی کرنے کی رائے قرار پاوے اور اس وجہ سے دیواریں بھی اونچی کرنے کی ضرورت پڑے

(*) اور کبھی مجھ کو بھی سہ دری سے باہر بیٹھ کر لکھنا پڑھنا پڑا ۱۲ منہ

(**) یہ سہ دری مسجد سے فصل پر ہے۔ ۱۲ منہ

اور پھر اُس اونچائی کے بعد اُس مکان کا پورا پورا پردہ ہو جاوے اور پھر اُس کی دیوار اونچی کرنی پڑے اور اتفاق سے وہ مکان والا ہی اُس مسجد کا بھی متولی ہو تو کیا اُس کو یہ جائز نہ ہوگا کہ اُس مسجد کے اونچی کرنے پر کفایت کرے اور اپنی دیوار کو اونچا نہ کرے حالانکہ یہاں خود اپنی دیوار کو بھی اونچا کرے مکان کو اُس منفعت دیوار مسجد کے اثر سے بچا سکتا ہے مگر پھر بھی تنگی نہیں کی جاوے گی اور صورت واقعہ میں تو کوئی ایسی تدبیر بھی نہیں کی کہ سہ دری کو اس سائبان کے اثر سے بچایا جا سکے تو ایسے تعذر میں تو بدرجۂ اولیٰ تنگی نہ ہوگی۔ والسلام خیر ختام

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ

تمت المکاتبة

تنبیہ: گو پھر اس معروض کا جواب نہیں آیا۔ مگر اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے کیونکہ اس کا سبب کوئی عارض بھی ہو سکتا ہے مثلاً وہی امر جو کہ مکتوب سوم کے شروع میں مذکور ہے۔ اس لئے اب بھی ضرورت ہے کہ اس باب میں اہلِ علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے جیسا کہ تمہید میں عرض کیا گیا۔ فقط۔
(ترجیح ثانی صفحہ ۱۸۲ تا ۱۹۰)

مسجد میں لڑنا جھگڑنا

سوال (۱۵۲۱): قدیم ۲/۶۳۴ - کیا حکم ہے شریعت کا اس میں کہ مسجدوں میں فضول باتیں کرنا اور شور وغل مچانا اور لڑنا جھگڑنا اور لغویات بکنا کیسا ہے؟

الجواب: مسجدیں عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں اُن میں آکر عبادت میں لگا رہنا چاہئے یا کوئی دین کی بات ہو اُس کا بھی مضائقہ نہیں وہ بھی عبادت ہے مگر ایسی واہیات باتوں کے واسطے بیٹھکیں ہوتی ہیں پس (*) مسجد کو بیٹھک ٹھہرانا بہت بُری بات ہے (۱)، یہ لوگ قابل سزا کے ہیں۔

(*) یہ مطلب نہیں کہ بیٹھک میں یہ علی الإطلاق جائز ہو؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ علاوہ قباحت ذاتیہ کلام فضول کے یہ عارضی قباحت مزید ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، النسخة الهندية ص: ٥٤، دار السلام رقم: ٧٥٠) ←

في صحيح البخاری عن السائب (*) ابن يزيد قال: كنت قائما في المسجد فحصبني رجل، فنظرت إليه فإذا عمر بن الخطاب فقال: اذهب فائتني بهذين فجئته بهما، فقال: ممن أنتما أو من أين أنتما قال من أهل الطائف. قال: لوكنتما من أهل البلد لاوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله ﷺ (ا) أقول المساجد كلها متساوية في هذا الحكم. (**) فقط

١٢/ ذی الحجہ ١٣٠٠ھ (امداد اوّل، ص ٩١)

(*) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنيا هم فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة رواه بيهقي. ١٢منہ

(**) نعم المسجد النبوي أولىٰ وأحوىٰ باعتبار كون المتحدين بقرب النبي صلى الله عليه وسلم لكن التساوي باعتبار أصل الحكم ثابت. ١٢منہ

← عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا اتخذ الفئ دولا، والأمانة مغنما، والزكاة مغرما، وتعلم لغير الدين، وأطاع الرجل امرأته، وعق أمه، وأدنى صديقه، وأقصىٰ أباه، وظهرت الأصوات في المساجد، وساد القبيلة فاسقهم، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره وظهرت القينات والمعازف، وشربت الخمور، ولعن آخر هذه الأمة أولها فليرتقبوا عند ذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا، وآيات تتابع كنظام بال قطع سلكه فتتابع. (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ما جاء في علامة حلول المسخ والخسف، النسخة الهندية ٢/ ٤٥، رقم: ٢٢١١)

والكلام المباح وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله (تحته في الشامية) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٦، كراچي ١/ ٦٦٢)

وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث أي كلام الناس في المسجد؛ لكن قيده بأن يجلس لأجله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في كراهة استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣، كوئٹہ ٢/ ٣٦)

الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧٢)

(ا) بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت في المساجد، النسخة الهندية ١/ ٦٧، رقم: ٤٦٥، ف: ٤٧٠۔ ←

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کا حکم

سوال (۱۵۲۲): قدیم ۲/ ۶۳۵ - جامع مسجد میں جب نمازی لوگ جمع ہوتے ہیں تو باہم دنیا کی باتیں دیر دیر تک کیا کرتے ہیں اِن باتوں میں دو ایک باتیں خدا اور رسول کی بھی ہو جاتی ہیں مگر دنیا کی باتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ایسا چاہئے یا نہیں اور ایسی باتیں کرنے والے گنہ گار رہوں گے یا نہ؟

الجواب: اگر اس میں کوئی معصیت کی بات نہ ہو اور خاص باتیں کرنے کی نیت سے مسجد میں نہ آئے ہوں تو گناہ نہیں (۱) لیکن اِس کا غالب کرنا ادب مسجد کے خلاف ہے۔

۶/ صفر ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۳۲۲)

مسجد میں دنیوی مجلس قائم کرنا

سوال (۱۵۲۳): قدیم ۲/ ۶۳۵ - مسجد میں بعد اختتام نماز علاوہ عبادت ونفل کے مثل اپنی ایک نشست کے بیٹھنا جائز ہے کہ نہیں؟

← السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب كراهية إنشاد الضالة في المسجد وغير ذلك مما لا يليق بالمسجد، دارالفكر بيروت ٣/ ٤٧٦، رقم: ٤٤٤٨. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث أي كلام الناس في المسجد؛ لكن قيده بأن يجلس لأجله. وفي فتح القدير الكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات، وينبغي تقييده بما في الظهيرية: أما إن جلس للعبادة ثم بعدها تكلم فلا.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل في استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣، كوئٹه ٢/ ٣٦)

ويكره الإعطاء مطلقا ...... والكلام المباح وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله وتحته في الشامية: فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد مابني لأمور الدنيا وفي صلاة الجلابي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد، وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ كذا في التمرتاشي هندية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٦، كراچي ١/ ٦٦٢)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٣٢١، جديد ٢/ ٣٧٢. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: والكلام المباح، وقيد في الظهيرية: بأن يجلس لأجله؛ لكن في النهر الإطلاق أوجه وتخصيص مكان لنفسه (١). وفي رد المحتار عن الطحاوي: أنه صلى الله عليه وسلم نهى أن تنشد الأشعار في المسجد، وأن تباع فيه السلع وأن يتحلق فيه قبل الصلوٰة وفيه ثم وفق بينه وبين ما ورد أنه صلى الله عليه وسلم وضع الحسّان منبراً ينشد عليه الشعر بحمل الأول علىٰ ما كانت قريش تهجوه به ونحوه مما فيه ضرر وعلىٰ ما يغلب على المسجد حتىٰ يكون أكثر من فيه متشاغلا به إلىٰ قوله مما غلب عليه كره وما لا فلا. جلد:١، ص: ٦٩٠-٦٩٢. (٢)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں باتوں کی غرض سے بیٹھنا اور غیر وقت صلوٰۃ میں بھی حلقہ و اجتماع کرنا اور خصوص جبکہ نشست کی جگہ بھی خاص کرلی جاوے یہ سب ناجائز ہے اگر اس کی عادت کرلی جاوے (٣) اور اگر نہ اس غرض کے لئے مسجد میں گیا اور نہ اس کی عادت کی بلکہ عبادت کے لئے مسجد میں داخل ہوا تھا اتفاق سے کوئی بات چیت مباح بھی کرلی یا اس کے لئے احیاناً بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں۔ (٤)

٢٧/ ذی قعدہ ١٣٣٢ھ (تتمۂ ثانیہ، ص١٩٠)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب: في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٦، كراچي ١/٦٦٢-

(٢) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في إنشاد الشعر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٤، كراچي ١/٦٦٠-

(٣) **الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧٢)

يكره البصاق فيه ...... والكلام المباح؛ لأنه يأكل الحسنات. وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله، كذا في البحر والإطلاق أوجه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل فيما يكره خارج الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٢٨٩-٢٩٠)

(٤) **وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث أي كلام الناس في المسجد؛ لكن قيده بأن يجلس لأجله. وفي فتح القدير الكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات، وينبغي تقييده بما في الظهيرية: أما إن جلس للعبادة ثم بعدها تكلم فلا.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل في استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٣، كوئٹہ ٢/٣٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صحنِ مسجد کا حکم

سوال (۱۵۲۴): قدیم ۲/ ۶۳۶ - (رقم زدہ صدر الافاضل حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب قبلہ مفتی راندیر ضلع سورت) ناظرین کرام مسلمہ قاعدہ ہے ''الناس أعداء لما جھلوا'' انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو اُسی کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو اگر اس مجھول چیز کی ممانعت بھی کردی جائے تو پھر اُس کی دشمنی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے پھر اس کے متعلق اگر کسی سے کوئی غلط خبر بھی سُن لے تو فوراً عدمِ علم کی بنا پر اس کو حقیقت پر محمول کر کے اپنا زعمی حکم اس پر لگا دیتا ہے اور ہوا کی صورت میں پیش کر کے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے ڈرا دیا جاتا ہے یہی حال فقہ اور اہل حدیث زمانہ کا ہے جہاں کسی نے کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی طرف منسوب کردیا بس اہلِ حدیث کے دارالافتاء سے تحقیق سے قبل ہی اس پر یہ حکم لگا دیا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کیا اسی طرح فقہ احناف کے اور بہت سے مسائل بے دلیل وغلط ہیں تاکہ پہلے ہی وہلہ میں سُننے والے کے کان کھڑے ہوجائیں کہ یہ کیا مصیبت کہ میں تو ایک مسئلہ پیش کر رہا تھا اور یہاں ضغث علیٰ بالہ کی صورت ہے اس تحقیق کی ضرورت ہی نہیں کہنے والا خبر دینے والا سوال کرنے والا کسی کتاب معتبر سے نقل کر رہا ہے یا ایسی ہی سُنی سُنائی خبر دے رہا ہے جس مسئلہ کی نسبت فقہ حنفی کی طرف کی گئی ہے واقعی وہ کتب معتبرہ حنفیہ میں ہے بھی یا یونہیں شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا مصداق ہے اس کے متعلق اُن کے یہاں کوئی خاص حکم ہے یا نہیں اُنھوں نے تحقیق کی ہے یا اُن کی معتبر کتابوں میں ہے یا نہیں؟

بس یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں فقہ احناف کا یہ مسئلہ بھی بے دلیل وغلط ہے اہلِ علم بلکہ بزعم قائل اہلِ تحقیق سے یہ فعل بسا بعید ہے؟

گویا یہ کہہ دینا بھی ایک حد تک کافی ہوتا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ صحیح نہیں؛ لیکن اس کیساتھ جواب میں یوں فرمانا کہ فقہ احناف کے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں یہ مسئلہ بھی بے دلیل ہے ایک خاص رنگ میں رنگا ہوا فرمان ہے جو گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار است کا مرقع ہے؟

اس وقت میرے سامنے اخبار اہل حدیث مجریہ ۱۱/ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ رکھا ہوا ہے۔ جس کے چوتھے صفحے کے پہلے کالم پر ایک سوال و جواب کی یہ سُرخی ہے ''مسجد کا دالان اور صحن برابر ہیں'' سائل نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چھت دار حصہ مسجد ہے اور بلا چھت والا جو صحن کہلاتا ہے

خارج مسجد مثل گھر ہے، اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو گھر کا ثواب ملے گا نہ مسجد کا۔بعض اہلِ حدیث جو امام مسجد ہیں اس فقہی مسئلہ پر نہایت سختی سے جامد و عامل ہیں اور دوسروں کو بھی صحن مسجد میں فرض نماز پڑھنے سے بہت شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صحونِ مساجد داخلِ مساجد ہیں یا خارج، اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو مسجد کا ثواب ملے گا یا گھر کا؟

الجواب: فأقول بحول الله وقوته۔ فقہ احناف میں جس طرح اور بہت سے مسائل بلا دلیل ہیں اسی طرح یہ مسئلہ بھی بلا دلیل ہے۔ صحنِ مسجد داخلِ مسجد ہے نہ خارج (کالم۲ تا ط ٦) پس فقہ کا یہ مسئلہ غیر مدلّل ہے کہ صحون مساجد مثل گھر ہیں اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گھر کا ثواب ملے گا بالکل غلط بے اصل بلا دلیل وخلاف طریقۂ انبیاء وسلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم ہے۔ (کالم۱۳ از سطر۲۱ تا ۲۵) اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کوئی کہے اہلِ حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر کچھمن کشن جی زراتشت نفسیوس بدھا۔ سقراط۔ فیثا غورث انبیاء وصلحاء ہیں۔ ہم ان کی نبوت کا انکار نہیں کرتے۔ ونحن له مسلمون و نبرئهم عما ينسب إليهم أهل الكفر من الشرك والكفر والطغيان. (هدية المهدى ج ١، ص ٨٥۵. یا کوئی کہنے لگے کہ اہلِ حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عورتوں یا لونڈیوں سے دبر میں وطی کرنے پر انکار کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ (ہدیہ، ص: ۱۱۸، ج: ۱) اور کوئی مجیب یوں جواب دے کہ یہ کیا ان کے یہاں کے بیسیوں مسئلے غلط اور بے دلیل ہیں تو مذکور مجیب صاحب کے قاعدہ کے مطابق بیجا نہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ صحن مسجد داخلِ مسجد ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں اور یہی کتب فقہ احناف کا حکم ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ فقہاء حنفیہ اس کے خلاف کے قائل ہیں یا ان کی معتبر کتابوں میں اس کے خلاف حکم ہے یا فقہ حنفی صحن مسجد کو خارج مسجد بتاتا ہے نہ سائل نے اس کی تحقیق کی اور نہ مجیب صاحب نے تحقیق کی تکلیف گوارا فرمائی جواب میں اس کا امکان تھا کہ کہد یا جاتا کہ اگر فقہ حنفی میں اسی طرح ہے تو یہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحن مسجد داخلِ مسجد ہے۔ اس پر اس زیادتی کی ضرورت نہ تھی کہ اور بھی بہت سے مسائل بلا دلیل ہیں؛ کیونکہ سوال سے اس کا تعلق ہی نہیں اور نہ سائل کا بظاہر مقصود۔ نیز جواب میں اس کا بھی امکان تھا کہ لکھدیا جاتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں اس لئے کہ ان کی کتابیں اس کے خلاف شاہد ہیں (بشرطیکہ مجیب صاحب مطالعہ کر لیتے) لیکن آسان وسہل طریقہ یہی تھا کہ جہاں اور بہت سے مسائل فقہ احناف کے بے دلیل ہیں

یہ مسئلہ بھی (اگر فقہ حنفی میں ہو) بے دلیل وغلط ہے اس آسان صورت کو چھوڑ کر صعوبت مطالعہ کیوں اختیار کی جاتی اور عوام کو کیوں بتایا جاتا کہ ان کا یہ مسئلہ نہیں ہے اور ان کے یہاں صحن مسجد میں داخل اور مسجد ہی ہے مقصود اصلی اور بہت سے مسائل کو بے دلیل بیان کرنا تھا وہ اس جواب سے حاصل ہو گیا تا کہ عوام فقہ احناف سے کنارہ کش رہیں اور سوء ظنی پر عمل پیرا ہوں جو شایانِ شان اہلِ علم ہے ماشاء اللہ وچشم بددُور؛ لہٰذا تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔(١)

(٢) مسجد ایسی زمین ایسی جگہ ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے عبادت نماز کے لئے وقف کر دیا ہو اپنی ملک سے نکال کر خدا کی ملک میں اس لئے دے دے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت نماز فرض ادا کی جائے (٣) اس میں اس کی ضرورت نہیں کہ اُس پر عمارت بنی ہوئی ہو یا نہ ہو بس اس زمین کی جو حدود معینہ ہیں اس کے ہر ہر جزو پر مسجد ہونا صادق ہے اس کا ہر حصہ مسجد ہوتا ہے جو مسجد کے احکام ہیں وہ اس پر صادق ہیں چونکہ موسم کا اختلاف رہتا ہے اور نماز ہر موسم میں فرض ہے جس کو اسلامی شان وشعار کی وجہ سے مسجد میں ادا کرنا ہوتا ہے؛ اس لئے اس وقف شدہ زمین پر سردی گرمی بارش سے محفوظ رہنے کے لئے عمارت بنانی ضروری ولازمی ہے اس لحاظ سے عرف میں اس زمین اور عمارت کو مسجد کہا جاتا ہے اور شرعاً بھی دونوں پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اس چہار دیواری کے اندر جس سے وقف شدہ زمین کو گھیرا ہے جو خاص اس وقف شدہ زمین کی حدود کو معین کرتی ہے جتنی زمین ہو گی اُس پر عمارت ہو یا نہ ہو مسجد کہلائے گی۔ دالان، صحن سب اس میں داخل ہیں۔

اعلم أنه لايشترط في تحقق كونه مسجدا البناء لما في الخانية: لو كان له ساحة لا بناء فيها أمر قومه بالصّلوٰة فيها بجماعة قالوا: ان أمرهم بالصلوٰة أبداً أو أمرهم بالصلوٰة فيها بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا لأنه أراد بها الأبد ثم مات لايكون ميراثا منه. طحطاوی علی الدرالمختار. ص: ٥٣٦، ج: ٢. (٤)

---

(١) الجواب ذا قول بحول اللہ وقوتہ سے یہاں تک کی عبارت غیر مقلدین کی گفتگو اور نظریہ پر تبصرہ سے متعلق ہیں۔

(٢) یہاں سے اصل جواب کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

(٣) **المسجد في الاصطلاح: أنها البيوت المبنية للصلاة فيها لله فهي خالصة له سبحانه ولعبادته.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/١٩٤)

(٤) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الوقف، كوئٹه ٢/٥٣٦۔ ←

لایجوز لقیم المسجد أن یبني حوانیت في حدالمسجد أو في فنائه. طحطاوی ، ص مذکوره. (ا)

اس عبارت نے تصریح کردی کہ مسجد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس پر عمارت ہی بنی ہو؛ بلکہ بغیر عمارت کی زمین بھی مسجد ہوتی ہے۔ ساخت بمعنی میدان وقف ہے جس میں کچھ عمارت نہ ہو اور یہی لفظ آنگن اور صحن مکان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جس زمین کو مسجد قرار دیا ہے اس کے اطراف کو جس چیز سے معین کیا ہے وہ مسجد کی دیواریں اس چہار دیواری میں جو کام ہوگا اُس کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ کام حد مسجد میں ہوا ہے حد مسجد مسجد ہے؛ اسی لئے اس کی تصریح کردی گئی منتظم مسجد کو حد مسجد میں دوکانیں بنانی جائز نہیں کہ اُن کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ (۲)

فقہائے احناف نے ہر اُس حصہ مسجد کو جو حد مسجد میں داخل ہے مسجد سمجھا اور مسجد کے احکام اُس پر جاری کئے اس لئے اُنھوں نے اکثری حالت میں مسجد کے حصص و درجات کی تفریق نہ کی؛ بلکہ مسجد ہونے کے اعتبار سے ہر حصہ کو مسجد ہی کے نام سے پکارا۔ اور اس پر مسجد کا لفظ اطلاق کیا جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ حد مسجد میں جتنی زمین ہے سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب مسجد ہے۔

أفضل المساجد مکة، ثم المدینة، ثم القدس، ثم قبا، ثم الأقدم، ثم الأعظم، ثم الأقرب.اھ (درمختار) أي مسجد مکة و کذا ما بعده (إلیٰ قوله) الأقدم وفي تسهیل المقاصد

← خانیة علی هامش الهندیة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجدًا، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۳/ ۲۹۰، جدید ۳/ ۲۰۲۔

(ا) حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الوقف کوئٹه ۲/ ۵۳۶۔

(۲) **قیم المسجد لا یجوز له أن یبني حوانیت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز.** (هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر: في المسجد و ما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف و تصرف القیم، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۲/ ۴۶۲، جدید ۲/ ۴۱۳)

قیم المسجد إذا أراد أن یبني حوانیت في المسجد أو في فنائه لا یجوز له أن یفعل؛ لأنه إذا جعل المسجد مسکنا تسقط حرمة المسجد. (فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل: أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند ۶/ ۲۱۹، کوئٹه ۵/ ۴۴۶)

للعلامة أحمد بن العماد أن أفضل مساجد الأرض الكعبة؛ لأنه أول بيت وُضع للناس ثم المسجد المحيط بها؛ لأنه أقدم مسجد بمكة ثم مسجد المدينة. اھ (رد المحتار، ص: ٤١٤، ج: ١). (١)

اس عبارت سے افضلیت مساجد کو بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی عموم کے ساتھ کہ جس میں صحن یا دالان کی تخصیص نہیں کی گئی ''ثم المسجد المحيط بها'' اس کی بین دلیل ہے، اس سے ثابت ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صحنِ مسجد مسجد میں داخل ہو؛ اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ جو مسجد بیت اللہ کو محیط ہے اس کے اندر چاروں طرف میدان اور کھلی ہوئی جگہ ہے جس پر کچھ عمارت نہیں ہے جو بیت اللہ کا صحن کہلاتا ہے اس کو مذکورہ عبارت میں مسجد قرار دیا ہے اور اس زمین پر مسجد کا اطلاق کر دینا جس کو مسجد کی دیواریں محیط ہیں جن کو حد مسجد کہا جاتا ہے صحن کے مسجد ہونے کی دلیل ہے خارج ہونے کی حالت میں ثم المسجد المحیط بہا بقول قائل صحیح نہیں۔

وكره غلق باب المسجد إلا لخوف علىٰ متاعه به يفتي (درمختار) قال في البحر: وإنما كره؛ لأنه يشبه المنع من الصلوٰة قال تعالىٰ ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه. رد المحتار، ص: ٦٤٦، ج: ١. (٢)

---

(١) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣١-٤٣٢، كراچي ١/ ٦٥٨۔

أعظم المساجد حرمة المسجد الحرام، ثم المسجد المدينة، ثم مسجد بيت المقدس، ثم الجوامع (الأشباه) وذكر العلامة أحمد بن العماد في كتابه ''تسهيل المقاصد'' إن أفضل مساجد الأرض الكعبة، ثم مسجد أيلة المحيط بالكعبة، ثم مسجد المدينة، ثم مسجد الأقصىٰ، ثم مسجد الطور. (الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي، الفن الثالث، الجمع والفرق، القول في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند جديد ٣/ ١٩٤)

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٨، كراچي ١/ ٦٥٦۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٩، كوئٹہ ٢/ ٣٣۔

فقہائے کرام کا مسجد کے دروازہ کے بند کرنے پر ممانعت وکراہت کا حکم لگانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حد مسجد میں جتنی جگہ ہے سب مسجد ہے ورنہ باب مسجد نہ کہتے؛ بلکہ جماعت خانہ یا دالان یا سقف عمارت کے دروازہ کے بند کرنے کی ممانعت فرماتے کہ بزعم زاعم اُن کے نزدیک وہی مسجد ہے عرف میں عام طور پر مسجد کا مفہوم ہر شخص مسلمان کے ذہن میں ہے؛ اس لئے کسی حصہ کی تخصیص کرنا چہ معنی دارد کا مضمون ہو جاتا، ہر شخص سمجھتا ہے کہ صحن میں نماز پڑھی گئی تو مسجد ہی میں پڑھی گئی، جب دروازہ کو بند کیا جو حد مسجد میں لگا ہوا ہے مسجد کے دروازہ کو بند کیا گیا جس میں صحن اور دالان دونوں داخل ہیں۔

واتخاذه طريقا بغير عذرو صرح في القنية بفسقه باعتياده. (درمختار) (۱)

مسجد کو آمد و رفت کے لئے گزرگاہ اور راستہ مقرر کرنے کی ممانعت فقہ حنفی میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وہیں ہوگا جہاں مسجد کے دو تین دروازے ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عموماً مساجد کے دالانوں میں یا جسے جماعت خانہ کہا جاتا ہے اس میں پیچھے سے نکل جانے کے لئے دروازے لگائے نہیں جاتے؛ بلکہ یہ صورتیں بڑی مسجدوں میں ہوتی ہیں جن میں زمین وافر کشادہ اور صحن وغیرہ ہوتے ہیں بقول زاعم اگر صحن مسجد سے خارج ہو، اور فقہ حنفی اس کو خارج شمار کرتی ہو تو ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانے پر اعتیاد کی حالت میں فسق کا حکم نہ لگایا جاتا اس لئے کہ صحن کو مسجدیت سے کوئی تعلق نہ تھا؛ لیکن ممانعت کردی گئی اس لئے کہ صحن بھی مسجد ہے اس کو گزرگاہ بنانا مسجد ہی کو گزرگاہ بنانا ہے؛ کیونکہ حد مسجد میں داخل ہے۔

والوضوء إلا فيما أعد لذلک. درمختار (۲). وفي الخلاصة وغيرها يكره الوضوء

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸، كراچي ۱/ ۶۵۶۔

رجل يمر في المسجد ويتخذ طريقًا إن كان بغير عذر لا يجوز. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، فصل فيما يكره في الصلاة وما لا يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۱۰، جديد ۱/ ۱۴۹)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۴، كراچي ۱/ ۶۶۰۔

والمضمضة في المسجد إلا أن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه. اه (بحر الرائق ، ص ۳۴، ج ۲). (۱)

فقہ حنفی میں عام طور پر مسجد میں وضو کرنے کلی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور کون عقلمند نہیں جانتا کہ وضو کرنا یا وضو جیسے اور کوئی کام کرنا اُس جگہ نہیں ہوتے جہاں چھت بنی ہوئی ہے جو کہ مسقّف حصہ کہلاتا ہے جس کو دالان کہا جاتا ہے جہاں حسب حیثیت نمازیوں کے لئے فرش بچھا ہوتا ہے؛ بلکہ ایسے کام اگر ہوں گے تو ایسی جگہ ہوں گے جو کھلی ہوئی ہو جس کو آج کل صحن کہتے ہیں چونکہ فقہاء کے نزدیک صحن بھی مسجد ہے؛ اس لئے اس میں وضو وغیرہ کرنے سے منع کر دیا تاکہ مسجد قاذورات سے پاک وصاف رہے ہاں اگر اس میں سے کسی حصہ کو وضو ہی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے اس جگہ وضو کی اجازت ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد میں داخل ہے اس سے زیادہ صریح عبارت یہ ہے۔

وفي حاشية المدني عن الفتاوىٰ العفيفية: ولا يظن أن ما حول بئر زمزم يجوز الوضوء والغسل من الجنابة لأن حريم زمزم يجرى عليه حكم المسجد فيعامل معاملتها من تحريم البصاق والمكث مع الجنابة فيه ومن حصول الاعتكاف فيه واستحباب تقديم اليمنى بناء علىٰ ان الداخل من مسجد لمسجد ليسن له ذلک. اه (رد المحتار، ص: ۴۶۴، ج: ۱) (۲)

اس عبارت فقہی میں تصریح ہے کہ چاہ زمزم کے گرداگرد اور اُس کے حریم و ماحول میں حدث و جنابت کا وضو غسل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس پر مساجد کے احکام جاری ہیں اس جگہ تھوکنا، جنابت کی حالت میں ٹھہرنا حرام ہے (۳)، اس جگہ اعتکاف کرنا جائز ہے، داہنے پاؤں کو پہلے رکھنا مستحب ہے؛ کیونکہ داخل

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦١/٢، كوئٹه ٣٤/٢۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب: في رفع الصوت بالذكر، مكتبه زكريا ديوبند ٤٣٤/٢، كراچي ٦٦١/١۔

صحة إطلاق التحريم على قول كل من الإمام ومحمد على التجوز لا الحقيقة.

(تقريرات رافعي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٣٠٥/٩، كراچي ٣٠٥/٦)

(۳) فقہاء نے بہت سی مکروہ تحریمی کو لفظ حرام سے تعبیر فرمایا ہے، یہاں لفظ حرام سے مکروہ تحریمی مراد ہے۔

مسجد کے لئے مسنون یہی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ چاہِ زمزم کی جگہ صحن مسجد اور حد مسجد میں واقع ہے حد مطاف سے باہر ہے اگر فقہ حنفی میں صحنِ مسجد مسجد نہ ہوتا تو یہ احکام مذکورہ حریم زمزم پر جاری نہ کرتے۔

مگر چونکہ فقہاء کے نزدیک جب کسی جگہ کا مسجد ہونا ثابت ہوجائے تو اس کے ہر حصہ کو مسجد کے لفظ سے ذکر کیا کرتے ہیں، اس مجموعی جگہ کو مسجد ہی کہتے ہیں؛ اس لئے احکام مسجد کے بیان کرنے میں اسی لفظ مسجد کو استعمال کرتے ہیں اس میں تفریق نہیں کرتے اور صحن وغیرہ علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کرتے۔

وغرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نزو تكون للمسجد. اه (درمختار) قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نز والاسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذا لا يجوز. اه. وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله ولا يضيق على الناس و لايفرق الصفوف لابأس به، وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق الصفوف أو كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره. اه رد المحتار، ص: ٢٦٤، ج: ٢ (١). وبحر عن الظهيرية وغيرها، ص: ٣٥، ج: ٢. ومنحة الخالق، ص ٣٥ ج ٢ (٢)، وعالمگیری عن فتاویٰ قاضی خان، ص ١١١، ج ٢). (٣)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٤-٤٣٥، كراچي ١/٦٦٠-٦٦١۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧١۔

(٢) **وفي الظهيرية وغيرها ويكره غرس الأشجار في المسجد؛ لأنه يشبه البيعة إلا أن يكون به نفع للمسجد كأن يكون ذانز أو أسطوانية لا تستقر فيغرس ليجذب عروق الأشجار ذلک النز فحينئذ يجوز.** (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦١-٦٢، كوئٹہ ٢/٣٥)

(٣) عالمگيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/١١٠، جديد ١/١٦٩۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، فصل في مسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٦٥، جديد ١/٤٣۔

ظہیریہ: خلاصہ فتاویٰ قاضی خان عالمگیری۔ درمختار، ردالمحتار، بحرالرائق وغیرہ کتابوں میں مصرح ہے کہ مسجد میں درخت لگانا جس سے مسجد کو یا نمازیوں کو کسی قسم کا نفع نہیں ہے جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کے مصالح کے لئے درخت لگائے تو جائز ہے۔ مثلاً زمینِ مسجد میں اتنی نمی اور تری ہے جس کی وجہ سے مسجد کے ستون یا دیواریں قائم نہیں رہتی ہیں اور مسجد میں درخت لگا دینے سے اِس نمی میں کمی ہوجاتی ہے تو جائز ہے یا نمازیوں کے سایہ کے لئے لگا دیا تو جائز ہے بشرطیکہ صفوں میں تفریق نہ واقع ہو لوگوں پر تنگی نہ ہوجائے، غیر مسلم کے عبادت خانوں، گرجہ، کنیسہ کے ساتھ مسجد کو مشابہت نہ ہو۔

دنیا جانتی ہے کہ درخت واشجار کھلی ہوئی جگہ میں لگائے جاتے ہیں۔ مسقّف اور سائبان والی زمین اور دالان میں شجر درخت نہیں لگائے جاتے فقہاء کہتے ہیں۔ بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت لگانا جائز نہیں، اِس لفظ مسجد سے صحن ہی مراد ہے کہ وہ کھلی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور **لنفع الناس بظلہ** نے اس کو اور بھی واضح کردیا کہ اس سے صحن میں درخت لگانا مراد ہے جہاں سایہ کی کوئی چیز باعتبار عرف نہیں ہوتی ورنہ دالان میں تو خود سایہ ہوتا ہے وہاں درخت کے سایہ کی ضرورت نہیں ہوتی؛ چونکہ فقہاء کرام حد مسجد کے اندر جو زمین ہوتی ہے، سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب کو مسجد ہی کہتے ہیں؛ اس لئے احکام مسجد کے بیان کرنے میں حصص کی تفریق نہیں کرتے صحن بولنے کی جگہ پر بھی مسجد کا لفظ استعمال کرتے ہیں؛ اسی لئے فرمادیا کہ مسجد کا ہر حصہ محترم ہوتا ہے اس میں کوئی ایسا کام نہ ہونا چاہئے جو شانِ مسجد کے خلاف ہو؛ لہٰذا بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت بھی نہ لگانا چاہئے شجر سے بڑے بڑے درخت ہی مراد ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جاسکے۔ جن کی جڑیں زمین میں پیوست ہوکر زمین کی نمی کو جذب کرلیں۔ پھولوں وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے درخت مراد نہیں، جو گملوں وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں گو اس عرض کی ضرورت نہ تھی، مگر دُنیا عقلمندوں سے خالی نہیں؛ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی عقلمند اپنی ذہن جدت سے عبارت مذکورہ کو کسی دوسری شکل میں ڈھالنے لگے اور کوئی وہمی شبہ پیش کردے؛ لہٰذا پہلے ہی متنبہ کردیا گیا ہے کہ اس جدت کی یہاں حاجت نہیں۔

مسجد میں درختوں کی کثرت ہوگی تو نمازیوں کو ضرور تنگی پیش آئے گی جس کی وجہ سے نماز پڑھنے میں تکلیف ہوگی۔ اور یہی کثرت صفوں کی بھی تفریق کردے گی، جو بڑی جماعتوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوگی جن میں مقتدیوں سے صحنِ مسجد بھی بھر جاتا ہے اور گرمی کے زمانہ کی نمازوں میں جن کے لئے عموماً

صحن کو استعمال کیا جاتا ہے، درختوں کی کثرت کا اثر تفریق صفوف اور ضیق ناس کی صورت میں ظاہر ہی ہو کر رہے گا؛ بلکہ ایک درخت بھی بعض اوقات اقامتِ صف میں مانع ہوگا۔ بغیر ضرورت کے بعض نے درخت لگانے کی اجازت دیدی تھی مسجد وسیع ہونے کی صورت میں اِس کی بھی تردید کردی گئی۔

فرد علیه بأنه لايلزم من ذلک حل الغرس إلا للعذر المذکور؛ لأن فيه شغل ما أعد للصلوٰة و نحوها، وإن کان المسجد واسعاً، أو کان في الغرس نفع بثمرته وإلا لزم إيجار قطعة منه ولايجوز إبقاء ه. أيضاً لقوله عليه الصلوٰة والسَّلام: ليس لعرق ظالم حق لأن الظلم وضع الشئ في غير محله وهذا کذلک. الخ (رد المحتار نقلا عن رسالة العلامه ابن أمير حاج. ص: ٤٦٤، ج: ١) (١)

قوله: وإلا فلا دليل علىٰ أنه لايجوز إحداث الغرس في المسجد ولا إبقاء ه فيه لغير ذلک العذر. ولو کان المسجد واسعاً کمسجد القدس الشريف ولو قصد به الاستغلال للمسجد؛ لأن ذلک يؤدي إلىٰ تجويز إحداث دکان فيه أو بيت. للاستغلال أو تجويز إبقاء ذلک بعد إحداثه ولم يقل بذلک أحد بلا ضرورة داعية ولأن فيه إبطال مابنى المسجد لأجله من صلوٰة و اعتکاف و نحوهما. اه منحة الخالق، ص: ٣٧، ج: ٢. (٢)

جس شخص کی نظر اِس عبارت پر ہوگئی وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد سے خارج کردیا گیا ہے مسجد اقصیٰ کوئی چھوٹی سی مسجد نہیں ہے بڑی اور بہت بڑی مسجد ہے، جب اس میں بغیر ضرورت مسجد کے درخت لگانے کی اجازت نہیں تو اُس جیسی وسیع مسجدوں میں بھی نہیں؛ اس لئے کہ جواز احداث دکان وغیرہ کو مستلزم ہے جو بغیر ضرورت داعیہ اور بغیر اشد مجبوری کے جائز نہیں ہے؛ بلکہ درخت لگا دینے سے مسجد کی مسجدیت باطل ہوئی جاتی ہے کہ مسجد کو نماز واعتکاف وغیرہ کے لئے بنایا گیا، اب اس میں درختوں کی کاشت شروع کردی گئی۔ ان جملہ اُمور سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ فقہاء صحن پر مسجد کا حکم لگا رہے ہیں۔

---

(١) شامي، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يکره فيها، مطلب: في الغرس في المسجد، مکتبه زکريا ديوبند ٤٣٥/٢، کراچي ٦٦١/١۔

(٢) منحة الخالق على البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايکره فيها، فصل کره استقبال القبلة، مکتبه زکريا ديوبند ٦١/٢-٦٢، کوئٹه ٣٥/٢۔

اوران جملہ امور کو صحنِ مسجد میں احداث کرنے سے منع کرتے ہیں کہ وہ مسجد ہے اُس کی بھی حرمت اسی طرح کی ہے، جس طرح مسقّف اور دالان کی حرمت ہے؛ لیکن صحن کا لفظ نہیں استعمال کیا اُس پر لفظ مسجد اطلاق کر دیا تا کہ مسجدیت کے لحاظ سے جو تفریق کا وہم ہوتا ہو وہ مٹ جائے۔

قالوا: ولا يتخذ في المسجد بئر ماء لأنه يخل بحرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب وإن حفر فهو ضامن بما حفر إلا أن ما كان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام. ١٥ البحر الرائق، ص: ٣٥، ج: ٢ (١). رد المحتار، ص: ٣٨٢، ج: ٣. (٢)

فقہاء نے مسجدوں میں کوئیں کھودنے سے بایں وجہ منع کر دیا کہ اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا اگر مسجد میں کنواں ہوگا تو پانی کے لئے جنبی حائضہ وغیرہ سب ہی پانی بھرنے کے لئے مسجد میں آمد ورفت کریں گے جس سے حرمت مسجد جاتی رہے گی ہاں اگر کوئی کنواں قدیم زمانہ سے مسجد میں موجود ہے۔ چنانچہ مسجد حرام میں چاہ زمزم ہے تو اُس کو اِس طرح باقی رکھا جائے گا۔

ہر ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ اکثری حالت میں عام طور پر مساجد کے دالانوں اور مسقّف عمارتوں میں کنواں نہیں بنوایا جاتا بلکہ کھلی ہوئی جگہ میں جو صحن مکان یا صحنِ مسجد یا فناء مسجد ہوگی۔ فقہاء مسجد میں کنواں کھودنے کو منع کرتے ہیں اور وہ صحن میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ صحن میں کنواں نہ کھودو؛ کیونکہ مسجد ہے اور اس کی وجہ سے مسجد کا احترام جاتا رہے گا۔ مثال میں چاہِ زمزم کو بیان کرنا دلیل روشن ہے کہ فقہاء کے کلام میں مسجد سے صحن مسجد مراد ہے۔ ورنہ چاہِ زمزم کو دنیا جانتی ہے کہ صحن مسجد حرام میں ہے اور جب یہ کہہ دیا کہ بئر زمزم فی المسجد الحرام تو کہہ دیا کہ صحن مسجد میں داخل ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد ہی کا ثواب ملتا ہے اُس کو مجنونوں، بچوں، ناپاکوں، حائضہ ونفاس والی وغیرہ عورتوں سے پاک وصاف رکھنا چاہئے۔

---

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٦٢/٢، كوئٹه ٣٥/٢۔

(٢) **قلت: والهندية آخر الباب الأول من إحياء الموات نقلا عن الكبرى: أراد أن يحفر بئرا في المسجد من المساجد إذا لم يكن في ذلك ضرر بوجه من الوجوه. وفيه نفع من كل وجه، فله ذلك كذا قال هنا وذكر في باب المسجد قبل كتاب الصلاة لا يحفر، ويضمن والفتوى على المذكور هنا.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٨/٦، كراچي ٣٥٧/٤)

نعم يوجد في أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فيها وقت المطر ونحوه لأجل الصلوٰة أو للخروج من الجامع لا لمرور المارين مطلقاً كالطريق العام فلعل هذا هو المراد فمن له حاجة إلى المرور في المسجد يمر في ذلک الموضع فقط ليكون بعيدا عن المصلين وليكون أعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتأمل. (رد المحتار، ص ٣٥٥ ج ٣). (١)

اس عبارت میں صحن کا بھی ذکر آ ہی گیا اور اس نے تصریح کر دی کہ صحن مسجد ہے اور مسجد میں داخل ہے اور اطرافِ مسجد کے صحن جو صحن چپاں دالان مسقّف بارش و دھوپ وغیرہ کے وقت چلنے اور نماز پڑھنے اور جامع مسجد سے باہر جانے کے لئے بنا دئے جاتے ہیں جب وہ مسجد ہیں تو صحن جو وسط میں ہوتا ہے بطریق اولیٰ مسجد ہے۔ حاجت کے وقت ان رواقات میں مرور کی اجازت دینی اور صحن کو گزرگاہ نہ بننے دینا اس سے بچکر جانے کا حکم دینا صحن کو مسجد بناتا ہے اور یہ کیوں کیا گیا اس لئے کہ اس کا مرور نمازیوں سے بعید واقع ہو اور محلِ صلوٰۃ کی حرمت برقرار رہے؛ بلکہ اعظم حرمت ہوجائے، ان رواقات میں سے بھی ایسے وقت گزرے کہ جنبی اور حائضہ وغیرہ نہ ہو۔

وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والدواب. زيلعي. ا۵ درمختار، ص ٣٩٥. (٢)

جنبی حائض کو اس میں گزرنے سے منع کر دینا باعلی ندا پکارتا ہے کہ صحن مسجد ہے اس کے رواقات میں سے ایسی حالت میں گزرنا جائز نہیں کہ مسجد کی حرمت میں کچھ فرق آئے۔

قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي ولاسيما مايترتب علىٰ ذلک من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه. ا۵ رد المحتار، ص: ٣٨٢، ج: ٣. (٣)

---

(١) شامي، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيئ من المسجد طريقًا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٥، كراچي ٤/٣٧٨۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيئ من المسجد طريقًا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٥، كراچي ٤/٣٧٨۔

(٣) شامي، كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨۔

مساجد میں احداث خلوات کی حرمت کی تصریح کرنی اور مثال میں رواق مسجد اموی کے خلوات کو پیش کرنا جو اطرافِ صحن میں ہوتا ہے اُس کو بتلاتا ہے کہ رواق مسجد ہے اور جب صحن کے اطراف مسجد ہیں تو وسط میں جس کو صحن کہا جاتا ہے مسجد ہو کر ہی رہے گا اور طبخ و غسل وغیرہ اُس کے مسجد ہونے کو اور واضح اور روشن کردے گا جس کی وجہ سے مسجد قاذورات کا محل بن جاتی ہے۔

رواق جس طرح مقدم البیت (چھجا) اور چھت گیری اور سقف (چھت) کو کہتے ہیں اسی طرح اس دالان کو بھی کہتے ہیں جو بڑی مسجدوں کے اطراف میں ہوتا ہے جس کو صحنچی کہتے ہیں غرض جو شخص ان موٹے موٹے جزئیات فقہیہ پر سرسری نظر ڈالے گا وہ یقیناً بآسانی اِس نتیجہ پر پہنچے گا کہ فقہ حنفی میں صحنِ مسجد ہے اور فقہاء حنفیہ احکامِ مسجد کے بیان کے وقت حدِ مسجد میں جتنی جگہ ہے سب کو مسجد ہی کے نام سے پکارتے ہیں ہاں کبھی کبھی کسی خاص حکم کے بیان کرنے کے وقت خاص خاص حصوں کو متعین کردیتے ہیں؛ لیکن مسجدیت سے باہر نہیں کرتے جہاں کہیں فقہاء سنت فجر کے ادا کرنے کو بیان فرماتے ہیں وہاں اس تفریق کو ذکر کرتے ہیں۔

لما في المحيط ولو صلاهما في المسجد الخارج والإمام يصلي في الداخل قيل لايكره؛ لأنه لايتصور بصورة المخالفة للقوم لاختلاف المكان حقيقة. اه ثم السنة في السنن أن يأتي بها في بيته أو عند باب المسجد وإن لم يمكن ففي المسجد الخارج، وإن كان المسجد واحدا فخلف الأسطوانة ونحوذلك أو في آخر المسجد بعيدا عن الصفوف في ناحية منه. اه البحر الرائق، ص ٧٤، ص ٢. (١)

ثم السنة في سنة الفجر أن يأتي بها في بيته أو عند باب المسجد وإن لم يمكن ففي المسجد الخارج وإن كان المسجد واحدا فخلف الأسطوانة ونحو ذلك. اه منية المصلي، ص: ٣٩٤. (٢) وإلا صلاها في الشتوي أو الصيفي إن كان للمسجد موضعان. رد المحتار، ص: ٥٠٣، ج: ١. (٣)

---

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، متكبة زكريا ديوبند ٢/ ١٣٠ - ١٣١، کوئٹہ ٢/ ٧٤۔

(٢) منية المصلي مع الحلبي كبير، فروع، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٣٩٦۔

(٣) شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أوأفحش، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥١١، كراچي ٢/ ٥٧۔

فإن كان الإمام في الصيفي فصلاته إياها في الشتوی أخف من صلوتها في الصيفي و عكسه. اه فتح القدير. (۱)

ان عبارتوں میں مسجد شتوی اور مسجد داخل اور مسجد صیفی اور مسجد خارج چار لفظ موجود ہیں اِن سے ثابت ہے کہ مسجد کے کبھی دو حصے بھی ہوتے ہیں جو حصہ بارش اور سخت دھوپ اور سردی وغیرہ سے بچنے کے لئے نماز کے واسطے مقرر کیا جائے اُس کو مسجد شتوی اور مسجد داخلی کہا جاتا ہے اسی کو مسقّف اور چھت والا مکان سایہ دار جگہ جماعت خانہ اور کبھی دالانِ مسجد کہا جاتا ہے اور کبھی دالانِ مسجد مسجد شتوی سے علیحدہ چیز ہوتی ہے؛ جبکہ مسجد کے تین درجے ہوں جسے برآمدہ اور کسی جگہ برانڈہ بھی کہتے ہیں۔

اور جو حصہ گرمی کے زمانہ میں ہوا وغیرہ نہ ہونے کے وقت نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اُس کو مسجد صیفی اور مسجد خارجی کہا جاتا ہے اُسی کو صحن مسجد کہتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ کتب فقہ احناف میں اُس کی تصریح ہے۔

أن يأتي بالسنة عند باب المسجد إن أمكنه بأن و جد هناک مكانا يصلح للصلوٰة، وإن لم يتيسر له ذلک ففي المسجد الخارج يعني في صحن المسجد إذا كان الإمام والقوم في داخله. الخ (التعليق المجلی نقلا عن الحلية لابن الأمير الحاج، ص: ۳۹۴)

جب یہ تصریح موجود ہے تو یہ کہنا کہ فقہ احناف میں صحن کو مسجد سے خارج کر دیا ہے اور جو صحنِ مسجد میں نماز پڑھے اُس کو مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملتا غلط اور بالکل غلط ہے فقہائے کرام تو حد مسجد کی مجموعی زمین کو کہتے ہیں صحن تو وسط مکان کا نام ہے اس کو مسجد سے کس طرح خارج کر سکتے ہیں۔

صحن الدار وسطها وصحن الفلاة هو ما اتسع منها (المصباح المنير، ص: ۱۵۲، ج: ۱) صحن الدار واسطها (مختار الصحاح، ص: ۳۵۷) صحن الدار ساحتها أو وسطها) المنجد، ص: ۴۷۵. (۲)

صحن میان خانہ (منتخب، ص: ۲۳۷ (۳) صحن خانہ وز مین ہموار (غیاث، ص ۳۰۵ (۴) اکثری حالت

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۹۳، كوئٹه ۱/ ۴۱۶۔

(۲) المنجد دار المشرق بيروت ص: ۴۱۷۔

(۳) منتخب اللغات على هامش غياث اللغات، باب المصاد مع النون، مطبع نظامي كانپور ص: ۳۲۴

(۴) غياث اللغات، باب صاد مهمله، فصل صاد مع حاء مهملة، مطبع نظامي كانپور ص: ۴۶۲

میں صحن وسط مکان کے معنی میں آتا تھا؛ اس لئے فقہاء نے ہر جگہ مسجد کے بیان میں لفظ صحن استعمال نہیں کیا؛ کیونکہ وسط مکان مکان ہی میں داخل ہوتا ہے پھر صحن مسجد کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اب چونکہ عرف کے اعتبار سے صحن اسی خاص جگہ کو بولنے کہنے لکھنے لگے جو حد مکان میں کھلی ہوئی بے سائبان والی جگہ ہوتی ہے؛ اس لئے کتب میں کہیں کہیں خصوصیت کیساتھ اس لفظ کی تصریح کردینی پڑی ورنہ فقہاء کے نزدیک مسجدیت کے اعتبار سے اُس کا کوئی حصہ کسی خاص نام کیساتھ خصوصیت کے ساتھ ممتاز نہیں ہے ہاں کسی خاص حکم کے بیان کرنے کے وقت کبھی کسی خاص لفظ کو استعمال کر دیتے ہیں اسی صحن کو لیجئے کہ کبھی تو یہی لفظ صحن لکھتے ہیں اور کبھی اُس کو فضا سے تعبیر کرتے ہیں۔

وفي النوازل: جعله كالمسجد والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل إلا في الجامع القديم بخوارزم، فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة الأقصى والصخرة والبيضاء. كذا في البزازية. ومثله في شرح المنية: وأما قوله: في الدر ولايمنع من الاقتداء الفضاء الواسع في المسجد وقيل يمنع. اھ فإنه وإن أفاد أن المعتمد عدم المنع؛ لكنه محمول علىٰ غير المسجد الكبير جدا كجامع خوارزم والقدس بدليل ماذكرناه. اھ (رد المحتار، ص ٤١١، ج ١). (١)

عبارت مذکورہ میں الفضاء الواسع فی المسجد ہے جو صحن کا عنوان وبیان ہے؛ چونکہ بہت بڑی مسجدوں میں صحن بھی انھیں کی حیثیت کا ہوتا ہے؛ اس لئے اُس کو فضاء واسع سے تعبیر کر دیا کبھی اس کو رحبۃ المسجد اور ساحۃ المسجد اور عرصۃ المسجد سے تعبیر کر دیتے ہیں؛ چنانچہ ایسے شخص پر مخفی نہیں جس نے کتب فقہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔

ہاں اس کا بھی خیال رہے کہ فقہائے احناف کے یہاں ایک مسجد ہوتی ہے اور ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو مسجد تو نہیں ہے؛ لیکن بعض اوقات اس کو مسجد کے حکم میں شمار کرتے ہیں جس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں۔

كفناء مسجد هو المكان المتصل به ليس بينه وبينه طريق فهو كالمتخذ بصلوٰة جنازة

---

(١) شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: الكافي للحاكم جمع كلام محمد في كتبه التي هي ظاهر الرواية، مكتبه زكريا ديوبند ٣٣٢/٢، كراچي ٥٨٥/١۔

وعيد فيما ذكر من جواز الاقتداء وحل دخوله لجنب و نحوه كما في اٰخر شرح المنية. رد المحتار ، ص: ۶۲۱، ج: ۱. (۱)

جس کو فناء مسجد کہا جاتا ہے جو حد مسجد سے خارج ہوتی ہے اُس میں جنبی وغیرہ کا داخل ہونا جائز ہے لیکن اقتداء وغیرہ کی حالت میں اُس کو مسجد کے حکم میں کردیا ہے۔ نیز اس میں بھی ایسے کام کرنے سے بعض وقت فقہاء منع کردیا کرتے ہیں جس سے شانِ مسجد میں فرق آئے۔ اوراس کی حرمت برقرار نہ رہے۔

فناء المسجد ما كان عليه ظلة المسجد إذا لم يكن ممر العامة المسلمين. اه (بحر، ص: ۲۴۹، ج: ۵ (۲) وطحطاوی علی الدرالمختار ، ص: ۵۳۶، ج: ۲ (۳). فناء الدار ما امتد من جوانبها والجمع أفنية. اه (مختار الصحاح ، ص: ۵۱۳) الفناء للوصيد وسعة أمام البيت وقيل ما امتدمن جوانبها (الصباح ، ص: ۶۱، ج: ۲) الساحة امام البيت (المنجد، ص: ۶۴)

بکسراوّل بمعنی حوالی ونواحی بمعنی گرداگرد خانہ وپیش سرائے کہ کشادہ وفراخ باشد۔ غیاث، ص:۳۷۹ (۴) پیش خانہ کہ فراخ وکشادہ باشد وگرداگرد خانہ۔ منتخب، ص:۲۶ (۵). فنا حوالی وگرداگرد مکان کا مکان کے دروازہ کے آگے کا کشادہ صحن۔ لغات کشوری، صفحہ ۳۹۳۔ (۶)

غرض فناء مسجد وہ جگہ ہوتی ہے کہ حد مسجد سے خارج ہو۔ مسجد کے چاروں طرف ہو۔ یا صرف مسجد کے سامنے ہو۔ مگر فقہاء اس میں بھی بغرض اشد ضرورت وحاجت کے کوئی کام نہیں ہونے دیتے جس سے مسجد کی شان میں فرق پیدا ہو اور مسجد کی حرمت باقی نہ رہے۔

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۰، كراچي ۱/ ۶۵۷۔

(۲) البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۸، كوئٹه ۵/ ۲۴۹۔

(۳) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الوقف، كوئٹه ۲/ ۵۳۶۔

(۴) غياث اللغات، باب فاء، فصل فاء مع نون، مطبع نظامي كانپور ص: ۵۷۱۔

(۵) منتخب اللغات على هامش غياث اللغات، باب الفاء مع الأنف، مطبع نظامي كانپور ص: ۴۳۱۔

(۶) لغات کشوری، باب فا، فصل فا مع نون، دارالاشاعت دیوبند ص: ۳۵۳۔

لایجوز لقیم المسجد أن یبني حوانیت في حدالمسجد أوفناء ہ. الخ (بحر، ص: ۲۴۹(۱) والطحطاوی، ص: ۵۳۶، ج: ۲(۲).

حدمسجداورفناء مسجد میں دوکانیں بنانے کی اسی لئے ممانعت کردی کہ ان کی وجہ سے عوام کی آمدورفت ہوگی اور پھر مسجد میں اور بازار میں کچھ فرق نہ ہوگا، اور اُن دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی صفائی بھی باقی نہ رہے گی اس میں پاک وناپاک سب ہی قسم کے لوگ آنے جانے لگیں گے، مگر باایں ہمہ مسجد میں داخل نہیں اوراس پر مسجد کے احکام جاری نہیں۔ ہاں نمازوغیرہ کے وقت اتصال صفوف واقتداءبالامام میں حکم مسجد دیا ہے۔

بنی في فنائه في الرستاق دکانا لأجل الصّلوٰۃ یصلون فله حکم المسجد. بحر، ص: ۲۵۰، ج: ۵(۳). ذکر في البحر عن المجتبیٰ: إن فناء المسجد ثم قال وبه علم أن الاقتداء في کل وقت من صحن الخانقاه الشیخونیة بالإمام في المحراب صحیح وإن لم تتصل الصفوف؛ لأن الصحن فناء المسجد، وکذا اقتداء من بالخلاوي السفلیة صحیح؛ لأن أبوابها في فناء المسجد. الخ ویأتي تمامه وفي الخزائن فناء المسجد هو ما اتصل به ولیس بینه وبینه طریق. اه قلت: یظهر من هذا أن مدرسة الکلاسة والکاملیة من فناء المسجد الأموی في دمشق؛ لأن بابهما في حائطه وکذا المشاهد الثلٰثة التی فیه بالأولیٰ وکذا ساحة باب البرید والحوانیت التی فیها. اه رد المحتار، ص: ۴۱۱، ج: ۱. (۴)

فقہاء کبھی صحن کو لفظ خلاء سے تعبیر کرتے ہیں:

قوله کمسجد وبیت فإن المسجد مکان واحد ولذا لم یعتبر فیه الفصل بالخلاء

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند ٥/٤١٨، کوئٹه ٥/٢٤٩۔

(۲) حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الوقف، کوئٹه ٢/٥٣٦۔

(۳) البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند ٥/٤١٩، کوئٹه ٥/٢٥٠۔

(۴) شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: الکافي للحاکم جمع کلام محمد في کتبه التي هي ظاهر الروایة، مکتبه زکریا دیوبند ٢/٣٣٢، کراچي ١/٥٨٥۔

إلا إذا كان المسجد كبيراً جدا. رد المحتار، ص: ٤١٢، ج: ١ (١). الخلاء أيضاً للمكان الذى لاشيئ به. مختار الصحاح ، ص: ١٨٨، ج: ١. أو خلاء أي فضاء في مسجد كبير جدا كمسجد القدس. درمختار (٢).

عبارت مذکورہ میں خلا سے صحنِ مسجد مراد ہے جس میں کوئی عمارت وسائبان وغیرہ کچھ نہیں ہوتا، اور اس پر قرینہ **لم يعتبر فيه الفصل بالخلاء** ہے کہ گوفضا اور خلا بھی ہو جب بھی اقتدا صحیح ہے؛ اس لئے کہ مسجد مکان واحد ہے اور یہ خلاء مسجد ہی ہے؛ لہٰذا اتصال کو مانع نہیں ہے اور درمختار کی عبارت اس کے لئے شاہد عادل ہے۔

وقد وقعت حادثة سئلت عنها في أمير أراد أن ينقل بعض أحجار مسجد خراب في صفح قاسيون بدمشق ليبلط بها صحن الجامع الأموي فأفتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالي. رد المحتار ،ص: ٣٨٣، ج: ٣. (٣)

یہ عبارت صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد ہے؛ کیونکہ بحث اس میں ہے کہ ایک مسجد کا اسباب دوسری مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

یادرکھنا چاہئے کہ جب شروط مسجد کا وجود وتحقق کامل طور پر ہو جائے گا فقہاء کے نزدیک وہ مسجد ہو جائے گی اور جب تک شروط کا تحقق نہ ہو وہ مسجد نہیں ہوسکتی۔

لأن المسجد لايخرج عن المسجدية أبدًا. رد المحتار، ص: ٣٤٥، ج: ٣. (٤)

---

(١) شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: الكافي للحاكم جمع كلام محمد في كتبه التي هي ظاهر الرواية، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٣٣-٣٣٤، كراچي ١/٥٨٦۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: الكافي للحاكم جمع كلام محمد في كتبه التي هي ظاهر الرواية، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٣٢، كراچي ١/٥٨٥۔

(٣) شامي، كتاب الوقف، مطلب: في نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند٦/٥٥٠، كراچي ٤/٣٦٠۔

(٤) شامي، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيئ من المسجد طريقًا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٦، كراچي ٤/٣٧٩۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لہٰذا اگر کسی جگہ پر کسی عبارت فقہی سے شبہ پیدا ہونے لگے تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں بیان کردہ شروط متحقق ہیں یا نہیں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر غور وفکر کے اعتراض مقبول نہ ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ احناف میں مسجد کا صحن مسجد ہے اس کو خارج مسجد شمار نہیں کیا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فقہ حنفی اُس کو خارج سمجھتی ہے اُس کا قول غلط ہے؛ لیکن اب مجھے یہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب اہلِ تحقیق یہ نہ فرماویں کہ چونکہ صحن مسجد کا مسجد ہونا فقہ احناف سے ثابت ہے اس لئے جہاں اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں، صحن کا مسجد ہونا بھی بے دلیل ہے، فقہ احناف میں اور بھی عبارتیں ہیں اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو ایک کتابی صورت ہو جائے گی؛ چنانچہ عرض کرچکا ہوں اگر ضرورت ہوگی تو پیش کردوں گا۔

فقہ میں **رحبة المسجد، ساحة المسجد** اور **عرصة المسجد** کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ ایک لفظ حریم بھی کسی وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سب کے معانی اور محل استعمال پر بھی غور کرلینا چاہیے میں نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں وہ فضا واسع خلاء فناء مسجد خارجی مسجد صیفي وغیرہ ہیں حد مسجد کی اندر کی جگہ کو جوفِ مسجد بھی کہہ دیتے ہیں۔ والسلام

(تتمہ خامسہ، ص ٤٧٥)

سوال (١٥٢٥): قدیم ٢/ ٦٤٩ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں: کہ تقریباً صوبہ گجرات بالخصوص ضلع سورت میں عام دستور یہ ہے کہ جب مسجد بناتے ہیں تو اس کے مسقّف (چھت والے) حصے کو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کردیتے ہیں اسی وجہ سے اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں اسی کے ساتھ کچھ کھلا ہوا حصہ بطور صحن کے بناتے ہیں اس لئے کہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں جو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع ہیں، مثلاً ہر وقت اُٹھنا بیٹھنا اور رو ہیں سونا اور دنیاوی باتیں کرنا یہاں تک کہ حالتِ جنابت میں بھی اس صحن میں رہتے ہیں؛ کیونکہ اس کو خارج از مسجد شمار کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں جماعت خانہ کی طرح نماز باجماعت بھی نہیں ہوتی، پس راندیر کی مسجد چناروارڑہ بھی اسی طرح پہلے کچھ مختصر بنی ہوئی تھی اور اس کے صحن کے ساتھ بالکل غیر مسجد کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا، تقریباً ١٢٩٠ھ المقدس میں یہاں کے بزرگوں نے اس مسجد کو از سر نو بنایا اور ایک زمین خرید کر اس میں شامل کرکے وسیع کیا جس طرح اس جماعت خانہ کو بڑھایا ہے اسی طرح اس کے صحن کو بھی وسعت دی چنانچہ جس جگہ قدیم مسجد کا حوض تھا اُس جگہ کو ٹانگہ بنا کر اس کے بعض حصّہ کو صحن میں شامل کرلیا اور حصہ جنوبی جانب کا برآمدہ

کے طریق پر ضروریات وضو کے لئے مخصوص رکھا جدید تعمیر کرنے والے اصحاب کے زمانہ سے اب تک بھی اس صحن کے ساتھ خارج مسجد کا برتاؤ تھا اور وہ لوگ اہلِ علم اور سمجھدار تھے جو داخلِ مسجد اور خارج مسجد کو خوب سمجھتے تھے پھر بھی انھوں نے اس صحن کو مسجد میں شامل نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ ایک عام رواج یہ بھی ہے کہ اکثر مسجدوں کے صحن میں قبریں بناتے ہیں چنانچہ اس نواح کی کوئی مسجد ایسی مشکل سے ملے گی جس کے صحن میں کسی پُرانی قبر کا نشان نہ پایا جاتا ہو، پس یہ صورت بھی اس کا کھُلا ہوا قرینہ ہے کہ صحن مسجد کو مسجد میں داخل نہیں سمجھتے بعضے حضرات تھوڑے عرصہ سے یہاں کی مسجدوں کو دہلی وغیرہ کی مسجدوں پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہاں کی مسجدیں اکثر ایسی بنائی جاتی ہیں کہ ہوادار نہیں ہوتی اس وجہ سے وہاں گرمی کے موسم میں صحن میں نماز پڑھنا اور صحن کو مسجد میں داخل سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس کے برخلاف یہاں کی مسجدیں نہایت ہوادار اور کشادہ ہوتی ہیں۔ ہوا کی آمد کے لئے خاص طور پر چاروں طرف دریچیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں اسی وجہ سے کبھی صحن میں نماز پڑھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوتی اور اس صحن کو داخلِ مسجد کرنے کا اب تک کوئی ثبوت بھی باقاعدہ نہیں پس ایسی صورت میں مسجد چناروواڑہ کا صحن شرعاً مسجد سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور جنازہ کی نماز صحن میں پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جواب مفصل مدلل ارشاد فرمائیے۔ جزاکم اللہ بینوا توجروا

الجواب: مدار مسجدیت کا ''وضع بقعة للصلوٰة ذات أذان و إقامة'' ہے، جس کی ظاہری علامات فعلیہ إفرازها عن الملک بطریقها و إذن لعامة الناس بالصَّلوٰة فیها اور قولیہ قول واقف جعلتها مسجدا ہیں اور وضع للصلوٰۃ ایک نیت مخفیہ ہے جب تک بانی سے اس نیت کی نفی کی تصریح ثابت ہو علامات مذکورہ قائم مقام نیتِ مذکورہ کے ہوں گے پس صحون مذکورہ سوال کے باب میں اگر واقف و بانی کی تصریح نفی نیت مسجدیت کی سند صحیح سے ثابت ہو تو اُن پر حکم مسجدیت کا نہ کیا جاوے گا ورنہ مسجدیت کا حکم کیا جاوے گا۔(۱) وهذا ظاهرٌ جداً. واللہ اعلم

۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (تتمہ خامسہ، صفحہ ۵۳۴)

---

(۱) صحن مسجد کا حدود مسجد میں شامل ہونے کا مدار بانی مسجد کی نیت پر ہوتا ہے اور جب حدود مسجد میں شامل ہو جائے گا تو صحن میں علاوہ نماز اور عبادت کے کوئی دوسرا کام جائز نہیں ہوگا اور اس صحن میں معتکف بلا تکلف آجا سکتا ہے اور فقہاء کی عبارات میں جہاں جہاں حدود مسجد کی حرمت کے ساتھ صحن اور فناء مسجد کی حرمت کا ذکر آیا ہے وہاں پر فناء مسجد سے وہ فناء مراد ہے جو حدود مسجد میں شامل ہوتا ہے۔ ←

داب المساجد علیٰ آداب المساجد

سوال (۱۵۲۶): قدیم۲/ ۶۵۱ - بعد الحمد والصلوٰۃ آداب المساجد ایک رسالہ ہے مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہ کا اس کے طبع مکرر کے وقت مولوی صاحب نے رسالہ کے بعض مقامات پر نشان بنا کر مجھ سے نظر ثانی کی استدعاء فرمائی اُن مقامات پر میں نے جولکھا ہے اُس کا نام ’’داب المساجد‘‘ (**بمعنی الشان کما في القاموس بإبدال الهمزة کما قرأه السوسي**) رکھدیا اوّل مقام کے عنوان کا حوالہ دیکر قولہ سے رسالہ کی نشان کردہ عبارت نقل کی گئی اور جہاں کچھ استفساری عبارت تھی اُس کے بعد وہ لکھدی، پھر اقول سے اپنا مشورہ لکھدیا اور دو مقام پر بلا درخواست کچھ مضمون ضروری سمجھ کر لکھدیا اور اسی زمانہ میں دو سوال دوسری جگہ سے آ گئے تھے اُس کا جواب بھی بمناسبت رسالہ بطور ضمیمہ کے اس کے ساتھ ملحق کردیا۔ **وبالله الاستعانة وإلیه الالتجاء والاستکانة.**

کتبہ اشرف علی

۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

عنوان: اُن کاموں کا بیان جو مسجد میں ناجائز یا مکروہ ہیں۔

قوله مسئله: کسی مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے (اشباہ)(۱)

← **قیم المسجد لا یجوز له أن یبني حوانیت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسکنًا تسقط حرمته وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد الخ.** (هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر: في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القیم، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۲/ ۴۶۲، جدید ۲/ ۴۱۳) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(۱) **ویکره الجلوس فیه للمصیبة.** (الأشباه والنظائر، الفن الثالث: الجمع والفرق، القول في أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۸)

ویکره الجلوس في المسجد للمصیبة ثلاثة أو أقل وفي غیر المسجد یرخص للرجال ثلاثة أیام والترک أولی. (خانیة، کتاب الطهارة، فصل في المسجد، مکتبه زکریا جدید ۱/ ۴۴، وعلی هامش الهندیة ۱/ ۶۶)

ولا بأس بالجلوس فیه لغیر الصلاة إلا للمصیبة فإنه یکره. (حلبي کبیري، فصل في أحکام المسجد، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ۶۱۲)

اقول: فقہاء کے اقوال سے اس باب میں جو احقر سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ طاعت کی تو مطلقاً مسجد میں اجازت ہے الا لعارضٍ اور معصیت کی مطلقاً ممانعت ہے خواہ خاص اس طاعت ومعصیت ہی کی نیت سے مسجد میں گیا ہو خواہ پہلے سے مسجد میں موجود ہو اور اتفاقاً اس طاعت ومعصیت کا صدور ہوگیا ہو (۱) اور جو امر نہ طاعت ہو نہ معصیت؛ بلکہ مباح ہو اس کے لئے خاص مسجد میں جانا تو مکروہ ہے اور اگر پہلے سے مسجد میں حاضر ہے اور اتفاقاً اس مباح کی حاجت پیش آگئی یا حاجت پہلے سے پیش آئی؛ لیکن اُس کی نیت سے مسجد میں نہیں گیا؛ بلکہ کسی طاعت کے لئے گیا اور وہاں اس مباح میں بھی اشتغال ہوگیا تو بشروط عدم اکثار جائز ہے۔ (۲)

پس اس مسئلہ میں محل وہ صورت ہے کہ خاص اسی غرض سے مسجد میں جاکر بیٹھا کہ اہلِ تعزیت آکر مجھ کو میّت کی تعزیت دیں گے اور بعض روایات میں جو ایسے ہی موقعہ پر حضور اقدس ﷺ کا مسجد میں تشریف رکھنا منقول ہے اس کا محمل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نشر احکام وفصل خصومات کے لئے مسجد میں تشریف رکھنے کا معمول پہلے سے تھا اُس روز بھی اسی غرض سے بیٹھے۔ چونکہ وہی جگہ بیٹھنے کی تھی اہلِ تعزیت وہاں ہی حاضر ہوتے رہے۔

قولہ مسئلہ: مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے۔

استفسار: موجودہ زمانہ میں شور وشغب کی وجہ سے منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

---

(۱) إن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ولم تبن لأعمال الدنيا ولو لم يكن فيه توهم تلويث وإهانة على ما أشار إليه قوله عليه الصلاة والسلام، فإن المساجد لم تبن لهذافما كان فيه نوع عبادة وليس فيه إهانة ولاتلويث لايكره وإلا كُرِه. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١١)

(۲) عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشرائكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر جمروها في الجمع. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، النسخة الهندية ص: ٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠)

وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث أي كلام الناس في المسجد؛لكن قيده بأن يجلس لأجله، وفي فتح القدير الكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات وينبغي تقييد بما في الظهيرية، أما إن جلس للعبادة ثم بعد ها تكلم فلا. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٣، كوئٹه ٢/٣٦) ←

اقول: لعب حبشہ بالحراب سے زیادہ اس میں عادۃً شور وشغب نہیں ہوتا(١)، اس عارض کا وہاں اعتبار نہیں کیا گیا تو یہاں کیوں کیا جاوے؛ البتہ جس مندوب مطلوب میں ایسا مفسدہ محتمل ہو وہاں خود مفسدہ کا انسداد کر دینا ضروری ہے بخلاف ایسے امر مباح یا مندوب کے جو خود شرعاً مطلوب نہ ہو خود اس مندوب ومباح ہی کو روکیں گے۔(٢)

← **ویکره الإعطاء مطلقا...... والكلام المباح وقيده في الظهرية بأن يجلس لأجله وفي الشامية: فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٦، كراچي ١/٦٦٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(١) أخرج مسلم عن عائشة أنها قالت: للعابين: وددت أني أراهم، قالت فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وقمت على الباب أنظر بين أذنيه وعاتقه، وهم يلعبون في المسجد. (صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب، الذي لامعصية فيه في أيام العيد، النسخة الهندية ١/٢٩٢، بيت الأفكار، رقم: ٨٩٢)

عن أبي هريرة قال: بينا الحبشة يلعبون عند النبي صلى الله عليه وسلم بحرابهم دخل عمر فأهوى إلى الحصى فحصبهم بها، فقال دعهم ياعمر، وزاد علي: حدثنا عبد الرزاق أخبرنا معمر: في المسجد. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب اللهو بالحراب ونحوها، النسخة الهندية ١/٤٠٦، رقم: ٢٨١٤، ف:٢٩٠١)

صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لامعصية فيه في أيام العيد، النسخة الهندية ١/٢٩٢، بيت الأفكار، رقم: ٨٩٣۔

(٢) أخرج مسلم في صحيحة حديث أبي بكرة: قال أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قد ترك ماهنالك فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من رأي منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/٥١، بيت الأفكار رقم: ٤٩)

درء المفاسد أولى من جلب المنافع أي إذا تعارض مفسدة و مصلحة قدم رفع المفسدة. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه إتحاد ديوبند ١/٣٢، رقم المادة: ٣٠)

قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٨١، رقم:١٣٣۔

الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، مكتبه زكرياديوبند قديم ص:١٧٤، جديد زكريا ١/٢٦٤۔

اور مطلوبیہ نکاح فی المساجد کی خود منقول ہے۔(۱)

قوله مسئله : اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور جماعت مسجد کے اندر پڑھی جاوے تو یہ بھی مکروہ ہے؛ لیکن بضرورت کیا جاوے تو جائز ہے۔ استفسار: یہ فتویٰ علیٰ احد القولین عند الضرورت قابلِ غور ہے تصویب یا تردید تحریر فرمائی جاوے۔

اقول :قواعد سے بحالتِ عذر اس پر عمل جائز معلوم ہوتا ہے۔

كما في رد المحتار: إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا (إلىٰ قوله) وإذا ضاق الأمر اتسع (قلت وهذا هو مرادي بالقاعدة) ج:، ص: ۹۲۶ .(۲)

قوله مسئله :مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الیٰ قولہ ناجائز فرمایا ہے۔

اقول :اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامی نے حاشیہ حموی سے امام شعرانی کا قول نقل کیا ہے۔

أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم علىٰ نائم أو مصل أو قارئ. إلخ ج:، ص: ۶۹۱ .(۳)

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، دار السلام، رقم: ۱۰۸۸)

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد يتوقف على كون الشاتم فيه وفي إن قتلته بالعكس، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۲۹، كراچي ۲/۲۲۶-۲۲۷۔

وتكلموا في صلاة الجنازة في المسجد الذي يقام فيه الجماعة، قال عامة المشائخ: يكره إلامن عذر من مطر أو نحوه. (خانية على هامش، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۶۶، جديد ۱/۴۴)

(۳) شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۳۴، كراچي ۱/۶۶۰۔ ←

اس فیصلہ سے اقوال جمع ہو جاتے ہیں اور جنھوں نے علی الاطلاق منع کیا ہے غالب یہ ہے کہ سدِّ باب کے طور پر ہے یہ تو کلام ہے خصوصیت مسجد کے اعتبار سے اور ایک کلام نفس جہر بالذکر اور انصات لقراءۃ القرآن میں ہے اس میں ارجح یہ ہے کہ اگر جہر مفرط نہ ہو تو جائز ہے اور وجوب انصات خارجِ صلوٰۃ اس وقت ہے جب قراءت تبلیغ کے لئے ہو، اور اس میں قرآن کی بھی تخصیص نہیں مطلق تذکیر کا بھی یہی حکم ہے۔ (۱) واللہ اعلم

قولہ مسئلہ: اگر مسجد کی چھت یا دیوار وغیرہ میں چمگادڑ یا کوئی جانور گھونسلہ بنائے تو اس کا گرادینا جائز ہے لیکن مسجد کے علاوہ اور جگہ میں نہ گرایا جاوے؛ کیونکہ حدیث میں ہے۔

أقروا الطير علىٰ مكناتها الخ. (٢)

← **لا يقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣١٦، جديد ٥/ ٣٦٥)

(١) هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل نعم، وفي الشامية: أما رفع الصوت بالذكر فجائز كما في الأذان والخطبة والجمعة والحج، وقد حرر المسألة في الخيرية: وحمل ما في فتاوى القاضي على الجهر المضر وقال: إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر وأحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد النشاط. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٧٠، كراچي ٦/ ٣٣٩)

(٢) عن أم كرز قالت: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول أقِرُّوا الطير على مكناتها قالت: وسمعته يقول عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لا يضركم أذكرانا كن أم إناثا. (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٢، دارالسلام رقم: ٢٨٣٥)

اقول : اس حدیث سے استدلال مشکل ہے اس میں دوسرے محمل کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ جاہلیت میں پرندے کو اُڑا کر دیکھتے تھے کس سمت کو گیا اور اس سے شگون لیتے تھے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا(۱) باقی گھونسلوں کا گرانا ظاہراً اگر کسی جانور کے رہنے سے مکان گندہ ہوتا ہو اس کا گرا دینا جائز معلوم ہوتا ہے البتہ اگر انڈے، بچوں کے زمانہ میں کچھ انتظار کرے تو أقرب إلیٰ الترحم ہے۔(۲)

وهذا زدته ولم يستفسرمني.

عنوان : مساجد کے چند مخصوص احکام۔

قوله مسئله :فاحشہ عورت نے اگر اپنی حرام آمدنی سے مسجد بنادی تو وہ مسجد نہیں ہے اور نہ اُس کو اس کا کوئی ثواب ہوگا (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ ۔(۳)

اقول :اس میں دو حکم ہیں ایک ثواب نہ ملنا اس کی دلیل تو نصِ حدیث ہے۔

ان الله طيّب لايقبل إلا الطيب أو كما قال. (۴)

---

(۱) **قال صاحب بذل المجهود تحت الحديث المذكور: كان الرجل في الجاهلية إذا أراد حاجة أتى طيرا في وكره فنفره فإن طارلذات اليمين مضى لحاجته وإن طارذات الشمال رجع فنهواعن ذلك أي لاتزجروها أقروها على مواضعها فإنها لاتضرو لاتنفع.** (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب العقيقة، مكتبه يحيويه سهارنپور قديم ٤/٨٥)

(۲) **عن عبدالله بن عمروقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراحمون يرحمهم الرحمٰن؛ ارحموامن في الأرض يرحمكم من في السماء، الرحم شجنة من الرحمن فمن وصلها وصله الله ومن قطعها قطعه الله.** (ترمذي شريف، أبواب البروالصلة، باب ما جاء في رحمةالناس، النسخة الهندية ٢/١٤، دارالسلام، رقم: ١٩٢٤)

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الرحمة، النسخة الهندية ٢/٦٧٥، دارالسلام، رقم: ٤٩٤١۔

(۳) مجموعة فتاوى مولانا عبدالحيؒ، كتاب الوقف، باب أحكام المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ص: ٣٠٤-٣٠٦، رقم: ٣٩٤۔

(۴) **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيهاالناس إن الله طيب لايقبل إلا طيبا.** (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ١/٣٢٦، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٥)

دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا۔ اس میں دلیل کی حاجت ہے صرف مولانا عبدالحیؒ کا قول حجت نہیں۔ مسجد کے احکام میں مسجد کا ہونا مسئلہ فقہیہ ہے۔ سو کتب فقہ میں تحقق مسجد یت کے لئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ مقبول نہ ہو؛ بلکہ خوف معصیت ہے؛ لیکن وقف صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مسجد گو مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جاوے گی مثلاً اس کی بیع جائز نہیں اُس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں اُس میں بول وتغوط درست نہیں۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جاوے نہ اُس میں نماز پڑھیں نہ اُس کی بے حرمتی کریں(١)؛ البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرا دینا جواز انتفاع کے لئے کافی ہو جاوے گا اور ایسی مسجد مذکور کی جو کہ حرام مال سے بنا ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے؛ بلکہ دفن کر دیا جاوے باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی اس میں نظر کرالی جاوے۔

قولہ مسئلہ :اگر کوئی مسجد ایسی بنائی جاوے کہ نیچے دوکانیں یا تہہ خانہ وغیرہ بنا کر إلیٰ آخر المسئلة التی تلیها.

---

(١) اس کے مسجد شرعی ہوکر مسجد کا ثواب ملنے کے لئے یہ شکل سامنے آتی ہے کہ جتنی رقم طوائف کی اس مسجد میں لگی ہے اتنی رقم کوئی صاحب خیر اپنی طرف سے مسجد کی نیت سے طوائف کے ورثاء کو ادا کر دے اور ورثا نہ ہونے کی صورت میں اس مسجد میں لگے ہوئے حرام مال کی طرف سے نیت کر کے نادار فقراء کو دیدے تو یہ مسجد حرام مال سے پاک ہو جائے گی اور صاحب خیر کی طرف سے وقف ہو جائے گی، حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح توجیہ فرمائی ہے اور فتاوی قاسمیہ ١٨/ ٤٨٩-٤٩٠، میں دو فتوی موجود ہیں، اس بابت فتاوی رشیدیہ کا حوالہ غلطی سے آ گیا ہے جو صحیح نہیں ہے، کفایت المفتی قدیم ٧/ ٢٧، جدید مطول ١٠/ ٢٨٠، اور بحر کے اس جزئیہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے:

لو مات رجل و کسبه من ثمن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة تعود الورثة ولا يأخذون منه شيأ وهو الأولى لهم ويردونه على أربابه إن عرفوهم وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد. (البحر الرائق، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مکتبه زکریا دیوبند ٨/ ٣٦٩، کوئٹه ٨/ ٢٠١) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اقول :اس باب میں بعد تتبع وتفحص بالغ روایات فقہیہ کے جو میں سمجھا ہوں وہ معروض ہے۔

نمبر ۱ : ماٴ خذ اس مسئلہ کا بیت المقدس کے سرادیب ہیں جن پر خیر القرون میں کسی نے نکیر نہیں کیا اس سے سمجھا گیا کہ مصالح مسجد کے لئے دوسرا درجہ جو بناء میں مسجد کے تابع ہو مشروع ہے۔(۱)

نمبر ۲ : یہ حکم تعبدی نہیں بلکہ باشتراک علّت تبعیت قیاساً متعدی ہوسکتا ہے۔

نمبر ۳ :اگر مصالح ویسے ہی ہوں جو سرادیب مذکورہ سے متعلق ہیں اور تبعیت کی وہی ہیئت ہو جو ان سرادیب میں ہے تب تو قیاس جلی ہے اور اگر مصالح دوسری قسم کے ہوں جیسے: **وقف لاستغلال المسجد** یا **هيئت تبعيت** دوسرے طور کی ہو جیسے مسجد کا علو پر ہونا یا مسجد پر علو کا ہونا اس کا الحاق خفی ہے؛ چنانچہ بہت روز تک مجھ کو اس میں تردد رہا؛ لیکن شامی نے کتاب الوقف میں اسعاف سے ایک عبارت نقل کی ہے۔

إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان و قفا عليه صار مسجدا شرنبلاليه. (۲)اه

---

(۱) **وحاصله إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المساجدلله.** [سورة الجن، آیت: ۱۸] **بخلاف ماإذا كان السرداب أوالعلوموقوفالمصالح المسجد فإنه يجوزإذلاملك فيه لأحدبل هو من تتميم مصالح المسجد فهوكسرداب بيت القدس .** (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديو بند ٦/٥٤٧، كراچي ٤/٣٥٧۔

ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كمافي مسجد بيت المقدس كذا في الهداية . (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكريا قديم ٢/٤٥٥، جديد ٢/٤٠٨)

ولو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا على المسجد قيل: لايستحب ذلك ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجدًا و ماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته ولو أنه بنى المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل. (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٧١، إمداية ملتان ٣/٣٣٠)

(۲) شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٧، كراچي ٤/٣٥٧۔

اس میں ''أو كان وقفا عليه کا عطف كان لمصالح المسجد'' پر ہے اس سے ظاہر ہے کہ ''استغلال للمسجد'' کا حکم بھی یہی ہے خواہ اس کا نام مصالح مسجد رکھا جاوے خواہ فی حکم مصالح المسجد رکھا جاوے بہرحال حکم مشترک ہے اور ہدایہ میں ہے۔

وروي الحسن عنه (أي عن أبي حنيفة) أنه قال إذا جعل السفل مسجدا و على ظهره مسكن فهو مسجد وعن محمد عكس هذا (أي جعل العلو مسجدا يصح ٢١ ب) وعن أبي يوسف انه جوز في الوجهين وعن محمدؒ انه حين دخل الريّ أجاز ذلك كله لما قلنا (من الضرورة) ملخصاً. (١)

اس سے ظاہر ہے کہ سب ہیئتیں تبعیت کی مقیس علیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔

نمبر ٤: یہ الحاق بالقیاس بضرورت ہے چنانچہ ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں ضرورت کا بناء الحاق ہونا مصرح ہے۔

نمبر ٥: اس دوسری درجہ کی بناء مشروط ہے اس کے ساتھ کہ مسجد یت کے قبل بانی کی نیت اس بناء کی ہو اور بعد تمامیت مسجد کے اب کوئی تصرف جائز نہیں۔ (٢)

نمبر ٦: فقہاء نے جو مسجد کو عنان السماء و تحت الثریٰ تک مسجد کہا ہے یہ مقید ہے اُس صورت کے ساتھ جبکہ بناء مسجد کے وقت دوسرے درجہ فوقانی یا تحتانی کے بنانے کی نیت نہ ہو۔ (٣)

---

(١) هداية، كتاب الوقف، فصل في وقف المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٦٤٤

(٢) **أما لوتمت المسجدية ثم أرادالبناء منع ولوقال عنيت ذلك لم يصدق. تاتار خانية، فإذاكان هذافي الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلى جدارالمسجد، ولايجوز أخذالأجرة منه ولاأن يجعل شيأمنه مستغلاولاسكنى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦)

(٣) **ولوجعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد قيل: لايستحب ذلك ولكنه لوجعل في الابتداء هكذا صارمسجدا وماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته ولوأنه بنى المسجد أولاثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل.** (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٧١، إمدادية ملتان ٣/٣٣٠)

نمبر ۷ :ونبهت عليه لغفلة كثير من الناس عنه حتى المنسوبين إلى العلم.

ان سب احکام میں فناء مسجد بھی یعنی حصّہ متعلقہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں ہے۔

في البحر الرائق في المجتبى لايجوز لقيم المسجد أن يبنى حوانيت في حدالمسجد أو فِنائه (۱) (ج: ۵، ص: ۲۶۹، از تتمہ ثانیہ إمداد الفتاویٰ، ص: ۹۱، قلت: لعل وجهه أن فيه مخالفة نية الوقف.

عنوان :مسجد ضرار کی تعریف اور اُس کا حکم قولہ مسجد ضرار اصل میں وہ مسجد تھی الیٰ قولہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی۔

اقول : ماشاءاللہ مؤلف سلمہ نے اس تعبیر میں کہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی نہایت احتیاط کا پہلو استعمال کیا ہے ورنہ اکثر اہلِ جرأت ایسی مسجد کو جس کی بناء ریاء یا مراء پر ہو مسجد ضرار ہی کہہ دیتے ہیں جس سے ایہام ہوتا ہے کہ وہ مسجد ہی نہیں جیسے مسجد ضرار مسجد ہی نہ تھی اور ایہام ہوتا ہے کہ اس کا ہدم یا بے حرمتی بھی جائز ہے جیسے مسجد ضرار کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تو مشابہ لفظ بڑھا کر ان سب محذورات کو دفع کردیا یعنی انتفاء ثواب وفسادِ غرض میں اُس کے مشابہ ہے نہ کہ انتفاء مسجدیت میں بھی؛ کیونکہ منافقین کی تو نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی تلبیس وتدسیس کے لئے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بناوے نیت اس کی مسجد ہی بنانے کی ہوتی ہے اس لئے اس کے سب احکام مثل صحت صلوٰۃ ووجوب احترام وغیرہما مسجد کے ہوں گے پس عدم قبول میں اس کے لئے حکم وہی ہوگا جیسا ابھی مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا مذکور ہوا (۲)؛ البتہ اتنا تفاوت ہوگا کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں اور اس کی اصلاح توبہ سے ہوسکتی ہے یعنی بعد توبہ کے وہ بناءِ مقبول بھی ہوجاوے گی۔ وهذا أيضاً زدته ولم يستفسر مني.

عنوان عیدگاہ کا حکم: قولہ: اکثر احکام میں عیدگاہ کا حکم مسجد کے خلاف ہے مثلاً غسل کی حاجت والا آدمی اور حیض ونفاس والی عورت اس میں داخل ہوسکتی ہے۔

---

(۱) البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۸، کوئٹه ۵/ ۲۴۹۔ شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **قيل كل مسجد بني مباهاة أورياء أوسمعة أولغرض سوى ابتغاء وجه الله أوبمال غيرطيب فهو لاحق بمسجدالضرار**. (تفسيرالمدارك على هامش تفسيرالخازن، سورة التوبة آيت: ۱۰۷، دارالمعرفة ۲/ ۲۶۵) ←

اقــــول: اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا پس یہ حکم صحیح ہے(١)؛ البتہ اس کی بھی تنظیف وتطییب کا اہتمام رکھنا اولیٰ ہے(٢) اور یہی محمل ہے۔

حدیث: أمر رسول الله ﷺ أن تبنى المساجد في الدور وأن تطيب و تطهر (٣) أو كما قال: إذا أريد بالدار ما يسكنون فيها لا المحلة لأن مسجد المحلة مسجد حقيقي.

← **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس إن الله طيب لايقبل إلا طيبا.** (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ٣٢٦/١، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٥)

(١) وأما المتخذ لصلاة جنازة أوعيد فهومسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقابالناس لافي حق غيره به يفتى، نهاية فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجدحياض وأسواق لاقوارع. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٣٠/٢، كراچي ٦٥٧/١)

وفي النهاية وغيرها: والمختار للفتوى فيالمسجد الذي اتخذلصلاة الجنازة والعيد أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقا بالناس وفيما عداذلك ليس له حكم المسجد، وظاهرما في النهاية أنه يجوز الوطء والبول والتخلي فيمصلى الجنائز والعيد، ولايخفى مافيه فإن الباني لم يعده لذلك فينبغي أن لا، ولايخفى مافيه فإن الباني لم يعده لذلك فينبغي أن لاتجوز هذه الثلاثة وإن حكمنا بكونه غير مسجد وإنما تظهر فائدته في بقية الأحكام التي ذكرنا ها ومن حل دخوله للجنب والحائض. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها، قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٦٤/٢، كوئٹه ٣٦/٢)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل فيمايكره خارج الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٨٨/١-٢٨٩۔

(٢) ويجنب هذاالمكان كما يجنب المسجد احتياطا. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤١٧/٥، كوئٹه ٢٤٨/٥)

ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطا. (شامي، كتاب الوقف، قبيل مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٥/٦، كراچي ٣٥٦/٤)

(٣) عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بالمساجد أن تبنى في الدور وأن تطهروتطيب. (سنن ابن ماجة، باب تطهير المساجد وتطييبها، النسخة الهندية ٥٥/١، دارالسلام رقم: ٧٥٨)

اوراگراصل مسئلہ پرکسی کومخالفت حدیث کاشبہ ہوکہ:یعتزلن الحیض المصلی(۱).

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتزال کی وجہ سے حرمت دخول مصلی نہیں ؛ بلکہ قطع صف مصلیات بالتخلل بینھن ہے خوب سمجھ لو۔

۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ، ص ۵۸۵)

(*) بعض اجزاء مسجد کوطریق بنانے کاحکم

سوال (۱۵۲۷) : قدیم ۲/ ۶۵۵ — الحکم الأوّل: وفیه مقامات المقام الأوّل ویتحصل من عبارات في الدرالمختار ، العبارة الأولیٰ: أي کجواز عکسه وهو ما إذا جعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع. وفي رد المحتار: قوله: کعکسه فیه خلاف کما یأتی تحریره وهذا عند الاحتیاج کما قیده في الفتح قوله: لتعارف أهل الأمصار في الجوا مع لا نعلم ذلک في جوامعنا نعم تعارف الناس المرور في مسجد له بابان وقد قال في البحر: وکذا یکره أن یتخذ المسجد طریقا وأن یدخله بلا طهارة. اه نعم! یوجد في أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فیها وقت المطر ونحوه لأجل الصلوٰة وللخروج من الجامع لا لمرور المارین مطلقاً کالطریق العام ولعل هذا هوالمراد (أي بقوله لتعارف أهل الأمصار في الجوامع ۱۲ ناقل) فمن کان له حاجةإلی المرور في المسجد یمر في ذلک الموضع فقط؛ لیکون بعیداً عن المصلین ولیکون أعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتأمل. (۲)

(*) اصل کتاب میں یہ سرخی بزبان عربی لکھی ہے:

الفصل الثاني في ردما أشاعه بعضهم في الأحکام المتعلقه یجعل بعض أجزاء المسجد طریقاوشرائط القاضي الآمربه. ۱۲ محمد شفیع

(۱) بخاري شریف، کتاب صلاة العیدین، باب خروج النساء والحیض المصلی، النسخة الهندیة ۱/ ۱۳۳، رقم: ۹٦٤، ف: ۹۷٤۔ شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

(۲) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طریقا، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٥٧٥، کراچي ٤/ ٣٧٨۔

العبارة الثانية: وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والدواب زيلعي. (١)

العبارة الثالثة : كماجاز جعل الإمام الطريق مسجداً لاعكسه لجواز الصلوٰة في الطريق لا المرور في المسجد. في رد المحتار: فيه نوع مدافعة لما تقدم (إلىٰ قوله) ولا يخفي أن المتبادر أنهما قولا ن في جعل المسجد طريقا بقرينة التعليل المذكور ويؤيده ما في التاتارخانية عن فتاوىٰ أبي الليث: وإن أراد أهل المحلة أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقًا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلک وأنه صحيح ثم نقل عن العتابية عن خواهر زاده إذا كان الطريق ضيقا والمسجد واسعا لا يحتاجون إلىٰ بعضه تجوز الزيادة في الطريق من المسجد الخ ثم فيه قوله لجواز الصلوٰة في الطريق (إلىٰ قوله) بخلاف جعل المسجد طريقا؛ لأن المسجد لا يخرج عن المسجدية أبدا فلم يجز؛ لأنه يلزم المرور في المسجد ولا يخفي أن المتبادر مرور أي مارولو غير جنب وهذا يؤيد أن هذا قول اٰخر وقد علمت ترجيح خلافه وهو جواز جعل الشيئ منه مسجدا و تسقط حرمة المرور فيه للضرورة؛ لكن لاتسقط عنه جميع أحكام المسجد فكذا لم يجز المرور فيه لجنب و نحوه كما مر فافهم. ج:٣، ص: ٥٩٢-٥٩٣-٥٩٤. (٢)

الحكم الثاني : ويتحصل من هذه العبارات في الدرالمختار. وجاز شرط الاستبدال به أرضا أخرىٰ الخ. في رد المحتار: اعلم أن الاستبدال علىٰ ثلثة وجوه الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا. والثاني: أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت؛ لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيئ أصلا أو لايفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه.والثالث: أن لايشترط أيضاً لكن فيه نفع في الجملة

(١)الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيئ من المسجد طريقا، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧٥/٦، كراچي ٣٧٨/٤۔

(٢) شامي، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيئ من المسجد طريقا، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧٥/٦-٥٧٦، كراچي ٣٧٨/٤-٣٧٩۔

وبدله خير منه ريعا ونفعاوهذا لايجوز استبدا له على الأصح المختار كذا حرره

العلامة قنالي زاده في رسالة الموضوعة في الاستبدال، ثم بعد أسطر من البحر أن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذٍ الاستبدال علىٰ كل الأقوال قال: ولايمكن قياسها على الأرض، فإن الأرض إذا ضعفت لايرغب غالبا في استئجارها؛ بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى علىٰ أن باب القياس مسدود في زماننا وإنما للعلماء النقل من الكتب المعتمدة كماصرحوابه. ج:٣، ص: ٥٩٩.(١)

وفي رد المحتار عن فتح القدير: والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لايختلف فيه، وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به ينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف علىٰ ماكان عليه دون زيادة؛ ولأنه لاموجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولاضرورة في هذا إذ لاتجب الزيادة بل نبقيه كما كان اه أقول ما قاله هذا المحقق هوالحق الصواب .اهـ كلام البيرى وهٰذا ما حرره العلامة القنالي كما قدمناه. ج:٣، ص: ٦٠٢-٦٠٣.(٢)

وفي رد المحتار: وكذا ليس للقيم الاستبدال إلا أن ينص له عليه. ج:٣، ص: ٦٠٠. (٣) وفي الدرالمختار: وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل. وفي النهر:

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، مكتبه زكريا ديوبند ٥٨٣/٦-٥٨٤، كراچي ٣٨٤/٤-٣٨٥۔

(٢) شامي، كتاب الوقف، مطلب لايستبدل العامر إلافي أربع، مكتبه زكريا ديوبند ٥٨٩/٦، كراچي ٣٨٨/٤۔

(٣) شامي، كتاب الوقف مطلب في اشتراط الإدخال والإخراج، مكتبه زكريا ديوبند ٥٨٥/٦، كراچي ٣٨٥/٤۔

أن المستبدل قاضي الجنة فالنفس به مطمئنة. الخ وفي رد المحتار: وأفاد في البحر:

زيادة شرط سادس وهو أن لايبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين. الخ ج:٣، ص: ٢٠٠ .(١)

الحكم الثالث : وفيه مقامان المقام الأول في الدرالمختار: وأهله (أي القضاء) أهل الشهادة أي أداؤها على المسلمين. في رد المحتار: وحاصله ان شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في قذف شروط لصحة توليته و لصحة حكمه بعدها. ج:۴، ص: ۴۶۲-۴۶۳ .(٢)

وفي رد المحتار: ظهر من كلامهم حكم القاضي المنصوب في البلاد الدروز في القطر الشامي ويكون درز يا ويكون نصرانيا، فكل منهما لايصح حكمه على المسلمين، فإن الدرزي لاملة له كالمنافق والزنديق وإن سمى نفسه مسلما. ج:۴، ص:۴۶۳ (٣).

وفيه كتاب الجمعة في معراج الدراية عن المبسوط البلاد التي في أيدي الكفار بلاد الإسلام لابلاد الحرب؛ لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر بل القضاة والولاة مسلمون يطيعونهم عن ضرورة أوبدونها. ج: ١، ص: ۸۴۲.(۴)

وفي الدرالمختار: وقضاء كافر على مسلم أبداً ونحو ذلک كالتفريق بين الزوجين بشهادة المرضعة لاينفذ. في رد المحتار: قوله: أبدا محل ذكره بعد قوله لاينفذ كما في عبارة الغرر. ج:٢،ص: ۵١٢.(۵)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: في اشتراط الإدخال والإخراج، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٨٥-٥٨٦، كراچي ٤/٣٨٦۔

(٢) الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: الحكم الفعل، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٢٣، كراچي ٥/٣٥٤۔

(٣) شامي، كتاب القضاء، مطلب في حكم القاضي الدرزي والنصراني، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٢٤، كراچي ٥/٣٥٥۔

(۴) شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٤، كراچي ٢/١٤٤۔

(۵) الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: في الحكم بما خالف الكتاب أوالسنة أوالإجماع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٩٠، كراچي ٥/٤٠٢۔

وفيه إلاما عرى عن دليل مجمع أوخالف كتابا أو سنة مشهورة أوإجماعاً (إلى

قولہ) لاینفذ.اہ مختصراً في رد المحتار: قوله مجمع قال ط والمراد به كما رأيته بهامشه من نحوالقضاء بسقوط الدين عند ترك المطالبة به سنين. ج:۴، ص: ۵۱۰. (۱)

۲۲/ شوال ۱۳۳۱ھ (ترجیح ثانی، ص ۱۷۹)

جامع مسجد میں نماز پنج گانہ افضل ہے یا مسجد محلّہ میں اور جامع مسجد کی فضیلت جمعہ کیساتھ مختص ہے یا عام

سوال (۱۵۲۸): قدیم ۲/ ۶۵۸ - (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے؟ یا محلّہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے؟ (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوٰۃ جمعہ ہے؟ (۳) یا عام ہے؟

الجواب: (۱) محلّہ کی مسجد میں۔ (۲)

(۲) ہاں غیر اہلِ محلّہ کے لئے۔ (۳)

(۳) ہاں اہلِ محلّہ کے لئے۔ فقط

۶/ رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اول، ص ۴۲)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: في الحكم بما خالف الكتاب أوالسنة أوالإجماع، مكتبه زكريا ديوبند ۸۷/۸، كراچي ۴۰۰/۵ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **ومسجد حيه وإن قل جمعه أفضل من الجامع وإن كثر جمعه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ۴۳۲/۲، كراچي ۶۵۹/۱)

حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۶۱۰ ۔

بزازية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون: في حكم المسجد، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۵۵/۱، وعلى هامش الهندية ۸۱/۴ ۔

(۳) **عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مأة صلاة وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته ←**

مسجد کے قریب کفار کو طبلہ اور باجہ بجنے سے روکنا

سوال (۱۵۲۹): قدیم ۲/ ٦٥٨ - جناب مقام صدر بدنور ضلع بیتول جو ریلوے اسٹیشن ہے وہاں ایک بازار نیا گنج تیار ہوا ہے اور بفضلِ خدا چند مسلمانان وہاں جمع ہو گئے اور شہر بدنور سے اسٹیشن ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے اور مسجد شہر میں ہے گنج سے مسجد شہر آنے میں سخت دقت پڑتی ہے اس لئے مسلمانان گنج وشہر والوں نے ایک درخواست دوسری مسجد گنج میں بنانے کو صاحب ضلع بہادر کو دی اور اجازت مسجد دے کر بنوانے کا حکم بھی اس شرط پر ہو گیا کہ باجا بجنا مسجد سے کتنے فاصلہ پر سے بند کیا جائے کہ جس میں تشویش نماز میں مصلیوں کو نہ ہو فتویٰ ہندوستان سے کسی مولوی و مفتی کا منگوا دو صاحب ضلع بہادر نے مانگا ہے؟

الجواب: في رد المحتار في حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم علىٰ نائم أو مصل أو قارئ. الخ (ص: ۲۹۱، ج: ۱)(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب پکار کر ذکر کرنا باوجودیکہ فی نفسہ مستحب ہے جس وقت اُس سے کسی نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش ہو وہ ناجائز ہو جاتا ہے (۲) تو باجا جو کہ فی نفسہ بھی ناجائز ہے (۳)

← **في مسجدي بخمسين ألف صلاة.** (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۲، دار السلا رقم: ۱٤۱۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤۳٤، كراچي ۱/ ٦٦٠-

(۲) **لايقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ۳۱٦، جديد ٥/ ۳٦٥)

هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء قيل نعم وفي الشامية وحمل مافي فتاوى القاضي على الجهر المضر. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۷۰، كراچي ٦/ ۳۹۸)

(۳) **إن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات وفي البزازية: استماع** ←

جب اُس سے ایسی تشویش پیدا ہو ضرور اُس سے روکا جاوے گا (ا) اور تشویش میں یہ بھی داخل ہے کہ جماعت ہو رہی ہو اور باجہ کی آواز سے امام کی آواز قرأت یا تکبیر کی مقتدیوں تک نہ پہنچے اور اس سے ان کی نماز اس طرح خراب ہو کہ امام مثلاً سجدہ سے اُٹھا اور مقتدی بوجہ آواز نہ پہونچنے کے سجدہ ہی میں پڑے رہے تو ایسی تشویش کسی قدر دُور کے باجہ سے بھی ہوسکتی ہے جب تک بہت دور نہ ہو اور یہ بات تجربہ سے معلوم کر کے اندازہ فاصلہ کا مقرر کیا جاسکتا ہے شریعت میں اس کی کوئی خاص حد نہیں۔ فقط

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس، ص۷)

سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

سوال (۱۵۳۰): قدیم ۲/ ۶۵۹- یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند مقتدر لیڈروں کی طرف سے ایک استفسار خدمت عالیہ میں روانہ ہے اُمید ہے کہ جناب رائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں۔

← **صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۲-۵۰۴، كراچي ۶/۳۴۸-۳۴۹)

(ا) **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا.** [سورة البقرة، آيت: ۱۱۴]

ظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد...... ((وسعى في خرابها)) أي هدمها وتعطيلها وقال الواحدي إنه عطف تفسير؛ لأن عمارتها بالعبادة فيها. (روح المعاني، سورة البقرة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۷۲-۵۷۳)

عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، النسخة الهندية ص: ۵۴، دار السلام رقم: ۷۵۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جناب پر روشن ہے کہ آئے دن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مساجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق کس قدر کشت وخون ہوتے رہتے ہیں؛ چنانچہ بمبئی کے خونی ہنگامہ سے یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند لیڈر بہت متاثر ہوئے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے معزز علماء عوام کو سمجھائیں کہ ان باتوں پر لڑنا خواہ مخواہ کے جانی ومالی نقصانات کا شکار ہونا ہے۔

الجواب :اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مساجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ امر منکر ہے واجب الانسداد ہے جزو اوّل کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔(۱)

اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ...... الخ (أنفال).(۲)

في روح المعاني مكاء أي صفيرا وتصدية أي تصفيقاً وهو ضرب اليد باليد

---

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. [سورۂ لقمان، آیت:٦]

وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: " لَهْوَ الْحَدِيْثِ " على ماروي عن الحسن، كل ما شغلك عن عبادة الله تعالىٰ وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات، والغناء ونحوها. (روح المعاني، سورة لقمان، مكتبه زكريا ديوبند ١٢/١٠٢)

عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع. (شعب الإيمان، باب حفظ اللسان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٩، رقم: ٥١٠٠)

عن ابن مسعود: الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل. (كنزالعمال ١٥/٩٥، رقم: ٤٠٦٥١)

وكره كل لهو أي كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباط والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغيرذلك حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٦٦، كراچي ٦/٣٩٥)

(۲) سورة الأنفال آيت: ٣٥۔

بحيث يسمع له صوت. يروى أنهم كانوا إذا أراد النبي ﷺ أن يصلي يخلطون عليه بالصفير و التصفيق (إلىٰ قوله) والمأثور عن ابن عباس و جمع من السلف ماذكرناه. الخ ملخصاً. (١)

اور ظاہر ہے کہ سیٹی بجانا اور تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہا اہون اور ادون ہے جب اخف واہون پر نکیر کیا گیا تو اثقل واشد پر تو بدرجۂ اولیٰ نکیر ہوگا؛ اگر چہ اُس میں بجز تلہی وتلعب کے اور کوئی غرض ونیت فاسد معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو۔

لإطلاق النصوص وللزوم التخليط والتشويش على المصلين في فعلها عندالمساجد.

اور بعلت تلہی مطلقاً اور بعلت تخلیط وتلبیس خصوصاً مسلمانوں کو بھی اس سے روکا جائے گا گو اس میں کوئی اور غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی یعنی اہانت واستخفاف اسلام واخاطت اہلِ اسلام اور جیسے اب بھی بعض مقامات پر قرائن قویہ سے کفار کی ایسی ہی اغراض معلوم ہوتی ہیں تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بڑھ جائے گی حتی کہ ایسے امور سے جن کا اثر اس قسم کا ہو ذمیوں کو بھی باوجود اس کے کہ اُن کے ساتھ قانون اسلامی میں بہت رواداری ہوتی جاتی ہے روکا جاتا ہے اگر چہ وہ اثر اُن کی نیت میں بھی نہ ہو منع کے لئے لزوم کافی ہے التزام شرط نہیں چنانچہ اہل ذمہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے۔

الأحق أن لايتركوا أن يركبوا إلا للضرورة، وإذا ركبوا للضروره فلينزلوا في جامع المسلمين وفي نسخة في مجامع المسلمين (هداية فصل في ما ينبغي الذمي) (٢)

اور یہ فعل مبحوث عنہ تو اعزاز وتنویہ کفر واستخفاف واخماد اسلام میں اُس سے بھی اشد ہے تو اُس سے کیوں نہ روکا جائے گا لیکن یہ سب وجوب منع وغیرہ اُس وقت ہے جب منع پر قدرت ہو خواہ بلا واسطہ جیسے

---

(١) روح المعاني، سورة الأنفال، آیت: ٣٥، مکتبہ زکریا دیوبند ٦/ ٢٩٤۔

عن ابن عمر في قوله "وما كان صلاتهم عندالبيت إلامكاءً وتصدِيةً" قال: المكاء! الصفير، والتصدية: التصفيق...... قال مجاهد وإنما كانوا يصنعون ذلک ليخلطوا بذلک على النبي صلى الله عليه وسلم صلاته، وقال الزهري: يستهزئون بالمؤمنين. (تفسیر ابن کثیر سورة الأنفال آیت: ٣٥، مکتبہ زکریا دیوبند ٣/ ٣٠٥)

(٢) هداية، كتاب السير، فصل فيما ينبغي الذمي، مکتبہ اشرفية دیوبند ٢/ ٥٩٨ ←

اسلامی حکومت کی حالت میں ہوتی ہے خواہ بواسطہ جیسے اسلامی حکومت نہ ہونے کی حالت میں حاکمِ وقت سے استعانت کی صورت میں ہوتی ہے اور قدرت سے مراد قدرت حسیہ نہیں بلکہ قدرت شرعیہ ہے یعنی جس کا شریعت نے احکام میں اعتبار کیا ہے اور وہ قدرت وہ ہے کہ اُس کے استعمال کے بعد کوئی ضرر ایسا لاحق نہ ہو جو نہ قابل تحمل ہو نہ وجوبًا یا استحبابًا مامور بہ ہو دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه الحديث. (١)

ظاہر ہے کہ اگر قدرت حسیہ مراد ہوتی تو ''ید'' سے اکثر حالات میں اور لسان سے جمیع حالات میں استطاعت حاصل ہے پھر فإن لم یستطع کے کیا معنی، اس سے واضح ہو گیا کہ عدم استطاعت کے معنی یہ ہے کہ اُس کے استعمال سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہو جاوے۔ جو نہ قابل تحمل ہو اور نہ وجوبًا یا استحبابًا مامور بہ ہو۔ کما ذکر اسی قدرت کی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں ایک بلا واسطہ ایک بواسطہ اور اگر دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی بھی قدرت نہ ہو تو وجوب تو یقیناً ساقط ہے (٢) باقی جواز سو فقہاء نے اباحۃ جہاد میں یہ شرط بھی لگائی ہے۔

← **وينبغي أن لايترك أحد من أهل الذمة يتشبه بالمسلم لافي ملبوسه، ولامركوبه، ولازيه ولاهيئته ويمنعون عن ركوب الفرس إلاإذاوقعت الحاجة، كذا في المحيط فإذاركبوا للضرورة بأن استعان بهم الإمام في المحاربة والذب عن المسلمين، فلينزلوا في مجامع المسلمين.** (هندية، كتاب السير، الباب الثامن، فصل، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٢٤٩، جديد ٢/ ٢٦٤)

(١) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١، بيت الأفكار، رقم: ٤٩

(٢) اعلم أنه إذا كان المنكر حراما وجب الزجرعنه، وإذا كان مكروهاندب، والأمر بالمعروف أيضا تبع لمايؤمربه، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث لأن النهي عن المنكر شامل له إذالنهي عن الشيء أمر بضده، وضدالمنهي إما واجب أو مندوب أومباح والكل معروف، وشرطهما أن لايؤدي إلى الفتنة كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله فإن ظن أنه لايقبل، فيستحسن إظهارًا لشعائر الإسلام. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، مكتبه إمدادية ملتان ٩/ ٣٢٩)

فإن غلب على ظنه أن تغييره بيده يسبب منكرا أشد منه من قتله أوقتل غيره بسبب كف يده واقتصرعلى القول باللسان والوعظ والتخويف فإن خاف أن يسبب قوله مثل ذلک ←

أن يرجوا القوة والشوكة لأهل الإسلام والقوة باجتهاده أو باجتهاد من يعتقد في اجتهاده ورأيه وإن كان لايرجوا القوة والشوكة للمسلمين في القتال فإنه لايحل له القتال لما فيه من إلقاء نفسه في التهلكة. اه (الباب الأوّل من كتاب السير من العالمگيرية). (١)

اسی طرح دوسری روایت ہے۔ قال محمد لا بأس بأن يحمل الرجل وحده على المشركين، وإن كان غالب رأيه أنه يقتل إذا كان في غالب رأيه أنه ينكي فيهم نكاية بقتل أو جرح أو هزيمة، وإن كان غالب رأيه أنه لا ينكي فيهم أصلا لا بقتل و لا بجرح ولاهزيمة ويقتل هو فإنه لايباح له أن يحمل وحده. اه (الباب السابع عشر كتاب الكراهية من العالمگيرية). (٢)

اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ایسے منکرات کے روکنے کی قدرت مسلمانوں کو بلاواسطہ تو حاصل نہیں پس اگر حاکم سے مدد حاصل ہو جاوے ایسا کریں ورنہ صبر کریں، باقی جن کو یہ تفصیل معلوم نہ ہو اور وہ مقابلہ و مقاتلہ میں ہلاک ہو جائیں تو وہ معذور اور گناہ سے بری ہیں۔

كما في كتاب الإكراه السلطان إذا أخذ رجلاً وقال لأقتلنک أو لتشربن هذا الخمر أولتأكلن هذه الميتة أو لتأكلن لحم هذا الخنزير كان في سعة من تناوله بل يفترض

← غيربقلبه وكان في سعة وهذا هو المراد بالحديث إن شاء الله تعالىٰ، وإن وجد من يستعين به على ذلک استعان مالم يؤدذلک إلى إظهار سلاح وحرب وليرفع ذلک إلى من له الأمر إن كان المنكر من غيره أويقتصر على تغييره بقلبه هذاهو فقه المسئلة وصواب العمل فيها عند العلماء المحققين. (شرح النووي على مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١)

(١) هندية، كتاب السير، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ١٨٨، جديد ٢/ ٢٠٥ـ

(٢) هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف. (مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٥٣، جديد ٥/ ٤٠٨)

ولابأس للرجل الواحد من المسلمين أن يحمل على ألف من المشركين إن كان يطمع السلامة أوالنكاية بهم، وإن كان لايطمع أحد هما كره؛ لأن فيه إهلاک النفس من غير فائدة.

(خانية على هامش الهندية، كتاب السير، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٥٦٠، جديد ٣/ ٤١٦)

عليه التناول إذا كان في غالب رأيه أنه لو لم يتناول يقتل، فإن لم يتناول حتىٰ قتل كان اٰثما في ظاهر الرواية عن أصحابنا وذكر شيخ الإسلام أنه آثم ما خوذ فيه إلا أن يكون جاهلا بالإباحة حالة الضرورة، فلم يتناول حتىٰ قتل يرجى أن يكون في سعة من ذلک فأما إذا كان عالما بالإباحة كان ماخوذا كذا قال محمدؒ (الباب الثاني من كتاب الإكراه من العالمگيرية) (١)

۲۴/شعبان ۱۳۵۵ھ (النور رمضان ۱۳۵۶ھ، ص:۹)

جواب دوم :ارشاد ہے: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّامُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ. (٢)

اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ معازف ومزامیر جو مرادف ہے مکاء وتصدیہ کا یعنی ملاہی کا اشتغال مسجد کے قریب جو مرادف ہے عندالبیت کا اگر موجب استخفاف واذلال دین یا اغاظت واشتعال اہل دین من حیث الدین ہوتا ہو کفر ہے اور ارشاد ہے:

وَاِنْ نَكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِي دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ. (٣)

اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ جس کفر سے دین کا استخفاف واذلال یا اہل دین من حیث الدین کا غیظ واشتعال مقصود ہو وہ موجب نقض عہد ہے یعنی کافر ذمی یا مستامن یا معاہد یا مصالح عہد آزادی مذہب و تقریر علی الکفر میں یہ داخل نہیں بلکہ قدرت کے وقت مسلمانوں کو حق ہے کہ کافر کو اس سے روکیں خواہ حکومت سے اگر حکومت حاصل ہو یا حکام سے مدد لیکر اگر خود حکومت حاصل نہ ہو اور عجز کی حالت میں معذوری ہے۔(٤)

---

(١) هندية، كتاب الإكراه، الباب الثاني: فيما يحل للمكره أن يفعل ومالايحل، مكتبه زكريا ديوبند ٣٨/٥، جديد ٤٧/٥۔

(٢) سورة الأنفال، آيت: ٣٥۔

(٣) سورة التوبة، آيت: ١٢۔

(٤) أخرج مسلم في صحيحه حديث أبي بكرة: قال أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال قدترک ماهنالک ←

رہا قصد استخفاف واذلال یا اغاظت واشتعال اس کا مدار قرائن مقالیہ یا حالیہ پر ہے جیسے طعن کے طعن ہونے کا یہی مدار ہے ورنہ کفر کا موجب نقض ذمہ نہ ہونا ظاہر ہے اور اسی سے جواب ہو گیا اس شبہ کا کہ مسلمان بھی تو ایسی حرکت کرتے ہیں اور اس شبہ کا بھی کہ مسجد کی پشت پر بجانے سے کیوں ناگواری نہیں ہوئی جواب ظاہر ہے کہ وہاں قصد اذلال یا اشتعال نہیں ہوتا البتہ قرائن کی تحکیم میں احتیاط شدید کی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات محض سادگی وخلو ذہن کے ساتھ ایسا واقعہ ہوتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ایسی ہی احتیاط اس کی نظائر میں ارشاد ہے:

اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. (١)

اور اس احتیاط کی سبیل متعین صرف یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عوام اپنی رائے سے نہ کیا کریں اہلِ علم واہل حلم واہل فہم پر مدار رکھیں جیسا اس کی نظیر میں یہ ارشاد ہے:

ولو ردوه إلى الرسول وإلىٰ أولىٰ الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم. (٢) واللہ اعلم

٢٢/ شعبان ١٣٤٩ھ

← **فقال أبو سعيد، أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأي منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان.** (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١، رقم: ٤٩)

فإن غلب على ظنه أن تغييره بيده يسبب منكرا أشد منه من قتله أو قتل غيره بسبب كف يده واقتصر على القول باللسان والوعظ والتخويف فإن خاف أن يسبب قوله مثل ذلك غير بقلبه وكان في سعة وهذا هو المراد بالحديث إن شاء الله تعالىٰ، وإن وجد من يستعين به على ذلك استعان مالم يؤد ذلك إلى إظهار سلاح وحرب وليرفع ذلك إلى من له الأمر إن كان المنكر من غيره أو يقتصر على تغييره بقلبه هذا هو فقه المسئلة وصواب العمل فيها عند العلماء المحققين. (شرح النووي على مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١)

(١) سورة الحجرات، آیت: ٦۔

(٢) سورة النساء، آیت: ٨٣۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے محلّہ کی مسجد کو چھوڑنے کا حکم

سوال (۱۵۳۱): قدیم ۲/۶۶۲- کسی مسجد کا امام یا مقیم مسجد اپنی مسجد میں ظہر کی جماعت نہ ہونے کی وجہ سے کسی دوسری مسجد میں محض بلحاظ جماعت چلا جاتا ہے تو اُس کے لئے دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا اَولیٰ ہوگا یا اپنی ہی مسجد میں تنہا نماز پڑھنا بشرطیکہ اذان اُس مسجد میں ہوتی ہو صرف جماعت کی پابندی نہیں ہے۔ جواب مع سند شرعی مرحمت ہو؟

الجواب: في الدرالمختار : ومسجد حيه أفضل من الجامع. وفي رد المحتار : وما هنا جزم به. في شرح المنية: كما مر وكذا في المصفى والخانية بل في الخانية: لولم يكن لمسجد منزله مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده؛لأن له حقا عليه فيؤديه. ج: ١، ص: ٦٩٠. (١)

اس روایت میں تصریح ہے کہ گو مسجد محلّہ میں جماعت نہ ہوتی ہو تب بھی اُسی میں نماز پڑھنا چاہئے گو تنہا پڑھنا پڑے۔

۲۷/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۸۳)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٣، كراچي ١/٦٥٠ـ

قلت لكن في الخانية وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلى وإن كان واحدًا؛ لأن لمسجد منزله حقاعليه، فيؤدي حقه، مؤذن مسجد لايحضر مسجده أحد، قالوا:هويؤذن ويقيم ويصلى وحده، وذلک أحب من أن يصلى في مسجد آخر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٩١، كراچي ١/٥٥٥)

خانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٦٧، جديد ١/٤٤ـ

لولم تحضرجماعة يصلى المؤذن وحده فيه ولايذهب إلى مسجد آخر فيه جماعة. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٣ـ

ابن سماعة قال: سأل رجل محمدا رحمه الله، فقالا: إن لنامسجداظاهرا على الطريق، ←

محلّہ کی مسجد کا حق

سوال (۱۵۳۲): قدیم ۲/ ٦٦٢ - اگر محلّہ کی مسجد میں نماز جماعت سے نہ ہوتی ہو اور آدمی کہنے سے بھی جمع نہ ہوں تو دوسرے محلّہ کی مسجد میں جماعت پڑھنے کے واسطے جانا درست ہے یا نہیں؟

۳/ فروری ۱۹۲۱ء

الجواب: مسجد محلّہ کا یہی حق ہے کہ وہاں نماز پڑھے اگرچہ تنہا پڑھنا پڑے۔(۱)

← **أؤذن فيه وأقيم، ولا يجتمع فيه أحد إلا أنا وابن عمي، وربما كنت وحدي ويقربني مسجد يجتمع فيه جمع عظيم، أتري أن أعطل هذا المسجد وأصلي في المسجد الكثير الجماعة ؟ قال: لاتعطله ماقدرت عليه.** (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن: الحث على الجماعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٨١، رقم: ٢٤٢٥) شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

(۱) **قلت لكن في الخانية: وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي وإن كان واحدا؛ لأن لمسجد منزله حقا عليه، فيؤدي حقه مؤذن مسجد لايحضر مسجده أحد، قالوا: هو يؤذن ويقيم ويصلى وحده وذاک أحب من أن يصلي في مسجدآخر.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٩١، كراچي ١/ ٥٥٥)

شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٣، كراچي ١/ ٦٥٩۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٦٧، جديد ١/ ٤٤۔

لولم تحضر جماعة يصلي المؤذن وحده فيه ولا يذهب إلى مسجد آخر فيه جماعة. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه أشرفية ديوبند ص: ٦١٣۔

ابن سماعة قال: سأل رجل محمد رحمه الله فقال: إن لنامسجدا ظاهرا على الطريق، أؤذن فيه أقيم ولايجتمع فيه أحد إلا أنا وابن عمي وربما كنت وحدي ويقربني مسجد يجتمع فيه جمع عظيم، أترى أن أعطل هذاالمسجدوأصلي في المسجد الكثير الجماعة؟ قال لا تعطله ماقدرت عليه. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن: الحث على الجماعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٨١، رقم: ٢٤٢٥) شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

غیر مسلم ہندو کا مسجد میں بچھانے کے لئے فرش دینا

سوال (۵۱۳۳): قدیم ۲/۶۶۳ - عرض ہے کہ ہم ایک ہندو ہیں جناب من ہم نے ایک عدد شطرنجی مسجد موضع فلاں ملک بنگال میں دی خدا کے واسطے پر نماز پڑھنے کو اور وہ کچھ روز کے بعد ہم کو واپس ملی کیا وجہ کہ ہم تو کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے ہیں ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے جو کہ لاشریک ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے براہ مہربانی خدا کیواسطے انصاف کر کے فتویٰ دینا اور ہم سود بھی کھاتے نہیں؛ کیونکہ حرام ہے جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے کہ سود حرام ہے تو پھر ہم کس طرح کھا سکتے ہیں اور براہ مہربانی یہ بھی انصاف کر کے فتویٰ دینا کہ قرآن شریف پڑھ کر پیسہ روپیہ لینا یہ درست ہے یا نہیں؟ اور جس مسجد میں سود والے کا روپیہ خرچ ہو اُس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور جو مسلمان سود کھائے اُس کے واسطے کیا حکم ہے اور جو مولوی سود والے کی ضیافت کھائے یا اور مسلمان تو اُن کو کھانا درست ہے یا نہیں باقی حال یہ ہے کہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ ڈالتا ہوں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا کہ جواب ضرور ملے خدا کے واسطے مہربانی کر کے جواب عنایت فرمائیے۔

الجواب: في الدر المختار: كتاب الوقف، بدليل صحته من الكافر. وفي رد المحتار: حتىٰ يصح من الكافر كالعتق والنكاح (إلى قوله) بخلاف الوقف، فإنه لابد فيه من أن يكون في صورة القربة وهومعنى ما يأتي في قوله: ويشترط أن يكون قربة في ذاته إذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر. اهـ ج:۳، ص: ۵۵۴. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندو ہونا صحت وقف سے مانع نہیں خواہ للمسجد ہو یا لغیر المسجد ہو للاطلاق (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب لووقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۵۲۱، كراچي ۴/۳۳۹

(۲) **وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم ......لووقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم.** (البحر الرائق، لووقف، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۳۱۶، كوئٹه ۵/۱۸۹-۱۹۰)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أوعلى مسجد القدس.

(شامي، كتاب الوقف، مطلب قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۵۲۴، كراچي ۴/۳۴۱) ←

اور اگر آیت ما كان للمشركين الخ (۱) سے شبہ ہو تو وہ شبہ اُس کی تفسیر کے ملاحظہ سے رفع ہوسکتا ہے بندہ کی تفسیر بیان القرآن کو دیکھ لیا جاوے (۲)؛ البتہ جہاں احتمال منت رکھنے اور احسان جتلانے کا ہو وہاں یہ عارض مانع اجازت ہوگا لیکن صورت مسئولہ میں قرائن سے اس کا بھی احتمال نہیں " قوله" ہم کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے الیٰ قولہ جس کا کوئی شریک نہیں۔

دَلَّ هذا القول على كونه قائلاً للتوحيد. وقولہ ہم سود بھی کھاتے نہیں الیٰ قولہ جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے دَلَّ هذا على اعتقاده حقيقة القرآن. وقولہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ ڈالتا ہوں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دَلَّ هذا علىٰ اعتقاده رسالة النبي ﷺ فهذا الرجل إما مسلم كم يشعر به. قولہ ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے۔

وأما محب للإسلام حقيق بالتاليف و بكل حال لايحتمل من مثل هذا الرجل وعلىٰ ظن إسلامه مخفيا لم يوجد المانع الأوّل من كفره لو فرض مانعاً.

پس جب یہاں کوئی امر مانع نہیں تو ایسے شخص کی دی ہوئی شطرنجی مسجد میں لے لی جاوے کچھ حرج نہیں اور اگر کسی خاص مسجد والے نہ لیں دینے والے کو دوسری مسجد میں دیدینا چاہئے اگر کہیں قبول نہ ہو یہاں بھیج دی جاوے مسجد میں بچھا دی جاوے گی۔

← وأما الإسلام فليس بشرط...... ومنها أن يكون قربة في ذاته وعند التصرف...... ولو وقف الذمي داره على بيعة أو كنيسة أو بيت نار فهو باطل كذا في المحيط وكذا على إصلاحها ودهن سراجها، ولو قال يسرج به بيت المقدس أو يجعل في مرمة بيت المقدس جاز.
(هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٣٥٢-٣٥٣، جديد ٢/٣٤٧)

(۱) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِهُمْ خَالِدُوْن. (سورة التوبة، آيت: ١٧)

(۲) بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائے:
مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو جن میں مسجد حرام بھی آگئی آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کی باتوں کا اقرار کرتے ہیں، چنانچہ وہ خود اپنا مشرب بتلانے کے وقت ایسے عقائد کا اقرار کرتے تھے، جو واقع میں کفر ہیں، مطلب یہ کہ عمارت مساجد گو عمل محمود ہے، لیکن باوجود شرک کے کہ اس کے منافی ہے اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ محض غیر معتد بہ ہے، پھر فخر کی کیا گنجائش ہے، الخ۔ (تفسیر بیان القرآن سورہ توبہ آیت: ۱۷، مکتبہ تاج پبلیشرز دہلی ۱۰۰/۴)

كما نص الفقهاء فيها إذا استغنى مسجد عن الوقف صرف إلى الأقرب فالأقرب والجامع تعذر الصرف إلى الأصل. وفي الدرالمختار: ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما والرباط والبئر إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أوبئرأوحوض إليه. اه ج:٣ مع رد المحتار، ص: ٥٧٤.(١)

اوراس کے ضمن میں جواور سوالات کئے ہیں اُن کا منشاء محض غصّہ ہے نہ کہ تحقیق اس لئے جواب نہیں دیا گیا۔

۲۳/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (حوادث رابع،ص ۶۷)

تعمیر مسجد میں غیر مسلم کا پیسہ لگانا

سوال (۱۵۳۴): قدیم ۲/۶۶۴ - علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مقام یا تھرڈیہ ضلع مان بھوم میں ایک مسجد نئی تیار ہوئی ہے اور اس میں ہندولوگ چندہ دینا چاہتے ہیں وہ روپیہ ہندولوگوں کا مسجد میں لگانا درست ہے یانہیں؟

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب لوخرب المسجد أوغيره، مكتبه زكريا ديوبند٦/٥٤٩، كراچي ٤/٣٥٩

ذهب الفقهاء إلى أنه لو تعطلت الجهة الموقوف عليها فإن ريع الوقف يصرف إلى جهة أخرى مماثلة للجهة التي تعطلت منافعها ولم يرج عودها، فلوكان هناك وقف على مسجدأورباط أوبئرأوحوض فخرب المسجد أوالرباط أوالحوض وأصبح لاينتفع بها، فإن ماوقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولايصرف إلى حوض أورباط، وما وقف على الحوض أوالبئر أوالرباط يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١)

سئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أو قافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال: نعم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٩٦، رقم: ١١٦٢٣)

هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٧٨، جديد ٢/٤١٩ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔(۱)

۲۰/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۹۰)

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرانا

سوال (۱۵۳۵): قدیم ۲/ ٦٦۴- آیت: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (۲) کے ذیل میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

---

(۱) **وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم ...... لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٨٩-١٩٠)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضروة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٢٤، كراچي ٤/ ٣٤١)

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي على ولده ونسله وجعل آخر للمساكين جاز ...... وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، درالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٨)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصي ببنائه أو ترميمه إذا لم يكن في ذلک ضرر ديني أو سياسي الخ. (تفسير مراغي سورة التوبة تفسير الآية: ١٧، مكتبه تجارية ٤/ ٧٤، الجزء العاشر)

ولو أوصي (ذمي) بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين، أو يبني به مسجد للمسلمين إن كان ذلک لقوم بأعيانهم صحت الوصية وتعتبر تمليكا لهم، وكانوا بالخيار إن شاؤا أحجوبه وبنوا المسجد وإن شاؤا لا. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن: في وصية الذمي والحربي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٦/ ١٣٢، جديد ٦/ ١٥٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) سورة التوبة رقم الآية: ١٧۔

قال الواحدي: دلت هذه الاٰية علىٰ أن الكفار ممنوعون من عمارة مسجد من مساجد المسلمين ولو أوصى بها لم تقبل وصيته. اھ

اور عدم جواز کی یہ وجہ لکھتے ہیں: والكافر يهينه ولا يعظمه.

اور یہ بھی لکھتے ہیں: وأيضاً إقدامه علىٰ مرمة المسجد تجري مجرى الإنعام على المسلمين ولايجوز أن يصبر الكافر صاحب المنة على المسلمين. اھ (۱)

اور تفسیر خازن میں ہے: واختلفوا في المراد بالعمارة علىٰ قولين أحدهما أن المراد بالعمارة العمارة المعروفة من بناء المسجد وتشييدها ومرمتها عند خرابها فيمنع من الكافر حتىٰ لو أوصى ببناء مسجد لم تقبل وصيته.اھ (۲)

پس حسب قول واحدی ہندوؤں کا مال تعمیر مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے؛ چنانچہ مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور استاذنا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے مجموعۂ فتاویٰ میں جلد۲، صفحہ ۳۰ میں ہے، تعمیر و مرمت مسجد میں شیعہ وکافر کا روپیہ لگانا درست ہے۔ وأيضاً فيه جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عبادت کا کام ہے اُس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔(۳)

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندو بخوشی تعمیر مسجد کے لئے چندہ دیں تو لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے اور یہی قول صحیح وراجح ہے تو جواب مع مأخذ تحریر فرمائیے۔

الجواب: یہاں دو مقام ہیں ایک تحقیق حکم کی فی نفسہ دوسرے تحقیق حکم کی باعتبار خارج عارض کے۔ سو تقریر اوّل کی یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب الوصیۃ میں مصرح ہے کہ کافر کی وصیت ایسے امر کے ساتھ ہو جو اس کے اور ہمارے نزدیک قربت ہے جائز ہے۔(۴)

---

(۱) التفسير الكبير للإمام فخرالدين الرازي، تحت تفسير رقم الآية من سورة التوبة: ١٧، تهران ٦/١٦-

(۲) تفسير الخازن تحت تفسير رقم الآية من سورة التوبة: ١٧، دارالمعرفة بيروت ٢/٢٠٩-

(۳) فتاوی رشیدیة، کتاب الوقف، باب مساجد کے احکام کا بیان، مکتبہ زکریا دیوبند ص:٥١٧، سوال ٩٠٤-٩٠٥-

(۴) إن وصايا الذمي على أربعة أقسام ومنها إذا أوصي بما يكون قربة في حقنا وفي حقهم ←

پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اُس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہئے؛ البتہ اگر اس مسئلہ کی تفسیر یہ ثابت ہو جائے کہ اُس کے مذہب کی رو سے وہ قربت ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس طور پر یہ قربت نہیں ہے تب البتہ عدم جواز کا حکم دیا جاوے گا ''والظاھر ھو الأول'' اور مفسرین کا استنباط کرنا عدم جواز کو اس آیت سے فقہاء کے مقابلہ میں درست نہیں؛ کیونکہ لکل فن رجال اور آیت کے یہ معنی بھی نہیں بلکہ سیاق وسباق وسبب نزول میں نظر کرنے سے مطلب آیت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد ہے افتخار مشرکین کا عمارت مسجد حرام اور سقایہ حاج پر اس طور پر کہ مشرکین میں بوجہ فقدان ایمان کے کہ شرط ہے قبولِ صالح کی اس عمل کی اہلیت شرعیہ نہیں پس یہ عمل اُن کا مقبول نہیں؛ بلکہ کالعدم ہے اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا محض لغو ہے؛ البتہ ایمان والوں سے یہ عمل مقبول ہے پس اس میں جواز اور عدم جواز سے تعرض ہی نہیں اور للمشرکین لام جواز کا نہیں بلکہ لام استحقاق وصلاحیت کا ہے ''وقد بسطته في تفسيري للقرآن (۱)'' اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال

← كما إذا أوصي بأن يسرج في بيت المقدس أو يغزي الترک وهو من الروم وهذا جائز سواء كان القوم بأعيانهم أوبغير أعيانهم لأنه وصية بما هو قربة حقيقة وفي معتقدهم أيضا. (هداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي، مكتبه أشرفية ديوبند ٤/٦٨٩-٦٩٠)

وجملة الكلام في وصايا أهل الذمة أنها لاتخلوا: إما إن كان الموصي به أمرا هو قربة عندنا وعندهم أو كان أمرا هو قربة عندنا لاعندهم وإما إن كان أمرا هو قربةعندهم لاعندنا، فإن كان الموصي به شيأ هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصي بثلث ماله أن يتصدق به على فقراء المسلمين أو على فقراء أهل الذمة أو بعتق الرقاب أو بعمارة المسجد الأقصى ونحو ذلک جاز في قولهم جميعا؛ لأن هذا مما يقرب به المسلمون وأهل الذمة. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل في شرائط ركن الوصية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٤٣٩)

ولوأوصى (ذمي) بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين أو يبنى به مسجد للمسلمين إن كان ذلک لقوم بأعيانهم صحت الوصية وتعتبر تمليكا لهم وكانوا بالخيار إن شاؤا حجوابه وبنوا المسجد وإن شاؤا، لا. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن في وصية الذمي والحربي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٦/١٣٢، جديد ٦/١٥٢)

(۱) تفسیر بیان القرآن، سورة التوبة، آیت: ١٧، تاج پبلشرز دهلي ٤/١٠٠۔

منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے (ا) جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے اور جو شیعی حد کفر تک نہ پہنچا ہو اُس کا حکم کافر کا سا نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۲۳/ رمضان شریف ۱۳۲۵ھ یوم پنجشنبہ (امداد ثانی، ص۱۱۰)

مسجد کے لئے ہندو کا وقف صحیح ہے

سوال (۱۵۳۶): قدیم ۲/ ۶۶۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندو نے ایک جائداد صحرائی بنام مسجد وقف کر کے وقف نامہ باضابطہ بتاریخ ۱۹/ شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ۵/ اگست ۱۹۱۷ء رجسٹری کرادیا۔ اُس کے بعد درخواست داخل خارج بنام مسجد عدالت میں دی گئی۔ عدالت میں واقف نے بیان کیا کہ میری اراضی ہندو مالکان موضع ہذا نے کئی جگہ چھین لی ہے اور دس بھینس اور چھ بیل زبردستی لے لئے ہیں۔ نیز مکان بھی جبراً دبا لئے ہیں۔ مالکان کے خوف سے میں نے یہ اراضی مسجد کے نام خیرات کردی ہے۔ میرا یہ اقرار ہے کہ یہ زمین مسجد کے نام ہے بیع رہن نہ ہووے اور وقف نامہ میں یہ عبارت نہیں ہے بلکہ حسب قاعدہ جو عبارت ہونی چاہئے وہ ہے وہ لکھتا ہے:

’’میں اپنا مذہب ہندو رکھتا ہوں مگر خیال مستقل صوفیانہ ہیں جن کی وجہ سے میں خداوند عالم کے سوا اور کسی پر اعتقاد نہیں رکھتا؛ اس لئے میرے نزدیک جس قدر عبادت خانے دنیا میں خداوند عالم کی پرستش کے لئے ہیں خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں مین اُن کو ہر طرح متبرک اور مساوی سمجھتا ہوں اور اُن کی بہبودی واستحکام کے واسطے دینا ثواب آخرت اور ذریعہ نجات جانتا ہوں اس لئے میں نے حقیقت مفصّلہ ذیل فی سبیل اللہ بنام جامع مسجد کیرانہ دواماً قطعی وقف کردی میرا کچھ واسطہ جائداد یا اُس کے حقوق یا قبضہ سے نہیں رہا‘‘

(ا) **درء المفاسد أولي من جلب المنافع.** (قواعدالفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۸۱، رقم: ۱۳۳)

درء المفاسد أولي من جلب المنافع أي إذا تعارض مفسدة و مصلحة، قدم رفع المفسدة. (شرح المجلة لسليم، مكتبه اتحاد ۱/ ۳۲، رقم المادة: ۳۰)

درء المفاسد أولي من جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، مكتبه زكريا قديم، ۱۴۷، جديد زكريا ۱/ ۲۶۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واقف کے بیان مندرجہ بالا سے جو عدالت میں بیان کیا کہ میری اراضی وبیل وغیرہ چھین لئے ہیں اُن کے خوف سے میں نے یہ اراضی خیرات کردی ہے وقف قائم رہا یا نہیں اور واقف کے اس بیان سے جو بعد تکمیل وقف نامہ عدالت میں بوقت داخل خارج ہوا وقف میں کوئی نقص تو واقع نہیں ہوا؟

سوال دوم :یہ اراضی جو وقف کی ہے پنجاب یعنی ضلع کرنال میں واقع ہے اور وہاں کے قانون کے موافق کوئی شخص اپنی جدی جائداد بیع وغیرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ ایک جزو جائداد واسطے فائدہ روحانی کے وقف کرسکتا ہے۔ چنانچہ واقف نے ایک جزو جائداد وقف کیا ہے تو کیا شرعاً اس میں واقف کو کوئی فائدہ روحانی ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب : عن السوال الأول في العالمگيرية: وأما سببه (أي الوقف) فطلب الزلفي هكذا في العناية وأما حكمه فعندهما زوال العين عن ملكهٖ إلى اللّٰه تعالىٰ وفيها وأما الإسلام فليس بشرط.(١)

اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ وقف صحیح ہوگیا اور جب وقف ہونے کے سبب واقف کی ملک زائل ہوگئی تو بعد کے بیان سے وقف میں کوئی خلل نہیں آ سکتا۔(٢)

---

(١) هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٥٢/٢، جديد ٣٤٧/٢۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم...... لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣١٦/٥، كوئٹه ١٨٩/٥-١٩٠)

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز ...... وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح؛ لأنه قربة عندنا وعندهم. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٥٦٨/٢)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أوعلى مسجد القدس. (شامي، كتاب الوقف، مطلب قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٢٤/٦، كراچي ٣٤١/٤)

(٢) **إن الوقف لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملک غيره بل صار على حكم ملک الله الذي لاملک فيه لأحد سواه وإلافالكل ملک لله تعالىٰ.** (شامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥٢١/٦، كراچي ٣٣٨/٤) ←

کیونکہ یہ کہنا تصرف ہے غیر مملوک میں جو شرعاً باطل ہے۔(۱)

الجواب: عن السوال الثاني اوپر کی روایت میں سبب وقف کا طلب زلفی ہے نہ کہ خود زلفی سو صحت وقف میں اس سے بحث نہیں ہے کہ اس سے واقف کو کوئی روحانی فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں یہ ایک مستقل مسئلہ ہے صرف واقف کا قصد ثواب صحت ولزوم وقف کے لئے کافی ہے اور یہ اس وقف میں مصرح ہے۔

۲۱/ رمضان المبارک ۴۲ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۳۰۲)

طوائف کے پیسہ سے تعمیر کی گئی مسجد کا حکم

سوال (۱۵۳۷): قدیم ۲/ ٦٦٧- ایک عورت تھی کہ جو دریوزہ گری اور حرام کے حمل کو اسقاط کرایا کرتی تھی اُس نے مرتے ہوئے وصیت کی کہ میری سب ملکیت کو فروخت کر کے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگا دیا جاوے اور اُس میں کنواں بنوا دیا جاوے اور وارثوں نے ویسا کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور درست ہونے کی صورت میں ثواب نماز مسجد ہوگا یا نہیں؟ ایسے مال سے جدید مسجد کی جگہ لیکر بنانا درست ہے یا نہیں؟ مسجد نام دیوار کا تو ہے نہیں

← **فإذا تم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن وتحته في الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه، ولايملك أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب مهم! فرق أبويوسف بين قوله موقوفة وقوله موقوفة على فلان، مكتبه زكريا ديوبند٦/٥٣٩، كراچي ٤/٣٥١-٣٥٢)

وإذاصح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه. (هداية، كتاب الوقف، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٦٤٠)

(۱) **لايجوز لأحدأن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أووكالة منه أوولاية عليه. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

لايجوز التصرف في مال غيره بغيرإذنه ولاولايته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٩١، كراچي ٦/ ٢٠٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہ سقف نہ فرش گچ کا؛ لہٰذا اگر ایسا مال کسی نے چنائی میں لگا دیا تو مسجد کی مسجدیت میں تو قصور نہیں آتا یا آجاتا ہے۔
علیٰ ہذا القیاس اگر کافر بہ نیت ثواب محض خدا کے واسطے تعمیر مسجد میں چندہ دے تو لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ مسجد قدیم ہے اور اُس کی مرمت میں مال حرام لگایا گیا سو اگر اس سے فرش کی مرمت نہیں ہوئی تو صلوٰۃ میں استعمال مال حرام کا لازم نہیں آیا؛ اس لئے صلوٰۃ میں کوئی کراہۃ نہیں ہوئی گو ایسے مال کا ایسی جگہ لگانا معصیت ہوگا اور اگر فرش میں بھی لگایا گیا ہے تو اُس پر نماز پڑھنے سے استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اور مال حرام سے انتفاع بالا جماع حرام ہے اس لئے اُس پر نماز پڑھنا ممنوع ہوگا؛ البتہ اس کا تدارک اس طرح ممکن ہے کہ اُس فرش کو اُکھاڑ کر بدل دیا جاوے پھر کراہت زائل ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے مال سے زمین خرید کر مسجد جدید بنائی گئی ہے سو چونکہ مسجد کا مسجد ہونا الگ چیز ہے اور اُس کا مقبول ہونا الگ چیز ہے سو ہر چند کہ یہ مسجد مقبول نہ ہو "لحدیث ان اللّٰہ طیب لا یقبل إلا طیبًا" (۱) لیکن مسجد ہونے کے لئے چونکہ وقف للصلوٰۃ ہونا اور صحت وقف کے لئے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے وبس اس لئے یہ مسجد ضرور ہوگئی اور کشاف و مدارک میں تحت قصہ مسجد ضرار جو مرقوم ہے۔

قیل کل مسجد بنی مباھاۃ أو ریاء و سمعۃ أو لغرض سوی ابتغاء وجہ اللّٰہ أو بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار. (۲)

اگر قیل کی تضعیف سے بھی قطع نظر کی جاوے تو قبول وعدم قبول پر محمول کرنا واجب ہے نہ یہ کہ وہ مسجد ہی نہ ہوگی مگر باوجود مسجدیت کے چونکہ اُس میں نماز پڑھتے ہیں استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اس لئے صلوٰۃ مکروہ ہوگی کما ھو ظاہر۔ اور اس کا کوئی تدارک خیال میں نہیں آتا ہے اس لئے کہ وقف ہونے کے بعد استرداد بیع ممکن نہیں کہ اس فسخ سے اور دوبارہ اشتراء بمال طیب سے اس کا تدارک ہو جاتا غرض یہ سخت اشکال کا محل ہے کہ نہ اس مسجد میں نماز جائز (*) اور نہ اس کی بے حرمتی بوجہ مسجد ہونے کے جائز

(*) جیسے کہ اگر دوسری مسجد قریب ہو تو اور مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے پہلی مسجد کی اضاعت لازم آتی ہے، لیکن اگر بن جاوے تو اس کا منہدم کرنا اور بے ادبی کرنا جائز نہیں اور ایسی مسجد کی مثال ایسی ہے جیسے مغصوب کاغذ پر اگر قرآن لکھا جاوے تو نہ اس کی بے ادبی درست ہے نہ اس میں تلاوت درست ہے ۱۲۔ منہ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، النسخۃ الھندیۃ ۱/۳۲۶، بیت الأفکار رقم:۱۰۱۵۔

(۱) تفسیر کشاف ۱/۵۶۳۔ تفسیر مدارک ۷/۲۵۴۔

اور نہ تدارک ممکن (۱)۔اس صورت کو علماء سے پیش کر کے حکم دریافت کیا جاوے اوران دونوں صورتوں میں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ احکام مذکورہ اُس وقت ہیں جب زمین یا ملبہ نقد مال حرام سے خریدا ہو یعنی یا تو ثمن پہلے دیدیا ہو یا وقت اشتراء اُس ثمن کی طرف اشارہ کیا ہو اور اگر دونوں امر نہ ہوئے ہوں بلکہ ادھار لیا ہو اور بعد میں قیمت دیدی ہو تو مال کی حرمت وخباثت موثر نہیں ہوتی اور یہ کرخی کا قول ہے اور بعض نے اس کے خلاف کی تصحیح کی ہے۔

هذا كله في كتاب الغصب من الدر المختار. (٢)

---

(۱) اس کے مسجد شرعی ہو کر مسجد کا ثواب ملنے کے لئے یہ شکل سامنے آتی ہے کہ فرش کو اکھاڑ کر پاک پیسہ سے فرش بنادیا جائے، جیسا کہ حضراتؒ نے لکھا ہے یا جتنی رقم طوائف کی اس مسجد میں لگی ہیں اتنی رقم کوئی صاحب خیر اپنی طرف سے مسجد کی نیت سے طوائف کے ورثاء کو اداء کردے اور ورثاء نہ ہونے کی صورت میں اس مسجد میں لگی ہوئی حرام مال کی طرف سے نیت کر کے نادار فقراء کو دیدے تو یہ مسجد حرام مال سے پاک ہو جائے گی اور صاحب خیر کی طرف سے وقف ہو جائے گی یا اس کے لئے لوگوں سے چندہ کیا جائے اور چندہ دینے والوں کی طرف سے وقف ہو جائے گی حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے بھی اس طرح توجیہ فرمائی اور رفتاوی قاسمیہ ۱۸/۴۹۰ میں دوفتوی موجود ہیں اس میں باقیات فتاوی رشیدیہ کا حوالہ غلطی سے آگیا ہے اس حوالہ کا اعتبار نہیں۔

کفایت المفتی ۷/۲۷، جدید مطول ۱۰/۱۲۸ اور بحر کے اس جزئیہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے:

لومات رجل وكسبه من ثمن الباذق والظلم أوأخذالرشوة تعود الورثة ولايأخذون منه شيأ وهوالأولى لهم ويردونه على أربابه إن عرفوهم وإلايتصد قوابه؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذاتعذرالرد. (البحرالرائق، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٣٦٩/٨، كوئٹه ٢٠١/٨)

(٢) لوتصرف في المغصوب والوديعة بأن باعه وربح فيه إذا كان ذلك متعينا بالإشارة أوبالشراء بدراهم الوديعة أوالغصب ونقدها يعني يتصدق بربح حصل فيهما إذا كانا ممايتعين بالإشارة، وإن كانا مما لايتعين فعلى أربعة أوجه فإن أشارإليها ونقدها فكذلك يتصدق وإن أشارإليها ونقد غيرها أو أشار إلى غيرها ونقدها أوأطلق ولم يشر ونقدها لا يتصدق في الصور الثلاث عند الكرخي قيل وبه يفتي والمختار أنه لايحل مطلقا كذا في الملتقى ولوبعد الضمان هو الصحيح كما في فتاوى النوازل واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام. (الدرالمختارمع الشامي، كتاب الغصب، مطلب شرى دارًا وسكنها فظهرت لوقف أويتيم وجب الأجر وهو المعتمد، مكتبه زكريا ديوبند ٢٧٦/٩-٢٧٧، كراچي ١٨٩/٦-١٩٠)

تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسجد میں چندہ دے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اُس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے(۱) مگر گفتگو اس میں ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اُس کے مذہب کا حکم۔ مشہور اوّل ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے۔

لیکن **نظراً إلیٰ بعض العوارض الخارجیه کالامتنان علی أهل الإسلام من أهل الکفر** قبول کرنا مناسب نہیں۔ **فإن الإسلام یعلو ولایعلی(۲) والید العلیا المعطیة والسفلی السائلة هذا ماعندي والله تعالیٰ عنده علم الصواب.**

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اول، ص ۱۲۹)

ضرورت سے زیادہ مسجد کی زینت کرنے کا حکم

سوال (۱۵۳۸): قدیم ۲/ ۶۶۹ - مسجد میں برائے زینت اشیاء مزینہ بغرض تکثیر جماعت لٹکانا جائز ہے یا نہیں۔ دیگر اگر مسجد کے لئے اشیاء مزینہ خرید کر بعد چند مدت پھر بخوف عدم جواز یا فضول صرف سمجھکر فروخت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: قبیل باب الوتر، والنوافل، ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها.** اھ (۳) عموم نحوها سے ان اشیاء کی کراہت ثابت ہوتی ہے اور ایسی زائد اشیاء کا فروخت کر کے مسجد کی ضروریات میں صرف کر دینا جائز ہے۔

---

(۱) إن وصایا الذمي علی أربعة أقسام...... ومنها إذا أوصی بما یکون قربة في حقنا وفي حقهم کما إذا أوصی بأن یسرج في بیت المقدس أو یغزي الترک وهو من الروم وهذا جائز سواء کان القوم بأعیانهم أو بغیر أعیانهم؛ لأنه وصیة بما هو قربة حقیقة وفي معتقد هم أیضا.
(هدایة، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمي، مکتبه اشرفیة دیوبند ۴/ ۶۸۹-۶۹۰)

(۲) قال النبي صلی الله علیه وسلم الإسلام یعلوو ولایعلی. (بخاري شریف، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات هل یصلي علیه وهل یعرض علی الصبي الإسلام، النسخة الهندیة ۱/ ۱۸۰) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۳) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب: کلمة لابأس دلیل علی المستحب غیره، لأن البأس الشدة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۴۳۱، کراچي ۱/ ۶۵۸۔

قیاساً علیٰ بیع إنقاص المسجد المصرح جوازہ في رد المحتار. (١)

١٨/ رمضان ١٣٢٧ھ (تتمۂ اولیٰ، ص ١٨)

مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے کا حکم

سوال (١٥٣٩): قدیم ٢/ ٦٦٩- کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں مفتیان شرع متین کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے گھر میں سال دو سال نماز پڑھتا رہے اور پھر مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگے تو کیا ایسے شخص کو مسجد میں نماز پڑھنے دینا جائز ہے؟

ومحل الکراهة التکلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصا في جدار القبلة؛ لأنه یلهي قلب المصلی. (حلبي کبیري، فصل في أحکام المسجد، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ٦١٦)

وفي الفتح دقائق النقوش ونحوها مکروه خصوصا في المحراب. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل، دارالکتب العلمیة بیروت ١/ ١٩١)

کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل، قبیل باب صلاة الوتر، مکتبه زکریا دیوبند ١/ ٤٣٤، کوئٹه ١/ ٣٦٨۔

(١) **وصرف الحاکم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عینه إلی عمارته إن احتاج وإلا حفظه لیحتاج إلا إذا خاف ضیاعه فیبیعه ویمسک ثمنه لیحتاج، تحته في الشامیة: فعلي هذا بیاع النقض في موضعین: عند تعذر عوده وعند خوف هلاکه، بحر.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم یمکن عمارته، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٥٧٣، کراچي ٤/ ٣٧٧)

ویصرف نقضه إلی عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتیاج (کنز) ولم یذکر المصنف بیعه قال في الهدایة وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه بیع وصرف ثمنه إلی المرمة صرفا للبدل إلی مصرف المبدل. (البحرالرائق، کتاب الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ٥/ ٣٦٧، کوئٹه ٥/ ٢١٩-٢٢٠)

وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاکم في عمارة الوقف إن احتاج إلیه وإن استغنی عنه أمسکه حتی یحتاج إلی عمارته فیصرفه فیها ...... وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه بیع وصرف ثمنه إلی المرمة صرفا للبدل إلی مصرف المبدل. (هدایة، کتاب الوقف، مکتبه اشرفیة ٢/ ٦٤٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جو شخص اس کو مسجد میں آنے سے روکے گا سخت گنہ گار ہوگا۔(۱)

ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۴۸)

فاسد نیت سے تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

سوال (۱۵۴۰): قدیم ۲/ ۶۶۹ - ما قولکم رحمکم اللّٰہ بیچ اس مسئلہ کے کہ زمانہ قدیم سے ایک کاہی مسجد ضلع ہوڑا تھانہ شام پور محلّہ بارگاؤں میں وقف کی زمین پر قائم ہے اور وہ پانچ متولیوں کی زیرنگرانی میں تھی اُن میں سے ایک متولی بلا ضرورت اور بلا کسی عیب علیحدہ ہوکر ہی مسجد سے پچاس یا ساٹھ ہاتھ کے تفاوت پر ایک نئی مسجد پختہ بنائی پس کاہی مسجد کی جماعت سے کچھ لوگ بغرض طمع مال نئی مسجد میں آئے تو اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور وہ مسجد جائز ہے یا نہیں اور وہ مسجد ضرار کہلائے گی یا نہیں؟ اگر کاہی مسجد کا قبرگاہ میں ہونا ثابت ہو تو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اس صورت میں کونسی مسجد افضل ہے اگر کاہی مسجد کے قبرستان میں ہونے کا شبہ ہو تو اس حالت میں کاہی مسجد میں درست ہے یا نہیں اور اگر کسی میں کوئی عیب نہ ہو تو کونسی مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی؟

---

(۱) **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ.** [سورة البقرة: آيت: ۱۱۴]

ظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد...... "وسعى في خرابها" أي هدمها وتعطيلها وقال الواحدي: إنه عطف تفسير لأن عمارتها بالعبادة فيها. (روح المعاني، سورة البقرة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۷۲-۵۷۳)

وأعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد خصوصا بسبب أمر دنيوي، وهذا كله جهل ويبعد أن يكون كبيرة فقد قال الله تعالىٰ: وأن المساجد لله. (سورة الجن: ۱۸) **وما تلوناه من الآية السابقة فلا يجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد لأن المسجد ما بنى إلا لها من صلاة واعتكاف، وذكر شرعي وتعليم وتعلمه وقراءة قرآن.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۰، كوئٹه ۲/ ۳۴)

والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالى "وأن المساجد لله" [سورة الجن آيت: ۱۸] (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۱۱۸، كوئٹه ۵/ ۴۳۳) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: اگر کسی مصلحت شرعی سے یہ پختہ مسجد بنائی گئی ہے تب تو کچھ حرج ہی نہیں۔ اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے (۱) لیکن نماز پڑھنا اُس میں اگر خلوص سے ہو درست ہے ورنہ مکروہ۔ اور مسجد ضرار کسی حال میں نہیں مسجد ضرار اُس وقت ہوتی جبکہ اُس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی ہوتی جیسے منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت خالص نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں ہے اور اگر کا ہی مسجد کا قبرستان میں ہونا ثابت ہو تو اُس میں تفصیل ہے اگر وہ قبرستان مملوک خالص ہے اور قبلہ کی سمت میں کوئی قبر نمایاں نہیں یا اگر نمایاں ہے تو مسجد اور اُس قبر کے درمیان دیوار وغیرہ حائل ہے تب تو کچھ حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے (۲) اور اگر قبرستان وقف ہے

---

(۱) **ههنا أمور أن تزويق المساجد وتحسينها إذا كان يلهي المصلين ويشغل قلوبهم فهو مجمع على كراهته، والأمر الثاني إذا كان هذا مباهاة ورياء وسمعة فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضا فضلا عن التزيين والتحسين.** (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد مطبع يحيوية سهارنپور قديم ١/ ٢٥٩، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٣/ ١٥٨)

(٢) **عن أبي مرثد الغنوي قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها.** (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كرهية الوطء على القبور والجلوس عليها، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دارالسلام، رقم: ١٠٥٠)

مسلم شريف كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبور والصلاة عليه، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، دارالسلام، رقم: ٩٧٢۔

قال أبوحنيفة: ولاينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزأهم، لما روى أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع والإمام أبوهريرة وفيهم ابن عمر رضي الله عنهم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما سنن الدفن، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٥، بيروت ٢/ ٣٥٩)

البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٤١، كوئٹه ٢/ ١٩٥۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، دارالكتاب ديوبند ص: ٥٩٥۔ ←

تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اب بھی وہاں قبریں بنائی جاسکتی ہیں تو اس صورت میں بھی وہاں مسجد بنا نا مکروہ تھا؛ لیکن باوجود مکروہ ہونے کے اگر بنائی گئی تو اس کا کیا حکم ہے اس کی تحقیق مجھ کو نہیں، کہیں اور جگہ پوچھ لیا جاوے اور اگر وہاں اب قبریں بنانے کی قانونی ممانعت ہوگئی ہے تو اُس میں مسجد بنانے کا حکم وہی ہے جو مملوک زمین میں بنانے کا مذکور ہوا، اور اگر دونوں مسجدیں صحیح ہوں تو اقدام واقرب کے تفاضل میں اختلاف ہے۔ **کمایفهم من الدر المختار** (۱). پس جس قول پر چاہے عمل کرے۔

۲۳/ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۲۲۰)

مسجد ضرار کسے کہتے ہیں

سوال (۱۵۴۱): قدیم ۲/ ۶۷۰- بخدمت علمائے کرام نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ چھاؤنی ہذا کی آبادی اہلِ اسلام کے لحاظ سے ایک مسجد قدیم الایام سے کافی ووافی آباد ہے جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ و جماعت بروقت ادا ہوتی ہے لیکن دس بارہ حضرات ساکنان چھاؤنی مسجد مذکور کی قدیم انتظامی حالت میں غیر ضروری تبدیلی کرنا چاہتے ہیں جس پر اہلِ اسلام چھاؤنی راضی نہ ہوئے اسی بناء پر حضرات موصوف نے عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کیا جس پر عدالت نے بھی اُن کے خلاف رائے فیصلہ فرما کر قدیم انتظام کو جو سالہا سال سے جاری ہے بجنسہ بحال رکھنے کے لئے حکم صادر فرمایا۔

← **وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ومجزرة ومقبرة.** (الدرالختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل مطلب تكره الصلاة في الكنيسة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲، كراچي ۱/ ۳۸۰)

(۱) **وفي آخر شرح المنية بعد نقله مامر عن الأجناس: ثم الأقدم أفضل لسبقه حكما، إلاإذاكان الحادث أقرب إلى بيته فإنه أفضل حينئذ لسبقه حقيقة وحكما، كذا في الواقعات، وذكر في الخانية ومنية المفتي وغيرها أن الأقدم أفضل فإن استويا في القدم فالأقرب ولو استويا فيها وقوم أحدهما أكثر، فإن كان فقيها يقتدي به يذهب للأقل جماعة تكثيرا لها بسببه وإلا تخير، والأفضل اختيار الذي إمامه أفقه وأصلح، ومسجد حيه وإن قل جمعه أفضل من الجامع وإن كثر جمعه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۲، كراچي ۱/ ۶۵۹) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اس لئے حضرات مذکور علیحدہ ایک مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں باوجودیکہ موجودہ مسجد میں اُن حضرات کو نماز ادا کرنے کے لئے کوئی شخص مانع نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے ایسی حالت میں ایک جدید مسجد کی تعمیر کی کوشش وہ بھی بے ضرورت، محض اہلِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور اگروہ اہلِ اسلام کو دوفریق کرنے اور قدیم مسجد کی جماعت کو کم کر کے ویران کرنے کی نیت سے کی جارہی ہے بناء بریں عرض ہے کہ یہ فعل اُن حضرات کا از روئے قانون شریعت اسلام جائز ہے یا نہیں؟ اور بہ نیت مذکورہ مسجد بنانا داخل مسجد ضرار ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد کے لئے کسی قسم کی مدد کرنا داخلِ ثواب ہے یا باعث عذاب خلاصۂ جواب عطاء فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا

الجواب: جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کے نیت سے بنائی تھی (١) سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اس کی مکذب نہ ہو اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اُس میں القاء کناسہ کو جائز کہا جائے ''لان الشئ إذا ثبت ثبت بلوازمها'' اور اس کا کوئی قائل نہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی مساجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں؛ البتہ خود یہ قاعدہ مقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے میں غرض تعصب اور تفریق مقصود ہو تو اُس فعل میں عاصی ہوگا (٢) لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے، باقی اس نیت کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔

١٠/ ذی قعدہ ١٣٣٨ھ (تتمۂ خامسہ، ص ١٦٥)

---

(١) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْن. [التوبة: ١٠٧]

أخرج ابن أبي حاتم عن قتادة في قوله ''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا'' قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم بنى مسجدا بقباء فعارضه المنافقون بآخر، ثم بعثوا إليه ليصلى فيه فاطلع الله نبيه صلى الله عليه وسلم ذلك. (الدر المنثور، سورة التوبة آيت: ١٠٧، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٥)

(٢) إن تزويق المساجد وتحسينها إذا كان يلهي المصلين ويشغل قلوبهم فهو مجمع على كراهته والأمر الثاني إذا كان هذا مباهاة ورياء وسمعة فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد ←

ایک مسجد کا ملبہ دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال (۱۵۴۲): قدیم ۲/۱۷۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد دیرینہ قصبہ سے دور عرصہ سو برس سے مردمان بود باش کرنے لگے اور ایک مسجد جدید ناتمام بفاصلہ تیس قدم مسجد مذکور سے ہے اگر مسجد کہنہ کو مسمار کرا کر مسجد جدید میں جو آباد ہے اس میں اس کی خشت وغیرہ لگائی جائیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد کہنہ سے استغناء ہوگیا ہے تو اس کا ملبہ مسجد جدید میں لگانا جائز ہے نہیں تو وہ ملبہ بالکل ضائع جائے گا اس سے بہتر ہے کہ اس مسجد جدید میں لگادیں۔

والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أوحوض كما أفتى به الإمام أبوشجاع والإمام الحلوائي وكفي بهما قدوة ولاسيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط وحوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كماهو مشاهد وكذلک أوقافه ويأكلها النظار أوغيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه. شامي جلد ثالث، ص: ٣٧٢. (١) واللہ اعلم

۱۵/ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی، ص ۸۹)

← **بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضافضلا عن التزيين والتحسين.** (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، مطبع يحويه سهارنپورقديم ١/٢٥٩، دارالبشائرالإسلامية بيروت ٣/١٨٥) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(١) شامي، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٥٠، كراچي ٤/٣٦٠۔

ذهب الفقهاء إلى أنه لوتعطلت الجهة الموقوف عليها فإن ريع الوقف يصرف إلى جهة اخري مماثلة للجهة التي تعطلت منافعها ولم يرج عودها، فلو كان هناک وقف على مسجد أورباط أوبئر أوحوض آخر فخرب المسجد أوالرباط أو الحوض وأصبح لاينتفع بها، فإن ماوقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولايصرف إلى حوض أوبئر أورباط، وما وقف على الحوض أو البئر أوالرباط يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦١) ←

مسجد کی چیزوں کو ضائع کرنے کا حکم

سوال (۱۵۴۳): قدیم ۲/۶۷۲ - اگر کوئی شخص بعض اشیائے مسجد کو مثل فرش وظروف وغیرہ وغیرہ کو بخیال غصب تلف کر دے تو متولی اور نمازیانِ مسجد کو معاوضہ بجبر یا بلا جبر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار: ج:۳، ص: ۵۷۴. قال الزيلعي: وعلىٰ هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما (إلىٰ قوله) ينقل إلىٰ مسجد اٰخر .(۱)

پس باوجود استغناء کے بھی خود انتفاع کسی کو جائز نہیں تو احتیاج وضرورت کے وقت تو کب درست ہو(۲) جو شخص قادر ہو اُس کو عوض لینے پر جبر جائز ہے۔ واللہ اعلم

۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی، ص ۹۵)

← وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أو قافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال: نعم. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ۱۹۶/۸، رقم: ۱۱۶۲٤)

هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، مكتبه زكريا قديم ٤٧٨/٢، جديد ٤١٩/٢ ـ

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، المجلس العلمي ١٥١/٩، رقم: ١١٤٤١ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامي، كتاب الوقف، مطلب: لو خرب المسجد أو غيره، مكتبهزكريا ديوبند ٥٤٩/٦، كراچي ٣٥٩/٤ ـ

(۲) متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه، مكتبه زكريا قديم ٤٦٢/٢، جديد ٤١٣/٢)

وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلى بيته. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٢٠/٥، كوئٹه ٢٥٠/٥)

خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا، مكتبه زكرياقديم ٢٩٤/٣، جديد ٢٠٥/٣ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اشیاءِ مسجد کے غصب کا حکم

سوال (۱۵۴۴): قدیم ۲/۶۷۲ - اگر بعض اشرار وقف جائداداور املاک مسجد کو ضائع اور تلف غصب کریں تو مسلمان اُس کے واسطے کسی قسم کی تدبیر استخلاص اور وصول کی کریں یا اس پر صبر کریں اگرچہ نمازیان مسجد کو تکلیف ہو اور اس کی وجہ سے نماز مسجد میں ادا نہ کرسکیں؟

الجواب: في الدر المختار: **وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أو بئر أوحوض إليه** ج: ٣، ص: ٥٧٤. (١)

یہاں بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ جب باوجود عدم احتیاج کے کوئی اُس کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا تو مسجد کی حاجت ہوتے ہوئے یہ فعل کب حلال ہوگا (٢) اس میں بھی قادر کو تدبیر وسعی استخلاص کی کرنا جائز؛ بلکہ واجب ہے اور سکوت ناجائز ہے۔ (٣) واللہ تعالیٰ اعلم ٣/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٩، كراچي ٤/٣٥٩۔

(٢) **متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته.** (هندية، كتاب الوقف الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه، مكتبه زكريا قديم ٢/٤٦٢، جديد ٢/٤١٣)

خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا، مكتبه زكريا قديم ٣/٢٩٤، جديد٣/٢٠٥۔

وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلى بيته. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٢٠، كوئٹه ٥/٢٥٠)

(٣) **أخرج مسلم في صحيحه حديث أبي بكرة: قال أول من بدأ بالخطبة يوم العيدقبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قدترك ماهنالك فقال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأي منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان.** (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان النسخة الهندية ١/٥١، بيت الأفكار، رقم: ٤٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال حرام سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم

سوال (١٥٤٥): قدیم ٢/٦٧٢ - رنڈی کی بنوائی ہوئی مسجد مسجد شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلۂ قربت تو بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگی؛ لہٰذا ایسی مسجد شرعاً مسجد نہیں۔ (١) وہذا ظاہر، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

یوم الاضحیٰ ١٣٢٢ھ (امداد ٢ ص ٩٥)

---

(١) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ.** (سورة البقرة، آيت: ٢٦٧)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله طيب لايقبل إلاطيبا. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، النسخة الهندية ١/٣٢٦، بيت الأفكار رقم: ١٠١٥)

مسند أحمد ابن حنبل بيروت ٢/٣٥٨، دارالسلام، رقم: ٨٣٣٠۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لايقبل إلاالطيب. (سنن الدارمي، باب في أكل الطيب، دارالمغني للنشر والتوزيع ٣/١٧٨٦، رقم: ٢٧٥٩)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لايقبل الله صدقة من غلول فإن الحديث دال على حرمة التصدق بمال الخبيث وقدنص الله في كتابه، ياأيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنالكم من الأرض ولاتيمموا الخبيث منه تنفقون. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء قديم ١/٣٧)

قوله: لوبماله الحلال قال تاج الشريعة: أمالوأنفق في ذلك مالاخبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلاالطيب، فيكره تلويث بيته بمالايقبله، شرنبلالية. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب: في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣١، كراچي ١/٤٥٨)

اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت جواب ١٥٢٦/ کے حاشیہ میں وجواب نمبر: ١٥٣٧/ کے حاشیہ میں مال حرام سے بنائی گی مسجد کو پاک کرنے کی شکل لکھی گئی ہے اس کو دیکھ لیا چاہئے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

طوائف کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال (١٥٤٦): قدیم ٢/٦٧٢ - ایک مسجد طوائف (یعنی جونا جائز فعل سے گزراوقات کرتی ہیں) کے نام سے مشہور ہے لیکن وہ جائے کسی ہندوراجہ نے ایک طوائف مسمّٰی چھوٹم بھاگا کو تعزیہ بنانے کے واسطے مفت دی اور راجہ کو سوائے گانے بجانے کے اور کوئی تعلق ناشائستہ نہ تھا یعنی طوائف اُس کو گانا بجانا سنایا کرتی تھی؛ لہٰذا خوش ہو کر اُس کو دیا تھا بلکہ اور کھیت وغیرہ بھی دیا ہے اس جائے پر تعزیہ بھی بنتا تھا اور اب بھی بنتا ہے؛ لیکن کسی زمانہ میں وہی قوم نماز بھی پڑھا کرتی تھی اس سبب سے مسجد مشہور ہے کسی وقت میں وہ مسجد یعنی امام باڑہ پانی کے سیلاب سے بہہ گیا تھا پھر شہر کے سُنّی مسلمانوں نے مسجد باندھا یعنی بنایا؛ لیکن نماز نہیں پڑھی گئی اب وہ جائے طوائفوں کے قبضہ میں ہے وہ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی مسلمان مسجد باندھے ہم وہ جائے مفت دیتے ہیں اور جو کچھ ہماری مسجد کی عمارت ہے ہم لے جاتے ہیں ایسا وہ کہتی ہیں آیا اس پر مسجد باندھی جاوے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کوئی صورت بھی جائز ہونے کی ہے یا نہیں؟ امید کہ کوئی حیلہ شرعی بیان فرماویں جس سے مسجد کے جواز کی صورت ہو جاوے؟ بینوا توجروا

الجواب: چونکہ گانا بجانا بھی معصیت ہے اور معصیت کے عوض جو چیز حاصل ہو اس سے انتفاع جائز نہیں (١) اس لئے وہ زمین مسجد کے قابل نہیں ہے (٢) البتہ اگر یہ تاویل کی جاوے کہ اس معصیت کا عوض تو جدا ملتا تھا مثلاً تنخواہ ملتی ہوگی مزید براں انعام واکرام ملتا تھا اس لئے یہ زمین اس معصیت کا عوض نہ تھا

---

(١) **قال في النهاية قال بعض مشايخنا كسب المغنية كالمغصوب لم يحل لأحد أخذه.** (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٣٦٩/٨، كوئٹه ٢٠١/٨)

ولايجوز على الغناء والنوح والملاهي لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلايجب عليه الأجر ...... وإن أعطاه الأجر و قبضه لايحل له ويجب عليه رده على صاحبه. (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ١١٩/٦، إمداديه ملتان ١٢٥/٥)

(٢) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ.** [سورة البقرة، آيت: ٢٦٧] ←

بلکہ ابتداءً ایک تبرع تھا اس طرح سے اس سے انتفاع ہوسکتا ہے تو البتہ گنجائش ہے (ا) بشرطیکہ موافق فرائض کے جو اس اول طوائف کا وارث اور اس زمین کا مالک ہو وہ اجازت دیدے یا یہ ثابت ہو جاوے کہ اس طوائف نے مسجد کے لیے اُس کو وقف کر دیا تھا اور اس کے روبرو لوگ اس میں نماز پڑھنے لگے تھے۔ فقط

۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اول، ص ۱۲۱)

← **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيّب لايقبل إلاطيّبا.** (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ٣٢٦/١، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٥)

قوله: لو بماله الحلال قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالى لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، شرنبلالية. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها، قبيل مطلب في أفضل المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٣١/٢، كراچي ٦٥٨/١)

اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت جواب نمبر: ۱۵۲۶/ کے حاشیہ میں اور نمبر: ۱۵۳۷/ کے حاشیہ میں مال حرام سے بنائی گئی مسجد کو پاک کرنے کی شکل لکھی گئی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

(ا) أما المغني والنائحة والقوال إذا أخذ المال هل يباح له. إن كان من غير شرط يباح لأنه أعطاه المال عن طوع من غير عقد وإن كان من عقد لايباح له لأنه أجر على المعصية. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديو بند ٣٦٥/٨، كوئٹه ١٩٩/٨)

وفي المنتقى إبراهيم عن محمد رحمه الله تعالى في إمرأة نائحة أوصاحب طبل أو مزمارٍ اكتسب مالا قال إن كان على شرط رده على أصحابه إن عرفهم يريد بقوله على شرط إن شرطوا لها في أوله مالا بإزاء النياحة أو بإزاء الغناء وهذا لأنه إذا كان الأخذ على الشرط كان المال بمقابلة المعصية فكان الأخذ معصية والسبيل في المعاصي ردها وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله أما إذا لم يكن الأخذ على شرط لم يكن الأخذ على معصية والدفع حصل من المالك برضاه فيكون له ويكون حلالا له. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في الكسب، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٤٩/٥، جديد ٤٠٣/٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية والإستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب، مكتبه زكريا ديوبند ١٥٧/١٨، رقم: ٢٨٣٤٣-٢٨٣٤٤- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیرانہ کی جامع مسجد کے اوقاف کے معاملہ کی تحقیق

سوال (۱۵۴۷): قدیم ۲/۳۶۷ - قاضی امین الدین نے ایک جامع مسجد بادشاہی جو منہدم ہوگئی تھی از سرنو تعمیر کی اور چھیالیس دکانیں بنائیں منجملہ ان دوکانوں کے چودہ زیر مسجد اور چھبیس دوکانیں ایسے تین قطعہ آراضی جو دیگر اشخاص نے وقف اور ملک جامع مسجد کر کے حوالہ قاضی امین الدین اس شرط سے کی کہ ان قطعوں پر دوکانیں بنا کر ان کی آمدنی مصارف مسجد میں صرف کرتے رہیں بنائیں اور نو دوکانیں ایسے قطعہ پر بنائیں کہ جو قاضی امین الدین کے بھائی کے نام بیع تھا بعد اُن کی وفات لا ولد کے وہ وارث ہوئے عبارت ہر سہ وقف نامجات جو دیگر اشخاص کی طرف سے لکھی گئی تھی حسب ذیل ہے۔ برضا ورغبت خود با جمیع حدود و حقوق و مرافق آں بکل قلیل و کثیر مما یضاعف وینسب الیہا حسبۃً لِلّٰہ برائے حصول ثواب عقبیٰ و ذخیرۂ آخرت وقف نمودہ ملک و مملوک خاص مسجد جامع موصوف کردیم واز ملک خود برآوردہ برائے تیار کردن دوکانہا بر آراضی مذکورہ سپرد قاضی امین الدین قاضی پرگنہ نمودیم تا قاضی موصوف مذکورہ دوکانہا تیار کردہ آمدنی کرایہ آنہا رادر اور مصارف مسجد موصوف صرف مے نمودہ باشند۔ اس کے بعد انھوں نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کی عبارت بجنسہ حسب ذیل ہے شرعاً بریں وجہ کہ چہاردہ دردکاکین تحت جامع وسی و دو دردکاکین ذیل جامع مسجد واقع آبادی قصبہ مذکور کانتھ در بازار کہنہ محدودہ مفصلہ ذیل حق وملک وقبض وتصرف مقر مذکورہ بود وہست تا ایں زمان خالیا عن حق الغیر وعما یمنع جواز التصرف ونفاذہ درینولا مقر مذکور (*) چہل وشش دکانین مذکورہ را با جمیع حدود و حقوق و مرافق آں بکل قلیل و کثیر مما یضاف وینسب الیہا و محاصل او از ملک خود برآوردہ تصدقاً وحسبۃً للّٰہ علیٰ وجہ الخیر و دواماً برائے مصارف جامع مسجد تعمیر کردہ خود واقع کیرانہ مثل درماہہ امام و مؤذن وسقہ ومرمت شکست وریخت مسجد مذکور دکاکین موقوفہ واطعام واصادر مسافرین ومبلغ سی و شش ۳۶ روپیہ برائے مصارف مسجد فتح پور مضاف صوبہ دار الخلافۃ لکھنؤ و ماقبی برائے نفقہ مسماۃ سلیمہ نواسی خود کہ شرعاً بعد وفات مقر از ترکہ مقر محجوب است ثم لولدھا ثم لولد ولدھا ثم لولد ولدھا ذکوراً نسلا بعد نسل أبداً دائماً وقف نمودہ بتولیت خود در آوردم اقرار معتبر می نمایم ونوشتہ می دہم کہ بعد تاریخ ایں خط مقر مذکور محاصلش را تا حین حیات خود از دست خود در مصارف مذکور صرف می نمودہ باشم و بعد وفات

(*) چھیالیس دکانیں بروقت تحریر وقف نامہ بن چکی تھیں اور تین دکانیں منجملہ چھبیس دکانوں مذکور کے اس وقف بر بعد کو بنائیں جس کا وقف ہونا بذریعہ اعلان اور وصیت نامہ ثابت ہے ۱۲

من مقرر مذکور باہتمام مسماۃ سلیمہ مذکورہ بطریق مذکورہ بالا وبعدہ اولادش نسلاً بعد نسلٍ مصارف مذکورہ بتولیت خود صرف مے نمودہ باشند واگر خدانخواستہ نسل مسماۃ سلیمہ منقطع شود بقیہ نفقہ موقوف لہم حسبۃً للہ عامہ مسکین است واہتمام بذمہ مرد متدین صاحب علم باشندۂ قصبہ واجب است۔ آیا شرعاً جب ہر سہ قطعہ آراضیات وقف کر کے حوالہ قاضی صاحب واسطے بنانے دکاکین اور صرف کرنے آمدنی کرایہ دکانات مصارف مسجد کی گئیں اور قاضی صاحب نے بصرف زر کثیر دکانات بنائیں تو اس صرف زر کثیر سے اُن کو کوئی حق ذاتی دکانات میں حاصل ہوا یا نہیں اور شرعاً وہ جزو آمدنی دکانات مذکورہ اور چودہ دوکانات زر مسجد سے اپنے کسی وارث کے واسطے مقرر کر سکتے تھے یا نہیں اور اگر کر سکتے تھے تو کل دوکانات یا بعض سے؟

سوال دوم: قاضی امین الدین بعد وقف کرنے دکاکین کے خود متولی ہوئے اور اپنے بعد کے لئے اپنی نواسی سلیمہ کو اور اس کی اولاد ذکور کو متولی قرار دیا بعد انتقال قاضی امین الدین مسماہ سلیمہ متولیہ ہوئی اور اس نے بذریعہ اپنے شوہر قاضی خلیل الدین مختار عام دکاکین موقوفہ میں تصرف کرنا شروع کیا یعنی اپنی کل جائداد مع دکاکین وقف کے علاوہ زیر مسجد رہن کی۔ اس کے بعد مابین فضل اللہ جو قاضی امین الدین کے برادرزادہ کا بیٹا تھا اور سلیمہ میں بذریعہ ثالث جائداد علاوہ دکانات تقسیم ہوئی اور ثالث نے فیصلہ ثالثی میں یہ لکھا کہ قاضی امین الدین جامع مسجد کیرانہ اور مسجد شاملی کے متولی تھے اور ان مساجد میں بہت کچھ اپنے پاس سے صرف کرتے تھے جامع مسجد کیرانہ کے زیر مسجد جو چودہ دکانیں تھی اس کی آمدنی اُس کے مصارف کو کافی نہ تھی اور نہ اب ہے قاضی صاحب دکانات تعمیر کردہ اپنے کو متعلق جامع مسجد کر گئے ہیں اور اُس کے آباد رکھنے کی وصیت کر گئے ہیں میں نے وہ وصیت نامہ دیکھا ہے میں موافق اُسی وصیت نامہ کے دوکانات کو تقسیم نہیں کرتا ہوں اور فریقین پر لازم کرتا ہوں کہ بعد کل خرچ اخراجات ومرمت شکست وریخت جو بچے وہ فریقین باہم نصفا نصف تقسیم کر لیا کریں یہ وصیت نامہ جس کو ثالث لکھ رہا ہے در حقیقت ایک علیحدہ دستاویز تھی کہ جس کی رو سے اپنی نواسی مسماۃ سلیمہ محجوب الارث کو نصف جائداد کا مالک کیا جس کی عبارت یہ ہے۔ ثانیاً خصوصاً نور چشم مولوی حکیم ظہیر الدین را وصیت می کنم کہ بلا لحاظ حجب نصف متروکہ من برائے نور دیدہ بی بی سلیمہ صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات و اگزارند وثالثاً دکانات بازار جامع مسجد کیرانہ کہ از مصارف خالص خودم بنا نہادہ دواماً علیٰ وجہ الخیر وقف کردہ ام حسب اہتمام مصرحہ وقف جاری دارند وہم مبلغ سی وشش روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد فتح پور ومبلغ شش روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد خورد متصل مسجد موصوف بدستور از آمدنی دوکانات مسطور صرف نمودہ باشند۔

اور وقف نامہ جس کی عبارت سوال اول میں نقل کی گئی وہ مسماۃ سلیمہ نے بہ ثبوت اس امر کے کہ بعد کل مصارف جو پس انداز ہو وہ واقف نے تنہا میرا حق مقرر کیا ہے اور اس میں فضل اللہ کا کوئی حق نہیں ثالث کے سامنے پیش نہیں کیا اور ثالث نے اپنے فیصلہ ثالثی میں اس کا تذکرہ کیا؛ بلکہ ثالث نے پس انداز کو مابین ان کے پس انداز بالمناصفہ تقسیم ہوا تھا دکاکین کو بھی نصفا نصف اپنی ملکیت تصور کرلیا جیسا کہ عملاً ظاہر ہوا، اس کے بعد مسماۃ سلیمہ کا انتقال ہوگیا اور مرتہن نے ورثاء سلیمہ پر نالش دائر کی ورثہ سلیمہ نے عذر کیا کہ جائداد یعنی دکاکین وقف ہیں مگر کوئی دستاویز عدالت میں پیش نہیں کی حتی کہ مدعا علیہم یعنی ورثاء سلیمہ کا وقف خود پیش کرنے کا نہ رہا اُس کے بعد اپنے ایک گواہ سے وقف نامہ جس کی عبارت سوال اول میں درج ہے اقراری قاضی امین الدین پیش کردیا علاوہ اُس وقف نامہ اور کوئی ثبوت وقف پیش نہ کیا اور فضل اللہ مدعا علیہ نے وقف سے انکار کیا کہ چودہ دکاکین جو زیر مسجد ہیں وہ وقف ہیں باقی وقف نہیں۔

عدالت نے اس وقف نامہ کو جعلی قرار دیا اور دعویٰ مدعی ورثاء سلیمہ بر ڈگری کردیا من بعد ورثہ سلیمہ نے عدالت ہائی کورٹ میں اپیل کیا مگر وقف نامہ ضبط شدہ طلب نہ کرایا اور نہ اس کی بابت کوئی بحث کی بلکہ اس کو بالکل نظر انداز کردیا اور اس عدالت سے بھی کامیابی نہ ہوئی قبل اس سے کہ مقدمہ عدالت ہائی کورٹ سے بھی فیصل ہو مدعی نے ڈگری جاری کرائی ورثاء سلیمہ نے عذر کیا کہ تصفیہ اپیل اجراء ملتوی ہو وہ عذر منظور ہوا اس کے بعد قبل تصفیہ اپیل برضامندی فریقین یعنی ڈگری دار اور ورثہ ڈگری دار اور ورثہ سلیمہ درخواست اجرائے ڈگری اس مضمون کی عدالت میں گزری کہ اول لارٹ نیلام پر دکاکین نیلام کردی جائیں؛ چنانچہ حسب درخواست مدعی اور مدعا علیہم کل دکاکین کا نصف نیلام ہوگیا اور اپنی کل جائداد ذاتی جو شمول دوکانات کفول تھی بچالی بعد نیلام کل دکانات کا نصف باقیماندہ فضل اللہ نے بھی فروخت کردیا جن کو اب عرصہ قریباً بارہ سال ہوگیا ہے اس عرصہ میں کوئی کارروائی منجانب ورثہ سلیمہ درباره بازیافت جائداد موقوفہ منفرداً یا مشترکہ ظہور میں نہ آئی بلکہ تین قطعہ جو دیگر اشخاص نے وقف کئے تھے منجملہ اُن کے ایک قطعہ معروف بسرائے کہنہ تھا اُس میں آٹھ دوکانیں بنائی تھیں اور اُس کے ایک جزو میں قبر قاضی امین الدین کی ہے اور ایک جزو میں سقے آباد ہیں اور نو جزو نیلام سے مستثنیٰ تھے جس جزو میں قبر قاضی امین الدین کی تھی اس کو ورثہ سلیمہ نے ١٩٠٢ء میں فروخت کردیا بعد منقضی ہونے گیارہ سال کے چند اہل اسلام قصبے کو اس کا خیال ہوا کہ اس میں توکلاً علی اللہ تعالیٰ سعی وکوشش کرنی چاہیے اگر خدانخواستہ بارہ سال پورے ہوگئے تو پھر ہمیشہ کو مایوسی ہوجائے گی اور چونکہ وہ علی کل شئ قدیر ہے کیا عجب ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ کا ظہور فرمائے

اور از سر نو جامع مسجد کو مثل سابق غنی کر دے کوشش شروع کی اور بعد اجازت ایڈوکیٹ مقیم الہ آباد دعویٰ رجوع کیا اور مناط دعویٰ اُنھیں ہر سہ وقف نامجات جو دیگر اشخاص کی جانب سے تھے اور وصیت نامہ اور درخواست قاضی امین الدین جو ضلع کرنال سے حاصل کی تھی جس میں انھوں نے ان دکانات کے وقف کا ذکر کیا تھا اور فیصلہ ثالثی اور شہادت لسانی کو گردانا اور وقف نامہ کو جعلی قرار دیا گیا تھا ترک کر دیا اگرچہ اُس وقف نامہ ضبط شدہ کو حسب ہدایت عدالت طلب کرایا مگر وہ عدالت سے نہ آیا اور معلوم ہوا کہ وہ ردیات میں تلف کر دیا گیا سب اہل اسلام نے علاوہ ورثاء سلیمہ چندہ کے دینے میں اور دیگر امور میں جو اس کے متعلق تھے کوشش کی مگر ورثاء فضل اللہ نے اور بعض ورثاء سلیمہ نے وقف کے خلاف جواب دہی کی اور بعض ورثہ سلیمہ نے وقف ہونے کا تو اقرار کیا مگر اپنی موروثہ مسماۃ سلیمہ کی بدنیتی سے انکار کیا اُس قادر علی الاطلاق نے اپنے فضل سے اہل اسلام کو پوری فتح اور کامیابی عطا فرمائی یعنی سب دکانات وقف ثابت ہوگئیں۔

اب اپیل جو منجانب مدعا علیہم ہوا اور نالش دخل منجانب متولیان باقی ہے جس میں بہت زیادہ صرف ہے اب ورثاء سلیمہ اپنا حق مانگتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں اس وجہ سے نالش دخل میں تعویق ہے حالانکہ ابھی تک محض وقف ثابت ہوا ہے مقدمات اور صرف کثیر باقی ہے۔ اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ ہم نے جو روپیہ دیا وہ واسطے مسجد کے دیا نہ کہ واسطے حق سلیمہ کے اب شرعاً ورثاء سلیمہ کا کوئی حق تھا یا نہیں اور اگر تھا تو وہ اُن کے افعال بالا سے ساقط ہو گیا یا نہیں اور جب ورثاء سلیمہ نے بذریعہ نیلام نصف دکاکین اپنے دین سے سبکدوشی حاصل کر لی اور فضل اللہ نے بذریعہ بیع نصف دکاکین سے روپیہ حاصل کر کے اصل شئ کو تلف کر دیا تو کیا پھر بھی کچھ حق شرعاً باقی رہا اور جو نقصان متعلق آمدنی کے مسجد کو اندر گیارہ سال کے پہنچا اس کا اعادہ مسجد ورثاء سلیمہ سے جو متولیہ تھی کر سکتی ہے یا نہیں اور جب کل دوکانیں پورے طور سے مسجد کی ہو کر قبضہ اہلِ اسلام میں آجائیں تو ورثہ سلیمہ اُس میں کسی جزو آمدنی کے شرعاً پانے کے مستحق ہیں یا نہیں اور حق تولیت ورثاء مسماۃ سلیمہ کا بھی باقی رہا یا نہیں اور نیز واضح رہے کہ کل میعاد نالش دخل کی قریباً دو ماہ باقی ہیں اگر اسی نرغہ میں دو ماہ گزر گئے اور چندہ کی سبیل ہو کر نالش نہ ہوئی تو پھر ہمیشہ کو مایوسی اور بالکل اُمید منقطع ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب: في الدر المختار. ج:٣، ص: ٢٦٤. اعلم أن البناء في أرض الوقف فيه تفصيل، فإن كان الباني المتولي عليه، فإن كان بمال الوقف فهو وقف سواء بناه للوقف أو لنفسه أو أطلق وان من ماله للوقف أطلق فهو وقف إلا إذا كان هو الواقف وأطلق فهو له كما في الذخيرة وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له كما في القنية والمجتبى. (١)

---

(١) شامي، كتاب الوقف، مطلب: في حكم بناء المتولي وغيره في أرض الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦٧٩/٦، كراچي ٤٥٥/٤ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب چونکہ اُن ہر سہ قطعات موقوفہ کے محض متولی تھے ”ولم یقع الإشهاد علی البناء لنفسه“ اس لئے اُن قطعات مذکورہ پر جود کانات بنائی گئی ہیں گو اپنے ہی مال سے سہی وہ سب بمجرد بناء کے تبعاً للارض وقف ہوگئیں پس جس طرح اصل قطعات صرف جامع مسجد کے لئے وقف ہیں، جیسا کہ واقفین کی تحریر میں مصرح ہے اسی طرح یہ دوکانات بھی خالصاً جامع مسجد کے لئے وقف رہیں گی (۱) پس قاضی صاحب کا اُس کی آمدنی میں مدات کی تفصیل کرنا شرعاً صحیح نہ ہوگا کیونکہ واقف ہونے کی شرائط میں سے مالک ہونا ہے (۲) قاضی صاحب کسی وقت اُن دکانات کے مالک ہی نہیں ہوئے البتہ جو قطعہ قاضی صاحب کے بھائی کے نام بیع تھا اور وہ اُن کو میراث میں پہنچا یہ اُس کے بیشک مالک ہوئے اور اس میں جو نو عدد دوکانات اپنے روپیہ سے بنائیں اُن کے بھی مالک ہوئے اور اُن کے وقف کرنے والے بھی یہی ہوئے اس لئے ان خاص دوکانات میں وہ تفصیل مدات کی صحیح اور معتبر ہے اور قاضی صاحب کا علی الاطلاق وقف نامہ میں یہ لکھدینا کہ حق وملک وقبض وتصرف مقر مذکور بود وہست الخ شرعاً صحیح نہیں پھر چونکہ یہ مدات مجموعہ دوکانات میں مقرر کی ہیں جن میں بعض کے اعتبار سے یہ مقرر کرنا صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے غیر صحیح اس لئے اُن دوکانات نہ گانہ کے مقابلہ میں جس قدر حصہ ان مدات کا آئے گا اُس حصہ کی نسبت سے خاص اُن دوکانات نہ گانہ کے متعلق یہ مقرر کرنا صحیح ہوگا، اور جس قدر حصہ ان مدات

---

(۱) **وما بناه المستأجر أو غرسه وكان من ماله بلاإذن الناظر فهو له مالم ينو أنه للوقف، وإن كان الباني هو متولي الوقف فإن كان بمال الوقف فهو وقف، سواء بناه للوقف أو لنفسه أو أطلق، وإن كان البناء من ماله للوقف أو أطلق فهو وقف إلاإذا كان الباني هو الواقف وأطلق فهو له، وإن بناه المتولي من ماله لنفسه وأشهد أنه له قبل البناء فهو له.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٨٥)

متول بنى في عرصة الوقف فهو أي البناء يكون للوقف إن بناه من مال الوقف أو من مال نفسه ونواه للوقف، أولم ينو شيأ، وإن بنى لنفسه، وأشهد عليه كان له أي للمتولي نفسه. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٤)

(۲) **الخامس من شرائطه الملک وقت الوقف.** (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣١٤، كوئٹه ٥/١٨٨)

ومن الشروط الملک وقت الوقف. (فتح القدير، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/١٨٧، كوئٹه ٥/٤١٧)

کا بقیہ دوکانات کے مقابلہ میں آئے گا اس حصہ کا اُن بقیہ دکانات کے متعلق مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا مثلاً فرض کیا جائے کہ اُن دوکانات نہ گانہ کی آمدنی کو مجموعہ دوکانات کی آمدنی سے مضاعف ہے اور ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی ان بقیہ دوکانات کی آمدنی سے نصف ہے تو جامع مسجد میں جس قدر اخراجات ہوں گے اُس کے دو حصے تو بقیہ دوکانات کی آمدنی سے لیں گے اور اُس کا ایک حصہ ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی سے لیں گے پھر اُن دوکانات نہ گانہ کی آمدنی میں جو دوثلث باقی رہے گا اُس کے مجموعہ سے چھتیس روپیہ کا ایک ثلث یعنی بارہ روپیہ تنخواہ مؤذن مسجد فتح پور میں دیں گے اور چھ روپیہ کا ایک ثلث یعنی دو روپیہ تنخواہ مسجد خورد متصل جامع مسجد کیرانہ میں دیں گے اور اس کے بعد جو اس مذکور دوثلث باقی سے بچے گا وہ سلیمہ کا اور اُس کے بعد حسب شرط قاضی صاحب اُس کے ورثہ کو ملے گا اور اگر بجائے نسبت ثلث کے دوکانات نوگانہ اور بقیہ دوکانات میں ربع اور تین ربع کی نسبت ہوگی تو اُسی نسبت سے سب مدات مذکورہ میں تفاوت ہوجائے گا لیکن بقیہ دوکانات کی جو آمدنی ہے وہ خالص جامع مسجد کی ہوگی یہ تفریع روایت منقولہ پر بالکل ظاہر ہے۔

الجواب سوال دوم : في الدرالمختار : وولاية نصب المقيم إلى الواقف، ثم لوصيه وفيه بعد أسطر، ثم إذا مات المشروط له بعد موت الواقف ولم يوص لأحد فولاية النصب للقاضي. ج:٣، ص:٦٣٣ - ٦٣٥. (١)

وفي رد المحتار : وقال في البحر : قد منا أن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وإن لم يشترطها، وإن له عزل المتولي وإن من ولاه لايكون له النظر بعد موته أي موت الواقف إلا بالشرط علىٰ قول أبي يوسف، ثم ذكر عن التتارخانية ماحاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح؛ ولكن الأفضل أنه بإذن القاضي. ج:٣، ص:٦٣٣. (٢)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٣٣-٦٣٦، كراچي ٤/٤٢١-٤٢٤۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) شامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٣٣-٦٣٤، كراچي ٤/٤٢١-٤٢٢۔

وفیہ عن الخانیة: أنه (أي المتولي) بمنزلة الوصي وللوصي أن یوصي إلیٰ غیره. اھ ج:۳، ص:۳۳۷. (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ واقف کے مرنے سے متولی معزول ہوجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو صرف یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو وصی مقرر کردے؛ لیکن یہ اختیار نہیں ہوتا کہ مسلسل دُور تک اسی طرح کسی کو وصی مقرر کرے کہ میرے بعد فلاں ہوگا اُس کے بعد فلاں؛ البتہ واقف کو اختیار ہوتا ہے کما صرحوا۔ بلکہ اگر متولی کسی کو کہہ کر مرجائے تو پھر جب دوسرا متولی مرے گا توحاکم یا عامہ اہلِ اسلام کو اختیار ہوگا جس کو مناسب سمجھیں متولی مقرر کرلیں پس دوکانات نہ گانہ میں تو قاضی صاحب واقف ہیں اُن کی نسبت یہ لکھدینا کہ بعد وفات منمقر مذکور باہتمام سلیمہ بعدہ اولادش بتولیت خود الخ ملخصاً صحیح ومعتبر ہوگا (۲)؛ لیکن بقیہ دکانات میں قاضی صاحب متولی ہیں جیسا اوپر ثابت ہوا تو اگر قاضی صاحب کا اُن قطعات کے وقف کرنے والوں سے قبل انتقال ہوگیا ہو تب تو قاضی صاحب کی وصیت بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ واقف کے ہوتے ہوئے متولی کو اس کا اختیار نہیں جیسا روایت اولیٰ میں ثم کی ترتیب سے معلوم ہوا (۳) اور اگر قاضی صاحب کا انتقال اُن قطعات کے وقف کرنے والوں کے بعد ہوا ہے اور اُن وقف کرنے والوں نے اپنے مرنے کے بعد کے متعلق درباب تولیت قاضی صاحب سے کچھ نہ کہا ہو

---

(۱) **اتفق الفقهاء علی أنه یتبع شرط الواقف في النظر علی الوقف، فإذا جعل النظر لشخص معین اتبع شرطه.** (الموسوعة الفقیة الکویتیة ٤٤/٢٠٤)

أمر نصیب القیم إلی الواقف یقیم من أحب. (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الوقف، الفصل السادس في الولایة في الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ٨/٦١، رقم: ١١٢٠٨)

(۲) **وإذا مات المتولي والواقف حتی فالرأي في نصب قیم آخر إلی الواقف لا إلی القاضي.** (هندیة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایة الوقف الخ، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤١١، جدید ٢/٣٨٢)

(۳) **وإذا جعل الولایة إلی رجل ومات ذلک الرجل حال حیاة الواقف قالوا: أمر نصب القیم إلی الواقف یقیم من أحب.** (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الوقف، الفصل السادس: الولایة في الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ٨/٦١، رقم: ١١٢٠٨)

وقیدنا بموته بعد الواقف لأنه لو مات قبل الواقف قال: في المجتبی: ولایة النصب إلی الواقف. (البحرالرائق، کتاب الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ٥/٣٨٩، کوئٹه ٥/٢٣٢)

تب تو قاضی صاحب تولیت سے معزول ہو گئے جب بھی اُن کی وصیت صحیح نہیں، اور اگر اُن وقف کرنے والوں نے اپنے بعد کے لئے بھی ان کو متولی قرار دیا ہو تو؛ البتہ سلیمہ کو متولی مقرر کرنا صحیح ہوگا (۱) اور مابعد والوں کو غیر صحیح ہوگا اور جن دوکانات نہ گانہ میں ان کی تحریر مذکور صحیح ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ فی نفسہ صحیح ومعمول بہ ہے؛ لیکن اگر مانع تولیت ان متولیوں سے واقع ہو تو تولیت درست نہ ہوگی اور منجملہ موانع شرعیہ کے متولی کا غیر مامون ہونا ہے۔

في الدر المختار: وينزع وجوبا لوغير مأمون أو عاجز (الیٰ قوله) وإن شرط عدم نزعه. ج:۳، ص:۵۹۵. (۲)

اور واقعات سے غیر قابل اطمینان ہونا سلیمہ اور اُس کے ورثہ کا اور نیز عاجز ہونا احیاء حقوق وقف سے ظاہر ہے؛ اس لئے خاص اُن دوکانات نہ گانہ کی تولیت بھی جاتی رہے گی، پس اب عامہ اہل اسلام جس کے متولی ہونے پر رضامند ہوں وہ سب دوکانات ہر دو قسم کا متولی ہو جائے گا اتنا فرق ہے کہ بقیہ دوکانات کی تولیت میں تو وارثانِ سلیمہ کا کبھی حق نہ ہوگا اور دوکانات نہ گانہ میں جب نسل سلیمہ سے جب کوئی شخص ایسا پایا جائے گا جس پر عامہ اہلِ اسلام قرائن قویہ سے مطمئن ہوں اور اہتمام وقف کا حسب شرائط واقف کے پورا پورا کرے اُس وقت ان خاص دکانات نہ گانہ کی تولیت میں اُس کا حق سب سے مقدم ہوگا۔

في رد المحتار: وإذا صار أهلا بعده ترد الولاية إليه وكذا لولم يكن فيهم أهل أقام القاضي أجنبيا إلىٰ أن يصير فيهم أهل. جلد:۳، ص:۶۶۲. (۳)

---

(۱) **قدمنا أن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وإن لم يشترطها وأن له عزل المتولي، وأن من ولاه لايكون له النظر بعد موته إلابالشرط على قول أبي يوسف.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۳۸۶/۵، كوئٹه ۲۳۱/۵)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر، مكتبه زكريا ديوبند ۵۷۸/۶، كراچي ۳۸۰/۴۔

وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أوجعل الولاية إليه صح وينزع لوخائنا وإن شرط أن لاينزع، وفي النهر يجب على الحاكم نزعه إذاكان خائنا غيرمامون على الوقف. (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۳۲۷/۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) شامي، كتاب الوقف، مطلب في شرط التولية للأرشد فألأرشد، مكتبه زكريا ديوبند ۶۸۲/۶، كراچي ۴۵۷/۴۔ ←

اور گوان کارروائیوں سے سلیمہ یا وارثان سلیمہ کا حق تولیت باقی نہ رہے؛ لیکن واقف نے ان کا جو حق آمدنی میں بعد پس انداز ہونے کے ٹھہرادیا ہے وہ باطل نہ ہوگا۔

في الدرالمختار: فلا عمارة على من له الاستغلال؛ لأنه لا سكنى له، فلو سكن هل تلزمه الأجرة؟ الظاهر لا لعدم الفائدة. وفي رد المحتار: لعدم الفائدة؛ لأنه إذا أخذت منه دفعت إليه. ج:٣، ص: ٥٩٠ (١). قلت: فانظر كيف بقي حق هذا الرجل في الغلة مع انه خالف شرط الواقف.

البتہ جو سلیمہ کی اولاد نہ ہو جیسے فضل اللہ یا اُس کے ورثہ اُن کا اس وقت میں کوئی استحقاق نہیں اور ثالث کا فیصلہ خلاف شرع قابل عمل نہیں البتہ یہ جو کہا گیا کہ سلیمہ یا اس کے ورثہ کا حق آمدنی میں باطل وساقط نہ ہوگا اس آمدنی کے دینے کی ابتداء اُس وقت سے ہوگی کہ جس قدر سلیمہ یا اُس کے ورثہ نے مسجد کی آمدنی بلا استحقاق اپنی ذات پر صرف کی ہے وہ سب اُن کے خاص حصہ سے اوراسی طرح اس وقت اثبات واحیاء و حفاظت وقف کی کوشش میں جو کچھ صرف ہوا اُس میں سے جس قدر ان دکانات نہ گانہ کے حصہ میں آئی ہے وہ ان دکانات نہ گانہ کی آمدنی سے غرض یہ ہر دو رقم اول وصول ہو جائیں اُس کے بعد سے حسب شرط واقف حسب تصریح جواب وسوال اوّل ان کو بھی ان کا حق ملا کرے گا؛ کیونکہ اوّل رقم تو غصب ہے اُس کا ضمان لازم ہی ہے اور دوسری رقم اس لئے کہ یہ سلیمہ یا اُس کے ورثہ باعتبار آمدنی کے مثل شریک کے ہے اور ایک شریک کی جگہ عامۂ اہل اسلام ہیں اور مشترک عمارت میں جو کچھ ایک شریک مجبوری کو صرف کرے اور دوسرے شریک کی جگہ عامۂ اہلِ اسلام ہیں اور مشترک دوسرے پر نہ جبر ہو سکے نہ وہ خوشی سے شریک ہو تو اُس سے اُس کے حصہ کا خرچہ لینے کا اُس کو حق حاصل ہے۔

← **فإذا صار أهلا بعد ذلک ترد الولاية إليه، وهكذا الحكم لو لم يكن فيهم أحد أهلا لها فإن القاضي يقيم أجنبيا إلى أن يصير منهم أحد أهلا فترد الولاية إليه.** (البحرالرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٨٧-٣٨٨، كوئٹه ٥/٢٣١)

هندية ، كتاب الوقف، الباب الخامس: في ولاية الوقف إلخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤١١، جديد ٢/٣٨١۔

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب من له السكنى لايملك الاستغلال واختلف في عكسه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٠-٥٧١، كراچي ٣٧٤-٣٧٥۔

في رد المحتار: وان اضطرو كان شريكه لا يجبر، فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بما أنفق أو لا فبالقيمة. ج:٣، ص:٥٤٨ (١). وفي الدرالمختار: فلا عمارة علىٰ من له الاستغلال (إلىٰ قوله) ولو هو المتولي ينبغي أن يجبره القاضي علىٰ عمارتها مماعليه من الأجرة، فإن لم يفعل نصب متوليا ليعمرها. ج:٣، ص:٥٩٠ (٢). قلت: وبه جموع الروايتين ظهر المطلوب. فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم.

١٨/ ربیع الثانی ١٣٢٤ھ (امداد ثانی، ص ٩٨)

مسجد کے نیچے دوکان تعمیر کرنا

سوال (١٥٤٨): قدیم ٢/ ٦٨١ - فقہاء کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مسجد ہونے کے لئے شرط ہے کہ حقوق عبد اُس سے منقطع ہو جائیں اور نیز مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہے اور ان ہی دو وجہوں سے مسجد کے نیچے دکانیں بنوانا جائز نہیں (جیسا کہ متعارف ہے) اور اس وجہ سے اُس کی چھت داخل مسجد سمجھی نہیں جاتی؛ لیکن درمختار کی ایک روایت سے اس کی نسبت شبہ پڑتا ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف میں ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا وجعل باب المسجد إلىٰ طريق وعزله عن ملكه لايكون مسجدا.

اس پر شامی لکھتے ہیں: ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف، فقال: وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو كان وقفا عليه صار مسجدا. قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجدا

---

(١) شامي، كتاب الشركة، مطلب في الحائط إذاخرب وطلب أحد الشريكين قسمته أوتعميره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥١٤، كراچي ٤/ ٣٣٤۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب من له السكنى لا يملك الاستغلال واختلف في عكسه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٧٠- ٥٧١، كراچي ٤/ ٣٧٤ - ٣٧٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد لقوله تعالىٰ وان المساجد للّٰه بخلاف ما إذا كان السرداب أوالعلوموقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية.الخ (١)

اورفتح القدیر میں کتاب الوقف میں ہے:

بخلاف ماإذا كان السرداب أوالعلو لمصالح المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملک فيه لأحد؛ بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذا هو ظاهر المذهب. اه(٢)

شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے:

تحت قول درمختار: لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء بفتح العين وكذا إلىٰ تحت الثرى: كما في البيرى عن الإسبيجابي بقي لو جعل الواقف تحته بيتاً للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق لم أره صريحا نعم سيأتي متنا أنه لو جعل تحته سردا بالمصالحه جاز تأمل. اه (٣)

پہلی روایت میں جواسعاف سے نقل کی ہے أو كان وقفا عليه کا عطف كان لمصالح المسجد پر ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مسجد پر وقف ہوتو اگر مصالح مسجد کے لئے نہ ہو؛ لیکن مسجد مسجد ہوجائے گی اورعلواورسفل میں کوئی وجہ فرق نہیں صورت مذکورہ میں دکانوں کا وقف علی المسجد ہونا ظاہر ہے اس لئے مسجد ہوجانا اُس کی سطح کا ثابت ہے؛ اس لئے کہ علت سرداب وعلوموقوف علی المسجد کی اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا البحرالرائق سے جوعبارت نقل کی ہے اورفتح القدیر کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شامی کی جوعبارت کتاب الصلوٰۃ میں ہے اُس میں تو بیت الخلاء کو بھی مسجد کے نیچے ہونے کو جائز کردیا ہے۔

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٧/٦، كراچي ٣٥٧/٤۔

(٢) فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: إذا بنى مسجدالم يزل ملكه عنه، مكتبه زكريا ديوبند ٢١٨/٦، كوئٹه ٤٤٥/٥۔

(٣) شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٢٨/٢، كراچي ٦٥٦/١۔

اگر چہ آخر میں تأمل بھی کہہ دیا ہے؛ لیکن اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسجد الیٰ عنان السماء والیٰ تحت الثریٰ کے وہ معنی نہیں سمجھے جو ہم لوگ سمجھتے ہیں ورنہ اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ تھا۔ اس لئے کہ جب تحت الثریٰ تک مسجد ہے تو بیت الخلاء کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔ بحر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد منقطع ہوجانا کافی ہے؛ اس لئے اگر چہ نیچے یا اوپر مسجد نہ ہو لیکن وقف ہو تو کافی ہے اس سے بھی دکانیں بنانے کے جواز کی تائید ظاہر ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کی جلد دوم استفتاء نمبر ۱۲۰ میں ان روایات سے استشہاد کر کے دکانیں بنانے کی اجازت دی ہے اور اُس کی سطح کو حکم مسجد دیا ہے۔ ان روایتوں کے علاوہ اسی کے قریب قریب اور روایتیں زیلعی شرح کنز اور عینی شرح کنز سے نقل کی ہیں اگر وہاں فتاویٰ موجود ہو تو ملاحظہ فرمایا جائے ورنہ یہاں سے نقل بھیجی جاسکتی ہے باقی۔ سفلہ وعلوہ مسجد کے معنی اُنھوں نے بھی بیان کئے ہیں کہ حق العبد باقی نہ رہے یہ تاویل عبارت کی الفاظ کے خلاف ہے، غرضیکہ اس کی نسبت کچھ تشفی نہیں ہوتی ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اصل مذہب تو یہی ہے کہ عنان سماء اور تحت الثریٰ تک سب مسجد ہے؛ لیکن ضرورت میں اصل مذہب سے عدول کیا گیا ہے گو اُس عدول کی مختلف توجیہیں کر کے اصل مذہب پر منطبق کرنا چاہا ہے؛ لیکن اقرب یہی ہے کہ انطباق مشکل ہے اور اصل توجیہ ضرورت ہے چنانچہ ہدایہ میں صاحبینؒ سے بغداد اور رَے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی روایت اس کی شاہد ہے۔ (١)

۷/ رجب ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی، ص ۱۰۵)

---

(١) ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه فله أن يبيعه وإن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقابه ولوكان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس وروى الحسن عنه أنه قال إذا جعل السفل مسجدا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد لأن المسجد مما يتأبد وذلك يتحقق في السفل دون العلووعن محمد رحمة الله عليه على عكس هذا لأن المسجد معظم وإذا كان فوقه مسكن أومستغل يتعذر تعظيمه وعن أبي‌يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأي ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلك كله لما قلنا . (هداية، كتاب الوقف، فصل في وقف المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٦٤٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۵۴۹): قدیم ۲/۶۸۳ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسجد بالائی منزل پر ہو اور اُس کے نیچے کا خلا ضروریات ومنافع ومصالح مسجد کے لئے مستعمل ہو تو مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں اور اس طرح مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : **في الدرالمختار: ان جعل تحته سردابا لمصالح المسجد جاز كمسجد القدس ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلىٰ طريق وعزله عن ملكه لا (إلىٰ قوله) أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلک لم يصدق (تا تارخانية) فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلىٰ جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلا ولاسكنىٰ. بزازية. ا ه. (ص ۵۷۲، ج ۳)** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مسجدیت کے مکمل ہونے کے قبل ایسا کیا جاوے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

۲۴/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ، ص ۴۴)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٧۔

ولوجعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد قيل: لايستحب ذلک ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجدًا وماتحته وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته ولوأنه بنى المسجد أو لإثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل. (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٧١، إمداية ملتان ٣/ ٣٣٠)

إذا أراد إنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلک، وفي الحاوي: وفي المنتقى: إذا بنى الرجل مسجدا وبنى فوقه غرفة وهو في يده فله ذلک، وإن كان حين بناه خلىّ بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک يبنى لايترک، وفي جامع الفتاوى: ولوقال عنيت ذلک لايصدق. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٦٢، رقم: ١١٥١٢)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، المجلس العلمي ٩/١٢٧، رقم: ١١٣٤٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۵۵۰): قدیم ۲/۶۸۴ - حسب ذیل روایات کی تطبیق مزید تسلی بندہ کے لئے اُمید کہ ارقام فرمائی جاوے۔ درمختار کے کتاب الوقف میں ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز الخ.

اس پر شامی لکھتے ہیں:

ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا علىٰ مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أوكانا وقفًا عليه صار مسجداً. اه شرنبلالية قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه. لقوله تعالىٰ: وأن المساجد لله بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفًا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية. الخ، ص: ۵۷۳، ج: ۲. (۱)

ونیز شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے:

تحت قول درمختار: لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء بفتح العين وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ كما في البيرى عن الإسبيجابي بقي لو جعل الواقف تحته بيتاً للخلاء هل يجوز الخ (إلىٰ قوله) تأمل. اه ص: ۸٦، ج: ۱. (۲)

(۱) **صار مسجداً** کے معنی کیا صرف یہ ہوں گے کہ حق العبد اس قطعۂ زمین سے یعنی اس کے تحت الثریٰ سے لیکر عنان السماء تک منقطع ہوگیا اور فوق وتحت پر مسجد کے احکام شرعیہ نہ جاری ہوں گے یعنی بول وتغوط وغیرہ جائز ہوں گے؛ حالانکہ اسی جگہ شامی میں لکھتے ہیں کہ فوق مسجد پر ایسے امور جائز نہیں اور اس کے نیچے خلاء وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں؟

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٧/٦، كراچي ٣٥٧-٣٥٨۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٢٨/٢، كراچي ٦٥٦/١۔

(۲) کیا فوق مسجد و نیز سقف دوکانان جو مسجد کا فرش ہے اُن پر فرض جماعت کا ثواب مثل جماعت کے نہ ہوگا یعنی فوق مسجد پر جماعت کی نماز پڑھنا و نیز وہ حصّہ کا جو دکانوں کی سقف ہے اس پر جماعت کرنا مکروہ تو نہ ہوگا اور ثواب مسجد کا ادائیگی فرض نماز میں وہاں ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر سقف دکانان پر مسجد کا ثواب ملے گا تو مسجد کے نیچے دکانوں کا بنانا گو اسی کے مصالح کے لئے وقف ہو، کیا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو مسجد کی چھت پر ایسی دکانیں بنانا بھی جائز ہونا چاہئے: کیونکہ اصل مسئلہ سے تجاوز ہے وہ دونوں صورتوں میں یکساں معلوم ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ جواب مفصل وشافی ارقام فرمایا جاوے اللہ تعالیٰ ثواب جزیل عطاء فرماوے۔

الجواب: غالباً آپ نے مرجع ضمیر صار کا سرداب وعلو کو سمجھا ہے سو یہ مرجع نہیں ہے اور اس کو مسجد نہیں کہہ رہے؛ بلکہ مرجع اس کا وہ مسجد ہے جس کے مصالح کے لئے سرداب وعلو بنی یا وقف کیا گیا مطلب یہ کہ اگر کوئی مسجد بنائی اور اُس کے سرداب یا علو کو اپنا مملوکہ رکھا مسجد کے متعلق نہیں کیا تو یہ مسجد بھی مسجد نہ ہوگی۔ یہ مسجد اُس وقت مسجد ہوگی جب اُس سرداب وعلو کو مصالح مسجد کے لئے بناوے یا مسجد پر وقف کردے اور حاصل عبارت بحر کا یہ ہے کہ یہ جو فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد اُس وقت مسجد ہوتی کہ اُس کا علو وسفل سب مسجد ہو۔ سو اس کلام سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علو وسفل بھی مسجد ہی ہو بلکہ اس اشتراط سے اصل مقصود یہ ہے کہ اُس سے حق عبد منقطع ہو جاوے خواہ مسجدیت کی وجہ سے یا وقف علی المسجد کی وجہ سے پس اشتراط مسجدیت تمثیلاً ہے نہ کہ حصراً اور اصل اشتراط انقطاع حق العبد ہے۔ اور اگر تمثیلاً نہ ہو تو تعلیلاً ہے تو اشتراط علت سے کہ وہ انقطاع حق عبد ہے حکم معلول بھی عام ہوگا اور جہاں انقطاع نہ ہو وہ مسجد نہ ہوگی اور لینقطع الخ سے چونکہ اس عدم انقطاع کی صورت بھی مفہوم ہوتی تھی اس اعتبار سے آگے بخلاف کہہ رہے ہیں اور یہ قول: لأنہ مسجد إلیٰ عنان السماء و کذا إلیٰ تحت الثریٰ. یہ اُس صورت میں جب پہلے سے اُس کے نیچے ہے اب نہ بنایا ہو پس تبعاً سب مسجد ہو جاوے گا اور جب اوّل ہی سے اُس کے نیچے سرداب بنالیا ہو تو قصد سے وہ جزو مستثنیٰ ہو جاوے گا(۱) وللقصد ترجیح علی التبع.

---

(۱) ولو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا علی المسجد قیل: لایستحب ذلک ولکنه لو جعل في الابتداء هکذا صار مسجدًا و ماتحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذي تحته ولو أنه بنی المسجد أولا أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل.

(حاشیة چلپي علی تبیین الحقائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ٢٧١، إمدادیة ملتان ٣/ ٣٣٠) ←

اُمید ہے کہ اس تقریر سے سب اجزاء سوال کا جواب ہو گیا ہوگا اگر کچھ باقی رہا مکرر واضح عبارت سے پوچھ لیجئے۔

۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ اربعہ ص ۳۱)

سوال متعلق مسئلہ بالا (۱۵۵۱): قدیم ۲/ ۶۸۵ - جواب مسئلہ کا معلوم کرکے بالکل تشفی ہوگئی واقعی غلطی وہی تھی جو جناب نے معلوم فرمایا سارے شبہات اسی غلطی پر متفرع تھے اب بالکل کافور ہو گئے اللہ تعالیٰ ثواب جزیل واجر عظیم عطا فرماویں۔ مزید تسلی کیلئے یہ بات اور دریافت طلب ہے کہ تحت مسجد بیت الخلاء کو سرداب پر قیاس کرکے بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟ شامی نے اسکے متعلق صرف تأمل کا لفظ لکھا ہے۔

الجواب: سرداب میں یہ قید لگائی ہے ''لمصالح المسجد'' اور پاخانہ کو ظاہر ہے کہ مصالح مسجد سے نہیں کہہ سکتے وہ ایک حاجت طبعیہ ہے جس کو تتمیم اغراض مسجد میں کوئی دخل وتعلق قریب نہیں اور بعید بوسائط کا اعتبار نہیں ورنہ یہ قید ہی بیکار ہوگی؛ کیونکہ ہر فعل کا بوسائط بعیدہ مسجد سے تعلق نکل سکتا ہے؛ اس لئے میرے نزدیک اس میں جواز نہیں معلوم ہوتا۔(۱)

← **إذا أراد إنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلک، وفي الحاوي: وفي المنتقى: إذا بنى الرجل مسجدا وبنى فوقه غرفة وهو في يده فله ذلک، وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک يبني لايترک، وفي جامع الفتاوى: ولوقال عنيت ذلک لايصدق.** (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٦٢، رقم: ١١٥١٢)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، المجلس العلمي ٩/ ١٢٧، رقم: ١١٣٤٥ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان السماء وفي الشامية: وكذا إلى تحت الثرى...... بقي لوجعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٨، كراچي ١/ ٦٥٦) ←

نیز عرفاً خلاف احترام بھی ہے نیز موجب تأذی مصلین بھی ہے اور حدیث میں پیاز خام کھانے والے کے حق میں **فلا یقربن مصلانا** آیا ہے جو دخول سے عام ہے جس سے ظاہراً عفونت کی چیز قصداً مسجد کے قریب بنانے کی بھی مذمت معلوم ہوتی ہے۔(۱)

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ اربعہ، ص ۳۲)

مسجد کا کچھ حصہ حوض میں شامل کرنا جائز نہیں

سوال (۱۵۵۲): قدیم ۲/ ۶۸۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک محلّہ میں ایک مسجد قدیم ہے اس کے آگے ایک دوسری زمین ہے فنائے مسجد سے اس میں حوض بنانا چاہتے ہیں مصالح مسجد کے لئے مگر حوض کے لئے وہ جگہ کافی نہیں اگر وہ حوض کسی قدر مسجد کے نیچے آوے اور اُس کے اوپر سے ویسی ہی چھت ڈالی جاوے جیسے کہ پہلے تھا تو آیا یہ درست ہے یا نہیں۔ اس صورت میں مسجد بھی کم نہ ہوگی اور حوض بھی بقدر دو گز کے مسجد کے نیچے کو آجاوے گا اور اوپر سے چھپا ہوا ہوگا بہ مثل سابق لوگ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

← **وفي تقريرات الرافعي: الظاهر عدم الجواز وما يأتي متنا لا يفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح .**
(تقريرات رافعي، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه زكريا ديو بند ۲/ ۸۵، كراچي ۱/ ۸۵)

(۱) **عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذي منه الإنس.** (صحيح مسلم، المساجد، باب النهي من أكل ثوما، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۹، بيت الأفكار، رقم: ۵۶۴)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه قال: أول مرة: الثوم، ثم قال: الثوم والبصل والكراث، فلايقربن في مساجدنا . (ترمذي شريف، باب ماجاء في كراهة أكل الثوم والبصل، النسخةالهندية ۲/ ۳، دارالسلام، رقم: ۱۸۰۶)

ويلحق بمانص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أوغيره وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضا بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها. (إعلاء السنن، أبواب أحكام المساجد، باب كراهة الدخول من أكل الثوم والبصل، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۱۸۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: درست نہیں۔(۱)

ربیع الاول ۳۹ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۱۸۳)

---

(۱) **أما لوتمت المسجد ية ثم أراد البناء منع ولوقال عنيت ذلك لم يصدق، تاتار خانية، فإذاكان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد، ولايجوز أخذ الأجرة منه ولاأن يجعل شيأمنه مستغلا ولاسكنى، وفي الشامية تحت قوله: (ولاأن يجعل إلخ) هذا ابتداء عبارة البزازية، والمراد بالمستغل أن يؤجرمنه شيئ لأجل عمارته، وبالسكنى محلها...... قلت وبهذا علم أيضا حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولاسيما مايترتب على ذلك من تقذير المسجد، بسبب الطبخ والغسل ونحوه، ورأيت تاليفا مستقلا في المنع من ذلك.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

قيم المسجد لايجوزله أن يبني حوانيت في حدالمسجد أوفي فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذالايجوز. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: في الوقف على المسجد وتصرف القيم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٦٢، جديد ٢/٤١٣)

ولوأن قيم المسجد أراد أن يبنى حوانيت في حريم المسجد وفنائه قال الفقهية أبو الليث رحمه الله تعالى: لايجوز له أن يجعل شيئامن المسجد مسكنا أومستغلا. (خانية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا إلخ، مكتبه زكريا جديد ٣/٢٠٤ ،وعلى هامش الهندية ٣/٢٩٣)

بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثامن في المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند جديد ٣/١٥٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٥۔

ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد إلاأن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولايصلّى فيه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦١، كوئٹه ٢/٣٤)

هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/١١٠، جديد ١/١٦٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صحن مسجد میں حوض بنانے کا حکم

سوال (۱۵۵۳): قدیم ۲/ ٦٨٦- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ جامع مسجد حسن پور میں حوض نہیں ہے جس کی وجہ سے وضو آسانی سے نہیں ہوسکتا اور مسجد کے صحن کے علاوہ حوض بنانے کے واسطے آراضی حاصل نہیں ہوسکتی اگر صحن مسجد میں حوض بشکل مستطیل جس کا طول ۲۴ درعہ اور عرض ۴ گز چار تسو جس کا رقبہ سو گز ہوگیا بنا کر اوپر پاٹ دی جاوے تاکہ نماز کی جگہ میں کچھ کمی نہ ہو اور وضو کرنے کے واسطے جو اس وقت نالی وضو کی موجود ہے اور دیوار فصیل مسجد جن دونوں کا مجموعہ سوا گز ہے کافی ہے بنا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: في الدر المختار في دليل بعض الفروع: لأنه مسجد إلى عنان السماء. في رد المحتار: وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ. الخ ج: ١، ص: ٦٨٦ (١). وفي الدرالمختار: وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا في حق غيره به يفتى. وفي رد المحتار: قوله: به يفتى لكن قال في البحر: أنه يجوز الوطء والبول والتخلي فيه ولا يخفي ما فيه، فإن الباني لم يعده لذلک فينبغي أن لايجوز وإن حكمنا بكونه غير مسجد. الخ، ص: ٦٨٧، ج: ١ (٢) وفي الدرالمختار: محرمات المساجد والوضوء إلا فيما أعد لذلک وغرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نز وفي رد المحتار: قوله: والوضوء لأن مائه مستقذر طبعاً فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم بدائع قوله: كتقليل نز. قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لابأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بإن كان المسجد ذانز والاسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لايجوز. اه وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله ولايضيق على الناس ولايفرق الصفوف لابأس به

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٨، كراچي ١/ ٦٥٦۔

(٢) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد، مكتبه زكرياديوبند ٢/ ٤٣٠، كراچي ١/ ٦٥٧۔

وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق الصفوف أو كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره. اه وبعد أسطر؛ لأن فيه شغل ما أعد للصلوٰة و نحوها، وإن كان المسجد واسعا أو كان في الغرس نفع بثمرته. اه ج: ١،ص: ١٩١. (١)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حوض بطریق مذکور فی السوال بنانا جائز نہیں اولاً اس لئے کہ بانی نے فرش مسجد کا اس غرض کے لئے نہیں بنایا ''أنظر إلیٰ قوله فإن الباني لم يعده لذلك الخ'' دوسرے اس لئے کہ حوض کے اندر کم وبیش غسالہ وضو کا ضرور گرتا ہے اور اُس کا مسجد میں گرانا جائز نہیں، انظر إلیٰ قوله لأن ماءه مستقذر الخ. تیسرے اس لئے کہ اس سے نماز کی جگہ میں تنگی اور تفریق صفوف واقع ہوگی اور یہ جائز نہیں۔ أنظر إلیٰ قوله ولا يضيق على الناس. الخ اور تقلیل نز پر قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ضرورت شدیدہ میں ہے اور یہاں ضرورت شدیدہ نہیں أنظر إلیٰ قوله والأسطوانات لاتستقر. الخ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اُس کے پاٹ دینے سے ضیق وتفریق نہ ہوگی کیونکہ اولاً تو پاٹنے تک تو یہ محذور لازم ہی رہے گا دوسرے پاٹنے میں بھی ہر چہار طرف نالی کے قریب قریب تو ضرور کچھ خالی چھوڑا جاوے گا اس قدر اتصال میں خلل پڑے گا اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ پانی وضو کا اگر گرے تو پانی کی سطح پر گرے گا فرش مسجد پر نہ گرے گا۔ جواب یہ ہے کہ وہ سطح بھی مسجد ہے۔ انظر إلیٰ قوله لأنه مسجد إلیٰ عنان السماء الخ.

۲۶/ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی ص ۵۸)

فنائے مسجد میں راستہ اور دوکان بنانے کا حکم

سوال (۱۵۵۴): قدیم ۲/ ۶۸۷ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کا کوئی جز وکسی غلط فہمی یا جبریہ حاکم وقت کی طرف سے اگر شہید کر دیا گیا ہو اور بعد میں پھر اُس جزو منہدمہ مسجد کی تعمیر کی اجازت حاصل ہو تو از روئے شرع شریف عامۂ مسلمین کو جدید تعمیر میں ایسے طریقہ پر ترمیم کہ عمارت جو مسجد کے نمازیوں وغیرہ کے واسطے کارآمد تھی اپنی قدیم حالت پر بجنسہ قائم ہو جاوے اور اُس جزو عمارت کی کرسی میں بلحاظ آسائش خلق اللہ ومصلحت وقت دوکان یا ممرّ (گزرگاہ) بھی قائم کر دیا جائے جو قبل از انہدام مٹی سے پُر شدہ چبوترہ تھا۔ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٤- ٤٣٥، كراچي ١/ ٦٦٠- ٦٦١- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : في العالمگيرية: قسيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أوفي فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز والفناء تبع المسجد، فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي. ج:٣، ص: ٢٤١(١). وفي البحر الرائق في المجتبي: لايجوز لقيم السمجد أن يبني حوانيت في حد المسجد أوفنائه. ج:٥، ص: ٢٦٩ (٢). و في فتح القدير عن المصنف من كتاب التجنيس: قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في المسجد أوفي فنائه لايجوز له أن يفعل؛ لأنه إذا جعل المسجد مسكنا تسقط حرمة المسجد وأما الفناء فلأنه تبع للمسجد. ج:٥، ص: ٤٤٦. (٣)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی اور فناء مسجد (یعنی حصہ متعلقہ مسجد مثل وضوخانہ وغیرہ) میں بھی دکانیں بنانا جائز نہیں۔ اور اسی سے ثابت ہوگیا کہ ممر (گزرگاہ) بنانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے دو وجہ سے، ایک اس لئے کہ دکانوں کا تعلق تو مسجد سے بھی رہ سکتا ہے اور اُس میں بعض اوقات مصلحت مسجد کی بھی ہوسکتی ہے جب وہ بھی ناجائز ہے تو ممر جس میں نہ مسجد کی کوئی مصلحت ہے اور نہ اُس کا مسجد سے کوئی تعلق ہے کیسے جائز ہوگا۔ دوسرے اس لئے کہ روایات بالا میں اُس کے احترام کو بناء حکم قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ممر میں احترام زیادہ ضائع ہوگا بہ نسبت دکان کے کیونکہ دکان کی نسبت ممر میں زیادہ عموم ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں فناء میں نہیں بناتے بلکہ فناء کے تحت میں بناتے ہیں بات یہ ہے کہ روایات بالا سے اس باب میں فناء مسجد کا تبعاً حکم مسجد میں ہونا معلوم ہوا اور روایت ذیل سے مسجد کے تحت میں دکانوں کا بنانا ناجائز ثابت ہوتا ہے پس فناء کے تحت میں بھی ناجائز ہوگا اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ مسجد اور فناء مسجد آسمان سے تحت الثریٰ تک مسجد اور فناء مسجد ہے وہ روایت یہ ہے۔

---

(١) فتاوی عالمگيرية، الباب الحادي عشر: في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني: في الوقف وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه، مكتبه زكريا قديم ٤٦٢/٢، جديد ٤١٣/٢۔

(٢) البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤١٨/٥، كوئٹه ٢٤٩/٥۔

(٣) فتح القدير، كتاب الوقف، فصل أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢١٩/٦، كوئٹه ٤٤٦/٥۔

أراد أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلک كذا في الذخيرة. عالمگيري ج:٣، ص:٢٣٨. (١)

البتہ ابتداء میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ قبل مسجد ہونے کے اوپر یا نیچے عمارات متعلقہ مصالح مسجد بنانے کا فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ (٢)

۴/ ذیقعدہ ١٣٣١ھ (تتمۂ ثانی، ص ٩١)

---

(١) عالمگيري، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٥٥، جديد ٢/ ٤٠٨۔

(٢) **ولو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا على المسجد قيل: لايستحب ذلک ولكنه لوجعل في الابتداء هكذا صار مسجدا و ماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته ولو أنه بنى المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل.** (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٧١، إمدادية ملتان ٣/ ٣٣٠)

إذاأراد إنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلک، وفي الحاوي: وفي المنتقى: إذا بنى الرجل مسجدا وبنى فوقه غرفة وهو في يده فله ذلک، وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک يبنى لايترک، وفي جامع الفتاوى: ولوقال عنيت ذلک لايصدق. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٦٢، رقم: ١١٥١٢)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، المجلس العلمي ٩/ ١٢٧، رقم: ١١٣٤٥۔

لوبنى فوقه بيتا للإمام لايضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أرادالبناء منع ولوقال: عنيت ذلک لم يصدق، تاتارخانية، (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٨، كراچي ٤/ ٣٥٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

راستہ مسجد میں شامل کرنے کا حکم

سوال (١٥٥٥): قدیم ٢/ ٦٨٩ - مسجد کے سامنے راستے کے متصل افتادہ زمین بعض اہلِ محلّہ مسجد میں شامل کرنا چاہیں اور کمیٹی سے اجازت لے لیں تو یہ حکم مسجد میں داخل اور لینا صحیح ہو جائے گا یا نہیں طریق کی مقدار شرعی وقانون سبعہ بلکہ سابق اضیق طریق سے دو انگشت چھوڑ کر یہ حصہ لیا جاتا ہے کیا اس میں جمیع اہلِ محلّہ کی صراحۃً رضا ضروری ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کی مملوکہ ہے اور کمیٹی کو سرکاری مملوکہ کا مجاز نہیں ہاں دیدینے پر مزاحمت بھی نہیں ہوتی پس مسلمان ممبر کمیٹی کو اجازت دینے اور بلا خاص اجازت لندن کے اس افتادہ قطع کا ہبہ صحیح نہیں اور نہ اس حصہ کو مسجد میں داخل کرنا یا نماز پڑھنی صحیح ہے مختصراً مگر مدلل اور مسکن جواب کی حاجت ہے؟

الجواب: في الدر المختار: جعل شيئ من الطريق مسجدا لضيقه ولم يضر بالمارين جاز. وفي رد المحتار عن التاتارخانية: سئل أبو القاسم عن المسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجدا أويتخذوا له بابا أو يحولوا بابه عن موضعه وأبي البعض ذلک قال إذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم ليس للأقل منعهم. اھ ج:٣، ص: ٥٩٣ (١).

في الدرالمختار: باب استيلاء الكفار، ولو سبى أهل الحرب أهل الذمة من دارنا لايملكونهم لأنهم أحرار وبعد أسطر ولوغلبوا علىٰ أموالنا وحرزوها بدارهم ملكوها (٢).

ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریق عام بادشاہ وقت کا مملوکہ نہیں بلکہ حق عامہ ہے اور اگر مسجد میں حاجت ہو اور راہ گیروں کو تنگی نہ ہو تو اہل محلّہ کے اکثر یا افضل لوگوں کی رائے سے مسجد میں ملا لینا جائز ہے (٣) اور کمیٹی کی اجازت کی ضرورت بمصلحت ہے اور وہ تملیک نہیں ہے جو اس پر شبہات پیدا ہوں اور حدیث میں جو سبعۃ اذرع آیا ہے وہ تحدید کے لئے نہیں بلکہ اُس وقت اِس سے حاجت مرتفع ہو جاتی تھی۔ فقط واللہ اعلم

٣٠/ ربیع الاول ١٣٢٥ھ (امداد ثانی، ص ١٠٩)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: في جعل شيئ من المسجد طريقا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٧٤-٥٧٦، كراچي ٤/ ٣٧٧-٣٧٨۔

(٢) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٦-٢٦٧، كراچي ٤/ ١٦٠۔

(٣) قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد، أخذوا من الطريق ←

سوال (١٥٥٦): قدیم ۲/ ٦٨٩ - قریب کے ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے جانب جنوب قدیم الایام سے شارع عام واقع ہوا ہے جس میں آمد ورفت لوگوں کی وبہلی وغیرہ کی ہمیشہ سے ہوتی چلی آتی ہے اب لوگوں نے اسی جانب سے ازدیار مسجد کا قصد کیا اور اُس سڑک کا کچھ حصہ دبالیا۔

اب سوال یہ ہے کہ شارع عام کا حصہ دبالینا زیادتی مسجد کے واسطے جائز ہے یا نہیں سڑک پہلے تو دس ہاتھ کی تھی اب پانچ ہاتھ رہ گئی جس میں آمد ورفت گاڑیوں کی معاً تو ہو نہیں سکتی؛ البتہ نوبت بہ نوبت ہوا کرے گی اس میں گونہ ہرج ہونا ظاہر ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی سڑک دس بیس ہاتھ کی قدیم سے ہو تو بغرض زیادتی مسجد وغیرہ سات ہاتھ چھوڑ کر باقی دبالیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور حدیث **إذا خالفتم في الطريق الخ.**

← **وأدخلوه في المسجد، إن كان يضر بأصحاب الطريق، لايجوز، وإن كان لايضربهم رجوت أن لايكون به بأس، كذافي المضمرات وهو المختار، كذافي خزانة المفتين.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي‌عشر: في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٥٦، جديد ٢/ ٤٠٩)

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع وبجنبه طريق للمسليمن فأخذوا شيأمن الطريق وأدخلوه في المسجد: فإن كان لايضر بأصحاب الطريق رجوت أن لايكون به بأس. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٥٨، رقم: ١١٥٠٢)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد، المجلس العلمي ٩/ ١٢٦، رقم: ١١٣٤١۔

في فتاوى أبي الليث: سئل الفقيه أبوجعفر رحمه الله تعالى عن وقف بجنب المسجد، والوقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز، وينبغي أن يفعلوا ذلك بإذن الحاكم، وسئل أبوالقاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبة أوالرحبة مسجدا أويحدثوا له بابا أو يحولوا بابه عن موضعه وأبي البعض ذلك؟ قال: إذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم على ذلك فليس للأقل منعهم عنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٥٧، رقم: ١١٥٠٠

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد، المجلس العلمي ٩/ ١٢٥، رقم: ١١٣٣٩۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کے لئے محل استناد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ طحاوی نے تو اس کو بیان کیا ہے کہ بلاد مفتوحہ میں ابتداءً جوطریق بنائے جائیں تو رفع اختلاف کے واسطے یہ حدیث کذافی حاشیۃ البخاری؟

الجواب: (۱) **في الدرالمختار: جعل شيئ من الطريق مسجدا لضيقه ولم يضر بالمارين جاز. وفي رد المحتار: قوله: لضيقه ولم يضر بالمارين أفاد أن الجواز مقيد بهذين الشرطين.** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر طریق کا کوئی جزو مسجد میں داخل کردینے سے اہلِ طریق کو ضرر ہوتو جائز نہیں اور ضرر کا مدار عُرف پر ہے اور یقینی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ دو گاڑیاں آمنے سامنے آنیوالیاں نکل جائیں ایک ہی گاڑی کی جگہ رہنا عرفاً ضرر اور موجب حرج ہے جیسا کہ اہل ذوق سلیم پر مخفی نہیں؛ اس لئے صورۃ مسئولہ میں راستہ کا مسجد کے اندر دبالینا جائز نہیں (۲) اور اگر مسجد میں بالفعل تنگی نہ ہو تو عدم جواز کی دو علتیں جمع ہوجائیں گی۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله ﷺ إذا اختلفتم في الطريق جعل عرضه سبعة أذرع. رواه مسلم. يعنى إذا كان طريق بين أرض قوم أرادوا عمارتها، فإن اتفقوا علىٰ شيئ فذاك وإن اختلفوا في قدره جعل سبعة أذرع هذا مراد الحديث. وأما إذا وجد طريق مسلوك وهو أكثر من سبعة أذرع فلا يجوز لأحد

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب: في جعل شيئ من المسجد طريقا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٤، كراچي ٣٧٧۔

(۲) **قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد، أخذ وا من الطريق وأدخلوه في المسجد، إن كان يضر بأصحاب الطريق، لايجوز.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي‌عشر: في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٥٦، جديد ٢/٤٠٩)

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد، وأخذوامن الطريق وأدخلوه في المسجدإن كان ذلك يضربالطريق لايجوز وإلا فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف، قبيل كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٢٨، كوئٹه ٥/٢٥٥)

حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، قبيل كتاب البيوع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٧٤، امدادية ملتان ٣/٣٣١۔

أن يستولي علىٰ شيئ منه؛ لكن له عمارة ما حواليه من الموات وتملكه بإحياء بحيث لايضر المارين. اه لمعات وطيبي وسيد. (۱)

تفسیر مذکور سے حدیث کی مراد معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مبحوث عنہا میں اس سے اسناد نہیں ہوسکتا باقی اس کا جواز وناجواز ضرر وعدم ضرر پر دائر ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں لکھا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی، ص ۱۷۴)

نابالغ کی زمین میں مسجد بنانے کا عدم جواز

سوال (۱۵۵۷): قدیم ۲/ ۶۹۱ - ایک قریہ ہے کہ جس کی آبادی قریب ساٹھ گھر کے ہے جس میں صرف بیس آدمی نمازی ہیں اور باقی کچھ عورتیں ہیں اور نابالغ لڑکے لڑکیاں ہیں اور قریہ میں مسجد قدیم ہے اور اس کے قریب تخمیناً پچیس قدم کے فاصلہ پر ایک مکان گرا ہوا تھا اور کھاتہ اُس کا مشترک تھا جس کے کچھ وارث بالغ ہیں اور کچھ نابالغ ہیں یتیم بھی، اب بعض لوگوں نے اس مکان مشترکہ کی جائے میں بغیر اجازت یتیموں کے جو کہ اس میں شریک تھے مسجد جدیدہ محض بوجہ عداوت مسجد قدیم کے اور واسطے ازالہ حق امام جی کے بنائی ہے اور مسجد قدیم سے قرأت کی آواز مسجد جدید میں بخوبی جاتی ہے اور وقت بنائے مسجد جدید کے ڈھول بجاتے رہتے ہیں شرعاً اُس مسجد جدید کا کیا حکم ہے مسجد ضرار کا حکم ہے یا نہیں اور مسجد قدیم کو چھوڑ کر مسجد جدید میں عداوت سے نماز پڑھنی اور جماعت کرانی جائز ہے یا نہیں بحوالہ کتب جواب عنایت فرماویں اور جواب کے منتظر ہیں آپ کے جواب پر فیصلہ ہوگا؟ فقط

---

(۱) مشكاة شريف مع الحاشية، كتاب البيوع، باب الشفعة، الفصل الأول، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۲۵٦ـ

لمعات التنقيح، كتاب البيوع، باب الشفعة، الفصل الأول، دارالنوادر ٥/ ٦٣٥، رقم: ۲۹٦٥ـ

مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب قدرالطريق إذااختلفتم فيه، النسخة الهندية ۲/ ۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۳ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اوّل تو اس مسجد ثانی کی بناء نیت خالصہ پر نہیں دوسرے حق غیر میں ہے اور غیر بھی ایسا ہے کہ جس کا اذن شرعاً غیر معتبر ہے؛ لہٰذا یہ مسجد کے حکم میں نہیں (۱) اور اس میں نماز پڑھنا اور مسجد قدیم کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (۲) والمسئلۃ ظاہرۃ واللہ اعلم

۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اوّل، ص ۱۲۲)

---

(۱) **إن تزويق المساجد وتحسينها إذا كان يلهي المصلين ويشغل قلوبهم فهو مجمع على كراهته، والأمر الثاني: إذا كان هذا مباهاة ورياء وسمعة فهو أيضا مكروه بل بناء المسجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضا فضلا عن التزيين والتحسين.** (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، مطبع سهارنپور قديم ١/٢٥٩)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرى للبيهقي، قبيل باب من غصب جارية فباعها إلخ، دارالفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه. (سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٢، رقم: ٢٧٦٢)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/٦١، رقم: ٩٦)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغضب، مطلب فيما يجوز التصرف بمال الغيربدون إذن صريح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٩١، كراچي ٦/٢٠٠۔

قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠۔

تصرفات ضارة بالصغير ضررا محضا وهي التي يترتب عليها خروج شيئ من ملكه من غير مقابل، كالهبة والصدقة والوقف وسائر التبرعات والطلاق والكفالة بالدين، وهذه لاتصح منه بل تقع باطلة ولاتنعقد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/١٥٩)

(۲) **إن غصب دارا فجعلها مسجدا لايسع لأحد أن يصلى فيه ولا أن يدخله، وإن جعلها مسجدا جامعا لايجمع فيه.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢٠، جديد ٥/٣٧٠)

وفي الواقعات: بنى مسجدا على سورالمدينة لاينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة فلم يخلص لله تعالى كالمبني في أرض مغصوبة، ثم قال: ومدرسة السليمانية في دمشق مبنية ←

بانی کے منع کرنے کے وقت مرمت کے لئے مسجد کو منہدم کرنا جائز نہیں

سوال (۱۵۵۸): قدیم ۲/ ۶۹۱ - ایک مسجد مقام اکلترہ ضلع بلاسپور میں میرے بھائی حاجی الٰہی بخش صاحب نے پانچ چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے تیار کی ہے مگراب کچھ لوگ بالکل شہید کر کے دوبارہ پتھر کی بنوانا چاہتے ہیں اوراس وقت مسجد میں صرف شکایت یہ ہے کہ ایام بارش میں کچھ پانی چھت کی وجہ سے آتا ہے۔ اب حاجی صاحب شہید کرنے سے روکتے ہیں اور وہ لوگ نہیں مانتے اس حالت میں اگر حاجی صاحب خرچ تعمیر مسجد کا اُن لوگوں سے لینا چاہیں تو اس کا کیا مسئلہ ہے جو کچھ حکم حدیث فرمان رسول اللہ ﷺ سے مناسب ہو تحریر فرمایئے۔

الجواب: اگر چھت کی شکایت ہے تو چھت کی مرمت کافی ہے بلاضرورت پوری مسجد شہید کرنا درست نہیں (۱) اور چونکہ بانی مسجد متولی ہونے میں سب سے مقدم ہے؛ لہٰذا بانی مسجد اس فعل سے روک سکتا ہے (۲) اورمنہدم کرنے والوں سے تاوان لاگت کا لے سکتا ہے لیکن اُس کو اپنے خرچ میں نہیں لاسکتا؛ بلکہ مسجد میں لگانا واجب ہوگا۔

۲۵/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی، ص ۱۱۱)

← **في أرض المرجة التي وقفها السلطان نورالدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة، فتلك المدرسة خولف في بنائها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع، فالصلاة فيهامكروهة تحريما في قول، وغيرصحيحة له في قول أخر كما نقله في جامع الفتاوى.** (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة إلخ، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٥، كراچي ١/ ٣٨١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانيا أحكم من البناء الأول، ليس له ذلك لأنه لاولاية له، كذا في المضمرات.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٥٧، جديد ٢/ ٤١٠)

شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٦، كراچي ٤/ ٣٥٧۔

سئل أبو القاسم عمن أراد أن يهدم مسجدا ويبنيه أحكم من بنائه الأول؟ قال: ليس له ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون، في المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٦٢، رقم: ١١٥١٤)

(۲) **تنازع أهل المحلة والباني في عمارته أونصب المؤذن أوالإمام فالأصح** ←

گورنمنٹ کا مسجد کے لئے زمین دینا اور اُس میں مسجد بنانا

سوال (۱۵۵۹): قدیم ۲/۶۹۲- گورنمنٹ (یعنی انگلش گورنمنٹ جو حکومت غیر مسلمہ تھی) اگر مسجد کے لئے کوئی زمین بالکل دیدے اور اُس کو واپس نہ لے اور اُس پر لوگ نماز پڑھنے لگیں تو آیا یہ وقف گورنمنٹ کا مسجد کے لئے درست ہوگا اور اُس زمین پر مسجد کا حکم شرعاً جاری ہوگا یا نہ۔ ظاہری آیت تو اس کے منافی ہے اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہ یہ ہے کہ: **إنما يعمر مساجد الله من اٰمن بالله واليوم الاٰخر الخ** (۱)؟

الجواب: وقف علی المسجد حکم میں وصیۃ للمسجد کے ہے اور غیر مسلم اگر مسجد کے لئے وصیت کرے تو اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اُس کو قربت سمجھے تو صحیح ہے ورنہ نہیں پس اگر گورنمنٹ کے اعتقاد میں یہ قربت ہو تب تو ظاہر ہی ہے کہ صحیح ہے اور اگر اُس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو اُس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ زمین جو گورنمنٹ دیتی ہے وہ حقیقت میں رعایا کی ہوتی ہے اور ممبران میونسپلٹی کے مشورہ سے دیتی ہے اور ممبران میونسپلٹی وکیل ہوتے ہیں رعایا کے اور ہر چند کہ ہر ہر شخص رعایا میں سے اُن کی توکیل پر اپنی رضامندی ظاہر نہیں کرتا مگر اہل حل وعقد کی رضا تمام قوم کی رضا ہے اور رعایا میں یا ہندو ہیں یا مسلمان اور اکثر ہندو بھی ایسے مصارف کو قربت اعتقاد کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ وقف جائز ہے۔ (۲)

← **أن الباني أولى به إلا أن يريد القوم ماهو أصلح منه.** (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤١٨/٥، كوئٹه ٢٤٩/٥)

بنى مسجدا في محلة فنازعه بعض أهل المحلة في العمارة، فالباني أولى مطلقا. (بزازية، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد و ما يتصل به، مكتبه زكريا جديد ١٤٣/٣، وعلى هامش الهندية ٢٦٩/٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة التوبة، آیت: ۱۸۔

(۲) **وجملة الكلام في وصايا أهل الذمة أنها لاتخلوا: إما إن كان الموصى به أمرا هو قربة عندنا وعندهم أو كان أمرا هو قربة عندنا لاعندهم وإما إن كان أمرا هو قربةعندهم لاعندنا، فإن كان الموصى به شيأ هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصى بثلث ماله أن يتصدق به على فقراء المسلمين أو على فقراء أهل الذمة أو بعتق الرقاب أو بعمارة المسجد الأقصى** ←

اور مسجد جو اُس سرزمین میں بنی ہے مسجد ہے اور آیۃ کا مطلب دوسرا ہے جو بندہ کی تفسیر میں مذکور ہے۔(١)

٩/ جمادی الاُخریٰ ١٣٢٨ھ (تتمۂ اول،ص ١٢٨)

← **ونحو ذلک جاز في قولهم جميعا لأن هذا مما يقرب به المسلمون وأهل الذمة.** (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل في شرائط ركن الوصية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٤٣٩)

إن وصايا الذمي على أربعة أقسام ...... ومنها إذاأوصي بما يكون قربة في حقناوفي حقهم كما إذا أوصي بأن يسرج في بيت المقدس أو يغزي الترک وهو من الروم وهذا جائز سواء كان القوم بأعيانهم أوبغير أعيانهم لأنه وصية بما هو قربة حقيقة وفي معتقدهم أيضا .

(هداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي، مكتبه أشرفية ديوبند ٤/٦٨٩-٦٩٠)

ولوأوصى (ذمي) بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين أو يبنى به مسجد للمسلمين إن كان ذلک لقوم بأعيانهم صحت الوصية وتعتبر تمليكا لهم وكانوا بالخيار إن شاءوا حجوا به وبنوا المسجد وإن شاءوا، لا. (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثامن في وصية الذمي والحربي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٦/١٣٢، جديد ٦/١٥٢)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصى ببنائه أوترميمه إذالم يكن في ذلک ضرر ديني أوسياسي الخ. (تفسير مراغي سورة التوبة تفسير الآية:٧٤/٤١٧، الجزء العاشر، مكتبه تجارية)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عند نا وعند هم كالوقف على الفقراء أوعلى مسجد القدس.

(شامي، كتاب الوقف، مطلب: قديثبت الوقف بالضرورة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٢٤، كراچي ٤/٣٤١)

(١) **اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ.** [سورة التوبة، آيت: ١٨]

اس آیت کی تفسیر بیان القرآن میں ان الفاظ میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیے:

ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے یعنی علی وجہ الکمال ان سے مقبول ہوتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر دل سے ایمان لاویں اور جوارح سے اس کا اظہار بھی کریں مثلا اس طرح کہ نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ دیں اور اللہ پر ایسا توکل رکھتے ہوں کہ بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع یعنی وعدہ ہے کہ اپنے مقصود یعنی جنت تک پہنچ جاویں گے کیونکہ ان کا عمل بوجہ ایمان کے مقبول ہوگا اس لئے آخرت میں نفع ہوگا اور مشرکین اس شرط سے محروم ہیں پس ثمرہ عمل سے بھی محروم ہیں اور عمل بے ثمر فخر لاحاصل۔(بیان القرآن، سورۃ التوبۃ، آیت: ١٨، مکتبہ تاج، پبلشرز دہلی ٤/ ١٠٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہ عام کے لئے الخ

سوال (۱۵۶۰): قدیم ۲/۶۹۲ - گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہِ عام کے لئے ایک شفا خانہ بنانا چاہتی ہے اُس آراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں اُن کو گورنمنٹ اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دینا مشکل ہے البتہ شفا خانہ کے مریضوں اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اُس کے تحفظ کے لئے احاطہ اُس کا بھی بنا دینے کو کہتی ہے سوال یہ ہے اس صورت کو اگر مسلمان منظور کرلیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرے عارضی۔ صورت مسئولہ میں حکم اصلی یہی تھا کہ مسجد ہر طرح آزاد ہیں اُن میں کسی وقت کسی کو نہ نماز پڑھنے سے ممانعت کی جاوے نہ آنے سے إلا لمصلحة المساجد اور یہ حکم اُس وقت ہے جب مسلمان بدون کسی شورش کے (یعنی بدون وقوع في الخطر یا لحوق ضرر بالمسلمین کے) اس پر قادر ہوں اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کی جاتی ہے اس پر رضامند ہو جاویں اور یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہ ہوں نظیر اُس کی مسجد الحرام ہے جب تک اُس پر مشرکین مکہ مسلّط رہے حضور اقدس ﷺ وہاں نماز بھی پڑھتے رہے بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے مکہ میں تشریف لائے اور مشرکین نے نہیں آنے دیا پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کے لئے تشریف لاویں اور عمرہ کر کے چلے جاویں آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اُس وقت ہوا جب تسلط نہ تھا عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرما دیا اُس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا گیا پس یہ تو تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں اور گورنمنٹ کا مساجد مذکورہ کی مرمت کا وعدہ کر لینا اس کی بھی مسجد حرام میں ایک نظیر ہے کہ مشرکین نے اس کی تعمیر کی اور آپ نے قدرت کے وقت بھی اُس تعمیر کو باقی رکھا البتہ اس وعدہ میں اتنی ترمیم کی درخواست مناسب ہے کہ جس مسجد کو صرف احاطہ سے محفوظ کر دینا چاہتے ہیں اُس کو بھی مسجد کی ہی صورت پر بنا دیں گو چبوترہ ہی بنا دیں اور اگر کوئی قوی مجبوری ہو تو احاطہ پر قناعت کریں لیکن ایک پتھر کندہ کر کے نصب کر دیں (۱)۔ عاشر رجب ۱۳۴۹ھ

---

(۱) اگر مسجد ویران ہو جائے اس میں کوئی نماز پڑھنے والے نہ ہو تب بھی وہ جگہ مسجد ہی رہتی ہے، اس لئے پتھروں کا کندہ کر کے نصب کر دیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ مسجد ہے کبھی بھی آباد ہو سکے۔ ←

نئ مسجد میں پُرانی شامل کرنے سے پُرانی کی آبادی ہوگی یا نہیں

سوال (۱۵۶۱): قدیم۲/۲۹۳- پُرانی مسجد نئ مسجد کے صحن میں شامل کردی گئی اُس میں کوئی عمارت نہیں بنائی گئی تو کیا نئ مسجد کے سامنے کے صحن میں یا اندر نماز پڑھنے سے پُرانی مسجد بھی آباد سمجھی جائے گی یا خاص پُرانی مسجد کی زمین میں نماز ضروری ہے؟۔

الجواب: اس سے وہ بھی آباد ہوگئی الحمدللہ۔(۱) فقط

۲۸/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اوّل، ص ۱۳۲)

← **ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقي مسجدا عندالإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أوغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥ ـ

قال محمد: إذا خرب وليس له مايعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أولخراب القرية أولم يخرب لكن خربت القرية بنقل أهلها واستغنوا عنه فإنه يعود إلى ملك الواقف أوورثته، وقال أبويوسف: هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لايعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

فإن خرب ماحول المسجد واستغنى الناس عن الصلاة فيه فعلى قول أبي يوسف رحمه الله لايعود إلى ملك الثاني ولكنه مسجد كماكان. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف، درالكتب العلمية بيروت ١٢/٤٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **قال ركن الصباغي: كمايجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين، فلهم أن يجعلوا المسجدين واحدا لإقامة الجماعة، أما للتذكير والتدريس فلالأنه مابنى له وإن جازفيه، كذا في القنية.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس: في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢٠، جديد ٥/٣٧٠)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٢، كوئٹه ٢/٣٥ ـ ←

مسجد کی ہیئت کو بدلنے کا حکم

سوال (۱۵۶۲): قدیم ۲/۶۹۳ - ہمارے محلّہ کے مسجد پُرانی عمارت اور نشیب میں واقع ہے لہٰذا اُس کی کرسی ہم کسی قدر اونچی کر کے اُس کی قدیم بنیاد پر نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ جماعت خانہ عرض وطول میں زیادہ ہے اور صحن کم ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ جانب جنوب تھوڑا حصہ جماعت خانے کا خارج کر کے جماعت خانہ سے لے کر صحن میں لے لیا جاوے یا اُس خارج حصّہ کو دو تین کمان لے کر بشکل سہ دری کر دیا جاوے اطلاعاً عرض ہے کہ اس میں اس طرح کے تغیر وتبدل سے کچھ شرع مانع تو نہیں ہے؟ اس کے اوامر ونواہی سے جیسا ہو حکم نافذ فرما کر مشکور فرماویں۔ بینوا توجروا

الجواب: سُنا گیا ہے کہ اُن اطراف میں صحن مسجد کے ساتھ معاملہ مسجد کا سا نہیں کرتے، اگر یہ صحیح ہے تو جماعت خانہ کا کوئی حصہ صحن میں شامل کرنا درست نہیں ورنہ اُس کو لوگ مسجد سے خارج سمجھیں گے اسی طرح سہ دری یا ایسی کوئی چیز بنانا جس کے بننے کے بعد دیکھنے والے اُس حصہ کو مسجد سے خارج سمجھیں جائز نہیں اور اگر یہ بات نہ ہو تو صرف نیچے سے اونچی کر دینا یا زائد کر دینا مضائقہ نہیں خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر زمین اب مسجد سمجھی جاتی ہے اُس کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں۔(۱)

۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی، ص ۲۲)

← البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۴۱۹، کوئٹه ۵/۲۵۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته، هذا لايجوز.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: في الوقف على المسجد وتصرف القيم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲/۴۶۲، جديد ۲/۴۱۳)

ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى لايجوز له أن يجعل شيأ من المسجد مسكنا أو مستغلا. (خانية، باب الرجل يجعل داره مسجدا أو خانا أو سقاية أو مقبرة، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۳/۲۰۴، وعلى هامش الهندية ۳/۲۹۳) ←

مسجد میں مال تجارت رکھنے کا حکم

سوال (۱۵۶۳): قدیم ۲/۶۹۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی تاجر قرآن شریف اور عربی و فارسی و اُردو درسیہ وغیرہ کتابیں تجارت کی مسجد میں بکس میں بند کر کے رکھتا ہے اور مسجد سے نکال کر باہر کو فروخت کر کے مابقی مال پھر بکس میں رکھتا ہے اور تاجر مذکور کی اُس میں یہ غرض ہے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کرے دوسری جگہ میں اگر رکھا جائے تو جماعت میسر نہیں ہوتی پس اس صورت میں بکس میں رکھنا درست ہے یا نہیں اور تاجر مسطور مرتکب گناہ ہے یا نہیں؟۔

الجواب: احضار سلعہ جب معتکف ہی کے لئے ناجائز ہے تو دوسروں کے لئے کب جائز ہے(۱) اگر مسجد کے قریب کسی مکان میں یا حجرہ میں رکھا جاوے تو باذن متولی جائز ہے خواہ بکرایہ یا بلا کرایہ۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی، ص ۲۵)

← **أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، تاتارخانية، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئًا منه مستغلا ولا سكنى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

ولا يجوز للقيم أن يجعل شيأ من المسجد مسكنا أو مستغلا. (بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثامن في المتفرقات، مكتبه زكريا جديد ٣/١٥٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير أما الأول فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها ولهذا قالو: لا يجوز غرس الأشجار فيه، والظاهر أن الكراهة تحريمية لأنها محل إطلاقهم.** (البحرالرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٣١، كوئٹه ٢/٣٠٤)

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨

قال رحمه الله: وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير أما إحضار المبيع وهي السلع فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها وجعله كالدكان. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٢٩، إمدادية ملتان ١/٣٥١) ←

مسجد میں قیمت کی ادائیگی کا حکم

سوال (۱۵۶۴): قدیم۲/۶۹۴- ایک شخص کوئی چیز خارج مسجد فروخت کر کے مسجد میں چلا آیا نماز کے لئے یا یوں ہی تو اُس کی قیمت مسجد میں ملے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: أحكام المسجد وكل عقد إلا لمعتكف. وفي رد المحتار: الظاهر أن المراد به عقد مبادلة. الخ(۱)

چونکہ یہ عقد نہیں ہے عقد سے جو واجب ہوا تھا اُس کا تسلیم کرنا ہے اس لئے یہ جائز ہوگا۔ ۱۱/محرم ۱۳۳۳ھ

مساجد میں بجلی کی روشنی کا حکم

سوال (۱۵۶۵): قدیم۲/۶۹۵- خادم نے آتش پرستوں کو دیکھا ہے کہ لالٹین کے سامنے شب کو کھڑے ہو کر پرستش کرتے ہیں اب عام طور پر مسجدوں میں بجلی کی روشنی سر پر رہتی ہے یا سامنے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ اس سے مسجد کی زینت ہے؛ حالانکہ زینت مسجد کی نماز پڑھنے والوں سے ہے جو بہت مشکل سے مسجد میں آتے ہیں خیر خادم ایک کونہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتا ہے امام کے پیچھے اب نہیں کھڑا ہوتا سب سے کہا ہے کہ روشنی بجلی کی ایک جانب مسجد کے کر دی جاوے کہ کسی قسم کا شک شبہ نہ رہے، حضور دعاء فرماویں اور خادم اس روشنی سے علیحدہ رہے یا نہیں؟ جو حکم ہو

الجواب: في الدرالمختار مكروهات الصلوٰة. أو شمع أو سراج أو نار توقد لأن المجوس إنما تعبد الجمر لاالنار الموقدة قنية وفي رد المحتار تحت قوله. أو شمع وعدم الكراهة هو المختار كما في غاية البيان إلىٰ اٰخر ماقال. (۲)

← **وكره أي تحريما لأنها محل إطلاقهم إحضارمبيع فيه لأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها.** (الدرالمختارمع الشامي، كتاب الوقف، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۴۰، كراچي ۲/۴۴۹)

هداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۳۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها مطلب: في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۳۶، كراچي ۱/۶۶۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب: الكلام على اتخاذ المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۲۳، كراچي ۱/۶۵۲۔ ←

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور مختار عدم کراہت کو لکھا ہے لیکن جب علت کراہت کی عبادت ہے اور سوال میں عبادت سراج کا مشاہدہ ظاہر کیا ہے تو احتیاط راجح ہے لیکن ضرورت بھی جالب تیسیر ہوتی ہے اگر اس سے تحرز دشوار ہو گنجائش کا حکم دیا جاوے گا اور اگر آسانی سے انتظام ہو جاوے تو اختلاف واشتباہ سے بچنا عزیمت ہے۔(ا) واللہ اعلم

سلخ شوال ۱۳۵۴ھ (النور، ص ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

مسجد منہدم کر کے دوسری جگہ بڑی مسجد بنانے کا حکم

سوال (۱۵٦٦): قدیم ۲/ ٦۹۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلّہ پر تنگ ہے اور اُس کے گرداگرد جگہ نہیں ملتی یا مل سکتی ہے؛ لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں؛ کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کر سکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں

← **واختلف فيمن صلى وبين يديه شمع أو سراج، فقيل: يكره والصحيح أنه لا يكره.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع، ما يكره للمصلي وما لايكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢١٠، رقم: ٢١٩١)

ذكر في غاية البيان اختلاف المشايخ في التوجه إلى الشمع أو السراج والمختار أنه لا يكره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٦، كوئٹه ٢/ ٣٢)

وكذا لا تكره الصلاة إلى مصحف أو سيف معلق موضوع بين يديه لأنهما لا يعبدان أو شمع أو سراج هذا هو المختار كما في غاية البيان. وقيل: يكره كما لو كان بين يديه جمر أو نار توقد قال التمرتاشي: وهو الأصح لأنهما لا يعبدهما أحد وفي القنية المجوس يعبدون الجمر لا النار الموقدة حتى لا تكره النار الموقدة انتهىٰ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسده الصلاة وما يكره فيها، قبيل فصل فيما يكره خارج الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٦)

(ا) **في الحجة: إذا صلى وبين يديه سراج يضئ فلا بأس به، والأولىٰ أن لا يوجهه.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢١٠، رقم: ٢١٩٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ورنہ دوسری بھی بہ مشکل تمام نہیں ہوسکتی کیا اس صورت میں اہل محلّہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلّہ میں پہلی مسجد کے سامان اور زائد روپیہ لگا کر تیار کر سکتے ہیں یا نہ؟ اگر کر سکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جاوے مدلل ومبرہن طور سے بیان فرمایا جاوے۔

الجواب: ایک مسجد کا قصداً منہدم کرنا دوسری مسجد کے لئے کس طرح جائز ہوسکتا ہے(۱) دوسری مسجد سادہ خالی از تکلفات بنالیں جس قدر کی وسعت ہو۔ تا کہ سہولت سے تیار ہو جاوے مسجد نبوی کی تعمیر خود حضور ﷺ نے کس قدر سادہ فرمائی تھی اس طرح اب بھی کچّی خس پوش بنا سکتے ہیں، پھر خدائے تعالیٰ کسی کو توفیق دے گا وہ پختہ کرلے گا جس طرح مسجد نبوی کو حضرت عثمانؓ نے بعد میں مستحکم و رفیع الشان بنا دیا۔

یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۲۲)

مسجد کی درستگی کے بعد بچی ہوئی زمین کا حکم

سوال (۱۵۶۷): قدیم ۲/ ۶۹۶ - (۱) ایک مسجد تیار شدہ رُخ بقبلہ نہ تھی اور شہید کرا کر از سرِ نو رُخ بہ قبلہ بنایا گیا تو ایک گوشہ تخمیناً دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا مع آثار ایک جانب بچ گیا اُس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان میں کہ جس کی آمدنی خرچ مسجد ہی میں صرف ہوتی رہے لے لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کیونکہ مسجد تیار شدہ جدید میں اُس کا شریک ہونا اب ممکن نہیں ہے؟

---

(۱) **ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام. والثاني: أبدًا إلى قيام الساعة وبه يفتى فلا يعود ميراثًا، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي، وأكثر المشايخ عليه مجتبى، وهو الأوجه فتح.**

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٨، كراچي ٤/ ٣٥٨)

البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكن من ذلك. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٨، كراچي ٤/ ٣٥٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) اور چھوڑنے میں احتمال بے ادبی وغیرہ کا ہوسکتا ہے اگر اس صورت میں اُس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان مسجد میں شامل کرلیا جاوے کہ جس کی آمدنی مسجد ہذا ہی کے واسطے ہوتی ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) اور بصورت عدم جواز اُس کو کیا کیا جائے؟

الجواب: (۱) نہیں۔(۱)

(۲) کیوں ممکن نہیں بہت سے بہت اُس میں صفیں نہ کھڑی ہوں باقی منفرد کے فرائض کے لئے اور سنن کے لئے اس کو رکھا جاوے اور مسجد کا جزو بنادیا جاوے۔

(۳) اور اس میں کیا بے ادبی نہ ہوگی۔

(۴) اوپر لکھدیا ہے۔

۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص ۱۵۰)

---

(۱) **أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق. تاتارخانية فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئًا منه مستغلا ولا سكنىٰ.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨)

قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر: في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/٤٦٢، جديد ٢/٤١٣)

ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه قال الفقيه أبو الليث رحمة الله تعالىٰ لا يجوز له أن يجعل شيئا من المسجد مسكنًا أو مستغلا. (خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدًا، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣/٢٩٣، جديد ٣/٢٠٤)

بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثامن في المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٥٣، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/٢٨٥۔

قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في المسجد أو في فنائه لا يجوز له أن يفعل؛ لأنه إذا جعل المسجد سكنا تسقط حرمة المسجد. (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٢١٩، كوئٹه ٥/٤٤٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دفن کی اجرت لینے اور دوسرے کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال (۱۵۶۸): قدیم ۲/ ۶۹۶ - بعد سلام مسنون عرض ہے زید نے ایک زمین خرید لیا بعض میں مسجد بنایا اور بعض میں قبرستان مگر قبرستان اس شرط پر لیا ہے کہ جو آدمی یہاں مردہ دفن کرے گا وہ پچاس روپے دے گا مسجد کے خرچ کے واسطے۔ اور اُس جگہ میں مردہ کے وارث کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں یعنی جب چار یا پانچ سال گزر جانے کے بعد قبر سابق گر جانے سے پھر زید وہ جگہ دوسرے شخص کو دے گا۔ پچاس روپے سے مسجد کے خرچ کے واسطے زید اپنے تصرّف میں یہ روپیہ نہیں لاتا محض مسجد کے واسطے یہ طریقہ نکالا ہے اور زید کہتا ہے میں تو زمین بکری نہیں کرتا بلکہ مردہ کے دفن کرنے سے پچاس روپیہ لے لوں گا یکے بعد دیگرے ایسا کروں گا اور مسجد کی آمدنی زیادہ ہوگی یہ ماذکرہ شریعت رسول اللہ ﷺ میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

اور اس مُلک میں مالک زمین ہندو ہیں اور قابض مسلمان ہے مگر مسلمان ایسا قابض ہے کہ ہندو اُس کو بے دخل نہیں کرسکتا قانون انگریزی کے ذریعہ سے مسلمان کو اختیار تام ہے وہ اس زمین میں مکان، قبرستان، مسجد یہ سب بنا سکتا ہے مگر اُس مالک ہندو کو ضرور خزانہ دینا ہوگا جو پہلے سے مقرر رہا ہے۔ اب مسلمان اس ماذکرہ زمین کو قبرستان وغیرہ کے واسطے وقف کرسکتا ہے یا نہیں شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی؟ بینوا توجروا

الجواب: صحت وقف کی شرائط میں سے واقف کا مالک ہونا بھی ہے اور یہاں معدوم ہے؛ لہٰذا یہ وقف جائز نہیں (۱) اور بلکہ کوئی تصرف واستعمال بھی بدون مالک کی خوشی کے درست نہیں۔ (۲)

---

(۱) **ومن شرائطه الملک وقت الوقف حتی لو غصب أرضًا فوقفها ثم ملکها لا یکون وقفا.** (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۶۸)

الخامس من شرائطه الملک وقت الوقف، حتی لو غصب أرضًا فوقفها ثم اشتراها من مالکها ودفع الثمن إلیه، أو صالح علی مال دفعه إلیه لا تکون وقفًا. (البحر الرائق، کتاب الوقف، مکتبه زکریا دیوبند ۵/ ۳۱۴، کوئٹه ۵/ ۱۸۸)

هندیة، کتاب الوقف، الباب الأول، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۲/ ۳۵۳، جدید ۲/ ۳۴۸

(۲) **لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه.** (قواعد الفقه، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰) ←

اور اگر اپنی زمین مملوکہ کو بھی کوئی وقف کر کے اس طرح مردہ کے دفن ہونے پر روپیہ لے کر مسجد میں لگا دے یا بدون وقف ہی کے اس طرح سے کوئی روپیہ لیا کرے وہ بھی جائز نہیں کیونکہ حقیقت اُس کی کرایہ لینا ہے دفن مُردہ پر اور کرایہ کے لئے لازم ہے بیان مدّت اور یہاں یہ ممکن نہیں؛ لہٰذا یہ عقد حرام اور خلاف شرع ہے۔(۱)

۱۲/ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل وثانی، صفحہ ۱۱۸)

مسجد نبوی اور مسجد حرام کا ثواب جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا عام؟

سوال (۱۵٦۹): قدیم ۲/ ٦۹۷ - یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا تو یہ ثواب جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا منفرد کو بھی، اگر منفرد کو ہے جماعت کے ساتھ کس قدر کا ثواب ملے گا؟

الجواب: عام ہے اور جماعت کا اجر جدا ہے۔(۲)

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی ص ۹۹)

← **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦١، رقم: ٩٦)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچي ٦/ ٢٠٠)

(۱) جب اجرت لے کر دفن کی اجازت دی جارہی ہے تو میت کے گوشت ہڈی سب کچھ مٹی بن جانے تک کے لئے اجارہ ہوا ہے اور اس کے آثار ختم ہو جانے کے بعد اس جگہ دوسری میت کو دفن کے لئے با اجرت اجازت دے گا اور اجارہ کی صحت کے لئے مدت کی تعیین شرط ہے، ورنہ اجارہ فاسد ہو جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے:

لا تنعقد الإجارة (إلى قوله) ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علما يمنع المنازعة (إلى قوله) ومنها بيان المدة. (هندية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٠، قديم زكريا ٤/ ٤١٠-٤١١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصىٰ بخمسين ألف صلاة، ←

مسجد میں ٹہلنے کا حکم

سوال (۱۵۷۰): قدیم ۲/ ٦٩٧ - مسجد کے اندر ٹہلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں عمل غیر موضوع لہ المسجد کرنا قصداً و اعتیاداً نا جائز ہے اور یہ مشی بھی ایسی ہی ہے: لہٰذا منع کیا جاوے گا۔ (۱)

۹/ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ، ص ۱۷)

← **وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة، وصلاته في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة .** (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع، النسخة الهندية ١/ ١٠٢، دار السلام رقم: ١٤١٣)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام. (بخاري شريف، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، النسخة الهندية ١/ ١٥٩، رقم: ١١٧٧، ف: ١١٩٠)

مسلم شريف، كتاب الحج، باب فضل الصلاة لمسجدي مكة والمدينة، النسخة الهندية ١/ ٤٤٦، بيت الأفكار رقم: ١٣٩٤ـ

وهذا مع قطع النظر عن التضعيف بالجماعة، فإنها تزيد سبعًا وعشرين درجة كما تقدم في أبواب الجماعة. (فتح الباري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، قبيل باب مسجد قباء، دارالفكر بيروت ٣/ ٨٢، مكتبه اشرفية ديوبند ٣/ ٨٧، تحت رقم الحديث: ١١٩٠)

(۱) **عن أبي هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليک، فإن المساجد لم تبن لهذا.** (مسلم شريف، المساجد، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، النسخة الهندية ١/ ٢١٠، بيت الأفكار رقم: ٥٦٨)

قال الملا علي القاري تحت قوله عليه السلام (من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد) ...... يدخل في هذا الأمر كل أمر لم يبن له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلک. (مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، امدادية ملتان ٢/ ١٩٩) ←

مسجد میں مٹی کے تیل سے لالٹین جلانے کا حکم

سوال (۱۵۷۱): قدیم ۲/ ۶۹۸ - مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز نہیں چونکہ لالٹین کی وجہ سے بو کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اگر بو کی وجہ سے منع ہے تو بو تو چراغ میں جو دین (یعنی روغن تلخ ۱۲) کا تیل جلتا ہے اُس میں بھی ہوتی ہے اور اس کے بجھانے کے وقت بھی ہوتی ہے؟۔

الجواب: لالٹین کے اندر بھی بدبو محسوس ہوتی ہے؛ لہٰذا اس طرح بھی منع کیا جائے گا (۱) اور چراغ میں جو تیل عادۃً جلتے ہیں اُن میں بدبو نہیں ہوتی اور بجھانے سے جو بدبو پھیلنا لکھا ہے اوّل تو وہ ایسی بدبو نہیں دوسرے ضرورت ہے۔ فلا یصح القیاس.

۹/ ربیع الاوّل ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ، ص ۱۷)

← **وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة، لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى به بنو آدم، متفق عليه وعن حديث الدنيا، وعن البيع والشراء وإنشاد الأشعار، وإقامة الحدود، ونشدان الضالة والمرور فيها لغير ضرورة ورفع الصوت، وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ونحوها.** (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٠-٦١١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى مما يتأذى منه الإنس.** (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۹، بيت الأفكار رقم: ٥٦٤)

ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أو غيره وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره. أيضًا بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة. (إعلاء السنن، أبواب أحكام المساجد، باب كراهة الدخول من أكل الثوم والبصل، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ۱۸۷)

شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٣٥، كراچي ۱/ ٦٦١۔ ←

سوال (۱۵۷۲): قدیم ۲/ ۶۹۸ - فتاویٰ رشیدیہ حصہ دویم صفحہ ۶۱ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مٹی کا تیل جلانا اور دیا سلائی مسجد میں حرام ہے؟ (۱)

اب عرض یہ ہے کہ مسجدوں میں چراغ بغیر دیا سلائی جلانے کی کوئی صورت نہیں اور چراغ جلانا بھی ضروری ہے؛ لہٰذا اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب: کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ باہر چراغ روشن کر کے مسجد میں لا کر رکھ دیں۔

تتمہ نمبر ۱: بوجہ ضرورت اس میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کو انتظام بالا میں دشواری و تنگی ہو اُس کے لئے اجازت ہوسکتی ہے۔ (۲)

تتمہ نمبر ۲: اور بصورت عدم گنجائش دیا سلائی مسجد میں دینے والا بسبب اعانت حرام کے حرام کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: یہ اعانت نہیں کیونکہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل متخلل ہے۔ (۳)

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

← **ھٰھنا أبحاث: الأول فیما تصان عنه المساجد یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة لقول علیه السلام من أکل الثوم والبصل والکراث فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی به بنو آدم.** (حلبي کبیری، فصل في أحکام المسجد، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ٦١٠)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ، کتاب: وقف کے مسائل مسجد کے احکام کا بیان، مکتبہ زکریا دیوبند ص: ۵۲۰، رقم: ۹۱۶

(۲) **الضرورات تبیح المحظورات.** (قواعد الفقه، مکتبه اشرفیة دیوبند ص: ۸۹، رقم: ١٧٠)

الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، قدیم ص: ١٤٠، مکتبه زکریا دیوبند ١/ ٢٥١۔

(۳) **إنما تحصل المعصیة بفعل فاعل مختار.** (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٥٦٢، کراچي ٦/ ٣٩٢)

تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ٧/ ٦٤، امدادیة ملتان ٦/ ٢٩۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

ضرورت کے وقت مسجد منتقل کرنے کا حکم

سوال (۱۵۷۳): قدیم ۲/ ۶۹۸ - ضلع اکیاب علاقہ تھانہ راسیدنگ سراپرنگ نام ایک گاؤں میں پچاس ساٹھ گھر مسلمان بستے ہیں اسی ایک مختصر بستی میں دو مسجدیں ہیں ایک میں پنج گانہ اور جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے وہ مسجد بستی کے اندر ہے اور ایک مسجد بستی سے خارج ہے پنج گانہ نہیں ہوتی فقط جمعہ پڑھا جاتا ہے بستی سے کسی قدر فاصلہ اور برسات میں آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ عشاء کی اذان ہونے میں بھی اندھیرے اور تنہائی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے بانی مسجد چاہتا ہے کہ اُس مسجد کو مع آلات واسباب اُٹھا کر اپنے خرچ سے محلّہ اور بستی کے اندر مناسب مقام میں لادے یہ نقل مسجد مع اسباب وآلات جائز ہے یا نہیں (الف) مسجد کی دیوار تختہ لکڑی کی ہے چھت ٹین کی پختہ کوئی کام نہیں؟

(ب) مسجد کے نقل کرنے میں مسجد کے متعلق سب لوگ خوش ہیں کسی کا کسی طرح اعتراض نہیں؟

(ج) اگر مزعوم مقام میں نقل کی جائے پنج گانہ ادا ہوکے اور ہر طرح رونق اسلام کی ترقی میں کچھ شبہ نہیں؟

سوال: اگر اسی مسجد میں کچھ جائداد وقف کردہ شدہ ہو اُس کی آمدنی سے اس کی نقل وحرکت کے خرچ اور مسجد جدید کے اخراجات مانند مسجد اوّل کے ادا کرنا واقف یا اُس کے متولی کو جائز ہوگا یا نہیں اگر کوئی روایت فقہی نقل کی جاسکے تو بہت بہتر ہے یہ سوال فرضی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے بعض مولوی منع کرتے ہیں بانی مسجد ومتولی سخت پریشان ہیں احناف کے مذہب کے مطابق اُس بستی میں جمعہ نہیں ہوگا اگر پنجگانہ بھی نہ ہوتو وہ مسجد کس کام کی؟

الجواب: في رد المحتار: وفي جامع الفتاویٰ لهم تحويل المسجد إلیٰ مكان اٰخر إن تركوه بحيث لايصلی فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه و صرفه ثمنه في مسجد اٰخر اه سائحاني ج: ۳، ص: ۵۷۲. (۱)

---

(۱) شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۵۴۷، كراچي ۴/۳۵۷۔

في الدر المختار (في صورة الاستغناء) فيصرف وقف المسجد والرباط والبشر والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض. وفي رد المحتار: لكن علمت أن المفتى به قول أبي يوسف أنه لايجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد اٰخر كما مرعن الحاوى. ج: ٣، ص: ٥٧٤. (١)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں۔ (٢)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٩/٦، كراچي ٣٥٩/٤ ـ

(٢) **وفي الأجناس: إذا خرب المسجد و لا يعرف بانيه وبنى أهل المسجد مسجدًا آخر، ثم أجمعوا على بيعه واستعانوا بثمنه في المسجد الآخر فلا بأس به، قال أبو العباس الناطفى في الأجناس: وقياسه في وقف هذا المسجد أنه يجوز صرفه إلى عمارة مسجد آخر إذا لم يعرف الواقف و لا ورثته، فأما إذا عرف للمسجد بان فليس لأهل المسجد أن يبيعوه، وما ذكر من الجواب إذا لم يعرف بانيه قول محمد لا قول أبي يوسف وفي النوازل: قيل له: وإن كان لم يخرب؛ ولكن أعطاهم رجل موضع المسجد؟ قال: ليس لهم أن يبيعوا هذا المسجد حتى صار بحال لا يصلى فيه.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون: في المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ١٦٦/٨، رقم: ١١٥٢٥)

وفي الأجناس: إذا خرب المسجد، ولا يعرف بانيه، بنى أهل المسجد مسجدًا آخر، ثم أجمعوا على بيعه، واستعانوا بثمنه في ثمن المسجد الآخر، فلا بأس به، قال أبو العباس الناطفي في الأجناس، فقياسه في وقف هذا المسجد أنه يجوز صرفه إلى عمارة مسجد آخر، كما إذا لم يعرف الواقف، و لا وارثه، فأما إذا عرف لأهل المسجد بان فليس لأهل المسجد أن يبيعوه؛ لأن لما خرب ووقع الاستغناء عنه، عاد إلى ملك بانيه أو ورثته، فلا يكون لأهله أن يبيعوه، وما ذكر من الجواب إذا لم يعرف بانيه قول محمد رحمه الله تعالىٰ لا قول أبي يوسف لأن على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ هو مسجد أبدا، فلا يكون لأهل المسجد أن يبيعوه. (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي و العشرون في المساجد، المجلس العلمي ١٢٩/٩، رقم: ١١٣٥٥)

سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے(۱) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جاوے اُس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔(۲)

۱۳/ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابع ،ص ۲۶)

فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روکنے کا حکم

سوال (۱۵۷۴): قدیم ۲/ ۷۰۰- بوجہ خوف فتنہ (جیسا کہ اکثر مشاہدہ میں آتا ہے) ان کا مساجد مقلدین میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

(**نوٹ**) یہاں غیر مقلدین مساجد احناف میں باوجودیکہ اُن کو (مقلدین کو) مشرک اور بدعتی سمجھتے ہیں آ کر اُن کی (مقلدین کی) جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور اگر مقلدین میں سے کسی نے ذرا بھی چوں کی تو پندرہ بیس منتظمین مسجد پر جھوٹے دعوے عدالت غیر مسلم میں دائر کرتے ہیں اور جھوٹے گواہ پیش کر کے جھوٹی گواہی دلواتے ہیں اس طرح پر فساد برپا کرتے ہیں جس کا نتیجہ اکثر مواقع میں یہ ہوا کہ مساجد ویران ہو گئیں اور لوگوں نے بخوف جھگڑا و فساد مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔

---

(۱) أما لو عمل بالضعيف في بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلك فلا يمنع منه.

(شرح عقود رسم المفتي، بيان عدم جواز العمل بالضعيف إلا في صور، دارالكتاب ديوبند ص:١٦٤)

(٢) ذهب الفقهاء إلى أنه لو تعطلت الجهة الموقوف عليها، فإن ريع الوقف يصرف إلى جهة أخرى مماثلة للجهة التي تعطلت منافعها ولم يرج عودها، فلو كان هناك وقف على مسجد أو رباط أو بئر أو حوض فخرب المسجد أو الرباط او الحوض وأصبح لا ينتفع بها، فإن ما وقف على المسجد يصرف على مسجد آخر ولا يصرف إلى حوض أو بئر أورباط، وما وقف على الحوض أو البئر أو الرباط يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦١)

سئل شمس الأئمة الحلواني: عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال: نعم! (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع و العشرون، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٩٦، رقم:١١٦٢٣)

المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع و العشرون، المجلس العلمي ٩/ ١٥١، رقم:١١٤٤١۔ ←

(۲) ایک کتاب فتح المبین مصنفہ مولانا منصور علی صاحب مراد آبادی مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ میں ان غیر مقلدین کے حالات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور جملہ مشاہیر علمائے عرب وعجم (مکہ معظمہ ومدینہ منورہ) اور ہند کے دستخط ومواہیر ثبت ہیں اُس میں مولانا مقتدانا جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ مرحوم ومغفور و دیگر علماء وفضلاء مثلاً مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم ومغفور ومولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہ کے دستخط ومواہیر ثبت ہیں اور ایک عبارت بقلم مولانا محمد یعقوب صاحب درج ہے اور مواہیر تائیدی علماء موصوفین کے ثبت ہیں ہو ہذا، عقائد اس جماعت کے جبکہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم وتحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور بُرا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحہ میں اُن کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض وخوارج کے ساتھ انتہی اس کتاب پر جناب والا کے بھی دستخط ومہر ثبت ہے۔ اور تقریر بھی درج ہے اور ایک کتاب اور بھی موسومہ بہ الاقتصاد مصنفہ جناب والا نظر سے گزری ہے؛ لہٰذا استدعا ہے کہ اُن ہر دو کتابوں کی بھی تصدیق وتوثیق فرمائی جائے؟

(**الجواب عن السوال الاول والثانی**) في الدر المختار: أحكام المسجد و يمنع (أكل ثوم) منه (من المسجد) وكذا كل موذ ولو بلسانه. اھ). (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسجد میں آکر ایذاء دیتا ہو یا فساد کرتا ہو اُس کو مسجد میں آنے کی ممانعت کر سکتے ہیں خواہ کسی فرقہ کا ہو۔ (۲) مگر ممانعت ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی ممانعت سے

← هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الاوقاف التي يستغني عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤٧٨/٢، جديد ٤١٩/٢۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٤٣٥/٢-٤٣٦، كراچي ٦٦١/١-٦٦٢۔

(۲) **عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من هذه البقلة فلا يقربن مسجدنا حتى يذهب ريحها يعني الثوم.** (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، النسخة الهندية ٢٠٩/١، بيت الأفكار رقم: ٥٦١)

واحتج بالحديث وألحق بالحديث كل من آذى الناس بلسانه، وبه أفتى ابن عمر، وهو أصل في نفي كل من يتأذى به. (إعلاء السنن، أبواب أحكام المساجد، باب كراهة دخول من أكل الثوم والبصل وكل ماله رائحة كريهة، دار الكتب العلمية بيروت ١٨٧/٥)

فساد میں زیادتی نہ ہوجاوے ورنہ فر من المطر و وقف تحت المیزاب کا مصداق ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت اُس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب منع کرنے والا صاحب قدرت ہو۔(۱) اور فتح المبین اِس وقت میرے سامنے نہیں مدت کی دیکھی ہوئی یادنہیں البتہ اقتصاد میری تالیف ہے اُس میں میرا مسلک اِس مسئلہ میں مذکور ہے۔

۳۰/ ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۷)

مسجد کے مال کی چوری کا حکم

سوال (۱۵۷۵): قدیم۲/۱۰۷- زید نے مسجد کی ایک چیز چُرائی اور اپنے استعمال میں لاکر ضائع کردی اب اگر اس کی قیمت زید متولی مسجد کو دیدی تو بری الذمہ ہوجائے گا یانہیں اور تخمینہ قیمت میں وقت سرقہ کا خیال ہوگا یا ادا کرنے کے وقت کا لحاظ ہوگا کیونکہ اختلاف اوقات سے اختلاف قیمت میں بھی ہوجایا کرتا ہے؟

---

(۱) أخرج مسلم في صحيحه حديث أبي بكرة: قال اول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قد ترك ماهنالك فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهى عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ۱/۵۱، بيت الأفكار رقم: ۴۹)

قال القاضي عياض رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث أصل في صفة التغيير فمتى المغير أن يغيره بكل وجه أمكنه زواله به قولا كان أو فعلا فيكسر آلات الباطل ويريق المسكر بنفسه أو يأمر من يفعله وينزع الغصوب ويردها إلى أصحابها بنفسه أو بأمره إذا أمكنه ويرفق في التغيير جهده بالجاهل وبذي العزة الظالم المخوف شره إذ ذلك ادعى إلى قبول قوله المتمادى في غيه والمسرف في بطالته إذا أمن أن يؤثر إغلاظه منكرًا أشد مما غيره؛ لكون جانبه محميا عن سطوة الظالم، فإن غلب على ظنه أن تغييره بيده يسبب منكرًا أشد منه من قتله أو قتل غيره بسبب كف يده واقتصر على القول باللسان والوعظ والتخفيف فإن خاف أن يسبب قوله مثل ذلك غيره بقلبه وكان في سعة وهذا هو المراد بالحديث إن شاء الله تعالىٰ. (شرح النووي على مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر متولی مسجد متدین وامین ہے تو اُس کو دیدینے سے بری ہوجائے گا ورنہ خود کسی طریق سے اس مسجد میں صرف کردے (۱) اور قیمت یوم ضیاع کی معتبر ہے۔ (۲)

۲۰/شعبان ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۲۲۴)

---

(۱) **ويجب رد عين المغصوب في مكان غصبه ويبرأ بردها ولو بغيره علم المالك في البزازية: غصب دراهم إنسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة أو إيداع أو شراء، وكذا لو أطعمه فاكله.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبي المالك قبوله، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٦٦-٢٦٧، كراچي ٦/١٨٢)

ويجب رد عينه في مكان غصبه ...... ولو رد العين من غير علم المالك برئ منها. (البحر الرائق، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٩٨، كوئٹه ٨/١٠٩)

(۲) **يجب رد مثله إن هلك وهو مثلي، وإن انقطع المثل فقيمته يوم الخصومة أي وقت القضاء وعند أبي يوسف يوم الغصب، وعند محمد يوم الانقطاع ورجحا. تحته في الشامية: وعند أبي يوسف يوم الغصب، وهو أعدل الأقوال كما قال المصنف وهو المختار على ما قال صاحب النهاية: وعند محمد يوم الانقطاع وعليه الفتوى كما في ذخيرة الفتاوى، وبه أفتىٰ كثير من المشايخ.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبي المالك، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٦٧، كراچي ٦/١٨٣)

وإن غصب ما لا مثل له فعليه قيمة يوم الغصب بالإجماع كذا في السراج الوهاج وحد الانقطاع: أن لا يوجد في السوق الذي يباع فيه، وإن كان يوجد في البيوت، كذا في التبيين وكثير من المشايخ كانوا يفتون بقول محمد رحمه الله تعالىٰ. (هندية، كتاب الغصب، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند جديده ٥/١٣٩، قديم ٥/١١٩)

وحكمه الإثم ووجوب رد عينه في مكان غصبه إن كانت باقية، والضمان لو هلكت ففي المثلي كالكيلي والوزني والعددي المتقارب يجب مثله، فإن انقطع المثل تجب قيمته يوم الخصومة وعند أبي يوسف يوم الغصب وعند محمد يوم الانقطاع، وعليه الفتوى كما في ذخيرة الفقهاء. (ملتقي الأبحر مع سكب الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٧٨-٧٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رساله القوال الأهلي(*) في وقف جامع دهلی

مصارف وقف مسجد

سوال (١٥٧٦): قدیم ٢/ ٧٠١- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد دہلی انتظام بذریعہ ایک مجلس شوریٰ کے ہوتا ہے جس میں دہلی کے دس معززین رؤساء اسلام شامل ہیں اور اس کا نام مجلس منتظمہ جامع مسجد ہے۔ اس مجلس منتظمہ جامع مسجد دہلی کو حسب ذیل اقسام کی آمدنی ہوتی ہے۔

(الف) کرایہ دکاکین متعلق جامع مسجد۔

(ب) کرایہ ٹھیکہ آراضی افتادہ اطراف جامع مسجد مملوکہ جامع مسجد۔

(ج) کرایہ دیگر جائداد سکنی واقع مختلف جامع مسجد ومقامات شہر دہلی جو کہ آمدنی مسجد مذکور کی پس انداز رقم سے وقتاً فوقتاً خرید ہو کر ملکیت جامع مسجد ہے۔

(د) متفرق قلیل آمدنی جو بعض اشخاص مسلمان بنام نہاد روشنی وآب وضو وظروف وغیرہ دیتے ہیں جس کی مقدار دس پندرہ روپیہ سالانہ سے زائد نہیں۔

(ہ) بعض مقامی مصالح اور قومی ومُلکی ضروریات کے لحاظ سے بمشورہ مجلس منتظمہ غیر مسلم اقوام کے زائرین کے لئے جو مسجد مذکور کو دیکھنے آتے ہیں فی کس دو پیسہ کا پاس مقرر کیا ہوا ہے اور ایک محرر اس کام پر ملازم ہے۔ اور اس پاس سے یہ بھی غرض ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص کوئی ایسی شے مسجد میں نہ لے جاوے جو ناجائز ہو۔ یا از راہ تعصب کوئی فعل موجب توہین مسجد نہ کرے اور اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ تنخواہ محرّر پاس اور کاغذ وچھپائی پاس ہوئے وغیرہ میں خرچ ہو کر بہت قلیل رقم رہ جاتی ہے ان جملہ اقسام آمدنی مذکورۂ بالا سے جس قدر رقم وصول ہو جاتی ہے وہ حسب ذیل امر میں خرچ ہوتی ہے۔

تنخواہ عملہ ١: عملہ مسجد امام صاحب ومؤذنان ودربانان ومحرران۔

(*) أي الحكم الشرعي المنسوب باعتبار النقل إلى الأهل أي أهل المذهب لمعنى من يدين به كذا في القاموس۔١٢ منه

فراہمی۲: آبِ وضودر حوضِ مسجد بذریعہ چاہ۔ فراہمی۳: آب نوشیدنی برائے نمازیان ومسافران وزائرینِ اہلِ اسلام۔ فرش۴: دری جائے نماز فرش ٹاٹ ودیگر سامان متعلقہ فرش اندرونی وبیرونی۔ صفائی۵: مسجد بذریعہ ملازمان واطراف مسجد بذریعہ خاکروبان۔ وظائف٦: طلباءِ دینیات وطلبہ دیگر مدارس جوعربی کے ہیں تعلیم پاتے ہیں اور دیگر طلبہ فنون شرعیہ اور یہ سب مسلمان ہیں۔ اخراجات۷: روشنی، بجلی بذریعہ الکٹرک کمپنی نمازیان۔ روشنی۸: تیل گلی۔ اخراجات۹: سامان روشنی ہر دوقسم مذکورہ۔ سائبان۱۰: وشامیانے ہائے جوموسم گرما میں بوجہ سخت تمازت آفتاب نمازیوں کی آسائش کے لئے صحن مسجد میں نصب کئے جاتے ہیں۔ خرید ظروف۱۱: گلی مٹکے بدھنیاں آب خورہ وغیرہ بہ تعداد کثیر۔ جائداد سکنی۱۲: مملوکہ جامع مسجد کا ہاؤس ٹیکس وغیرہ جوحکومت کی طرف سے مقرر ہے۔ محصول۱۳: آبیانہ نل آب۔ مقدمات۱۴: متعلقہ تنازعات کرایہ وغیرہ جائداد مملوکہ جامع مسجد۔ تعمیرات ومرمت۱۵: خاص جامع مسجد جوکہ ہمیشہ کرائی جاتی ہے اور چونکہ عمارت جامع مسجد بہت بڑی سنگین اور عجیب وغریب ہے اس لئے اس کی معمولی مرمت بھی جوقیام اور بقاء مسجد کے لئے اشد ضروری ہے رقم کثیر میں ہوتی ہے۔ تعمیر مرمت۱٦ وترمیم وغیرہ متعلق جائداد مملوکہ مسجد مذکور۔ اخراجات۱۷: خرید ہیزم وغیرہ برائے آبِ گرم بموسم سرما۔ اخراجات۱۸: متعلق دفتر جامع مسجد۔ امداد یتیماں۱۹: جوکہ یتیم خانہ انجمن مؤید اسلام دہلی میں پرورش پاتے ہیں۔ اخراجات۲۰: نومسلمان جو جامع مسجد میں مسلمان ہوتے ہیں خوراک ومکان ومعلمان جہاں نومسلموں کوتقریباً دو ماہ تک ضروری تعلیم دی جاتی ہے اور ارکانِ اسلام سکھائے جاتے ہیں۔ امداد غرباء۲۱: بذریعہ نقد وتقسیم کمبل ولحاف وکمری ہائے موسم سرما۔ امداد مرمت۲۲ وتعمیر بعض دیگر مساجد۔ اخراجات۲۳: رمضان شریف مثلاً برف وغیرہ جوکہ بوقت افطار ونماز تراویح روزہ داروں اور نمازیوں کے لئے روزانہ مہیا کیا جاتا ہے۔ پیشکش۲۴: حافظِ قرآن جومنجانب جامع مسجد رمضان شریف میں نماز تراویح میں ختم قرآن شریف کرتے ہیں اور حافظ سامع کو بھی دیا جاتا ہے۔ تقسیم شیرینی۲۵: بروز ختم قرآن شریف جملہ نمازیانِ جامع مسجد جس میں کئی من شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ ملازمان۲٦ ومتعلقین جامع مسجد جوتمام ماہ رمضان شریف میں محنت کے ساتھ کام کرتے ہیں اور غیر معمولی خدمت انجام دیتے ہیں بطور حق الخدمت نام نہاد انعام وغیرہ دیا جاتا ہے اخراجات۲۷: وردی وغیرہ جودربانان وجمعدار جامع مسجد کے لئے تیار ہوتی ہے۔ اخراجات۲۸: گولہ ہائے آتش بازی جوماہ رمضان المبارک میں بوقت افطار روزہ اور بوقت ختم سحری بغرض اطلاع عام مسلمان شہر دہلی

اور بوقت ختم نماز جمعۃ الوداع اور نماز عیدین بغرض اظہار شوکتِ اسلام چلائے جاتے ہیں۔ اخراجات ٢٩: شامیانہ ہائے وڈیرہ وخیمہ جات قنات وفرش وغیرہ جو یوم جمعۃ الوداع جس میں کثرت سے نمازی اطراف ملک سے آتے ہیں اور جامع مسجد کا فرش تمازت آفتاب سے مثل آگ کے ہو جاتا ہے۔ اس لئے غیر معمولی فرش اور شامیانہ وغیرہ آسائش نمازیان کے لئے کرایہ پر لگائے جاتے ہیں اور چونکہ مسجد مذکور میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی تو مسجد کے باہر ہرسہ اطراف میں کثرت سے نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے یہ انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بعض ٣٠: دیگر اخراجات متفرق معمولی وغیر معمولی مثال نمبر ٣٠: یعنی اخراجات متفرق۔

بعض قومی ١: انجمن ہائے اسلامی ومدارس اسلامی مختلفہ خلافت یا قومی مسلم یونیورسٹی وغیرہ وغیرہ۔ بعض اخراجات ٢: بموجب احکام حکومت مثلاً ملک معظم کی تشریف آوری یا وایسرائے کے مسجد میں تشریف لانے پر ضروری مراسم یا بعض مواقع فتح بر بحکم گورنمنٹ روشنی کرنا۔ ترکوں ٣ یا دیگر مسلمان بادشاہوں کی فتوحات پر جامع مسجد میں روشنی کرنا۔

یہ مندرجہ بالا اخراجات وہ ہیں جو موجودہ وقت میں ہوتے ہیں اور سالہا سال سے کئے جارہے ہیں اُن کی بابت یہ تحریر فرمایا جائے کہ ان اخراجات مذکورۂ بالا میں کونسا خرچ ازروئے شرع جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے۔ اور براہ مہربانی ہر ایک کی بابت بروئے مذہب حنفیہ جوابات تحریر فرماویں۔ نیز حسب ذیل اُمور اس قسم کے ہیں کہ جن کی بابت مجلسِ منتظمہ جامع مسجد سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جامع مسجد کی آمدنی میں سے فلاں فلاں امر میں امداد کی جاوے مثلاً دہلی کے نواح ملحقہ میں جہاں حکومتِ ہنداب جدید شہر آباد کر رہی ہے بہت سی مساجد ومقابر زمانہ قدیم کی غیر آباد پڑی ہوئی ہیں اور مسلمانان دہلی ان مساجد کے قائم وآباد رکھنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں چنانچہ وہ کامیاب ہو رہے ہیں اور اکثر مساجد غیر آباد میں امام ومؤذن مقرر کر دیئے ہیں اور چونکہ ایسی مساجد کی تعداد اطراف دہلی میں بہت زیادہ ہے اس لئے ہر ایک مسجد میں امام ومؤذن کا مقرر کرنا بلاصرف کثیر ناممکن ہے اس لئے مسلمانان دہلی جو اس کام کو کر رہے ہیں اُن مسجدوں کی آبادی ومرمت کے لئے جامع مسجد کی آمدنی سے روپیہ طلب کرتے ہیں۔ دوئم شعبۂ تبلیغ اسلام بھی نو مسلموں کی امداد کے لئے روپیہ طلب کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کے متعلق تحریر فرماویں کہ جامع مسجد کی آمدنی سے اگر وہ پس انداز ہو تو کس کس قسم کے اخراجات میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے ایک یہ امر بھی قابلِ غور ہے اور اِس پر ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ جامع مسجد کی عالی شان عمارت اسلامی بادشاہوں کی

یادگار رہے اور اس کا قائم رکھنا مقدم اور فرض ہے اِس عظیم الشان عمارت کی معمولی سے معمولی مرمت میں بھی ہزار ہا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور آئندہ زیادہ مرمت اور درستی کی ضرورت پیش آرہی ہیں کیونکہ جس قدر عمارت کہنہ ہوتی جاتی ہے۔ اُسی قدر زیادہ مرمت طلب ہوتی جاتی ہے اِس خاص اور ضروری کام کے لئے جب تک ہمیشہ ایک رقم پس انداز میں نہ رکھی جاوے تو قیام مسجد خطرے میں پڑ جائے۔

الجواب: الروايات الأولىٰ. الذى يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أم لاثم إلىٰ ما هو أقرب إلى العمارة واعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة (يعني إذا كان وقفا على المدرسة) يصرف إليهم بقدر كفايتهم، ثم السراج والبسط كذلك إلىٰ اٰخر المصالح هذا إذا لم يكن معينا (وغير المعلوم في حكم غير المعين) فإن كان الواقف معينا علىٰ شيئ يصرف إليه بعد عمارة البناء كذا في الحاوى القدسي ج:٣، ص: ٢٠٤. (١)

الثانية: رباط على بابه قنطرة علىٰ نهر كبير لايمكن الانتفاع بالرباط إلا بمجاوزة القنطرة وليس للقنطرة غلة يجوز أن يصرف من غلة الرباط علىٰ عمارة القنطرة، وإن كان الواقف شرط من الوقف أنه تصرف غلته إلىٰ ما فيه مصلحة للرباط وإن لم يشترط ذلك بل ذكر مرمة لا غير لا يجوز ذلك (قياسا) لأن هذا ليس من مرمته الرباط حتىٰ لو كان الرباط بحال لو لم تصرف الغلة إلىٰ عمارة القنطرة لخرب الرباط استحسنوا أنه يجوز فيعمل بالاستحسان دون القياس) كذا في محيط السرخسي ج٣، ص ٢٠٤. (٢)

الثالثة: ولو أراد أن يقف أرضه علىٰ المسجد و عمارة المسجد وما يحتاج إليه من الدهن والحصير و غير ذلك علىٰ وجه لا يرد عليه الإبطال (فطريقه أن) يقول وقفت أرضي هذه ويبين حدودها بحقوقها ومرافقها وقفا مؤبداً في حيوتى و بعد وفاتى على أن يستغل ويبدأ من غلاتها بما فيه من عماراتها وأجور القوام عليها وأداء مؤنتها

---

(١) هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٦٨/٢، جديد ٣٥٦/٢۔

(٢) هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٦٩/٢، جديد ٣٥٧/٢۔

فما فضل من ذلک یصرف إلیٰ عمارة المسجد ودهنه و حصیره وما فیه مصلحة للمسجد علی أن للقیم أن یتصرف في ذلک علی ما یری (ویقول أیضاً في الشرائط) وإذا استغنی هذا المسجد یصرف إلیٰ فقراء المسلمین فیجوز ذلک (لاشتراط الواقف کذا في الظهیرة ج٣، ص ٢٤٠). (١)

الرابعة : الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل لا یصرف وأنه صحیح ولکن یشتري به مستغلا للمسجد. کذا في المحیط. ج٣،ص ٢٤١. (٢)

الخامسة : أرض وقف علی مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لایجوز للمسلمین انتفاع بماء ذلک الحوض کذا في القنیة. ج٣،ص ٢٤١. (٣)

السادسة : مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلتهما (أي الموقوف علی المسجد والموقوف علی الفقراء المذکورین سابقا) ثم نابت الإسلام نائبة مثل حادثة الروم واحتیج إلی النفقة في تلک الحادثة أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم یکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی أن یصرف في ذلک لکن علیٰ وجه القرض فیکون دینا في مال الفیئ الخ کذا في الواقعات الحسامیة ج٣،ص ٢٤٢. (٤)

السابعة : وإذا جعل السقایة للشرب وأراد أن یتوضا منها اختلف المشایخ فیه وإذا وقف للوضوء فلا یجوز الشرب منه وکل ما أعد للشرب حتیٰ الحیاض لا یجوز منها التوضی کذا في خزانة المفتین ج٣ ،ص ٢٤٢. (٥)

---

(١) هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد وتصرف القیم، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤٥٩ – ٤٦٠، جدید ٢/٤١١۔

(٢) هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد وتصرف القیم، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤٦٣، جدید٢/٤١٤۔

(٣) هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد وتصرف القیم، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤٦٦، جدید٢/٤١١۔

(٤) هندیة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق به، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤٦٤، جدید ٢/٤١٤۔

(٥) هندیة، کتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٢/٤٦٥، جدید ٢/٤١٥۔

الثامنة : في فتاوىٰ أهل سمرقند مسجد فيه شجرة تفاح يباح للقوم أن يفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهيدؒ المختار انه لايباح كذا في الذخيرة. ج٣، ص ٢٤٤. (١)

التاسع : سئل شمس الائمة الحلوائي عن مسجد أو حوض خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضى أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد اٰخر أو حوض (فيه لف ونشر مرتب) قال: نعم! (لكونهما متجانسين) (وسئل أيضاً) لولم يتفرق الناس؛ ولكن يستغنى الحوض عن العمارة وهناک مسجد محتاج إلى العمارة أوعلىٰ العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلىٰ العمارة قال لا لكونهما غير متجانسين) كذا في المحيط (٢). (ثم في المتجانسين يعتبر الأقرب فالأقرب ولعله المراد بقوله هناک لدلالة جزئيات القنطرة والرباط المذكورة في السباق والسياق علىٰ ذلک) هذه كلها من العالمگيرية إلامابين القوسين فمن الكاتب بطريق الشرح.

العاشرة : في الدر المختار: أمر السلطان إكراه وإن لم يتوعد. (٣)

ان روایات (۴) سے مسائل ذیل ثابت ہوئے۔اوّل مصارف نمبر ا و ۲ و ۴ و ۵ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۹ و میں صرف کرنا علی الاطلاق جائز ہے۔

للرواية الاولىٰ: دوم نمبر ۳ و نمبر ۱۱: یعنی آب نوشیدنی وظروف گلی چونکہ مصالح ضرور یہ مسجد سے نہیں یعنی اُس کو مسجد کی آبادی میں دخل نہیں اس میں صرف کرنا درست نہیں۔

للرواية الخامسة والسابعة :البتہ اگر غالب گمان ہو کہ اگر آب نوشیدنی کا انتظام نہ کیا جاوے گا تو جماعت مصلیوں کی کم ہوجاوے گی اُس وقت درست ہے۔

---

(١) هندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٧٧، جديد٢/ ٤١٩ ـ

(٢) هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم٢/ ٤٧٨، جديد٢/ ٤١٩ ـ

(٣) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإكراه، مطلب بيع المكره فاسد وزوائده مضمونة بالتعدي، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ١٨٢، كراچي٦/ ١٣٢ ـ

(۴) دس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد اب یہاں ان روایات کی روشنی میں استدلال شروع فرمارہے ہیں۔

للروایۃ الثانیۃ قیاسا سوم نمبر ۶ : یعنی وظائف طلبہ ونمبر۱۹ یعنی امداد یتامیٰ ونمبر۲۰ یعنی امداد نومسلمان ونمبر۲۱ یعنی امداد غرباء کا بھی مصالح ضروریہ مسجد سے کچھ تعلق نہیں اُن میں بھی صرف کرنا درست نہیں۔

للروایۃ الرابعۃ چھارم نمبر ۲۳ :یعنی وظائف ونمبر۱۹ یعنی امداد یتامیٰ ونمبر۲۰ یعنی امداد نومسلمان ونمبر۲۱ یعنی امداد غرباء کا بھی مصالح ضروریہ مسجد سے کچھ تعلق نہیں اُن میں بھی صرف کرنا درست نہیں۔

للروایۃ الرابعۃ چھارم نمبر۲۳: یعنی اخراجات افطاری ونمبر۲۵ یعنی شیرینی ختم یہ بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں اس لئے کہ اس میں تو فقراء کی بھی تخصیص نہیں جب فقراء میں صرف کرنا درست نہیں جیسا اوپر کے نمبر میں ذکر ہوا تو غیر فقراء میں کیسے جائز ہوگا۔

للروایۃ الثامنۃ ایضاً پنجم نمبر۲۸ : یعنی گولہ آتشی یہ بھی سابق سے بدرجۂ اولیٰ اور سابق علی السابق سے درجۂ اولیٰ سے بھی درجۂ اولیٰ میں جائز نہیں کہ یہ نہ مسجد میں صرف ہوں نہ کسی کو دیئے جائیں۔

ششم نمبر ۲۲ یعنی تعمیر دیگر مساجد :اس میں تفصیل ہے اگر کوئی رقم ایسی فاضل ہو کہ بگمان غالب جامع مسجد کو اُس کی حاجت نہ ہوگی نہ مرمت میں نہ دیگر ضروری مصالح میں تب تو جائز ہے پھر اُس میں بھی یہ ترتیب ہے کہ اگر کئی مسجدیں حاجتمند ہوں تو اوّل قریب کی مسجد میں پھر اُس کے بعد جو قریب ہو وعلیٰ ھذا للروایۃ التاسعۃ اور اگر غالب احتمال ہو کہ جامع مسجد کی مرمت میں اُس کی ضرورت ہوگی تو پھر جائز نہیں۔

للروایۃ الاولیٰ۔ھفتم۔ نمبر ۳۰ :اخراجات متفرقہ کی مثال میں تین مصرف لکھے ہیں سوتینوں کا مصلحت مسجد سے کوئی تعلق نہیں اس لئے درست نہیں البتہ اگر مثال دوم میں حکم شرعی کے عذر کو جس کو باقاعدہ پیش کرنا چاہئے گورنمنٹ قبول نہ کرے اور حکماً مجبور کرے تو متولی شرعاً معذور ہوں گے۔

للروایۃ العاشرۃ :یا اگر کسی مصلحت سے منتظمین گورنمنٹ کے سامنے عذر پیش کرنے کو مناسب وقت نہ سمجھیں تو اُس وقت منتظمین اُس کے اخراجات کو خود اپنے ذات خاص پر برداشت کرلیں اور اس حالت میں بھی اگر جامع مسجد سے اُس کا تعلق ظاہر کرنے کی ضرورت سمجھیں تو بعد صرف کر چکنے کے اُس کا آمد و خرچ مسجد کے حساب میں درج کردیں یعنی آمدنی کو دوسری آمدنیوں کے ساتھ اور خرچ کو دوسرے خرچ کے

ساتھ جمع کر دیں اسی طرح مثال سوم میں اگر علماء اس روشنی کو قواعد شرعیہ سے جائز بتلا دیں (کیونکہ مجھ کو اس کا جواز ثابت نہیں ہوا) اُس میں بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی خود برداشت کرلیں اور یہ مصارف کچھ ایسے کثیر نہیں جس کا تحمل تکلیف مالا یطاق ہو اور یہ سب اُس وقت ہے جب جائداد یا رقم موقوف صرف مسجد کے لئے وقف ہو یا ایسے وقف کی آمدنی یا ایسی رقم سے خریدی گئی ہو اور اگر واقف نے علاوہ مسجد کے لئے دوسرے جائز اخراجات کی بھی اجازت وقف میں دی ہے تو اُس وقت اُن میں بھی صرف کرنا درست ہے۔

للرواية الثالثة أي الجزء الأخير منها :اب رہے وہ امور جن میں صرف کرنے کا مجلس انتظامی سے مطالبہ کیا جاتا ہے سو اُس کی دو مثالیں لکھی ہیں۔ مثال اوّل جدید آبادی کی مساجد سو اُس کا حکم اوپر مسئلہ ششم میں مذکور ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب مصارف میں مقدم خود جامع مسجد کی مرمت ہے جس کا احتمال روزانہ غالب اور قوی ہوجاتا ہے اس لئے ایک کافی رقم پس انداز میں رہنا ضروری ہے اگر اس کے بعد گنجائش نہ رہی تو دوسری مساجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

للرواية الاولىٰ :اور اگر گنجائش رہی تو بترتیب مذکور مسئلہ ششم صرف کرنا جائز ہے۔

دوسری مثال شعبۂ تبلیغ :سو ایسے امور میں صرف کرنے کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسجد کو اُس فاضل کی حاجت نہ رہے دوسری یہ کہ حاکم اسلام صَرف کی اجازت دے۔ تیسرے یہ کہ بطور قرض کے صرف کیا جاوے پھر وہ قرض مال فئی سے ادا کر دیا جاوے۔

للرواية السادسة : یہاں اوّل تو ایک بھی شرط نہیں اور اگر کسی شرط کے تحقق کا کسی تاویل سے دعویٰ کیا جاوے تو مجموعہ شروط تو یقیناً منتفی ہے جب شرط جواز نہیں تو جواز بھی نہیں اور یہ مسئلہ ہشتم ہے البتہ گر کسی وقت میں منتظمین متدین نہ ہوں اور مسجد کی رقم کے ضائع کر دینے کا اندیشہ ہو تو اُس وقت ایسے مصارف میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے اُس کا محمل یہی ہے۔

ونظيره في الدر المختار أحكام المسجد وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض إلا إذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به كافي. (١)

اور اس نمبر میں معمولی اور غیر معمولی لفظ مبہم ہے اس کی تفسیر کے بعد حکم شرعی بتلایا جا سکتا ہے۔

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس شدة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٤٣١، كراچي ١/٦٥٨۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال وقف سے شیرینی تقسیم کرنے کا حکم

سوال (۱۵۷۷): قدیم ۲/ ۷۰۹- جامع مسجد کیرانہ میں جو کرایہ نامجات لکھائے جاتے ہیں اُن میں بقدر کرایہ ۲/ یا ۴/ یا ۸/ واسطے شیرینی ختم کلام مجید کے لکھائے جاتے ہیں جو تخمیناً مبلغ نو یا دس ہوتے ہیں اور شیرینی ۲۵ یا ۲۷ روپے کی تقسیم ہوتی ہے جو آمدنی مسجد سے مابقی رقم دی جاتی ہے اور واقف نے آمدنی واسطے مصارف مسجد اور وارد صادر کے وقف کی ہے تو یہ مبلغ ۱۶ یا ۱۷ روپئے علاوہ رقم کرایہ داران جو رقم مسجد سے شیرینی میں صرف کئے جاتے ہیں وہ منجملہ مصارف مسجد کے شمار ہوں گے یا نہیں اور شرعاً یہ صرف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ شیرینی مصارف مسجد میں داخل نہیں؛ لہٰذا وقف مسجد سے اس میں صرف کرنا جائز نہیں ہے(۱)؛ بلکہ یہ نو دس روپے جو کرایہ کے ساتھ آتے ہیں اگر ان کو جزو کرایہ نہ کہا جاوے تب تو عقد اجارہ میں یہ شرط فاسد ہے(۲) وہ رقم قابل واپسی کے ہے اور اگر جزو کرایہ کہا جاوے تو شرط جائز ہے۔ مگر اس کا مصرف مثل مصرف کرایہ کے ہوگا اور یہ شیرینی میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

---

(۱) **أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد ...... لا يصح تصرفهم.** (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٦٣، جديد ٢/ ٤١٤)

في فتاوى أهل سمر قند: مسجد فيه شجرة تفاح يباع للقوم أن يفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالىٰ: المختار أنه لا يباح كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، قبيل باب الثالث عشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٧٧، جديد ٢/ ٤١٩)

(٢) **تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع ممامر يفسدها كجهالة ماجور أو أجرة أومدة أو عمل كشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أومغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبة زكريا ديوبند ٩/ ٦٤، كراچي ٦/ ٤٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد میں سوال کرنا اور کھانا پینا وغیرہ

سوال (۱۵۷۸): قدیم ۲/ ۷۰۹- علاوہ امور مندرجۂ بالا کے سوالات ذیل کا بھی جواب بروئے فتویٰ شرعی تحریر فرمایا جاوے۔ جامع مسجد کے اندر ہمیشہ عموماً اور جمعہ کے روز خصوصاً فقراء و مساکین بھیک مانگتے ہیں اور نمازیوں کو سخت پریشان کرتے ہیں، رات کے وقت عشاء کو زیادہ اور دن میں اُس سے کم شہر دہلی کے مرد عورتیں اور باہر کے مسافر مرد و زن جامع مسجد میں بطور تفریح و سیر و تماشہ آتے ہیں اور مسجد کے اندر دالان ہائے میں بیٹھ کر بازار سے اشیاء خوردنی منگا کر کھاتے ہیں اور بعض اوقات میلہ ہائے پر کثیر تعداد میں عورتیں مع بچوں کے مسجد میں آکر قیام کرتی ہیں اور بچوں کے بول و براز سے مسجد کے فرش کو ناپاک کرتی ہیں بعد میں اُس کو بذریعہ ملازمانِ مسجد پاک کرایا جاتا ہے۔ عورتیں مسجد میں چراغ جلانے آتی ہیں اور بطور منّت چراغ روشن کرتی ہیں اور یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے۔

فرید الدین منتظم جامع مسجد دہلی

الجواب: في الدر المختار: أحكام المسجد. ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء مطلقا وقيل إن تخطى وإنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر ورفع صوت بذكر. الخ وفي رد المحتار: عن الغزالي استحبابه إلا أن يشوش جهرهم على نائم و مصل أوقارئ الخ ثم في الدر المختار: وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب (إلیٰ قوله) والكلام المباح و قيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله (۱) وفيه و اتخاذه طريقاً بغير عذر و صرح في القنية بفسقه باعتياده و إدخال نجاسته فيه (إلیٰ قوله) و يحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم وإلا فيكره. (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب في إنشاد الشعر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۳-۴۳۶، كراچي ۱/ ۶۵۹-۶۶۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸-۴۲۹، كراچي ۱/ ۶۵۶۔ ←

وفيه باب الإمامة ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان. الخ(۱)

ان روایات سے ان سب امورِ مذکورۂ سوال کا ممنوع اور مذموم ہونا ثابت ہوا۔ پس جو شخص ان کے انسداد پر بدون کسی فتنہ کے قادر ہو اُس پر واجب ہے کہ اس کا انتظام کرے۔(۲)

۶/ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ تمت الرسالۃ المسماۃ بالقول الأ حلی۔(تتمۂ ۵، ص ۲۵۸)

← **عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراء كم وبيعكم وخصومتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم واتخدوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع.** (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، النسخة الهندية ١/ ٥٤، دار السلام رقم: ٧٥٠)

وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذي مما يتأذى به بنو آدم متفق عليه. وعن حديث الدنيا وعن البيع والشراء وإنشاد الأشعار والصبيان لغير الصلاة ونحوها. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٠)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإقامة، قبيل مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٧، كراچي ١/ ٥٦٦۔

(۲) أخرج مسلم في صحيحه حديث أبي بكرة قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قد ترک ماهنالک فقال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأئ منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهى عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١، بيت الأفكار رقم: ٤٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد میں مانگنے کا حکم

سوال (۱۵۷۹): قدیم ۲/۱۰۷- وہ اشخاص جن کی حقیقت کچھ معلوم نہیں آپ کو فقیر بتا کر اور گداگر بن کر جمعہ اور عیدین وشبِ قدر وشبِ معراج کی جماعت کے وقت مسجد میں سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں اور اُن کا چندہ ہوتا ہے اور لوگ اُن کو دیتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں اور اُن کو اس صورت میں دینا جائز ہو کر داخلِ خیرات ہے کہ نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: و يحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء، وقيل: إن تخطى (إلىٰ قوله) ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة. الخ. وفي رد المحتار: تحت قوله: و رفع صوت بذكر. الخ بعد بحث طويل إلا أن يشوش جهرهم علىٰ نائم أو مصل أوقارئ. ج: ا، ص: ٦٩٠.** (١)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ مانگنا مسجد میں علی الاطلاق اور دینا بعض کے نزدیک علی الاطلاق اور بعض کے نزدیک جبکہ وہ سائل گردنوں پر پھاندتا ہونا جائز ہے اور اگر اس سے کسی نمازی یا قرآن ووظیفہ پڑھنے والے کا دل بٹتا ہو تب بلا اختلاف ناجائز ہے۔ (۲)

۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۱۹۰)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب: في إنشاد الشعر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٣-٤٣٤، كراچي ١/ ٦٥٩- ٦٦٠۔

(۲) حضرتؒ نے یہ فتوی ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ میں جاری فرمایا ہے اور ۱۳۳۶ھ میں چار سال کے بعد دوسرا فتوی اس طرح جاری فرمایا ہے کہ چار شرطوں کے ساتھ مسجد میں سوال کرنا اور چندہ کی ترغیب دینا درست ہے وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) شق صفوف نہ ہو۔ (۲) مرور بین یدی المصلی نہ ہو۔ (۳) تشویش علی المصلی نہ ہو۔ (۴) حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے ملاحظہ ہو سوال نمبر ۱۶۰۲/ فتاوی قاسمیہ ۱۸/ ۴۶۸/ فتوی نمبر: ۸۲۰۳/ میں ایک مختصر مدلل فتوی موجود ہے وہاں سے دیکھ لیا جائے۔

ويكره التخطي للسؤال بكل حال قال في النهر: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدى المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافًا بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٢، كراچي ٢/ ١٦٤) ←

مسجد میں کھانے کا حکم

سوال (۱۵۸۰): قدیم ۲/ ۱۱۷- مسجد میں بعد اختتام وعظ شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور کھاتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار مع رد المحتار: وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب ص: ۶۹۱، ج: ۱. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی بھی عادت کرنا مسجد میں نہ چاہیے اور اس کے قبل کے سوال کے جواب کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اکثر حاضرین کھانے میں مشغول ہو جاویں تب بھی ممنوع ہے۔

۲۷/ ذیقعدہ ۳۲ھ تتمہ ثانیہ ص ۹۱)

مسجد میں سونے کا حکم

سوال (۱۵۸۱): قدیم ۲/ ۱۱۷- وہ دنیادار جس کے گھربار موجود ہے اُن کو مسجد میں کسی وقت سونا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: اس سے سابق سوال کے جواب کی روایت سے اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا پردیسی کے دوسروں کو مسجد میں سونا جائز نہیں۔ (۲) ۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

← النهر الفائق، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥۔

بزازية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥١، وعلى هامش الهندية قديم ٤/ ٧٦۔

(١) الدر المختار م الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٥، كراچي ١/ ٦٦١۔

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوى الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوى أو يصلي ثم يفعل ماشاء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

(٢) عن جابر بن عبد الله قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن مضطجعون ←

مسجد کے لئے شامیانہ کرایہ پر لینے کا حکم

سوال (۱۵۸۲): قدیم ۲/ ۱۱۷- جامع مسجد میں تین شامیانے ہیں جو بعد کامیابی مقدمہ بنوائے گئے ہیں، ماہ رمضان المبارک میں چونکہ مصلیان کی کثرت ہوتی ہے اور وہ سہ شامیانے کافی نہیں ہوتے اور دھوپ کی شدت ہوتی ہے؛ اس لئے دو یا تین اور آخری جمعہ کو چار شامیانے کرایہ پر منگائے جاتے ہیں معمولی کرایہ فی شامیانہ ۸/ ہے مگر اس موقع پر بہت زیادہ کرایہ لیتے ہیں فی شامیانہ ایک روپیہ یا دو روپیہ یا دو روپیہ ۸/ - یہ مصارف مسجد میں شامل ہو کر جائز ہے یا نہیں؟ درصورت خلاف ہر دو سوال بیحد شور وغل برپا ہوتا ہے اور متولیان کی نسبت خصوصاً متولی منتظم کی بہت کچھ گفت وشنید اور الزام لگائے جاتے ہیں۔ بینوا ماھو حق توجروا عنداللہ

الجواب: یہ ضرورت اغراض مسجد سے ہے اس لئے جائز ہے۔(۱)

۲۱/ شعبان ۴۲ھ (تتمہ ۵، ص ۳۰۳)

← **في مسجده، فضربنا بعسيب كان في يده، وقال: قوموا لا ترقدوا في المسجد.** (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطهارة، باب الوضوء في المسجد، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣١٨، رقم: ١٦٥٧)

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوى الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى أو يصلي ثم يفعل ماشاء ...... ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب والأحسن أن يتورع فلا ينام. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٢١، جديد ٥/ ٣٧١)

والنوم فيه لغير المعتكف مكروه وقيل لا بأس للغريب أن ينام فيه والأولىٰ أن ينوى الاعتكاف ليخرج من الخلاف. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٢)

ويكره الإعطاء مطلقًا ...... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٥، كراچي ١/ ٦٦١)

(١) **والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى** ←

مسجد میں پنکھا لگانا

سوال (۱۵۸۳): قدیم ۲/ ۱۱۷- ماقولکم رحمکم الله. پنکھا لگانا مساجد میں بہ نیت ترویح مصلیان یا بارادہ تزئین مسجد درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو رسول اللہ ﷺ نے حر رمضان کی شکایت کیوں نہ دفع کی اور نہیں تو طرق مباحہ ملابس ومساکن ومطاعم وغیرہ وقنادیل وشامیانہ وغیرہ اشیائے تزین میں اور اس میں کیا فرق ہے حاصل یہ کہ یہ امر منجملہ بدعات قبیحہ ہے یا نہیں؟ نصوص واشارات کتاب وسنت وروایات فقہیہ سے جواب عنایت ہو۔ بینوا توجروا

الجواب: مسجد حقیقت میں ایک دربار شاہنشاہی خداوندی ہے اور اُس میں نماز پڑھنی حاضری دربار شاہی ہے جیسے درباروں میں حاضر ہوکر بادشاہ کو آداب و مجرا بجالاتے ہیں اور آکر اظہار بندگی و پرستندگی کرتے ہیں اس طرح مسجد میں حاضر ہونے سے یہی مقصود ہے کہ خداوند عالم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر اپنی عبودیت کا اظہار کریں حقیقت نماز کی یہی ہے اور اسی وجہ سے اس میں خشوع وخضوع پر نظر ہے جس قدر خشوع وخضوع بجالائے گا اُتنی ہی اُس کی بندگی پسند آئے گی جب یہ معلوم ہو چکا کہ مسجد ایک دربار ہے اور اُس کے حاضرین درباری ہیں تو اب سمجھنا چاہیے کہ دربار کی رونق وعلو کو کوئی مکروہ وغیر مستحسن نہیں سمجھتا اور نہ درباریوں کی زیب وزینت کو کوئی مذموم وقبیح جانے مگر جو درباری صورت تکبر کی جو کہ منافی علت غائی حاضری یعنی بندگی کی ہے بنا کر آویں۔ نیز بادشاہ نیز اہل عقل کو زشت ومنکر معلوم ہوگا۔ اسی طرح جب مسجد دربار خداوندی ٹھہرا اور حاضرین درباری قرار دیئے گئے تو مسجد اور اھل مسجد کی رونق وزینت کو تو عقل ونقل جائز رکھتی ہے۔

← **قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح**. (شامي، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٦٠، كراچي ٤/ ٣٦٧)

البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٦، كوئٹه٥/ ٢١٣۔

هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦۔

وللمتولي أن يستأجر من يخدم المسجد يكنسه ونحو ذلك بأجر مثله. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٦١، جديد ٢/ ٤١٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قال اللّٰہ تعالیٰ: فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ (*)الآیة(١) . وقال تعالیٰ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ (**)الایة. (٢)

البتہ حاضران دربار اگر صورت فخر وتکبر کی بنا کر حاضر ہوں بیشک موأخذ ومعاتب ہوں گے۔ پس اب دیکھنا چاہیے کہ کونسی چیز زینت دربار واہلِ دربار ہے وہ درست ہوگی اور کونسی چیز فخر وتکبر کی ہے وہ قبیح ہوگی پس شامیانہ وقنادیل وفروش وغیرہا کہ مقصود ان سے زینت مسجد ہے برمحل ہوں گے اور مسجد میں پنکھا لگانا کہ بڑا مقصود اس سے ترویح مصلیان ہے بے موقع ہوگا کہ خود تو شاہنشاہ مطلق کے روبرو دست بستہ کھڑے ہیں اور خادم پنکھا کررہا ہے کیسی نازیبا صورت ہوگی (٣) اُدھر تو ارشاد ہے: قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قَانِتِیۡنَ. الآیة (٤)

اور یہ صورت قنوت وتواضع سے کس قدر درجہ دُور ہے، ع: بہ بین تفاوت رہ از کجاست تابکجا۔ اگر کوئی ادنیٰ حاکم کے دربار میں جائے کیسے ہی زیب وزینت کرے اور عمدہ کپڑے پہنے ہو وہ ناخوش نہ ہوگا اور جو ایک خادم ساتھ پنکھا کرتا جائے بیشک موردِ عتاب حاکم ہوگا پھر کیا خداوند جل شانہ کا اتنا بھی لحاظ و خیال نہیں صدق تعالیٰ وَمَاقَدَرُو اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ الآیة. پھر یہ کہ اُس وقت کون کھینچے گا؟ اگر کسی مسلمان سے کھچوایا تو اُس کی نماز نہ پڑھنے پر راضی ہوئے اور اُس کو ترک جماعت کا امر کیا اور جو کسی کافر سے کھچوایا تو بلاوجہ کافر کو مسجد (***) میں داخل کرنا کیا ضرور ہے (****) اور اگر نماز میں پنکھا نہ بھی کیا

(*) استدلال بعموم اللفظين۔١٢ منہ

(**) كما لمس الحاجة إليه غالبًا۔١٢ منہ

(***) كما تمس الحاجة إليه غالبا۔١٢ منہ

(****) بلکہ فتوی مجمع برکات میں لکھا ہے کہ اگر دوسرا شخص نمازی کو پنکھا جھیلے اور یہ نمازی اس سے راضی ہو تو نماز فاسد ہوجاوے گی عبارت اس کی یہ ہے: في الجامع لو روح غير المصلى مصليا ورضي بروحه

(١) سورۃ البقرۃ: آیت: ٣٦۔

(٢) سورۃ الأعراف آیت: ٣١۔

(٣) یہاں بجلی کے پنکھا مراد نہیں جو آج کل ضرورت مسجد میں شمار کیا جاتا ہے؛ بلکہ یہاں وہ پنکھا مراد ہے جو پرانے زمانے میں ہاتھ کا پنکھا ہوتا تھا اور مجمع کو ہوا پہونچانے کے لئے بڑے بڑے پنکھے ہوتے تھے، جو رسیوں سے کھینچے جاتے تھے، وہی پنکھا یہاں مراد ہے جس کو مسجد میں لگانے پر نکیر کی جارہی ہے۔ اور آگے سوال نمبر: ١٥٨٤ر میں بجلی کے پنکھا کی اجازت پر فتوی جاری فرمایا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

(٤) سورۃ البقرۃ آیت: ٢٣٨۔

اور خارج نماز کیا تو کیا ہوا اوّل تو لگاتے اسی واسطے ہیں خارجِ نماز کے دستی پنکھے سے بھی ضرورت دفع ہوسکتی ہے پھر اتنا تکلف کرنا سوائے وقت نماز کے اور کس وقت کے لئے ہے دوسرے پھر بھی اس میں صورت فخر وتکبر کی ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے لوگوں نے مساجد میں سب کچھ تکلف کئے مگر یہ کبھی نہیں سوجھی کیا وہ لوگ کرنہ سکتے تھے مگر یہی ہے کہ اس کی صورت ہی نہایت مکروہ ہے مساجد کیا دیوان خانے ہو جائیں گے رہے اور تکلفات مثل شامیانہ وقنادیل وفروش کہ محض زینت مکان کے لئے ہیں یہ چنداں قبیح نہیں اگرچہ زائد از حاجت یہ بھی فضول ہیں اور اس قدر تزین واہیات ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **ما أمرت بتشييد المساجد.**

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (*)

لتزخرفتها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ. (۱)

ابوداؤد تو فی الواقع جس قدر تکلفات مساجد میں بڑھ گئے ہیں جو زائد حاجت سے ہیں سب فضول ہیں، مگر چونکہ اصل سب کی محتاج الیہ ہے اگرچہ لوگوں نے اُس پر زیادتیاں کر لی ہیں اس وجہ سے کسی درجہ کم بُری ہیں مثلاً شامیانہ کہ حقیقت میں دھوپ سے بچنے کے لئے مثل چھت کے ہے اصل میں ایسی چیز محتاج الیہ ہے، مگر اُس پر یہ تکلفات کہ کپڑا اس کا رنگین ومنقش وبیش قیمت ومکلّف ہو یہ فضول ہے۔

← **تفسد صلوة عند مشايخنا وهو الأحوط؛ لأنه يصير مروحا في الصلاة كذا في خزانة الجلالية.** الخ از رسالہ احکام التراویح ۱۲منہ

اگرچہ یہ روایت مرجوع ہے؛ لیکن غایت درجہ کی اس میں قباحت وشناعت ہوگی جو بعض بزرگوں نے اس کو مفسد سمجھا۔

(*) **في صحيح البخاري أمر عمرؓ ببناء المسجد وقال: أكن الناس من المطر وأياك أن تحمر أوتصغر فتفتن الناس، قال: أنس يتباهون بها ثم لا يعمرونها إلا قليلا.** جلد: ۱،ص: ۶۴ ـ ۱۲منہ

وأيضاً قال النبي صلى الله عليه وسلم في ذم الزمان الآتى مساجدهم عامرة وهى خراب۔۱۲

وقال الشامي: في أقسام البدعة ناقلا عن الشرح الجامع الصغير للمندى عن تهذيب النووي وقال مثله في الطريقة المحمدية للبركلي ومكروهة كزخرفة المساجد. جلد: ۱، ص: ۲۷۶ ـ ۱۲منہ

---

(۱) **عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أمرت بتشييد المساجد،** ←

فرش ہے اصل میں اس کی احتیاج ہے تا کہ کپڑے اور بدن خاک مٹی سے بچیں مگر اُس میں یہ افراط کہ بیش بہا شطرنجیاں اور قالین اُس پر اقسام اقسام بیل بوٹے یہ لغو۔ قندیل ہے اصل میں اس کی حاجت ہے تاریکی میں مسجد میں روشنی ضرور ہے مسجد کی دیواریں تیل سے بچانے کے لئے اور نیز چراغ کو ہوا سے بچانے کے لئے اگر چراغ کسی قندیل میں رکھدیا کچھ حرج نہ تھا مگر اُس پر یہ زیادتی کہ ضرورت ایک کی وہاں بیسوں لٹک رہی ہیں کہیں چمنی کہیں فانوس کہیں گلاس کہیں ہانڈی کہیں جھاڑ کہیں لالٹین پھر اُس میں موم اور چربی کی بتیاں حاجت سے زائد۔ یہ واہیات دیواریں ہیں پائداری کے لئے چونہ وکچ کافی ہیں پھر اُس میں یہ تکلف کہ بیل بوٹے رنگ برنگ سرخ و زرد یہ سب فضول ہے اس لئے متولی کو فضولیات کا وقف سے بنانا جائز نہیں اگر بناوے گا ضمان آوے گا۔

اما المتولی فیفعل من مال الوقف مایرجع إلیٰ أحکام البناء دون ما یرجع إلیٰ النقش حتیٰ لو فعل یضمن. واللّٰہ اعلم بالصواب ھدایہ جلد اوّل، ص ۱۲۴. (۱)

پس یہ سب تکلفات فضول اور واہیات ہیں اور ترک ان کا ضروری ہے مگر چونکہ اصل ان سب اشیاء کی محتاج الیہ ہے اس لئے ان میں چنداں قباحت نہیں بخلاف پنکھے کے کہ اصل میں اُس کی کوئی حاجت شدید نہیں ہوا سب جگہ آتی ہے مگر پھر بھی جس قدر تھوڑی بہت حاجت ہے اُس کے لئے دستی پنکھا کافی ہے۔ اب اس پر قناعت نہ کرنا اور گرجا گھر کی طرح پنکھا باندھنا مسجد کی صورت اور اپنی سیرت خراب کرنا ہے پھر شاید اپنے خادموں کو ساتھ لا کر نماز میں پاؤں دبوانے لگیں کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت ہے (*)۔ مگر جس شخص کو ذرا عقل سے بہرہ ہو وہ اس بات کو بیشک قبیح مستہجن سمجھے گا بندگی کرنے آیا ہے یا بندگی کرانے حضرت مولانا محمد اسحٰق محدث رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں تشریف لاتے تھے جوتا اپنے ہاتھ سے اُٹھاتے اور کسی کو نہ دیتے تھے۔ خیر اس قدر احتیاط ہم ناکاروں سے نہیں ہوسکتی مگر جتنی بے احتیاطی ہوچکی چاہئے تو اُس کی بھی درستی کریں جو یہ بھی نہ ہوسکے تو اور نئی تو نہ تراشیں۔ نقل مشہور ہے گزشتہ راصلوات آئندہ را احتیاط۔

(*) یا مسند تکیہ لگنے لگیں یا میز کرسی بچھنے لگیں کہ اس میں بھی آسائش ہے۔۱۲ منہ عفی عنہ

← **قال ابن عباس: لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى.** (سنن أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، النسخة الهندية ١/٦٤، دارالسلام رقم:٤٤٨)

(۱) هداية، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر، مكتبه اشرفية ديوبند ١/١٤٤۔

هذا مايحكم (*) بـه العقل الصحيح و مضمار البحث والاستدلال فسيح. فقط والله اعلم وعلمه اتم واحكم.

١٢/ ذی قعدہ ١٣٠٠ھ (امداد ثانی، ص ١٢١)

مسجد میں بجلی کا پنکھا اور اس کی روشنی کا حکم

سوال (١٥٨٤): قدیم ٢/ ١٥٧- یہاں بجلی کا انجن منگایا گیا ہے جس سے روشنی اور پنکھے کا کام لیا جائے گا اگر مسجد میں اس کی روشنی کی جاوے یا اس کا پنکھا لگایا جاوے جو خود بخود چلے گا اور کسی قسم کا شور یا بدبو نہ ہوگی تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔(١)

٧/ رجب ١٣٣١ھ (حوادث اول وثانی، ص ١٠٢)

مسجد کے کنویں سے عوام کو روکنے کا حکم

سوال (١٥٨٥): قدیم ٢/ ١٥٧- مسجد کا کنواں متولی مسجد بزعم خود احتیاط وطہارت کے لئے سفید پوش نمازیوں کے سقاء وشرب و وضو غسل کے لئے مخصوص کرتا ہے کہتا ہے کہ عام اہل محلّہ کے گھروں پر لیجانے کے لئے بھی نہیں ہے عوام کے ظروف جو بھرنے کو لاتے ہیں پھوڑ دیئے جاتے ہیں؟

الجواب: منع کرنا تو تنظیف وتطہیر مسجد کے لئے جائز ہے۔(٢) جبکہ قریب دوسرا کنواں ایسا ہو

(*) ان سب کا حاصل لزوم مفاسد لغیرہ ہے، پس اگر بعض اکابر سے اس کی اجازت منقول ہو اس کا حاصل اباحت فی نفسہ ہے فلا تعارض۔١٢ منہ

---

(١) عن علی انه قال: نهى عن أكل الثوم إلا مطبوخا. (سنن ترمذي، باب ما جاء في الرخصة في أكل الثوم مطبوخا، النسخة الهندية ٢/ ٣، دار السلام رقم:١٨٠٨)

بجلی کے پنکھے وغیرہ کے بارے میں حضرات فقہاء کے زمانہ میں تصور بھی نہیں تھا؛ اس لئے اس بارے میں جزئیہ مشکل سے مل سکتا ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) إن تنزيه المسجد من القذر واجب. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٦١٢) ←

جس سے عوام کی رفع احتیاج ہو سکے لیکن گھڑے پھوڑ دینا ظلم اور حرام ہے(۱) اسی طرح اگر دوسرا کوئی کنواں نہ ہو تب بھی منع کرنا حرام ہے۔(۲) واللہ اعلم

۳۰/ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی، ص۱۸۲)

مسجد میں چارزانو بیٹھنے کا حکم

سوال (۱۵۸۶): قدیم ۲/۱۵-۷ - زید کہتا ہے کہ مسجد میں چارزانو بیٹھنا سخت بے ادبی ہے اور سخت بے ادبی ہونے کی وجہ سے ناجائز۔ حتی الامکان دوزانو بیٹھے اور مجبوری سے چارزانو بیٹھنے کی اجازت ہوسکتی ہے اور جو شخص چارزانو بیٹھتا ہے خواہ خالی بیٹھے یا کچھ قرآن مجید یا وظیفہ پڑھنے کے لئے بیٹھے تو اس سے ناراض ہوتا ہے اور اُس کو ملامت کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو سخت گستاخی سمجھتا ہے کہ آدمی

← **ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء مطلقا ...... والوضوء لأن ماءه مستقذر طبعا فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٤، كراچي ١/٦٦٠)

(۱) **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم أخو المسلم لا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه.** (ترمذي شريف، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، النسخة الهندية ٢/١٤، دارالسلام رقم:١٩٢٧)

(۲) **عن عائشة قالت: سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم نهي أن يمنع نقع البئر قال يزيد يعني فضل الماء.** (مسند أحمد بيروت ٦/١٣٩، بيت الأفكار رقم:٢٥٦٠٠)

وقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يمنع نقع البئر وهو فضل مائها الذي يخرج منها، فللناس أن يشربوا منها ويسقوا منها دوابهم؛ ولكن إذا كان في أرض مملوكة فلصاحبها أن يمنع من الدخول في ملكه؛ لأن في الدخول في ملكه إضرار به من غير ضورة وله أن يدفع الضرر عن نفسه، وإن اضطروا إليه بأن لم يجدوا ماء غيره وخافوا الهلاك، فإنه يجبر على أن يأذن لهم في الدخول في ملكه أو يخرج الماء لهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٣٧٥-٣٧٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعد نماز اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرلے اور پاؤں کو جو قعدہ میں بچھا تھا بچھار کھے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو بھی ناجائز بتاتا ہے کہ آدمی اپنے سُرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے اور دونوں پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لے لے خلاصہ یہ ہے کہ زید دوزانو بیٹھنے کے سوا مسجد میں ہر نشست کو بے ادبی کے سبب ناجائز بتاتا ہے بلکہ مسجد کے باہر بھی قرآن یا وظیفہ پڑھنے کے وقت دوزانو بیٹھنے کے سوا ہر نشست کو جناب باری جل جلالہ میں بے ادبی و گستاخی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ مسجد میں ایک بار اپنے سُرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے تھے کہ جناب باری جل جلالہ کی طرف سے عتاب ہوا اور غیب سے آواز آئی کہ اُو ثور (بیل) یہ کیا بے ادبی و گستاخی ہے اُسی دن سے حضرت سفیان ثوریؒ کے نام کے ساتھ ثوری کا لفظ اضافہ ہوگیا۔ عمرو کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعد نماز صبح چارزانو ہی بیٹھے ہوئے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے جب آفتاب بلند ہوتا تو دو رکعت یا چار رکعت نماز اشراق ادا فرماتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چارزانو بیٹھنا بھی مسنون ہے نہ بے ادبی و گستاخی؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ جل شانہ کا ادب اور خوف کسی کے دل میں نہیں ہوسکتا جب آپ نے یہ نشست اختیار فرمائی تو صاف ظاہر ہے احادیث میں آیا ہے؛ البتہ نماز میں بلا عذر اس طرح بیٹھنا ضرور خلافِ ادب ہے خارج نماز بعض اوقات اس طرح بیٹھنا مسنون ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعد نماز داہنا پاؤں کھڑا کرلینا بھی بعض اکابر سے ثابت ہے جو کم ازکم جائز ضرور ہے اور کسی طرح قابل ملامت نہیں رہا حضرت سفیان ثوریؒ کا قصہ وہ بے بنیاد ہے سند صحیح سے ثابت نہیں کتب تصوف سے معلوم ہوتا ہے چارزانو بیٹھنا خلافِ ادب نہیں بلکہ ادب کے موافق ہے؛ کیونکہ تسبیح دوازدہ کے وقت اوّل چارزانو ہی بیٹھتے ہیں اور رگِ کیماس کو دبا کر ضربیں لگاتے ہیں اگر یہ نشست اللہ تعالیٰ کو مبغوض و ناپسند ہوتی تو اہل تصوف جو کہ کمال ادب جناب باری جل جلالہ کا ہر وقت ملحوظ رکھتے ہیں کبھی اس کو اختیار نہ فرماتے۔ پھر لطف یہ کہ اوّل ہی میں اختیار فرماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ آرام لینے کی غرض سے آخر میں چارزانو بیٹھتے ہوں، اس کے علاوہ قراء اکثر چارزانو ہی بیٹھنا پسند فرماتے ہیں کیونکہ چارزانو بیٹھنے میں سینہ سے آواز بہ آسانی نکلتی ہے اور قرآن پڑھنے میں تکلف نہیں کرنا پڑتا، زید و عمرو کے خیالات ظاہر کرنے کے بعد یہ بات دریافت طلب ہے کہ جو بات صحیح اور موافق حدیث وفقہ وتصوف ہو اُس سے اطلاع فرمایئے تاکہ اُس کے موافق اعتقاد و عمل رکھا جائے؟

الجواب: عمرو کا قول صحیح ہے۔ حدیث تو سائل نے لکھدی ہے۔(۱)

قاضی خان میں ہے: **وهو كالتربع في الجلوس والاتكاء. قالوا: إن كان ذلك علىٰ وجه التجبر يكره، وإن كان لحاجة ضرورية لايكره.** (۲) **اه قلت: ومن الحاجة طلب الراحة.**

اورحضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ کا قصہ محض کسی کا تراشیدہ خلاف نقل وخلافِ لغت ہے۔

في القاموس. وثور أبوقبيلة من مضر منهمسفيان بن سعيد (۳) اور خلاف نحو بھی کیونکہ ثوری پر الف لام آتا ہے الثوری اگر ثوری کے وہ معنی ہوتے جو زید نے دعویٰ کیا ہے تو اس ترکیب میں اضافہ معنویہ ہوتے ہوئے الف ولام کا داخل ہونا اُس پر کس طرح جائز ہوتا۔

۱۸/ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۱۸۷)

نابالغ کی زمین مسجد میں شامل کرنے کا حکم

سوال (۱۵۸۷): قدیم ۲/ ۱۷۷- جس زمین کو مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہوں اُس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو صورت شرعاً درست ہو ویسا کیا جاوے یعنی مسجد کے پچھّم جانب ۴ بسوہ زمین افتادہ ہم ہی لوگوں کی ہے جس میں سے تقریباً ایک بسوہ زمین مسجد میں شامل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے سب شرکاء راضی ہیں صرف یتیم نابالغ کی وجہ سے گڑبڑی ہے جو صورت شرعاً تجویز کی جاوے ویسا انتظام کیا جاوے مفتی ....صاحب نے تو لکھا ہے کہ مبادلہ نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ بھائی ایسا ولی نہیں جو اس قسم کا تصرف کرسکے

---

(۱) **عن جابر بن سمرة قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى الفجر تربع في مجلسه حتى تطلع الشمس حسناء.** (أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الرجل يجلس متربعا، النسخة الهندية ٢/ ٦٦٦، دارالسلام رقم: ٤٨٥٠)

(۲) قاضی خاں میں اس کے ہم معنی الفاظ ملے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

ويكره التربع لا من عذر بأن يفعل على وجه التكبر وإن تربع في التطوع لا على وجه التكبر جاز. (قاضي خان، جديد ١/ ٧٤، قديم على هامش الهندية كوئٹه ١/ ١١٨)

(۳) القاموس المحيط: حرف الثاء، دار الحديث القاهرة ص:٢٢٧.

القاموس المحيط، باب الراء، فصل في الثاء، دار إحياء التراث العربي بيروت ص:٣٣٧.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس لئے سخت دقّت پیش آرہی ہے۔ میرا خاص حصہ اس زمین میں ۱۷/۶ سہم ۲۸ سہم ہے باقی شرکاء زمین کے دینے پر راضی ہیں کوئی تردد نہیں جواب جلد مرحمت فرمایا جاوے کیونکہ سب امور طے ہو گئے ہیں؟

الجواب: اس کو تصریحاً لکھئے کہ اگر بجز نابالغ کے دوسرے سب شرکاء اُس زمین ملحق بالمسجد سے اپنا حصہ تقسیم کر کے لے لیں تو جو حصہ نابالغ کا بچ جاوے وہ اُس سے منقطع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱)

رجب ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۶۰)

متولی کا مسجد کے سامان کو بیچنا

سوال (۱۵۸۸): قدیم ۲/ ۱۷۷- متولی مسجد مسجد کی کوئی شئ کسی وجہ سے فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ شئ جس کو بیچنا چاہتے ہیں اگر فرش و جاء نماز وغیرہ ہے یعنی ایسی چیز ہے جو مسجد کی عمارت میں متصل نہیں اور منقول ہے تو اُس کا حکم یہ ہے کہ جس نے یہ شئ مسجد میں دی ہے وہ اُس کو بیچ سکتا ہے اگر وہ نہ ہو اُس کا وارث (۲) اور جب وہ بھی نہ ہو تو باجازت قاضی اسلام یا باتفاق اکثر اہلِ اسلام بیع جائز ہے (۳)

---

(۱) اس میں حضرتؒ نے کوئی فیصلہ کن حکم تحریر نہیں فرمایا؛ بلکہ سائل سے سوال فرمایا ہے کہ نابالغ کا حصہ الگ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے اس کو یونہی چھوڑ دیا۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **رجل بسط من ماله حصيرا للمسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه، فإنه ذلك يكون له إن كان حيا ولورثته إن كان ميتا، وإن بلى ذلك كان له أن يبيع ويشتري بثمنه حصيرًا آخر، وكذا لو اشترى حشيشا أو قنديلا للمسجد فوقع الاستغناء عنه كان ذلك له، إن كان حيّا ولورثته إن كان ميتا وعند أبي يوسف يباع ذلك يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر. والفتوى على قول محمد.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٤٢٣، كوئٹه ٥/ ٢٥٢)

خانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدًا أو خانا الخ مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣/ ١٩٣، جديد ٣/ ٢٠٤۔

(۳) **ولو أن أهل المسجد باعوا حشيش المسجد أو جنازة أو نعشا صار خلقا ومن فعل ذلك غائب اختلفوا فيه قال بعضهم: يجوز والأولى أن يكون بإذن القاضي،** ←

اوراگر وہ شئے ایسی ہے جو مسجد کے اندر بطور جزو کے لگ چکی تھی پھر جُدا ہوگئی جیسے کڑی تختہ وغیرہ یا اینٹیں بعد انہدام کے تو قاضی یعنی حاکم اسلام کی اجازت سے۔ اوراگر وہ نہ ہوتو اکثر اہلِ اسلام کے اتفاق سے اُس کی بیع جائز ہے(۱) اوراگر وہ شئے ازقسم جائداد غیر منقول ہے جو مسجد کے لئے وقف ہے تو اُس کا بیچنا کسی طرح جائز نہیں۔(۲)

في العالمگيرية من كتاب الوقف: ذكر أبو الليث في نوازله حصير المسجد إذا صارت خلقا واستغنى أهل المسجد عنها وقد طرحها إنسان إن كان الطارح حيا فهوله وإن كان ميتا ولم يدع وارثا أرجو أن لابأس بأن يدفع أهل المسجد إلىٰ فقير أوينتفعوا به في شراء حصير اٰخرللمسجد. والمختار انه لايجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضي. كذا في المحيط السرخسي وفي المنتقى: بوارى المسجد إذا خلقت فصارت لاينتفع بها فأراد الذى بسطها أن يأخذها ويتصدق بها بعدما خلقت لم يكن لهم ذلك إذاكانت لها قيمة

← **وقال بعضهم: لا يجوز إلا بإذن القاضي وهو الصحيح.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٢٣، كوئٹه ٥/٢٥٣)

خانية علی هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدًا أو خانا، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣/٢٩٣، جديد ٢/٢٠٥۔

(١) وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفًا للبدل إلى مصرف المبدل. (هداية، كتاب الوقف، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٦٤٢)

وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه ويمسك ثمنه ليحتاج. (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٣، كراچي ٤/٣٧٧)

(٢) وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضًا منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع تصرف القيم في الأوقاف، مكتبه زكريا ديوبند ٨/٦٦، رقم:١١٢٢١)

وإن لم يكن لها قيمة لابأس بذالک كذا في الذخيرة (۱) وأيضاً فيها أهل المسجد لو باعوا غلة المسجد أو نقص المسجد بغير إذن القاضي الأصح انه لايجوز كذا في السراجية. وأيضاً فيها وفي الفتاویٰ النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال: لايجوز بأمر القاضي وغيره كذا في الذخيرة. (۲) اہ. قلت: قد سمعت استاذیؒ ان عامة أهل الإسلام بمنزلة القاضي. قلت لأن ولايته مستفاد منهم فكأنه هم وكأنهم هو. فقط والله اعلم (امداد ثانی ، ص ۹۰)

مسجد میں گھنٹہ رکھنے کا جواز

سوال (۱۵۸۹): قدیم ۲/ ۱۸۷- مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا عموماً رواج ہوتا جاتا ہے بوجہ عدم نقل از سلف وفی الجملہ مشابہت آواز جرس کچھ مکروہ تو نہیں؟

الجواب: خلاف اولیٰ کہنے کی تو گنجائش ہے؛ لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے؛ کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں؛ بلکہ آلہ مفیدہ معرفت وقت کا ہے فقہاء نے خود طبل سحر کی اجازت لکھی ہے (۳) اور مسجد میں ہونا؛ اس لئے مصلحت ہے کہ وہاں معرفتِ اوقاتِ نماز کی زیادہ حاجت ہے۔

۲۶/ شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول، ص ۱۴۳)

---

(۱) هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصيربه مسجدًا، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲/ ۴۵۸، جديد ۲/ ۴۱۱۔

(۲) هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲/ ۴۶۳، جديد ۲/ ۴۱۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) **قال ابن عابدين: آلة اللهو ليست محرمة لعينها؛ بل لقصد اللهو منها، إما من سامعها أو من المشتغل بها، ألا ترى أن ضرب تلک الآلة حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية؟ والأمور بمقاصدها. وقال الحصكفي: ومن ذلک أي الحرام ضرب النوبة للتفاخر، فلو للتنبيه فلا بأس به، ونقل ابن عابدين عن الملتقي أنه ينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة، ثم قال: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۶۹) ←

سوال (۱۵۹۰): قدیم۲/ ۷۱۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹے کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز کے پہچاننے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر گھڑی مذکور مسجد سے خارج ہو مگر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت میں بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں بعضے نمبر نہیں پہچانتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنیٰ ہے (۱) جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں (۲)

← الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٤-٥٠٥، كراچي ٦/ ٣٥٠-

(١) **قال ابن عابدين: آلة اللهو ليست محرمة لعينها؛ بل لقصد اللهو منها، إما من سامعها أو من المشتغل بها، ألا ترى أن ضرب تلك الآلة حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية؟ والأمور بمقاصدها. وقال الحصكفي: ومن ذلك أي الحرام ضرب النوبة للتفاخر، فلو للتنبيه فلا بأس به، ونقل ابن عابدين عن الملتقي أنه ينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة، ثم قال: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/ ١٦٩)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٤-٥٠٥، كراچي ٦/ ٣٥٠-

(٢) **قال محمدؒ في السير فأما ما كان في دار الإسلام فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به. قال: وفي الجرس: منفعة جمة منها إذا ضل واحد من القافلة يلحق بها بصوت الجرس، ومنها أن صوت الجرس يبعد هو أم الليل عن القافلة كالذئب وغيره، ومنها أن صوت الجرس يريد في نشاط الدواب فهو نظير الحداء.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٥٤، زكريا جديد ٥/ ٤٠٩)

اورحدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوٰۃ میں مصلحت صلوۃ کے لئے دلیل بیّن ہے(۱) مشروعیت صوت جس میں متقارعین لمصلحۃ الاعلام المتعلق بالصلوٰۃ کی۔

۳/شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل وثانی،ص۱۰۹)

مسجد کی محراب وغیرہ میں آیات لکھنے کا حکم

سوال (۱۵۹۱): قدیم۲/۱۹۷- مساجد میں سنگ مرمر پر آیات قرآنی کندہ کرا کر لگانے کا کیا حکم ہے اگر جائز ہے تو اچھا ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے مکروہ لکھا ہے بوجہ احتمال بے ادبی کے(۲)؛ لیکن اگر کندہ ہوکر لگ گئے ہوں تو اب اُس کا اُکھاڑنا بے ادبی ہے۔؛ لہٰذا اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاوے۔

۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی،ص۲۶)

---

(۱) **عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء.** (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب التصديق للنساء، النسخة الهندية ١/١٦٠، رقم: ١١٨٩، ف:١٢٠٣)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب تسبيح الرجل وتصفيق المرأة إذا نابهما شئ في الصلاة، النسخة الهندية ١/١٨٠، بيت الأفكار رقم:٤٢٢.

(۲) **وفي النهاية وليس مستحسن كتابة القرآن على المحارب والجدران لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٥، كوئٹه ٢/٣٧)

هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/١٠٩، جديد ١/١٦٨-

ولا ينبغي الكتابة على جدرانه أي خوفا من أن تسقط وتوطأ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٧، كراچي ١/٦٦٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں چراغ روشن رکھنے کا حکم

سوال (۱۵۹۲): قدیم۲/ ۱۹۷- مغرب وعشاء کے مابین اندرون مسجد چراغ روشن رکھنا اگر چہ نمازیوں کی آمد و رفت نہ ہو کیا ضروری ہے یعنی چراغ جلانا نمازیوں کے آسائش کے لئے ہے یا فی نفسہ مسجد کی کوئی تعظیم ہے کہ ضرورت بلاضرورت روشن ہی ہو؟

الجواب: یہ وقت ایسا ہے کہ کسی کا مسجد میں آجانا تلاوت کے لئے یا نوافل کے لئے بعید نہیں بعضے آبھی جاتے ہیں نیز مسجد کی اس میں حفاظت بھی ہے کہ کوئی جانور وغیرہ آجاوے تو دیکھ کر دفع کر دیا جاوے؛ بلکہ روشنی میں آتے بھی کم ہیں؛ اس لئے بلانکیر ایسے وقت میں مساجد میں روشنی رہنا شائع ومعتاد ہے۔(۱)

۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ۲، ص ۳۳)

---

(۱) **ولا بأس به بأن يترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى وقت العشاء، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع، جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام، أو شرط الواقف فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا.** (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٤٢٠، كوئٹه ٥/ ٢٥٠)

ويجوز ترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى العشاء لا كل الليل إلا إذا جرت العادة بذلك كمسجد سيدنا عليه الصلاة والسلام. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وما يتصل به، مكتبه زكريا قديم ٦/ ٢٦٩، جديد ٣/ ١٤٤)

وفي الفتاوى الصغرى: المتولي إذا أنفق على قناديل المسجد من وقف المسجد، فإنه يجوز أن يترك سراج المسجد من وقت المغرب إلى وقت العشاء ولا يترك في جميع الليل إلا في موضع جرت العادة كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم. (خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٤٢٢) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

کافر کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۱۵۹۳): قدیم ۲/ ۱۹۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قنوج میں جامع مسجد شاہی واقع ہے اس کو تعمیر ہوئے ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ گزرا اس سے قبل ہندوؤں کا دیول یعنی بت خانہ تھا؛ لہٰذا مسجد کی تعمیر کو اتنا زمانہ ہوا مگر ہندو اب تک اس کو سیتا کی رسوائی سمجھ کر دیکھنے آتے ہیں تو ان کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے مؤذن وغیرہ لالچ کی وجہ سے جانے کی اجازت دیدیتے ہیں وہ لوگ ننگے پیر ہوتے ہیں اور زانو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور عورتیں لہنگا پہنے ہوتی ہیں؛ لہٰذا ایسی حالت میں اُن کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے داخل ہونے کی اجازت ہے یا نہیں اور مشرک لوگ ناپاک ہیں اس وجہ سے ہم اُن کو مسجد کے اندر داخل ہونے سے منع کرتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر میں نجاست نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے۔ میرا یہ سوال ہے کہ جب مشرکوں کے ناپاک ہونے کا ثبوت ہے تو ان کی ظاہرو باطن نجاست میں کیا فرق ہے اور اگر مشرکوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور جو صاحبان مسجد کے اندر مشرکوں کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں اُن کو کیا ثواب ملتا ہے اور میرے منع کرنے سے کیا مجھ کو عذاب حاصل ہوتا ہے اور ہندو مسلمانوں کو اپنے مندروں اور بت خانوں میں جانے سے منع کرتے ہیں اس خیال سے اگر ہم بھی منع کریں تو کیا مضائقہ ہے اور ان کے پیر ننگے ہونے کی وجہ سے گرد وغبار میں آلودہ ہوتے ہیں اگر ان سے پیر دھونے کے واسطے کہا جاوے تو کیا حرج ہے۔ پیر میلے ہونے کی وجہ سے داخل ہونا ناگوار گزرتا ہے۔ جواب شافی سے مطلع فرمائیے۔

الجواب: في الدر المختار: أحكام المسجد قبيل باب الوتر والنوافل مانصه وإدخال نجاسة فيه وعليه فلا يجوز الاستصباح بدهن نجس فيه ولا تطيينه بنجس ولاالبول والفصد فيه ولو في إناء ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم وإلا فيكره. اه وفي رد المحتار: تحت قوله: وإدخال نجاسة فيه عن الفتاویٰ الهندية لايدخل المسجد من علیٰ بدنه نجاسة. اه (۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸-۴۲۹، كراچي ۱/ ۶۵۶۔ ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کے ابدان یا بواطن کے نجس وغیر نجس ہونے کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، جب مسلمان بچوں کا جبکہ غالب احوال میں اُن کا بدن نجس ہوتا ہے مسجد میں داخل کرنا حرام ہے (۱) تو بالغین کفار جہاں علاوہ نجاست غالبہ کے دوسرے موانع بھی ادخال مسجد کے مجتمع ہیں اُن کو مسجد میں داخل ہونے کی کیسے اجازت دی جاوے گی اور نجاست کا اُن پر غالب ہونا ظاہر ہے خصوص پاخانہ کے بعد ازالہ نجاستہ کا اہتمام نہ ہونا اُن کا یقینی ہے اور دوسرے موانع میں سے بڑا مانع یہ ہے کہ وہ مندروں میں مسلمانوں کو نہیں جانے دیتے تو غیرت اسلامی ضرور مانع ہونا چاہیے۔ (۲)

۱۰/ صفر ۱۳۵۳ھ۔ (النور، ص ۸ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ)

← **ولا يدخل الذي على بدنه نجاسة المسجد كذا في خزانة المفتين.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٢١، زكريا جديد ٥/ ٣٧١)

(١) عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما يكره في المساجد، النسخة الهندية ١/ ٥٤، دار السلام رقم: ٧٥٠)

(۲) مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کی ممانعت کی دو علتیں حضرت والا تھانویؒ نے تحریر فرمائی ہیں:

پہلی علت: غیر مسلم ظاہری نجاست سے حفاظت کا اہتمام نہیں کرتا؛ لیکن اگر اس کے بدن پر ظاہری نجاست نہیں ہے اور اس کے داخل ہونے سے مسجد کے نجاست سے ملوث ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، تو غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

عن الحسن أن وفد ثقيف أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فضربت لهم قبة في مؤخر المسجد لينظروا إلى صلاة المسلمين إلى ركوعهم وسجودهم، فقيل: يا رسول الله! أتنزلهم المسجد وهم مشركون؟ فقال: إن الأرض لا تنجس، إنما ينجس ابن آدم. (مراسيل أبي داؤد ص:٦، رقم:١٧)

عن سعيد بن المسيب أن أبا سفيان كان يدخل المسجد بالمدينة وهو كافر، غير أن ذلك لا يصلح له في المسجد الحرام لما قال الله تعالىٰ إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام. الآية (مراسيل أبي داؤد ص:٦، رقم:١٨) ←

کچھ وقت کے بعد ویران ہوجانے والی جگہ پر مسجد بنانے کا حکم

سوال (۱۵۹۴): قدیم ۲/ ۲۱۷- آستانہ شہر سے ۴ میل فاصلہ پر ہے اور ہر چہار طرف ایک ایک میل تک کو آبادی کسی طرح کی نہیں ہے میرے ساتھ چند خادم رہتے ہیں نماز با جماعت ہوتی ہے آستانہ میں ایک جگہ نماز کے لئے مخصوص رہتی ہے جو موسم کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اسی طرح رمضان المبارک میں تراویح کا انتظام ہے کبھی شہر سے زیادہ آدمی آجاتے ہیں تو مجبوراً میدان میں جماعت ہوتی ہے، میں نے ارادہ کیا ہے کہ آستانہ سے متصل مسجد بناؤں مختصر تعمیر ہوگی بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ جب تک تم یہاں ہو مسجد آباد رہے گی تمھارے بعد ویران ہوجائے گی؛ کیونکہ ایسی پُرخطر وغیرآباد جگہ میں کون قیام کرے گا اس لئے یہاں مسجد بنانا خواہ وہ بالکل ہی مختصر ہومنا سب نہیں، حضرت کے ارشاد کا طالب ہوں؟

← **عن عثمان بن أبي العاص أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم أنزلهم المسجد ليكون أرق لقلوبهم. الحديث** (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب ما جاء في خبر الطائف، النسخة الهندية ٢/ ٤٢٨، دار السلام رقم:٣٠٢٦)

أقول: دلت هذه الأحاديث على أن نجاسة الكفر غير مانعة من دخول المسجد وهو ليست من النجاسات الحكمية أو الحقيقية البدنية؛ بل هي من نجاسات الآثام والأوزار، ونجاسة الآثام هي المرادة في قوله تعالىٰ: ''إنما المشركون نجس'' فلا تعارض بين الآية والأحاديث حتى يمكن القول بكونها منسوخة بالآية لا سيما إذا كانت رواية الحسن مشيرة إلى أن قصة وفد ثقيف متأخرة من نزول الآية. (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب دخول المشركين المسجد، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٤٩٠، كراچي ١٧/ ٤٥٣)

دوسری علت: حضرتؒ نے بیان فرمائی ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو مندروں میں جانے نہیں دیتے ہیں؛ لیکن آج کے زمانہ میں حالات برعکس ہے کہ اگر کوئی مسلمان مندر میں جاتا ہے تو غیر مسلم اسے نہیں روکتے ہیں آج سے دس پندرہ سال قبل گنیش جی کے دودھ پینے کی جب شہرت ہوئی، اس دن احقر دلی میں تھا اپنے دوست کو ساتھ میں لے کر اس کی حقیقت جاننے کے لئے کئی مندروں میں جانا ہوا کسی نے نہیں روکا؛ بلکہ غیر مسلموں کی بھیڑ نے ہمیں اندر جانے کے لئے راستہ بنادیا؛ لہٰذا یہ علت بھی آج موجود نہیں ہے، ہاں آئندہ حالات کے اعتبار سے حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: میں وجداناً بھی اور دلیل سے بھی ان اہل علم حضرات سے متفق ہوں وجدان کا علم تو مجھ ہی کو ہے اور دلیل یہ ہے کہ مقصود مسجد بنانے سے تو تضاعف اجر ہے جس کی توقع غیر مسجد میں نہیں ؛ لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ خود صحرا میں نماز پڑھنا گو بغیر مسجد کے ہو اور گو بغیر جماعت کے ہو موجب تضاعف اجر ہے جب مسجد کی غرض بغیر مسجد کے بھی حاصل ہے پھر مسجد بنا کر اُس کو خطرۂ ویرانی و بے حرمتی میں کیوں ڈالا جائے وہ احادیث یہ ہیں۔

في الترغيب والترهيب للحافظ عبدالعظيم المنذری مانصه. الترغيب في الصلاة في الفلاة قال الحافظؒ : قد ذهب بعض العلماء إلىٰ تفضيلها على الصلوٰة في الجماعة وعن أبي سعيد الخدریؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة في الجماعة تعدل خمسة وعشرين صلاة، فإذا صلاها في فلاة فأتم ركوعها وسجودها بلغت خمسين صلاة. رواه أبوداؤد، رواه الحاكم بلفظه وقال صحيح على شرطهما ورواه ابن حبان في صحيحه اه مختصراً. (١)

١٨/ ربیع الاول ۵۴ھ (النور، ص ٨، صفر المظفر ۱۳۵۵ھ)

---

(١) الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، باب الترغيب في الصلاة في الفلاة، دار الكتاب العربي ص:٧٩، رقم:٥٨٦، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٢/١ ـ

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشئ إلى الصلاة، النسخة الهندية ٨٣/١، دار السلام رقم:٥٦٠ ـ

المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، كتاب الإمامة وصلاة الجماعة، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة ٣١٢/١، رقم:٧٥٣ـ

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في جماعة تزيد على صلاته وحده بخمس وعشرين درجة، فإن صلاها بأرض قِيٍّ فأتم ركوعها وسجودها بلغت صلاته بخمسين درجة. (صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب الإمامة والجماعة، فصل في الجماعة، دار الفكر بيروت ٢٤٩/٣، رقم:٢٠٥٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد کے دریا بُرد ہونے کے خوف سے اُس کو منہدم کرنا

سوال (۱۵۹۵): قدیم ۲/ ۲۲۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دریائے راوی نے ہمارے قصبہ سید والہ کو گرانا شروع کر دیا ہے قصبہ کی آبادی کا ایک حصہ دریا نے کاٹ کر صاف کر دیا ہے اور بعض بڑے بڑے مقامات گر چکے ہیں دریائے مذکور کی حالت اس قسم کی خوف ناک ہو چکی ہے جس سے اہالیان شہر کا متفقہ خیال ہو چکا ہے کہ اب یہ شہر ضرور منہدم ہو جاوے گا لوگ نئی آبادی کی بنیاد ڈالنے کے واسطے تجاویز کر چکے ہیں۔ اس قصبہ میں تقریباً چھ سات مساجد اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہیں اور وہ قصبہ کے باقی محلات کے ساتھ سخت خطرہ میں ہیں اگر دریا شہر کو کاٹ کر بتدریج ان مساجد کے قریب پہنچے اور ان کو گرانا شروع کر دے جس سے یقیناً تمام ملبہ پختہ اینٹیں لکڑی کا سامان۔ شہتیر، باسے وغیرہ دریا میں غرق ہو جاویں گے یا بہہ جائینگے اور چونکہ یہاں کے مسلمان بہت مفلوک الحال اور افلاس زدہ ہو چکے ہیں اس قسم کی پختہ عمارات زمانہ قدیم کی تعمیر شدہ ہیں اس صورت میں اور متذکرۃ الصدر حالات کے ماتحت اگر مسلمان مساجد کا تمام ضروری اور کار آمد ملبہ مع پختہ فرشوں کے اکھیڑ لیں تا کہ نئی مساجد کے تعمیر میں لگایا جا سکے تو شرعاً مسلمانوں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ یعنی تحریم مساجد کے منافی تو نہیں جس سے خدا و خدا کے رسول ﷺ کے نزدیک قابل مواخذہ ہو جواب بہت جلد ارسال فرماویں کیونکہ تباہی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: نازک مسئلہ اور بڑے درجہ کے سائل، اس کا جواب تو جماعت محققین کے مشورہ سے دیا جانا مناسب تھا اب بھی ممکن ہے کہ دیوبند سے رجوع فرمایا جاوے اور یہ میری تحریر بھی بھیج دی جاوے باقی امتثال امر کے لئے میں بھی اپنا خیال عرض کر دوں۔ جزئیہ کا حوالہ تو ذہن میں نہیں قواعد سے عرض کرتا ہوں اگر غالب گمان گرنے کا نہ ہو تو ہدم جائز نہیں اور اگر غالب گمان ہو تو اس نیت سے جائز ہے (اور اس نیت کا اعلان بھی کر دیا جاوے) کہ اگر دریا بُرد ہو گئی تو اس کے ملبہ سے نئی آبادی میں مسجد بنالیں گے اور اگر سالم رہی تو پھر اصلی جگہ تعمیر کر دیں گے (۱) اور یہ سب تفصیل اُس وقت ہے کہ جب خود منہدم ہو جانے کے وقت حمل ونقل کی قدرت نہ رہے گی ورنہ خود انہدام کا انتظار ضروری ہے۔

۲۰/ جمادی الاولی ۵۴ھ (النور صفحہ ۸ (ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

---

(۱) سئل شیخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة ←

مسجد کی تعمیر شروع کراکرنماز کی اجازت پھرانکارکرنے سے مسجد ہوتی ہے یانہیں

سوال (۱۵۹٦): قدیم ۲/۲۲۳- علمائے دین سے گزارش ہے کہ صورت ذیل میں شرع شریف کا جوحکم ہے اُس سے مطلع فرماکرعنداللہ ماجور ہوں۔ایک شخص مسمی خلیل احمد نے ایک قطعہ زمین خرید کی۔ اس زمین سے ایک خاص قطعہ کوجس کی چوحدی واضح کردی مسجد بنوانے کے لئے مخصوص کردیا۔ اور پوری زمین کا نقشہ اس طرح سے بنوایا کہ مسجد کے لئے مخصوص کردہ قطعہ پر دومنزلی مسجد کا نقشہ دکھایا اور باقی پر مکان دوکان کا نقشہ دکھایا اور یہ نقشہ پاس ہوگیا مسجد بنوانے کے لئے اجازت ہوگئی اجازت حاصل ہونے کے بعداشخاص محلّہ اور بعض اعیان شہر کے سامنے مسجد کی بنیاد قائم کی اور سمت قبلہ قاعدہ سے ٹھیک کرکے اپنے ایک عزیز کی نگرانی میں مسجد کی تعمیر شروع کرادی چنانچہ نیچے کی منزل کی دیواریں مسجد نمابن گئیں اس کے بعد خلیل احمد صاحب نے مسمی مولوی محمد عابد سے (جوکہ اس مسجد زیر تعمیر کے پاس مطب قائم کئے ہوئے تھے) فرمایا کہ مجھ سے اس مسجد کی تکمیل نہیں ہوسکتی ہے آپ چندہ یا جس طریق سے چاہیں تکمیل کرالیں خلیل احمد کے کہنے کے مطابق مولوی محمد عابد صاحب نے تکمیل کے کام کوانجمن تبلیغ اسلام کے حوالہ کیا اور انجمن نے چندہ سے کام شروع کرادیا اور نیچے کے درجہ میں تبلیغ کا مکتب قائم کردیا اور کچھ عرصہ تک اس میں مکتب قائم رہا

← **يستولون على خشبه وينقلون إلى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم!** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٥٠، كراچي ٤/ ٣٦٠)

وفي فتاوى النسفي سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية افترقوا وتداعي مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد و ينقلونه إلى ديار هم هل لواحد من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أوإلى هذا المسجد، قال: نعم كذا في المحيط. (هندية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٤٧٨-٤٧٩، جديد ٢/ ٤١٩)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ١٩٧، رقم: ١١٦٢٦۔ **شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ**

جبکہ انجمن کی طرف سے اکثر حصہ چھت وغیرہ کا پٹ گیا تو خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میرے والد خود اس کی تکمیل کریں گے انجمن والے اپنا حساب دیدیں تاکہ اُن کو روپیہ دیدیا جائے۔ انجمن والوں نے حساب دیدیا مگر باوجود تقاضا و دوادوش کے کچھ عرصہ تک روپیہ انجمن کو واپس نہیں کیا اور خود کام بھی شروع نہیں کیا بالآخر مولوی محمد عابد صاحب نے جن کے ذمہ تکمیل کا کام آیا تھا قریب کے اُن مسلمانوں کو جو کہ اپنی دوکانوں میں نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے اجازت دیدی کہ مسجد کی چھت پر جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں جب چھت پر اذان اور نماز ہونے لگی (جس جگہ یہ مسجد قائم کی گئی ہے وہاں مسلمانوں کے اعتبار سے ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے) ہنود نے اذان اور نماز سے مزاحمت تو نہیں کی مگر اُن کو ناگوار ضرور ہوا اور خفیہ طریق سے اُن کے مشورے ہوتے رہے مولوی محمد عابد صاحب نے ہنود کی طرز مخالفت کو محسوس کر کے خلیل احمد اور اُن کے والد کو (جو کچھ عرصہ سے ملازمت کی وجہ سے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے) لکھنؤ خط لکھا کہ مسجد کی چھت پر جب سے اذان نماز ہونے لگی ہے ہنود کا خیال ہے کہ مسجد بنوانا پاس نہیں ہوا ہے اذان نماز یہاں کیوں ہوتی ہے آپ مہربانی فرما کر نقشہ لیکر تشریف لایئے اور اہل ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کر دیجئے۔ دو ہفتہ تک کوئی جواب نہیں آیا تو پھر تاکیدی خط لکھا گیا چند یوم کے بعد خلیل احمد صاحب تشریف لائے تو بجائے اس کے کہ ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کرتے اُنھیں لوگوں میں یہ اعلان شروع کر دیا کہ پہلا نقشہ میں نے منسوخ کرا دیا ہے اور اس پوری زمین کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوں اور مولوی محمد عابد صاحب کو بھی نقشہ دکھلایا جس میں صرف ترمیم اس قدر تھی کہ اوپر کے حصّہ میں مسجد کی شکل نہیں دکھائی تھی اور نیچے کے حصّہ میں سمت قبلہ وغیرہ بجنسہ سابق تعمیر کے موافق تھی۔ خلیل احمد صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مسجد نقشہ سے منسوخ کرادی ہے۔ ہنود میں خوشی کے چرچے ہونے لگے اور فوراً بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر مندر بنوانے کی درخواست گزر گئی۔ حکام امپرومنٹ ٹرسٹ کی تحقیق میں جب یہ آیا کہ قریب میں مسجد کی بنیاد قائم ہوئی ہے وہ درخواست مندر کی نامنظور کردی۔ اب خلیل احمد صاحب علانیہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مسجد میں نے منسوخ کرادی ہے اور کہیں بنوالوں گا اگر یہاں مسجد بنے گی تو ہماری زمین فروخت نہیں ہوگی اس لئے کہ ہم کو قیمت ہندوؤں سے زیادہ ملے گی اور وہ مسجد ہونے کی صورت میں خرید نہیں کریں گے۔ محض جائداد فروخت کرنے کی غرض سے اپنی نیت خراب کر رکھی ہے نہ خود مسجد کی تکمیل کراتے ہیں نہ مسلمانوں کو تکمیل کرنے دیتے ہیں اور ہندوؤں کو مندر بنوانے کا موقع دے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کے ملاحظہ کے بعد ارشاد ہو کہ یہ مسجد قرار پاگئی یا نہیں؟ بصورتِ اوّل مسلمانوں کو حق ہے کہ اپنے اثر سے اس مسجد کی تکمیل کرلیں اور مندر بنانے کا موقع نہ دیں۔ انجمن والوں کو خاموش کرنے کے لئے منجملہ اٹھاون روپیہ کے صرف مبلغ پچھتر روپے دیدیئے ہیں باقی ہنوز باقی ہیں۔

نوٹ: خلیل احمد صاحب نے خود نماز نہیں پڑھی مگر حق مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں کا بنوانا اور حق تسلیم کرلیا اور نماز واذان کی اطلاع پر دو تین ہفتہ تک خاموش رہے۔

الجواب: **في الدر المختار: یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني وشرط محمد والإمام الصلوٰة فیه. وفي رد المحتار: قوله بالفعل أي بالصلوٰة فیه ففي شرح الملتقي أنه یصیر مسجدا بلا خلاف، ثم قال عند قول الملتقي وعند أبي یوسف: یزول بمجرد القول ولم یرد أنه لایزول بدونه لما عرفت أنه یزول بالفعل أیضاً بلاخلاف. اه قلت: وفي الذخیرة وبالصلوٰة بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف حتی أنه إذابنی مسجدًا و أذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فإنه یصیر مسجدا. (۱) اھ في العالمگیریة: الباب الحادي عشر، وإذا سلم المسجد إلی متول یقوم بمصالحه یجوز وإن لم یصل فیه وهو الصحیح کذا في الاختیار شرح المختار وهو الأصح کذا في محیط السرخسي اھ. (۲)**

ان روایات میں مسجد کے مسجد ہونے کی جتنی شرطیں ہیں متفق علیہ یا مختلف فیہ واقعہ مسئول عنہا میں سب متحقق ہیں قول بھی چنانچہ بار بار زبانی بھی نقشہ میں بھی معاملہ سے بھی اُس کو مسجد کے لقب سے ذکر کیا، فقہاء نے یا طالق یا حر سے طلاق واعتاق کا حکم کردیا ہے اور وقف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مثل اعتاق کے ہے۔ (۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد، مکتبه زکریا دیوبند٦/٥٤٤-٥٤٥، کراچي ٣٥٥/٤-٣٥٦۔

(۲) عالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما یتعلق به، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ٤٥٥/٢، جدید ٤٠٨/٢۔

(۳) **ویجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع هذا بیان شرائطه الخاصة علی قول محمد؛ لأنه کالصدقة، وجعله أبو یوسف کالإعتاق وفي الشامیة: فلذلک لم یشترط القبض والإفراز أي فیلزم عنده بمجرد القول کالإعتاق بجامع إسقاط الملک.** (الدر المختار مع الشامي، کتاب الوقف، مطلب في الکلام علی اشتراط التأبید، مکتبه زکریا دیوبند ٥٣٥/٦، کراچي ٣٤٨/٤-٣٤٩)

اور فعل بھی چنانچہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کو جائز رکھا جس سے اذن پایا گیا۔ تسلیم بھی چنانچہ اس کی تکمیل کا انتظام ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا جو بانی کے ملازم بھی نہیں تولیت کی حقیقت اسی شان کا انتظام ہے پس جب سب شرطیں مسجد ہونے کی پائی گئیں اور کوئی مانع نہیں پایا گیا اس لئے وہ زمین مسجد ہوگئی، اب بانی کا انکار محض لغو ہے۔ (۱) واللہ اعلم

آخر شعبان ۱۳۵۴ھ (النور، ص ۷ شوال المکرّم ۱۳۵۵ھ)

مسجد میں سونے کا حکم

سوال (۱۵۹۷): قدیم ۲/ ۷۲۵- زید کے مکان کے قریب مسجد بہت ہَوادار ہے دوپہر کے وقت مکان سے اُس میں زیادہ عافیت ہوتی ہے اگر زید اُس وقت اس غرض سے مسجد میں جا کر سو رہے اور پھر نماز ظہر ادا کر کے چلا آوے تو کسی قسم کی توہینِ مسجد تو نہیں ہے اور زید مرتکب توہین مسجد تو نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب. وفي رد المحتار:

---

(۱) **عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله: إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تصدق بأصله لا يباع و لا يوهب ولا يورث؛ ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله عزوجل وابتلوا اليتامىٰ حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/ ٣٨٧، رقم: ٣٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم ولزم لا يملك أي لا يكون مملوكًا لصاحبه ولا يملك أي يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة وقوله فموفة على فلان، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٩، كراچي ٤/ ٣٥١)

وإذا صح خرج من ملك الواقف. (هندية، كتاب الوقف، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٦٣٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وإذا أراد ذلک ینبغي أن ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللّٰہ تعالیٰ بقدر مانوی أو یصلی ثم یفعل ماشاء فتاویٰ ھندیة. ص: ۱۹۱، ج: ۱. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے لیکن اگرکسی کو سخت ضرورت واقع ہو مثلاً گھر کی گرمی کا تحمل نہیں کرسکتا تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کی اعتکاف کی نیت کرلے مثلاً بعد ظہر تک کی اور پھر اُس میں داخل ہوکر تھوڑا وقت عبادت وذکر میں بھی صرف کردے پھر وہاں سورہے اور ظہر پڑھ کر باہر آجاوے۔ (۲)

۱۷/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۸)

مسجد کے صحن میں چارپائی بچھانا

سوال (۱۵۹۸): قدیم ۲/ ۷۲۶- کیا رائے ہے اس مسئلہ میں ایک طالب علم نے اتفاقاً نواڑ کا پلنگ اپنی مسجد کے صحن میں جہاں لوگ وضو کیا کرتے ہیں وہاں پر بچھایا، اب بعض شخص نے اعتراض کیا کہ جائز نہیں؟

اب گزارش ہے کہ طالب علم کی معذوری کو دیکھئے کہ کہاں تک ہے ارشاد فرمایئے کہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیھا، مطلب في الغرس في المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۳۵، کراچي ۱/ ۶۶۱۔

عن جابر بن عبد اللہ قال: أتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن مضطجعون في مسجدہ فضربنا بعسیب کان في یدہ وقال: قوموا لا ترقدوا في المسجد. (مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء في المسجد، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۱۸، رقم: ۱۶۵۷)

(۲) **ویکرہ النوم والأکل فیہ لغیر المعتکف وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغي أن ینوي الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر مانوی أو یصلي ثم یفعل ما شاء.** (ھندیة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس في آداب المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند قدیم ۵/ ۳۲۱، جدید ۵/ ۳۷۱)

والنوم فیہ لغیر المعتکف مکروہ وقیل لا بأس للغریب أن ینام فیہ والأولیٰ أن ینوی الاعتکاف لیخرج الخلاف. (حلبي کبیري، فصل في أحکام المسجد، مکتبہ اشرفیة دیوبند ص: ۶۱۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: فی نفسہ جائز ہے(۱) اگر پاک ہومگر چونکہ عرفاً یہ خلافِ ادب ہے اس لئے مناسب نہیں (۲) جیسے جوتہ پہن کر مسجد کے اندر چلا جانا۔ (۳)

۲۷/ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اوّل ص ۲۰۷)

مسجد کے روپیہ میں مسجد کے لئے تجارت کرنا

(۴) **سوال (۱۵۹۹)**: قدیم ۲/ ۷۲۶- دریں دیار کہ مرسوم برائے اخراجات ضروری مسجد اہل محلّہ چیزے از نقود می دہند شدہ شدہ از بقیہ خرچ چیزے از نقود فراہم آید از یں نقود برائے زیادتی مال مسجد تجارت درست است یا نہ؟

---

(۱) **عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا اعتكف طرح له فراشه أويوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة.** (سنن ابن ماجه، أبواب الصيام، باب في المعتكف يلزم مكانا من المسجد، النسخة الهندية ص:١٩٧، دار السلام رقم: ١٧٧٤)

(۲) **ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى أو يصلي ثم يفعل ماشاء . كذا في السراجية: ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب والأحسن أن يتورع فلا ينام كذا في خزانة الفتاوى.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٢١/٥، جديده ٣٧١/٥)

والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه والأولىٰ أن ينوي الاعتكاف ليخرج من الخلاف. (حلبي كبيري، فصل في أحكام المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٦١٢)

(۳) **دخول المسجد متنعلا مكروه، كذا في السراجية.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٢١/٥، جديد ٣٧١/٥)

إن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٢٩/٢، كراچي ٦٥٧/١)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٦١/٢، كوئٹه ٣٤/٢۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۴) **خلاصۂ سوال**: اس شہر میں مسجد کے ضروری اخراجات کے لئے محلّہ والے کچھ روپیہ دیتے رہتے ہیں خرچ کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے، اس بچی ہوئی رقم سے مسجد کے مال میں زیادتی کے واسطے تجارت کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) **الجواب**: باذن معطین درست است ۔(۲) فقط

۸/ ذالحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اوّل ص ۲۱۳)

متولی کی شرائط کا بیان

سوال (۱۶۰۰): قدیم ۲/ ۷۲۶- ایک مسجد کے متعلق ایک درگاہ شریف ہے جس میں اہل محلّہ اور زائرین درگاہ شریف نماز پڑھتے ہیں اور جس کو ایک رئیس معتقد شیخ نے بپاس خاطر شیخ تیار کرایا تھا، ایک بزرگ اولادِ شیخ سے جس کو بعض سجادہ نشین مانتے ہیں اُس مسجد میں نماز باجماعت آخر اور مکروہ اوقات میں ادا کرتا ہے اور انتظام مؤذن وامام اپنے اختیار میں رکھا ہے وہ مؤذن اور امام بغیر رعایت اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ کے حسب منشاء اُس سجادہ نشین کے اذان واقامت جماعت کرتے ہیں ایک جماعت اہل محلّہ و زائرین ونیز باقی اولادِ شیخ چاہتے ہیں کہ اقامت جماعت اوقات مستحبہ شرعیہ میں کی جاوے اور یہ سجادہ نشین صاحب عمداً اس سے تخلف کرتے ہیں اگر یہ سجادہ نشین صاحب اپنے اصرار پر قائم رہے اور نماز اوقات مکروہہ میں ادا کرے تو کیا اہل محلّہ اور زائرین و باقی اولادِ شیخ کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اوّل وقت میں اُس مسجد میں نماز باجماعت ادا کریں اور ایسا مؤذن وامام مقرر کریں جو اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ میں اپنے کام کو انجام دیں یا مسلمانانِ اہل محلّہ وزائرین کو ایسے سجادہ نشین صاحب کا اتباع خواہ جیسے وقت میں نماز پڑھے لازم ہے اور براہ مہربانی ومرحمت یہ بھی بیان فرماویں کہ کیا کسی سجادہ نشین صاحب کا یہ حق ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شرکت میں نماز پڑھنے پر مجبور کرے خواہ وہ کسی وقت نماز پڑھنا چاہے اور مسلمانوں کو پہلے وقت میں نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے؟

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: معطین کی اجازت سے درست ہے۔

(۲) مسجد کا پیسہ متولی اور ذمہ دار مسجد کے پاس امانت ہوتا ہے، اس پیسہ کو مسجد کی ضروریات کے علاوہ کسی دوسرے انداز سے تصرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ بظاہر نفع کیوں نہ ہو۔

وفي القنية: ولا يجوز للقيم شراء شيئ من مال المسجد لنفسه ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد. (البحر الرائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۴۰۱/۵، كوئٹه ۲۳۹/۵)

والوديعة لا تودع ولا تعار ولاتؤاجرو لاترهن، وإن فعل شيئا منها ضمن. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۳۳۸/۴، جديد ۳۴۹/۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: كتاب الوقف، جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع وكذا لولم يشترط لأحد فالولاية له عند الثاني وهو ظاهر المذهب (إلىٰ قوله) وإلا فللحاكم وفيه وينزع وجوبا لو الواقف درر فغيره بالأولى غير مأمون (إلىٰ قوله) وإن شرط عدم نزعه أو أن لا ينزعه قاض ولا سلطان. (١) الخ وفيه ولاية نصب القيم إلىٰ الواقف ثم لوصيه (إلىٰ قوله) ثم للقاضي. اه مختصرا وفي أثناء هذه العبارة طالب التولية لا يولى إلا المشروط له النظر؛ لأنه مولى فيريد التنفيذ نهر. و في رد المحتار: تحت قوله: ولاية نصب القيم إلىٰ الواقف ما نصه عن التاتارخانية ماحاصله أن أهل المسجد لواتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح؛ ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي، ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل ان لايعلموا القاضي في زماننا لماعرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف. وكذلک إذا كان الوقف على أرباب معلومين يحصى عددهم إذا نصبوا متوليا وهم من أهل الصلاح. (٢)اه وفي الدرالمختار: قبيل باب الوتر، ونوافل ولأهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلوٰة فيه (أي إذا ضاق بهم المسجد كما في رد المحتار) ولهم نصب متول. في رد المحتار: أي ولوبلانصب قاض كما قدمناه عن العناية (٣) وفيه باب الإمامة والأحق بالإمامة تقديما بل نصبا إلا علم بأحكام الصلوٰة (إلىٰ قوله) ولو أم قوما وهم له كارهون أن الكراهة لفساد. فيه أولأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلک تحريما وأن هو أحق لا والكراهة عليهم اه مختصراً. (٤)

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في اشتراط الواقف الولاية لنفسه، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٥٧٧-٥٨٠، كراچي ٤/٣٧٩-٣٨٢۔

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٣٣-٦٣٦، كراچي ٤/٤٢١-٤٢٤۔

(٣) الدر المختار مع الشاميؔ، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٧، كراچي ١/٦٦٢-٦٦٣۔

(٤) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٩٤-٢٩٨، كراچي ١/٥٥٧-٥٥٩۔

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

نمبر ۱: اگران سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی نہیں بنایا تو اُن کو انتظامات مسجد میں دخل دینا بدون رضامندی اہلِ محلّہ کے مطلقاً ناجائز ہے۔

نمبر ۲: اگران سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی بنایا بھی ہومگر اوقاتِ مکروہہ میں نماز و جماعت کی عادت کرنے سے معزول کردیئے جاویں گے حتیٰ کہ اگران کی تولیت میں عدم عزل کی بھی تصریح کردی ہو تب بھی معزول کردیئے جاویں گے یہاں تک کہ ایسے امور غیر مشروعہ کے اعتبار سے خود واقف بھی اگر متولی ہووہ بھی معزول کردیا جاتا ہے۔(۱)

نمبر۳: متولی ومنتظم کے عزل ونصب کا اختیار شرعاً اہلِ محلّہ کو حاصل ہے حتیٰ کہ بعض احوال میں اہل محلّہ قاضی پر بھی مقدم ہیں۔(۲)

---

(۱) وإذا كان الواقف غير مأمون وقد شرط الولاية لنفسه يخرجه الحاكم عن الولاية وينزعه منه ...... وإن كان شرط أن لا ينزعه منه أحد فالشرط باطل لخلافه الشرع إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة يجب عليه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف. (بزازية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في نصب المتولي وما يملكه أولا، مكتبه زكريا ديوبند جديد ٣/١٣٤، وعلى هامش الهندية قديم ٦/٢٥٣)

وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه صح وينزع لو خائنا، وإن شرط أن لا ينزع (كنز) وفي النهر: يجب على الحاكم نزعه إذا كان خائنا غير مأمون على الوقف. وكذا لو كان عاجزًا نظرًا للوقف وصرح بأن مما يخرج به الناظر إذا ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه كذا في الفتح. (النهر الفائق، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٧)

(۲) سئل شيخ الإسلام عن أهل مسجد اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح مسجدهم فتولى ذلك باتفاقهم هل يصير متوليا مطلق التصرف في مال المسجد على حسب ما لو قلده القاضي؟ قال: نعم! قال: مشايخنا المتقدمون يجيبون عن هذه المسألة ويقولون: نعم! والأفضل أن يكون ذلك بأمر القاضي، ثم اتفق المشايخ المتأخرون وأستاذنا على أن الأفضل أن ينصبوا متوليا ولا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف. (الفتاوى التارتاخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في مسائل وقف المساجد، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٨٠، رقم: ١١٥٧١) ←

نمبر ٤ :ایساامام بھی گناہ گار ہوتا ہے جس سے بوجہ اوقاتِ مکروہہ میں نماز و جماعت پڑھنے کے نمازیانِ مسجد کو کراہت ونفرت ہے۔(۱)

نمبر ۵ :بحالت مذکورہ خود سجادہ نشین کا مطلقاً انتظام میں دخل دینا ناجائز ہے بوجہ ارتکاب غیر مشروع کے بھی اور بوجہ دعویٰ تولیت کے بھی جبکہ اہل تولیت کے نہیں ہیں چہ جائیکہ اوروں کو اقامت سنن شرعیہ سے روکیں۔

۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی، ص۱۹۲)

مسجد میں آئے گلگلوں کا حکم

سوال (۱۶۰۱):قدیم۲/ ۷۲۸- ایک بات یہاں پیش آئی کہ کچھ گلگلے اور ایک کچے آٹے کا چراغ اُس میں گھی ڈال کر روشن کر کے مسجد کے طاق میں رکھ دیتے ہیں اور اُس کو طاق بھرنا کہتے ہیں، آیا ان گلگلوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :اس طرح سے گلگلے لانا جس میں بہت سی تقئیدات وتخصیصات اعتقادیہ وعملیہ ہیں اور بعض جگہ عورتوں کا لانا مزید براں ہے عمل منکر اور بدعت ہے۔(۲) مگر اس سے خود اُن گلگلوں میں کوئی

← المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون في المساجد، المجلس العلمي ۹/ ۱۳۹، رقم: ۱۱۳۹۲۔

(۱) **عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون ورجل أتي الصلاة دبارا والدبار أن يأتيها بعد أن تفوته ورجل اعتبد محرره.** (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/ ۸۸، دارالسلام رقم: ۵۹۳)

أم قوما وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق منه بالإمامة كره له ذلک، وإن كان هو أحق بالإمامة لا يكره والكراهة على القوم. قال الحلبي: ينبغي أن تكون تحريمية لما رواه أبو داؤد، لايقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۲) شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم. والتخصيص من غير مخصص مكروها.**

(مجموعة رسائل اللكنويؒ ۳/ ۴۹۰، إدارة القرآن، بحواله فتاوى محموديه ڈابھيل ۳/ ۲۶۹)

خبث یا حرمت نہیں آتی ''ما أهل لغير الله به'' میں داخل نہیں کیونکہ مسجد میں لانا قرینہ اس کا ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہے؛ لہٰذا ان کا کھانا حلال ہے البتہ اگر اس لئے نہ کھائے کہ فاعلین کو عبرت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔(۱)

۵/صفر ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ،ص ۵)

مسجد میں چندہ کرنے کا حکم

سوال (۱۶۰۲): قدیم ۲/ ۷۲۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ یا جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات خیرات دینا کیسا ہے؟

الجواب: اگر شق صفوف نہ ہو مرور میں **بين يدى المصلى** نہ ہو **تشويش على المصلين** نہ ہو حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔(۲)

۵/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ،ص ۶۵)

---

(۱) إن قال: يا الله إني نذرت لک إن شفيت مريضى أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعي أو الإمام الليث أو اشترى حصرا لمساجد هم أو زيتا لوقودها أو دراهم لمن يقوم بشعائرها إلى غير ذلک مما يكون فيه نفع للفقراء والنذر لله عزوجل. وذكر الشيخ إنما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده أو جامعه فيجوز بهذا الاعتبار إذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف، ولا يجوز أن يصرف ذلک لغنى غير محتاج ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ ما لم يكن محتاجا فقيرا. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر، قبيل باب الاعتكاف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۲۱، کوئٹہ ۲/ ۲۹۸)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۹۳ ۔

شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۲۸، كراچي ۲/ ۴۳۹ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) سوال نمبر: ۱۵۷۹/ کے حاشیہ میں اس بارے میں کچھ لکھا گیا ہے ملاحظہ فرمالیا جائے۔ ←

خالی مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کا حکم

سوال (۱۶۰۳): قدیم ۲/۲۰۷- اگر خالی مسجد میں نمازی جائے اگر کوئی شخص مسجد میں نہ ہوتو السَّلام علیکم کرنی چاہئے یا نہیں؟ اگر کرنی چاہئے تو کون سے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں؟ دوسرے آدمی کہتے ہیں کہ خالی مسجد میں السلام علیکم نہیں کرنی چاہئے اگر آدمی موجود ہوں جب کرنی چاہیے؟

الجواب: **في العالمگيرية: إذا دخل الرجل في بيته يسلم على أهل بيته، وإن لم يكن في البيت أحد يقول السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصالحين. كذا في المحيط ج: ٢، ص: ٢١٧.** (١)

اور بظاہر بیت اور مسجد میں کوئی فرق نہیں؛ بلکہ مسجد میں ملائکہ کا موجود ہونا اقرب ہے؛ اس لئے ان الفاظ سے سلام کرلے "**السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصالحين**" (٢) لیکن صرف مستحب ہے ضروری نہیں۔

۲۳/ محرم ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۲۰)

← **ويكره التخطي للسؤال بكل حال. قال في النهر: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافا؛ بل لأمر لابد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على سوال المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٤٢، كراچي ٢/١٦٤)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ١/٣٦٥۔

بزازية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ١/٥١، وعلى هامش الهندية قديم ٤/٧٦۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(١) عالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام وتشميت العاطس، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢٥، جديد ٥/٣٧٦۔

(٢) **ذكر الفقيه رحمه الله تعالىٰ في التنبيه حرمة المسجد خمسة أولها أن يسلم وقت الدخول إذا كان القوم جلوسا غير مشغولين بدرس ولا بذكر، فإن لم يكن فيه أحد أو كانوا في الصلاة، فيقول السلام علينا من ربنا وعلى عباد الله الصالحين.** (عالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧٢) ←

مسجد کی جانب کھڑکی کھولنے کا حکم

سوال (۱۶۰۴): قدیم ۲/ ۷۲۹- اگر بالاخانہ مکان خاص یا مشترک مثل بیٹھک کے کھڑکیاں مسجد میں کھولی جاویں جن سے سوائے فائدہ ہوا کے اور کوئی غرض قبض وتصرف زمین یا فرش وغیرہ کا مقصود نہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کھڑکی وغیرہ آنے کے واسطے کھولی جاوے یہ تو جائز نہیں (۱)؛ کیونکہ طریق حقوق ملک سے ہے اور مسجد غیر مملوک ہے اور اگر محض ہوا وغیرہ کے لئے کھولا ہے اور جس دیوار میں کھڑکی کھولتا ہے وہ اس کی مملوکہ ہو اور کوئی غرض فاسد نہ ہو تو اُس میں اگر مسجد واہلِ مسجد کو کسی قسم کا ضرر وحرج نہ پہنچے تو جائز ہے اور اگر کوئی نقصان یا بے احتیاطی ہو جائز نہیں مثلاً مسجد میں وہاں سے دھواں جاوے یا خس وخاشاک وہاں سے پھینکا جاوے یہ منع ہے۔

ومن أخرج إلى الطريق الأعظم كنيفا أو ميزابا أوجرصنا أو بنى دكانا فلرجل من عرض الناس أن ينزعه ويسع للذى عمله أن ينتفع به ما لم يضر بالمسلمين فإذا أضر

← نیز حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درودوسلام پڑھیں اور پھر "**اللّٰهم اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك**" پڑھیں حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن الحسين عن أمة فاطمة الحسين عن جدتها فاطمة الكبرى. قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد صلى على محمد وسلم وقال رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك وإذا خرج صلى على محمد وسلم وقال: رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب فضلك. الحديث (ترمذي شريف، ۱/ ۷۱، دار السلام رقم: ٣١٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **دار لمدرس المسجد مملوكة أومستأجرة متصلة بحائط المسجد، هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته بابا إلى المسجد، وهو يشتري هذا الباب من مال نفسه؟ فقالوا: ليس له ذلك وإن شرط على نفسه ضمان نقصان ظهر في حائط المسجد.** (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧٠)

بالمسلمین کره له ذلک لقوله علیه السلام: لا ضرر ولاضرار في الإسلام. هداية. ص: ٤٨٥، ج: ٢. (١) واللہ اعلم

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ (امداد ثالث، صفحہ ۱۵۶)

مسجد فضیخ جیسی چیز پینا

سوال (۱۶۰۵): قدیم ۲/ ۴۳۰- مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ کے متعلق وفاء الوفاء میں بحوالۂ مسند احمد بن عمر سے یہ حدیث نظر آئی ہے۔

عن ابن عمر أن النبي ﷺ أتی بجر فضیخ ینش وهو في مسجد الفضیخ فشربه فلذ لک سمی مسجد الفضیخ. (٢)

سوال یہ ہے کہ یہاں فضیخ سے کیا مراد ہے آیا باذق مراد ہے جو بادہ کا معرب ہے یا کچھ اور؟

---

(١) هداية، کتاب الديات، باب ما يحدثه الرجل في الطريق، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٦٠١-

من أحدث في طريق العامة كنيفا أو ميزابا أو جرصنا أو دكانا وسعه ذلک، إن لم يضربهم أي بالعامة؛ لأن الطريق معد للتطرق فله الانتفاع ما لم تتضرر العامة به، وإنما قيد بذلک لقوله عليه الصلاة والسلام: لا ضرر ولاضرار في الإسلام فما تحقق فيه الضرر يأثم بإحداثه ولكل منهم أي العامة نزعه ومطالبته بالنقض. (مجمع الأنهر، كتاب الديات، باب ما يحدث في الطريق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٦٠)

ومن أخرج إلى طريق العامة كنيفا أو ميزابا أو جرصنا أو دكانا فلكل نزعه وله التصرف في النافذ إلا إذا أضر أي له أن يتصرف بإحداث الجرصن وغيره مما تقدم ذكره في الطريق النافذ إذا لم يضر بالعامة معناه إذا لم يمنعه أحد. (البحر الرائق، كتاب الديات، باب ما يحدث الرجل في الطريق، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ١١٠-١١١، كوئٹه ٨/ ٣٤٦-٣٤٧)

(٢) وفاء الوفاء، الباب الخامس: في مصلي النبي في الأعياد وغير ذلك من المساجد التي صلى فيها، الفصل الثالث في بقية المساجد المعلومة العين، مسجد الفضيخ، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٨٢٢-

الجواب: لغت میں اس کے معنی ہیں **عصیر العنب و شراب یتخذ من بسر مفضوح** (اے مکسور)(۱) اور شراب کے معنی ہیں ما شرب (۲) اور عصیر و شرب کے لئے سکر لازم نہیں پس فضیخ کا مسکر ہونا ثابت نہیں؟

بقیہ سوال: اسی کے ساتھ نیش کی تطبیق بھی مفہوم فضیخ کے ساتھ ہونی چاہئے؟

الجواب: نش کے لغوی معنی ہیں صوت الماء وغیرہ اذا غلا اور غلیان (۳) کے لئے بھی سکر لازم نہیں۔ چنانچہ ماء میں غلیان ہوتا ہے سکر نہیں ہوتا۔

بقیہ سوال: علاوہ اس کے نفس حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے اور اس کے رواۃ کون کون ہیں اور ان پر کیا جرح ہوسکتی ہے؟

الجواب: میں نے مسند احمد میں تمام مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو کہ ڈیڑھ سو صفحہ سے زائد پر ہے ایک ایک حدیث کر کے دیکھی مجھ کو یہ حدیث نہیں ملی اگر نظر سے چوک گئی ہو میں نہیں کہہ سکتا اگر مل جاتی تو اُس کے رجال دیکھے جاتے؛ لیکن اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو مضر کیا ہے(۴)؛ جبکہ اُس کے مسکر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور فرضاً اگر مسکر ہونا بھی مان لیا جاوے تو قبل تحریم مسکر پر محمول ہوسکتا ہے۔

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ خامسہ، ص ۴۰۷)

جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۱۶۰۶): قدیم ۲/ ۳۰۷- متعلق فقرۂ ذیل مندرجہ خط عزیزی بہ نسبت امیر کابل جوتوں سمیت سب اُن کے آدمی مسجد میں آئے اور جوتوں سمیت نماز پڑھی؟

---

(۱) **فضیخ: شراب یتخذ من بسر مفضوخ.** (القاموس المحیط، حرف الفاء، دار الحدیث القاهرة: ۱۲۵۱)

(۲) **الشراب ج أشربة: کل ما یشرب.** (المنجد، ماده: شرب المکتبه المشرقیة بیروت ص: ۳۸۰)

(۳) المنجد ماده: نش، المکتبه المشرقیة بیروت ص: ۸۰۷۔

(۴) مسند احمد میں یہ حدیث عالی سند کے ساتھ مل گئی ہے مع سند کے ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وکیع حدثنا عبد الله بن نافع عن أبیه عن ابن عمر أن النبي صلی الله علیه و سلم یعني أتي بفضیخ في مسجد الفضیخ فشربه فلذلک سمي. الحدیث (مسند إمام أحمد بن حنبل ۲/ ۱۹۷، رقم: ۵۸٤٤) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب:اس مقام پر تین امر ہیں: دو نہایت جلی اور ایک خفی۔

امر اوّل یہ بات یقینی اور متفق علیہ و ثابت بالدلیل اور مسلم ہے کہ نعال اگر طاہر ہوں تو اُن کو پہنے ہوئے مسجد میں آنا یا نماز پڑھنا فی نفسہ قطع نظر عوارض خارجیہ سے جائز اور مباح ہے(۱) عام اس سے کہ عوارض کی وجہ سے کہیں مستحسن ہو جاوے اور کہیں مستقبح ہو جاوے۔

امر دوم یہ بات بھی یقینی، متفق علیہ اور محقق ہے کہ اگر نعال نجس ہوں تو اُن کو پہنے ہوئے مسجد میں آنا یا نماز پڑھنا ناجائز وحرام اور معصیت ہے(۲) جس میں جواز یا اس سے بڑھ کر استحسان کا اصلا شائبہ بھی نہیں یہ دونوں امر تو جلی ہیں جو محل اشتباہ نہیں ہو سکتے۔

امر سوم جو کہ خفی اور محل اشتباہ معرض بحث ہے یہ ہے کہ عوارض خارجیہ کے اعتبار سے بصورت طہارت آیا اس میں کوئی استقباح ہے یا نہیں؟ یا اس سے ترقی کر کے استحسان کا حکم کیا جاوے، سو اول یہ سمجھنا چاہئے کہ جو حکم کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عارض کی وجہ سے بدل جاتا ہے اور جو حکم شارع کو فی نفسہ مقصود ہوتا ہے وہ کسی حالت میں نہیں، اس کے شواہد و نظائر علم فقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں، دوسرے یہ جاننا چاہئے کہ یہ یقینی ہے کہ صلوٰۃ فی النعال شارع کے نزدیک کوئی حکم مقصود نہیں؛ کیوں کہ مقاصد شرعیہ میں سے کوئی غرض اس کے ساتھ متعلق نہیں، اب اس کا مدار عوارض پر رہا پس جہاں کوئی عارض مانع نہ ہوگا وہاں منع نہ کیا جاوے گا؛ بلکہ جہاں کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان ہوگا وہاں مستحسن کہا جاوے گا اور جہاں کئی عارض مانع ہوگا وہاں منع کیا جاوے گا۔

---

(۱) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي حافيا و متنعلا.** (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، النسخة الهندية ٩٦/١، دار السلام رقم: ٦٥٣)

عن ابن أبي أوس قال: كان جدي أوس أحيانا يصلي فيشير إليّ وهو في الصلاة فأعطيه نعليه ويقول رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في نعليه. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب الصلاة في النعال، النسخة الهندية ٧٢/١، دارالسلام رقم:١٠٣٧)

قال ابن الملک يعني يجوز الصلاةفيهما إذا كانا طاهرين. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الستر مسئلة الصلاة في النعلين، مكتبه امدادية ملتان ٢٣٦/٢)

(۲) **عن أبي سعيد الخدري قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بأصحابه** ←

تیسرے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ مسجد اور صلوٰۃ دونوں چیزیں واجب الاحترام والادب ہیں اور ادب کے بعض طرق محض عرف پر مبنی ہوتے ہیں پس جس ملک میں مع النعال کسی کے فرش پر آنا اور آ کر ملنا عرفاً خلافِ ادب شمار کیا جاتا ہے وہاں صلوٰۃ و دخول مسجد مع النعال اس عارض بے ادبی کی وجہ سے واجب المنع ہوگا جس کا پتہ قرآن سے لگتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا **"فاخلع نعلیک"** اور اس کی علت یہ فرمائی **إنک بالواد المقدس طویٰ** (۱) خواہ ان کے نعال طاہر ہوں یا نجس ہوں لیکن عموم علت ادب سے حکم معلول میں عموم ہوجاوے گا جہاں نعال نجسہ کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا نہی اس کے ساتھ خاص ہوگی اور جہاں مطلق نعال کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا نہی اس کو بھی عام ہوجاوےگی اور ہمارے دیار ہند کا عرف اس بارہ میں ظاہر ہے پس بناءعلی التقریر المذکور یہاں اس کی ممانعت ضروری ہے(۲) اور جس ملک میں یہ عرفاً خلاف ادب نہ ہو وہاں منع نہ کیا جاوے گا۔ سواہلِ کابل کا عرف ایسا ہی ہوگا اور یہاں کے عُرف کی اُن کو اطلاع نہ ہوگی یا خاص وردی کے نعال میں ایسا عرف ہوگا یا دوسرے ملک میں ہونے کی وجہ سے بے اطمینانی اس کا عذر ہوگا اور اخیر درجہ یہ کہ فعل غیر نبی کا فی نفسہ حجت نہیں اور اگر کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان کا حکم کیا جاوے گا جیسا بعض روایات میں اس کی ترجیح کی یہ علت فرمائی ہے کہ اہل کتاب نعال میں نماز نہیں پڑھتے لیکن یہ عارض متحقق نہیں بلکہ اصل علت کہ نہی عن التشبہ ہے خود مقتضی منع کو ہے کیوں کہ یہاں اس ہیئت میں تشبہ ہے، اب درایۃً وروایۃً اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۱۲/محرم ۱۳۲۳ھ (امداد چہارم، صفحہ ۱۶۳)

← **إذ خلع نعليه فوضعهما عن يساره فلما رأى ذلك القوم ألقوا نعالهم، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال ما حملكم على إلقائكم نعالكم؟ قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن جبرئيل عليه السلام أتاني فأخبرني أن فيهما قذرا، أو قال: أذىً، وقال إذا جاء أحدكم إلى المسجد فلينظر فإن رأى في نعليه قذرًا أو أذىً فليمسحه وليصل فيهما.** (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، النسخة الهندية ۱/۹۵، دارالسلام رقم: ٦٥٠)

(۱) سورة النازعات: ١٦.

(۲) **دخول المسجد متنعلا مكروه، كذا في السراجية.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧١) ←

← **إن دخـول المسجد متنعلا من سوء الأدب**. (شـامـي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٢٩، كراچي ١/٦٥٧)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦١، كوئٹه ٢/٣٤۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

۱۴/ کتاب البیوع

احتکار (یعنی غلّہ وغیرہ کو گرانی کے انتظار میں روکنے) کے احکام

سوال (۱۶۰۷): قدیم ۳/ ۱۹- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے فصل پر شہر کے شہر میں گندم ہزار پانسوں روپے کے خرید کر کے بھر رکھے، کہ عندالموقع فروخت کروں گا، اس عرصہ میں ایسا موقع بھی ہوا کہ اگر فروخت کرتا تو اس کو نفع ہوتا، تاہم انتظار گرانی ہے، سو یہ احتکار ہوا یا نہیں؟ اور اگر یہ احتکار نہیں ہے تو احتکار کی کیا تعریف ہے، اور کیا حکم اس کی نسبت؟

الجواب: اگر اس کے روکنے سے لوگوں کو کچھ ضرر ہوا تو احتکار ہوا، ورنہ نہیں ہوا، کیونکہ احتکار کے معنی روکنا غلہ کا وقت ضرورت خلائق بنظر گرانی (۱) اور اس کی مدت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایک ماہ، بعض کے نزدیک چالیس روز، غرض یہ کہ جب لوگوں کو ضرورت پڑنے لگے اور روکنے سے ضرر ہونے لگے احتکار ہو جاتا ہے۔

---

(۱) **ویکره الاحتكار في أقوات الأدميين والبهائم إذا كان ذلك في بلد يضر الاحتكار بأهله ...... فأما إذا كان لا يضر فلا بأس به، والأصل فيه قوله عليه السلام: الجالب مرزوق والمحتكر ملعون الخ.** (هداية كتاب الكراهية، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٠)

الاحتكار مكروه وذلك أن يشتري طعاما في مصر ويمتنع من بيعه، وذلك يضر بالناس، وإن اشترى في ذلك المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به. (هندية، كتاب البيوع، فصل في الاحتكار، كوئٹه ٣/ ٢١٣، جديد زكريا ٣/ ٢٠٠)

وكره احتكار قوت البشر كتين وعنب ولوز في بلد يضر بأهله لحديث: الجالب مرزوق والمحتكر ملعون، فإن لم يضر لم يكره. (درمختار مع الشامي، كتاب الحضر والإباحة، باب الاستبراء، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ديوبند ٩/ ٥٧١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ثم المدة إذا قصرت لايكون احتكارا لعدم الضرر، وإذا طالت يكون احتكاراً مكروهاً لتحقق الضرر، ثم قيل: هي مقدرة بأربعين يوماً، وقيل: بالشهر . اھ(هداية مختصراً، كتاب الكراهية: ۱۲(۱))۔

اوراحتکار پرحدیث میں بڑی سخت وعیدیں لعنت وجذام وافلاس وغیرہ کی آئی ہیں۔

عن عمر عن النبي ﷺ قال الجالب مرزوق والمحتكرملعون، عن عمربن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من احتكرعلى المسلمين طعامهم ضربه الله با لجذام والافلاس. (مشكوة، كتاب البيوع(۲)) **والله اعلم فقط.**

۲۸ رشوال ۱۳۰۰ء (امداد ثالث)اس کی یعنی روکنے کی ۱۲اس

---

(۱) هداية، كتاب الكراهية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧١ ۔

وإذا قلت المدة لا يكون احتكارا وإذا طالت المدة يكون احتكارا، وعن أصحابنا: أنهم قدروا الطويلة بالشهر فما دونه قليل. (هندية، كتاب اليوع، فصل في الاحتكار، قديم ۳/ ۲۱٤، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۰)

وفي المضمرات: لكن الأفضل أن يبيع ما فضل عن حاجته إذا اشتدت حاجة الناس إليه، ويأثم بالامتناع عن البيع قلت المدة أو كثرت لكن لا يغرم ما لم يطل المدة، وقدروا طول المدة بالشهر، وبعضهم قدروا بأربعين يوما . (تاتارخانية، كتاب البيوع، فصل في الاحتكار، زكريا ديوبند ۹/ ٤١٥، رقم: ١٣٧٥٤)

الاحتكار في الشرع اشتراء طعام ونحوه وحبسه إلى الغلاء أربعين يوما لقوله عليه السلام: من احتكر على المسلمين، وقيل: شهرا، وقيل: أكثر الخ. (شامي، كتاب الحضر والإباحة، باب الاستبراء، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ديوبند ۹/ ٥٧١)

(۲) **حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:**(ابن ماجه شريف، كتاب البيوع، باب في الحكرة، النسخة الهندية، مكتبه تهانوى ص: ١٥٦، مكتبة دارالسلام، رقم: ٢١٥٣-٢١٥٤، مشكوة شريف، كتاب البيوع، مكتبة أشرفيه ديوبند ص: ٢٥١، مستدرك حاكم ٣/ ٨٢٠، رقم: ٢١٦٤، شعب الإيمان ٧/ ٥٢٦، رقم: ١١٢١٨)

وعن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من احتكر حكرة يريد أن يغلى بها على المسلمين فهو خاطئ. (مسند أحمد، قديم ٢/ ٣٥١، رقم: ٨٦٠٢)

بیع کے وقت قیمت کو نقد اور ادھار دو شقوں میں دائر کرنا

سوال (١٦٠٨): قدیم ٣/ ٢٠- ایک شخص اپنا مال نقد ایک روپیہ کو فروخت کرتا ہے اور ادھار سترہ آنے کو بیچتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وقت بیع ثمن کی تعیین نہیں کی، بلکہ مشتری سے تردید کے ساتھ کہا کہ اگر اس کی قیمت اسی وقت دوگے تو ایک روپیہ لوں گا، ورنہ سترہ آنے لوں گا یہ تو بوجہ جہالتِ ثمن کے جائز نہیں(١)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کرلیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار؟ اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھہرائے، یہ جائز ہے(٢)۔

---

(١) **إذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد كذا، أو قال: إلى شهرين بكذا فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم.** (مبسوط سرخسي، باب البيوع الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/ ٨-٩)

وكذا إذا قال: بعتك هذا العبد بألف درهم إلى سنة أو بألف وخمس مائة إلى سنتين؛ لأن الثمن مجهول. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، جهالة الثمن، زكريا ديوبند ٤/ ٣٥٨، هكذا في بذل المجهود، قديم مكتبه يحيوى سهارنفور ٤/ ٢٧٨، مبسوط سرخسي، باب البيوع الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/ ٨)

يلزم أن يكون الثمن معلوما فلو جهل الثمن فسد البيع. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ١٢٢، رقم المادة: ٢٣٨)

(٢) **البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح ...... يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط الخ.** (شرح المجلة، مكتبة اتحاد ديوبند ١/ ١٢٤، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦، هكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ١٣)

لأن للأجل شبها بالمبيع ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابح، مكتبه أشرفيه ٣/ ٧٤)

هكذا في مجمع الأنهر، باب المرابحة، بيروت ٣/ ١١٢ ـ

البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة، كوئٹه ٦/ ١١٤، زكريا ديوبند ٦/ ٩٠ـ ←

في العالمگيرية: رجل باع على أنه بالنقد بكذا أو إلى شهر بكذا وإلىٰ شهرين بكذا لم يجز، كذا في الخلاصة انتهىٰ (١)۔ (جلد ثالث صفحه ١٥٤ مطبوعه نولکشوری) فقط واللہ علم (امداد ثالث صفحہ ا)

قیمت میں رعایت کرنا یا بالکل چھوڑ دینا موجبِ ثواب ہے

سوال (١٦٠٩): قدیم ۳/ ۲۰- اگر کوئی شخص سودے میں خریدار کو بغرض ثواب کم قیمت پر مال دیدے، مثلاً ۳۵ کوڑی کا مال ۲۸ روپے میں دیدے تو کیا اس کمی قیمت پر ثواب ملے گا، یا قیمت پوری لے کر اور پھر اس میں سے کچھ معاف کر دے، اس پر ثواب ملے گا؟ فقط

الجواب۔ دونوں عمل موجبِ ثواب ہیں، رعایت فی المعاملہ بھی اور ابراء و معافی بھی اور ہر ثواب جدا نوع کا ہے (٢) فقط۔ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷٦)

← **ويصح البيع بثمن حال ومؤجل لاطلاق قوله تعالى: ''احل الله البيع'' بأجل معلوم.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، مكتبه مكه مكرمه بيروت ٣/ ١٣)

ولا مساوات بين النقد والنسيئة؛ لأن العين خير من الدين والمعجل أكثر قيمة من المؤجل. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب النسيئة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٧)

وإذا كان الثمن مؤجلا وزاد البائع فيه من أجل التأجيل جاز، وإلى هذا ذهب الأحناف. (فقه السنة، كتاب البيوع، دارالكتاب العربي ٣/ ٧٣)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة، قال الترمذي: وقد فسر بعض أهل العلم قالوا في بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما . (سنن الترمذي، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣١)

(١) هندية، كتاب البيوع، الباب العاشر: في الشروط التي تفسد البيع، قديم ٣/ ١٣٦، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٣٧، خلاصة الفتاوى، كتاب البيوع، جنس آخر فيما يتعلق بالثمن، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠ ـ

(٢) **عن أبي المتوكل الناحي قال: أتيت جابر بن عبدالله رضى الله عنه قال:** ←

بائع کو پیشگی روپیہ دے کر مبیع کو تھوڑا تھوڑا وصول کرنا

سوال (۱۶۱۰): قدیم ۳/ ۲۰- ان قصبات میں اکثر دودھ جو بندھا جاتا ہے قیمت اس میں کبھی پہلے کبھی پیچھے دی جاتی ہے، اور متفرق طور سے وہ دودھ مالک سے وصول ہوتا ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہو تو کچھ شرائط بھی اس میں محفوظ ہیں یا نہیں؟

الجواب: یہ معاملہ سلم نہیں ہے۔ لعدم اجتماع شرائط فیہ. بلکہ اگر بعد میں روپیہ دیں تب تو

← **دخل النبي صلى الله عليه وسلم المسجد فدخلت إليه وعقلت الجمل في ناحية البلاط فقلت: هذا جملك، فخرج فجعل يطيف بالجمل قال الثمن والجمل لك.** (بخاري شريف، النسخة الهندية ١/ ٣٣٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٤٧٠)

حط بعض الثمن صحيح ويلتحق بأصل العقد عندنا كالزيادة ...... وإذا وهب بعض الثمن من المشترى قبل القبض أو أبرأه من بعض الثمن قبل القبض فهو حط أيضا، وإن كان البائع قد قبض الثمن وقال: حططت بعض الثمن منك صح ووجب على البائع رد ذلك على المشتري ...... وأما إذا حط كل الثمن أو وهبه كل الثمن أو أبرأه من كل الثمن فإن كان ذلك قبل قبض الثمن صح الكل، ولكن لا يلتحق بأصل العقد، وإن كان بعد قبض الثمن صح الحط والهبة، ولم يصح الإبراء. (تاتارخانية، نوع آخر في الحط والإبراء من الثمن، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٧، رقم: ١٢٦٧٥-١٢٦٧٦)

ويجوز أن يحط عن الثمن ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك، فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، مكتبه أشرفيه ٣/ ٧٥)

وصح التصرف في الثمن ببيع وهبة وإجارة قبل قبضه والحط منه أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعض هلاك المبيع من المشتري والزيادة فيه حال قيام المبيع. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع والتصرف في الثمن، بيروت ٣/ ١١٥)

هندية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر: في الزيادة في الثمن الخ، قديم ٣/ ١٧٣، جديد زكريا ٣/ ١٦٧۔

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٢، قديم ٤/ ٨٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیع نسیۃً ہے، اور بلا تکلف جائز ہے (١)۔ اور اگر پیشگی دیدیں تو اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کاٹ دیتا ہے، اس کو فقہاء نے مکروہ فرمایا ہے (٢)۔ واللہ اعلم

یکم ربیع الثانی ١٣٢١ھ (امداد ثالث ص ٥)

---

(١) البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح ...... يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوما أو شهرا أو إلى وقت معلوم عند العاقدين كيوم قاسم أو النيروز صح البيع إذا كان يوم القاسم أو النيروز معلوما عند المتبايعين. (شرح المجلة، مكتبة اتحاد ديوبند ١/ ١٢٤، رقم المادة: ٢٤٥)

ويصح البيع بثمن حال ومؤجل لاطلاق قوله تعالى: "احل الله البيع" بأجل معلوم. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، مكتبه مكه مكرمه بيروت ٣/ ١٣)

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٤/ ٢٨١ ـ

قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى خباز فقال: اشتريت منک مائة منّ من خبز وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزا غير مشار إليه فكان المبيع مجهولا، ولو أعطاه الدراهم وجعل يأخذ كل منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء اشتريت منک يجوز، وهذا حلال الخ. (شامي، كتاب البيوع كراچى ٤/ ٥١٦، زكريا ديوبند ٧/ ٣١)

ويصح أيضا ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى، وصورته أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المبتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن أو أن يدفع المشتري الثمن للبائع، ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح. (شرح المجلة، الفصل الأول فيما يتعلق بركن البيع، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٨٠، رقم المادة: ١٧٥)

ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانا. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، كراچى ٤/ ٥١٦، زكريا ٧/ ٣٠)

(٢) وكره اقراض أي أعطاء بقال كخباز وغيره دراهم أو برا لخوف هلكه لو بقي بيده يشترط ليأخذ متفرقا منه بذلک ما شاء ولو لم يشترط حالة العقد الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، كراچى ٦/ ٣٩٤، زكريا ٩/ ٥٦٥)

ويكره أن يقرض بقالا كخباز وغيره برا أو درهما لخوف أن يهلک لو كان في ←

قصاب کو پیشگی روپیہ دے کر گوشت کا نرخ مقرّر کرنا

سوال (۱۶۱۱): قدیم ۳/۲۰- یہاں یہ دستور ہے کہ بکر قصاب کو کچھ روپے پیشگی دیدیئے اور گوشت کے دام فی سیر ٹھہرالئے جو بازار کے نرخ سے کچھ کم ہوتا ہے، مثلاً بازار میں ۴ سیر بکتا ہے، لیکن ۳ سیر ٹھہرالیا، اور گوشت آتا رہا، اس کی یادداشت رکھ لی، اور ختم ماہ پر حساب کردیا، اور کمی بیشی پوری کر کے بیباقی کردی، اور آئندہ ماہ راہ کے لئے پھر نقد روپیہ دیدیا اور نیا معاہدہ بھاؤ کا کرلیا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بازار کا بھاؤ ۳/اور ۳، اور ۲ ہوجاتا ہے، مگر یہ مقرر شدہ نرخ بدلا نہیں جاتا، اس کا اگلے مہینے میں لحاظ کر کے بھاؤ مقرر کرتے ہیں، قصاب کو یہ نفع ہوتا ہے کہ اس روپیہ سے بکریاں خریدتا ہے اور گوشت بیچتا ہے، اس کو کسی دوسرے سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، اب عرض یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: یہ معاملہ حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ جو کچھ پیشگی دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور

← **يده مثلا ليأخذ منه به ما يحتاج إليه بحسابه إلى أن يستغرقه؛ لأنه قرض جر نفعا.** (الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، بيروت ٤ / ٢٢٥)

ومن وضع عند بقال درهما يأخذ منه ما شاء كره له ذلك؛ لأنه إذا ملكه الدرهم فقدا قرضه إياه وقد شرط أن يأخذ منه من البقول وغيرها ماشاء، وله في ذلك نفع بقاء الدرهم وكفايته للحاجات، ولو كان في يده لخرج من ساعته ولم يبق فصار في معنى قرض جر نفعا وهو منهي عنه. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، كوئٹه ٨/ ٢٠٣، زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٣)

مگر حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اگلے فتوی میں حضرت امام شافعیؒ کے قول کے مطابق جواز کا فتوی دیا ہے اور ابتلاء عام اور لوگوں کے درمیان تعامل کی وجہ سے اس کو عقد سلم قرار دے کر یہاں بھی جواز ہی کی بات سمجھ میں آتی ہے اور آج کل حضرت امام شافعیؒ کا قول ہی معمول بہ ہے۔

وشرطه بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل، وقال الشافعيؒ: الأجل ليس بشرط لجوازه لما روى أنه عليه السلام ورخص في السلم مطلقا، واشتراطه الأجل فيه زيادة على النص؛ ولأنه بيع ما في الذمة فيصح حالا كالمعين الخ. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٨، قديم ٤/ ١١٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ رعایت قرض کے سبب کی ہے (۱) اور بیع سلم کہہ نہیں سکتے؛ اس لئے کہ اس میں کم سے کم مہلت ایک ماہ کی ہونی چاہیئے (۲)۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اجل شرط نہیں، اس لئے سلم میں داخل ہوسکتا ہے، چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے لہٰذا امام شافعیؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے (۳)۔

۷ اذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۲۲)

---

(۱) ویکره أن یقرض بقالا کخباز وغیره برا أو درهما لخوف أن یهلک لو کان في یده مثلا لیأخذ منه به ما یحتاج إلیه بحسابه إلی أن یستغرقه؛ لأنه قرض جر نفعا. (الدرالمنتقی، کتاب الکراهیة، فصل في المتفرقات، بیروت ٤ / ٢٢٥)

ومن وضع عند بقال درهما یأخذ منه ما شاء کره له ذلک؛ لأنه إذا ملکه الدرهم فقدا قرضه إیاه وقد شرط أن یأخذ منه من البقول وغیرها ماشاء، وله في ذلک نفع بقاء الدرهم وکفایته للحاجات، ولو کان في یده لخرج من ساعته ولم یبق فصار في معنی قرض جر نفعا وهو منهي عنه. (البحرالرائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، کوئٹہ ٨/ ٢٠٣، زکریا دیوبند ٨/ ٣٧٣)

الدرالمختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، کراچی ٦/ ٣٩٤، زکریا دیوبند ٩/ ٥٦٥ ۔

(۲) والأجل أدناه شهر، وقیل: ثلاثة أیام، وقیل: أکثر من نصف الیوم، والأول أصح. (هدایة، باب السلم، أشرفیه ٣/ ٩٤)

قال بعض مشایخنا: أقله ثلاثة أیام قیاسا علی خیار الشرط، وروی عن محمد أنه قدر بالشهر وهو الصحیح. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، شرائط جواز السلم، زکریا ٤/ ٤٤٩)

(۳) ولا یجوز السلم إلا مؤجلا، وقال الشافعي: یجوز حالا لاطلاق الحدیث، ورخص في السلم. (هدایة، باب السلم، اشرفیه ٣/ ٩٤)

وفي العنایة: السلم الحال لا یجوز عندنا خلافا للشافعي استدل باطلاق رخص في السلم. (عنایة مع الفتح، باب السلم، زکریا دیوبند ٧/ ٨٣، کوئٹہ ٦/ ٢١٧)

وشرطه بیان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل، وقال الشافعيؒ: الأجل لیس بشرط لجوازه لما روی أنه علیه السلام ورخص في السلم مطلقا، واشتراطه الأجل فیه زیادة علی النص؛ ولأنه بیع ما في الذمة فیصح حالا کالمعین الخ. (تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب السلم، جدید زکریا دیوبند ٤/ ٥٠٨، قدیم ٤/ ١١٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گوشت کی خریداری بعض شرائط پر

سوال (١٦١٢): قدیم ٣/ ٢١- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں بکر قصاب ١٢ سیر گوشت فروخت کیا کرتا ہے، زید نے بکر قصاب سے یہ کہا کہ دو ڈھائی سیر گوشت روزانہ ہم کو دیا کرو لیکن فی سیرے کے حساب سے لوں گا، بکر قصاب نے کہا کہ ٥٠ کی قیمت پیشگی لوں گا، اور گوشت برابر دیا کروں گا، جس وقت پورا ٥٠ کا گوشت ہو جاوے گا، اور ہم تم برابر ہو جاویں گے، اس کے بعد اب پھر دوبارہ نئے سرے سے بعوض قیمت گوشت کے پچاس روپے پیشگی لوں گا، اور یہ بھی اقرار ہوا کہ اگر تمہارے پاس روپیہ نہ ہوا تو بلا پیشگی قیمت کے گوشت برابر دیا کروں گا، ایسا لین دین شریعت میں درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب خالد یہ دیتا ہے کہ ایسا لین دین درست نہیں ہے، قرض دے کر قرض والے سے فائدہ اٹھانا سود ہے۔ اور عمرو اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ قرض نہیں ہے، یہ قیمت گوشت کی ہے، اگر کسی قسم کا قرض ہوتا تو وعدہ پر واپس لینے یا بلا وعدہ ہی واپس لینے کا اختیار زید کو رہتا، اور اس میں واپس لینے کا اختیار زید کو نہیں ہے، یہ شرعاً درست ہے، مولانا صاحب کس کا جواب صحیح ہے اور کس کا غلط؟

تتمہ سوال - بکر قصاب نے سب شرط سوال اوّل کے موافق کیا، لیکن فرق اتنا کیا کہ بغیر پیشگی قیمت کے گوشت نہ دوں گا۔

الجواب: بعد ضم التتمہ المذکورۃ، بعد ضم تتمہ مذکورہ جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں، اگر یہ قرض ہے تب تو خالد کی دلیل سے درست نہیں، اور اگر یہ قیمت ہے جیسا عمرو کہتا ہے تو اس میں عقد سلم کی شرائط موجود نہیں، اور دوسرا کوئی عقد صحیح نہیں، اس لئے درست نہیں (١)۔

٨ شوال ١٣٤٢ھ (تتمہ خامسہ ص ٣١٢)

---

(١) سوال نمبر: ١٦١١ کے جواب کے آخر میں حضرت امام شافعیؒ کے قول پر ابتلاء عام کی وجہ سے عمل کی گنجائش لکھی گئی ہے؛ اس لئے یہاں بھی جواز ہی پر مسئلہ کا حکم ہوگا۔

والخامس بيان أجل معلوم إذا السلم لا يجوز إلا مؤجلا عندنا، وعند الشافعي الأجل ليس بشرط؛ لأنه عليه السلام رخص فيه مطلقا. (مجمع الأنهر، باب السلم، بيروت ٣/ ١٤١)

تاتارخانية، باب شرائط السلم ٩/ ٣٣٤، رقم: ١٣٥١٨ ـ

وشرطه بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل، وقال الشافعيؒ: الأجل ←

آپس کی تراضی سے فسخ وعدہ اور قیمت میں کمی کرنا

سوال (۱۶۱۳): قدیم ۳/ ۲۲- میں نے ایک گاڑی نمک کے لئے مبلغ پانسوترپن روپیہ خزانہ سرکار میں جمع کئے تھے، اور رسید نمک محکمۂ نمک میں بھیج دی تھی، اور مال ابھی وہاں سے روانہ نہیں ہوا تھا، کہ اتنے میں قیمتِ نمک سرکار نے کم کردی، یعنی فی گاڑی سوروپے کم کردیئے اور بجائے پانسوترپن کے چارسوترپن قائم رکھے، اس لئے نرخ نمک کا تمام تجارتی کانوں میں ارزاں ہوگیا، تو میں نے سرکار میں عرضی بھیجی، کہ نرخ ارزاں ہونے سے ہمارا سوروپیہ کا نقصان ہوگیا، اور سرکار نے بلا اطلاع پہلے دیئے ہوئے محصول کم کردیا، اور مال ہمارا روانہ نہیں ہوا ہے، اس لئے ہم کو سوروپیہ واپس ملنے چاہئیں، اس پر یہ جواب آیا، کہ کچھ عرصہ کے بعد مبلغ سوروپیہ دئے جاویں گے تو بندہ کو یہ دریافت کرنا ہے کہ روپیہ واپس لینا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور سرکار مثل ہمارے اور تاجروں کو بھی روپیہ واپس دے گی؟

الجواب: اول تو صرف روپیہ کے ساتھ درخواست خریداری بھیجنے سے بیع نہیں ہوتی، اس لئے بائع ومشتری ہر دو کو نفسِ عقد سے یا وعدۂ نرخِ خاص سے انکار وامتناع جائز ہے، اور اگر اس سے قطع نظر کی جاوے اور کسی طریق سے بیع متحقق ہو جاوے تب بھی حطِّ ثمن بتراضی جائز ہے، اور صورت مسئولہ میں تراضی ثابت ہے (۱) لہٰذا دونوں تقدیر پر روپیہ کی واپسی جائز ہے۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ٦)

← **ليس بشرط لجوازه لما روى أنه عليه السلام ورخص في السلم مطلقا، واشتراطه الأجل فيه زيادة على النص؛ ولأنه بيع ما في الذمة فيصح حالا كالمعين.** (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٨)

(۱) **فإن كان البائع قد قبض الثمن ثم حط البعض أو قال: حططت بعض الثمن عنك صح ووجب على البائع رد مثل ذلك على المشتري.** (هندية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر: في الزيادة في الثمن، قديم ٣/ ١٧٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٦٧)

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك، فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٦) ←

بیع کے بعد کچھ چیز زائد دینا

سوال (۱۶۱۴): قدیم ۳/ ۴۲- بعد سودا خریدنے کے جو بائع بچوں یا بڑوں کو کچھ دیدیتا ہے جس کو رونگا کہتے ہیں وہ مطلقاً ناجائز ہے یا بلا اجبار درست ہے؟

الجواب: یہ زیادۃ فی المبیع ہے، اور حسب تصریح فقہاء مباح ہے، بشرط تراضی (۱)۔ فقط واللہ اعلم

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ۲۵)

بیع بشرط حمل بائع الخ

سوال (۱۶۱۵): قدیم ۳/ ۲۲- یہاں دستور وعرف ہے کہ جب بقّال سے ایک روپیہ یا زائد کا غلہ خریدا جاوے تو وہ مشتری کے مکان تک پہنچا دیتا ہے یا مزدوری اس کی دیدیتا ہے یہ بیع صحیح ہے نہیں؟

← **وصح التصرف في الثمن ببيع وهبة وإجارة قبل قبضه والحط منه أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعض هلاك المبيع من المشتري الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع والتصرف في الثمن، بيروت ٣/ ١١٥)

(۱) **ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع.** (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٦)

وصح الزيادة في المبيع ولزم البائع دفعها أن في غير سلم، وقبل المشترى، وتلتحق أيضا بالعقد. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، كراچى ٥/ ١٥٥، زكريا ديوبند ٧/ ٣٨٠)

وصح الزيادة في المبيع ولزم البائع دفعها أن قبل المشترى ذلك؛ لأنه تصرف في حقه وملكه، ويلتحق بالعقد فيصير حصته من الثمن. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع، بيروت ٣/ ١١٦)

ويجوز للمشتري أن يزيد في الثمن ...... وأن يزيد في المبيع، ويلتحق بأصل العقد.

(تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، زكريا ٤/ ٤٤٢)

البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ديوبند ٦/ ٢٠٠، كوئٹه ٦/ ١١٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :اصل قاعدہ سے بائع کا پہنچانا درست نہیں ،مگر جہاں عام عادت ہو جاوے وہاں تعامل کے سبب جواز کی گنجائش ہے(۱)اور منظوری دیدینا ایک تاویل سے جائز ہے اور وہ تاویل حط ثمن ہے(۲)۔

۳رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

بائع کے کارکنان کو عمدہ مال کے لئے رشوت دینا

سوال (۱۶۱۶): قدیم ۳/ ۲۲- جو نمک سرکاری طور سے آتا ہے وہ باریک آتا ہے اور موٹے نمک کی قدر زیادہ ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ موٹے نمک کے ہوتے ہوئے باریک کو کوئی نہیں لیتا، اور کبھی اتفاقاً موٹا بھی آجاتا ہے، میں اس کے لئے کوشاں ہوں کہ کسی تدبیر سے نمک موٹا ہی آیا کرے،

---

(۱) کبھی کبھی عرف عام اور تعامل کی بنا پر قواعد اور اصول کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جزئیات ملاحظہ ہوں:

قد اتفق مشايخنا في هذا الزمان فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه والقواعد قد تترك بالتعامل، وجوز الاستصناع لذلک، وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

والأحكام تبتني على العرف فيعتبر في كل إقليم وفي كل عصر عرف أهله. (البحرالرائق، باب الحقوق، كراچی ٦/ ١٣٦، زكريا ٦/ ٢٢٨)

تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٥٠)

الأشياء على ظاهر ما جرت به العادة. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٥٨)

والتعامل حجة يترک به القياس ويخص به الأثر. (عقود رسم المفتي سعيديه مظاهر علوم، ص: ٩٨، زكريا ديوبند ص: ١٨٣)

(٢) حط بعض الثمن صحيح ...... وإن كان البائع قد قبض الثمن وقال: حططت بعض الثمن منک صح، ووجب على البائع رد ذلک على المشتري. (تاتارخانية، كتاب البيوع، نوع آخر: في الحط والإبراء عن الثمن، زكريا ٩/ ٤٧، رقم: ١٢٦٧٥)

ويجوز أن يحط عن الثمن ...... فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تا کہ جلد مال نکلے، میں نے دوایک شخصوں سے جو کان نمک کے قرب میں رہنے والے ہیں اس کا ذکر کیا، توانہوں نے موٹا نمک آنے کی یہ تدبیر بتلائی کہ جو نمک بھرانیوالے وہاں ملازم سرکاری ہیں ان سے میل کر لیا جاوے اور فی گاڑی ان کو کچھ دیدیا جایا کرے اور کہہ دیا جاوے کہ ہمارے لئے گاڑی میں نمک موٹا بھر دیا کریں، تو وہ ایسا ہی کریں گے، کیونکہ اور تاجرین ایسا ہی کرتے ہیں تو بندہ کو اس بارہ میں یہ دریافت کرنا ہے کہ ایسا کرنا داخلِ رشوت ہے یا نہیں؟

الجواب: (مقدمۂ اولیٰ) عقد میں اطلاق ہونے سے کہ خواہ سرکار موٹا نمک دے یا باریک مشتری کا حق خاص نمک کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا، اور تقیید سے کہ موٹا لیا جاوے خاص موٹے کے ساتھ متعلق ہو جاوے گا۔ (مقدمہ ثانیہ) کسی کا حق نہ دینا ظلم ہے (مقدمہ ثالثہ) دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے، مقدمہ ثالثہ سے ثابت ہو گیا کہ اطلاق میں یہ رشوت دینا حرام ہے اور تقیید میں جائز (۱)۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۷)

---

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي فى الحكم**. (ترمذي شريف ۱/ ۲۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۳۳۶)

أبو داؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة ۲/ ۵۰۴، دارالسلام رقم: ۳۵۸۰۔

وفي بذل المجهود: وإنما يلحقهم العقوبة معا إذا استويا في القصد والإرادة ورشا المعطى لينال به إلى الظلم، فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلما، فإنه غير داخل في هذا الوعيد. (بذل المجهود، كتاب القضاء ۴/ ۳۰۷)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله واستخراج حق له ليس برشوة يعنى في حق الدافع. (شامي مع الدر، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، كراچی ۶/ ۴۲۳، زكريا ديوبند ۹/ ۶۰۷)

إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع. (البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ۶/ ۲۶۲، زكريا ۶/ ۴۴۱)

هندية، كتاب أدب القاضي، الباب التاسع: في رزق القاضي وهديته الخ۔ قديم ۳/ ۳۳۱، جديد زكريا ۳/ ۲۹۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیع کے بعد بائع سے زرِ ثمن واپس لینا جائز نہیں مگر کافر حربی سے اس کی رضا کے ساتھ جائز ہے

سوال (۱٦۱۷): قدیم ۳/ ۲۳- جب قیمت نمک کم ہوئی تو میرے ہاں ایک گاڑی مال رکھا ہوا تھا، بوجہ نرخ ارزاں ہو جانے کے قریب اسّی روپیہ کے میرا نقصان ہوا، اور سرکار نے نوٹس یعنی اطلاع کم قیمت ہونے کی پہلے سے نہیں دی تھی اس وجہ نالش کر کے سرکار سے ہرجہ کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے اس کی بھی نالش کر رکھی ہے، میں بلا آپ سے دریافت کئے ایسا نہیں کروں گا؟

الجواب: **في الهداية: نقصان السعر عبارة عن فتور رغبات الناس، وذلک لا يعتبر في البيع حتیٰ لا يثبت به الخيار (۱) وفي الكفاية: يعنى إذا تغير سعر المشترى قبل القبض لا يثبت الخيار (۲)۔**

جب قبل القبض مشتری کا کوئی حق نہیں، تو بعد القبض ردِ بعض ثمن کا کب حق ہے؟ البتہ اگر بائع غیر اہل اسلام وغیر اہل ذمہ ہو، اور اپنے قانون کے موافق برضامندی کچھ دے، گو کسی عنوان سے ہو ایسے اموال کی اباحت کی بنا پر درخواست کرنا اور لے لینا سب جائز ہے (۳)۔

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۷)

---

(۱) هداية، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن، أشرفيه ديوبند ٤/ ٥٥٠ ـ

(۲) كفاية، باب التصرف في الرهن، مكتبه أشرفيه ١٠/ ٦٠ ـ

أن النقصان من حيث السعر لا يوجب سقوط الدين عندنا ...... أن نقصان السعر عبارة عن فتور رغبات الناس، وذلک غير معتبر في البيع حتى إذا حصل في المبيع قبل القبض لا يثبت للمشتري الخيار. (البحر الرائق، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن، زكريا ٨/ ٥٠٦، كوئٹه ٨/ ٢٧٦)

درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن ١٠/ ١٤٠، كراچی ٦/ ٥١٨۔

(۳) **قوله: يستوضع الآخر: يعني يطلب منه أن يضع من دينه شيئا، والذي يظهر هذا العبد الضعيف أن المراد بالوضع وضع النقصان وبالرفق الحط من قيمة الباقي كما يدل عليه رواية أحمد وفيها إن شئت وضعت ما نقصوا وإن شئت من رأس المال ما شئت، وفي هذا الحديث دليل على أن طلب الوضع أو الرفق من الدائن جائز خلافا لمن كرهه من** ←

حل شبہ متعلقہ تبدلِ حکم بتبدل ملک

سوال (۱۶۱۸): قدیم ۲۲۳/۳ - مسئلہ تبدل عین بہ تبدل ملک میں کچھ اشتباہ ہے، اگر اس کے یہی معنی ہیں جو فتاویٰ اشرفیہ میں بحوالہ قصہ حضرت بریرہؓ منقول ہیں کہ اول کے پاس اس طریق حلال سے وہ شے آئی جو دوسرے کے لئے گو حلال نہ ہو مگر اس کے لئے جائز ہے، تو اکثر مسائل فقہیہ جو اسی پر متفرع ہیں لغو ہو جائیں گے خصوصاً بیوع فاسدہ، بائع مشتری اول کو بوجہ فساد بیع اقالہ ضروری ہے اور دوسرے کو نہیں، مثلاً انبہ خام درخت پر خریدے گئے اور ملک متبایعینِ کے اشتراک کے باعث یاصفقہ فی صفقہ یا شرط فی بیع کے باعث مبیع میں فساد آیا، تو اقالہ ضروری ہے، اور اس مشتری کو پختہ ہونے پر ان انبہ کا استعمال ناجائز، مگر بازاروں میں فروخت ہوتے اور لوگ خرید کر کھاتے ہیں، ان کے لئے بوجہ تبدل ملک حلت کا فتویٰ ہے، آج کل جب کہ بیوع فاسدہ عموماً شائع وذائع ہیں، کوئی شے بھی قابل استعمال نہ رہے گی؟

الجواب: شاید تعبیر میں کچھ کوتاہی ہوگئی ہو، عجب نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جو مطلقاً سمجھ رکھا ہے کہ گو کیسی ہی حرام چیز ہو، مگر دوسرے کے پاس پہنچ کر حلال ہو جاتی ہے، یہ محض غلط ہے: کیونکہ اموال مخلوطہ جس میں اکثر حصہ مغصوب یا ربوا یا رشوت ہو بتصریح فقہا، دوسرے کے لئے بھی ویسی ہی حرام ہیں، جیسے پہلے کے لئے، حالانکہ تبدل ملک یہاں بھی ہے، اس لئے اس قاعدہ کی تفسیر کرنا مقصود ہے، جس سے غرض ابطالِ عموم واطلاق حکمِ حلت ہے، خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ جو شے اول کے لئے باصلہ حلال ہوگی، بوصفہ کسی عارض سے اس میں کراہت پیدا ہو جاوے، وہ دوسرے کے لئے حلال ہوگی، اور چونکہ دوسری جگہ وہ عارض نہیں ہے؛ اس لئے وہ خبث عارضی بھی نہ ہوگا، اور بیوعِ فاسدہ میں یہی قصہ ہے (۱) اور

← **المالكية ...... وقال النووي: لا بأس بمثل هذا ولكن يشترط أن لا ينتهي إلى الإلحاح وإهانة النفس أو الإيذاء ونحو ذلك إلا من ضرورة.** (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة استحباب الوضع من الدين ۱/ ۴۸۹)

(۱) تبدیل ملکیت کی وجہ سے خبث اور قباحت ختم ہو جاتی ہے، جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

بخلاف البيع الفاسد؛ فإنه لا يطيب له بفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده. وفي الشامية: بخلاف المشتري شراء فاسدا إذا باعه من غيره بيعا صحيحا، ←

جواول کے لئے باصلہ حرام ہو وہ حرمت برابر متعدی رہے گی جیسے بیوع باطلہ، اور ربوا اور رشوت قبل الخلط یا بعد الخلط بشرط الاکثریہ(ا)۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

٦ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۱)

← **فإن الثاني لا يؤمر بالرد، وإن كان البائع مامورا به؛ لأن الموجب للرد قد زال بيعه؛ لأن وجوب الرد بفساد البيع حكمه محصور على ملك المشتري، وقد زال ملكه بالبيع من غيره.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، كراچی ٥/ ٩٨، زكريا ٧/ ٣٠٠)

اشترى طعاما مكايلة أو موازنة شراء فاسدا، وقبض بغير كيل ثم باعه وقبضه المشتري فالبيع الثاني جائز. (هندية، كتاب البيوع، الباب العاشر: في الشروط التي تفسد البيع، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٤٤، قديم زكريا ٣/ ١٤٥)

فإن باع المشتري ما اشتراه شراء فاسدا بيعا صحيحا باتا لغير بائعه صح أي انعقد بيعه. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٩٨)

(ا) تبدیل ملکیت کے باوجود حرمت کے ختم نہ ہونے کے جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

الحرام ينتقل حرمته، وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٣٠٠، كراچی ٥/ ٩٨)

كل عين قائمة يغلب على ظنه أنهم أخذوها من الغير بالظلم وباعوها في السوق، فإنه لا ينبغي أن يشترى ذلك وإن تداولتها الأيدي. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس والعشرون: في البيع، قديم ٥/ ٣٦٤، جديد زكريا ٥/ ٤٢٠)

من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الآخر فهو حرام. (شامي، كتاب الحضر والإباحة، باب الاستبراء، كراچی ٦/ ٣٨٥، زكريا ٩/ ٥٥٣)

عن محمدؒ في كسب أمة مغنية إن قضى به دين لم يسع لصاحب الدين أن يأخذ؛ لأنه في يدها بمنزلة الغصب. (فتاوى تاتارخانية، كتاب الكراهية، زكريا ١٨/ ١٥٧، رقم: ٢٨٣٤٦)

فلو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه، وفي الشامية: فيكون بشرائه منه مسيئا؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شراءه تقرير للخبث. (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٣٠٠، كراچی ٥/ ٩٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عدم جواز بیع بدست نابالغان بواسطۂ غیر ولی

سوال (١٦١٩): قدیم ٣/ ٢٤- زید نے اپنے دو یتیم بھتیجوں کے ہاتھ ایک مکان بتولیت ان کی ماں کے فروخت کیا، بعد تھوڑے زمانہ کے اسی مکان میں مبیع کے متصل تھوڑی زمین ایک دوسرے شخص سے خرید کی، اوراس دوسرے شخص سے اپنے مکان مبیع کی تھوڑی زمین اس بیع نامہ میں لکھوالی، اب جب کہ دونوں بھتیجے بالغ ہوئے تو اس پہلی بیع کو جو کہ ان کے چچا نے ان کے ہاتھ فروخت کیا ہے جائز رکھتے ہیں اور دوسری بیع کو جو ان کے چچا نے اسی جائیداد بیعہ سابقہ کا ایک جزاس دوسری زمین مبیعہ کے ساتھ خرید لی ہے ناجائز رکھتے ہیں اوراپنا پورا حق طلب کرتے ہیں، تو زید کہتا ہے کہ اس پر میرا عرصہ سے قبضہ چلا آتا ہے، ان دونوں بیعوں کے جواز وعدم جواز میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، اوراس قبضہ کا کچھ اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار، كتاب المأذون في أحكام الصبي: ووليه أبوه ثم وصيه بعد موته، ثم وصى وصيه القهستاني عن العمادية ثم بعدهم جده الصحيح وإن علا، ثم وصيه ثم وصى وصيه زاد كما في القهستاني والزيلعي ثم الوالى بالطريق الاولىٰ، ثم القاضي أووصيه دون الأم أو وصيها، وفي ردالمحتار تحت قوله: ووليه أبوه أى الصبى، وفي الهندية: والمعتوه الذي يعقل البيع يأذن له الأب والوصى والجد دون الأخ والعم، وحكمه حكم الصبي (١)۔

وفي الدرالمختار، فصل أحكام الفضولي: كل تصرّف صدر منه وله مجيز حال وقوعه انعقد موقوفاً، وما لا تجيز له حالة العقد لا ينعقد أصلا، وفي ردالمحتار: عقد عقدا مما لو فعله وليه في صباه لم يجز عليه، فهذه كلها باطلة، وإن أجازه الصبي بعد بلوغه لم تجز؛ لأنه لا مجيز لها وقت العقد فلم تتوقف على الإجازة (٢)۔

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب المأذون، كراچی ٦/ ١٧٤، زكريا ديوبند ٩/ ٢٥٥۔

وأما ترتيب الولاية فأولى الأولياء الأب، ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم الجد، ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم القاضي، ثم من نصبه القاضي وهو وصى القاضي ...... وليس لمن سوى هؤلاء من الأم والأخ والعم وغيرهم ولاية التصرف على الصغير فى ماله الخ. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في ترتيب الولاية، زكريا ٤/ ٣٥٣)

(٢) درمختار مع الشامي، باب بيع الفاسد، كراچی ٥/ ١٠٦-١٠٧، زكريا ٧/ ٣١١-٣١٣۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اُم اور عم ولی فی المال نہیں ہیں۔ اس لئے یہ تصرف فضولی کا ہے، اور چونکہ اس کا کوئی مجیز فی الحال نہ تھا لہٰذا وہ باطل ہوا، پس بعد بلوغ کے بیع اول کا جائز رکھنا معتبر نہیں، پس وہ مکان مبیع سابق بدستور زید کا ہے (۱)۔ اور زید پر واجب ہے کہ زرِ ثمن واپس کردے، البتہ اگر بتراضی بیع کریں تو جس مقدار سے بیع کریں صحیح ہوجاوے گی (۲)۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۴)

نابالغ کی جائیداد کو اس کی ماں یا چچا فروخت نہیں کرسکتے

سوال (۱۶۲۰): قدیم ۳/ ۲۵ - ماں کو اپنی اولاد صغار کی جائیداد صحرائی وسکنائی بخوف تلف یا تنگی اخراجات کی وجہ سے کہ سوائے اس جائیداد کے کوئی ذریعہ ان کے نان ونفقہ کا نہیں ہے فروخت کردینا اس جائیداد اور اس کی قیمت کا صرف کرنا ان کے ضروریات نان ونفقہ میں جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) **بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيه أو وليه نفذ وإلا انفسخ.** (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ۱/ ۲۱۲، رقم: ۳۷۸)

ولمن باع فضولي ملكه أن يفسخه وله أن يجيزه يعني ينعقد بيعه موقوفا على إجازة المالك. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيع الفضولي، بيروت ۳/ ۱۳۴)

فلا ينفذ بيع الفضولي لانعدام الملك والولاية لكنه ينعقد موقوفا على إجازة المالك، وأصل هذا أن تصرفات الفضولي التي لها مجيز حالة العقد منعقدة موقوفة على إجازة المجيز من البيع، فإن أجاز ينفذ وإلا فيبطل. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، مايرجع إلى النفاذ، زكريا ديوبند ۴/ ۳۴۳)

من باع ملك غيره بغير أمره، فالمالك بالخيار إن شاء أجاز البيع وإن شاء فسخ. (هداية، فصل في بيع الفضولي، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۸۸)

(۲) **البيع هو مبادلة المال بالمال بالتراضي، وأما شرط العقد فموافقة القبول للإيجاب بأن يقبل المشتري ما أوجبه البائع بما أوجبه الخ.** (البحرالرائق، كتاب البيع، زكريا ديوبند ۵/ ۴۳۳، كوئٹه ۵/ ۲۵۸)

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، ما يرجع إلى النفس العقد ۴/ ۳۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : في الدرالمختار ومع ردالمحتار، باب الوصى: وجاز بيعه (أي الوصى) عقار صغير من أجنبي لا من نفسه بضعف قيمته أو لنفقة الصغير أو دين الميت أووصية مرسلة لا نفاذ لها إلا منه أو لكون غلاته لا تزيد على مؤنته أوخوف خرابه أو نقصانه أو كونه في يد متغلب درر وأشباه ملخصا قلت: وهذا لو البائع وصياً لا من قبل أم فأنهما (رأى الأم والأخ) لا يملكان بيع العقار مطلقاً، ولا شراء غير طعام وكسوة، ولو البائع ابا، فإن محمودا عند الناس أو مستور الحال يجوز ابن كمال، وفي ردالمحتار: قوله: مطلقاً أى ولو في هٰذا المستثنيات، وإذا احتاج الحال إلى بيعه يرفع الأمر إلى القاضي. (١) (ط، جلد ٥ ص ٦٩٧)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ ماں کا بیع کرنا جائیداد صغیر کو فی نفسہ جائز نہیں، بلکہ حاجت کے وقت حاکم مسلم کی طرف رجوع کیا جاوے اور حاکم مسلم کے نہ ہونے کے وقت متعلق جزئی نظر سے نہیں گذری؛ لیکن چونکہ حاجت متحقق ہے اور حرج مدفوع ہے، لہٰذا بصورت جائز معلوم ہوتا ہے (٢)۔ واللہ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۵)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب الوصى، كراچى ٦/ ٧١١، زكريا ١٠/ ٤٢٤۔

وأولى الأولياء في المال الأب ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم الجد أبو الأب، ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم القاضي، ثم من نصبه القاضي ...... وليس لمن سواه ولاية في المال من الأم والأخ والعم. (البحرالرائق، كتاب البيع، زكريا ٥/ ٤٣٦، كوئٹه ٥/ ٢٦٠)

وأما ترتيب الولاية فأولى الأولياء الأب، ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم الجد، ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم القاضي، ثم من نصبه القاضي وهو وصى القاضي ...... وليس لمن سوى هؤلاء من الأم والأخ والعم وغيرهم ولاية التصرف على الصغير فى ماله الخ. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في ترتيب الولاية، زكريا ٤/ ٣٥٣)

(٢) وأما وصى الأخ والأم والعم وسائر ذوي الأرحام، ففي شرح الاسبيجابي: أن لهم بيع تركة الميت لدينه أو وصيته وإن لم يكن أحد ممن تقدم لا بيع عقار الصغير إذ ليس لهم الأحفظ المال، ولا الشراء للتجارة ولا التصرف فيما يملكه الصغير من جهة موصيهم مطلقا؛ لأنهم بالنظر إليه أجانب، نعم لهم شراء مالابد منه الطعام والكسوة، وبيع منقول ورثة اليتيم من جهة الموصى لكونه من الحفظ؛ لأن حفظ الثمن أيسر من حفظ العين. (درمختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب الوصى، زكريا ديوبند ١٠/ ٤٢٩، كراچى ٦/ ٧١٤) ←

نابالغ کی جائیداد کے بیچنے کا عدم جواز

سوال (۱۶۲۱): قدیم ۳/ ۲۶- زید مثلاً فوت ہوا، اور دو پسر بکر اور عمرو نابالغ چھوڑے اور کچھ زمین وغیرہ مال چھوڑا، بعدہ بکر وعمرو پسران زید متوفی چونکہ بیع وشراء کو بخوبی جانتے تھے، یعنی عاقل تھے، لہٰذا اپنی والدہ کے مشورہ اور اجازت سے کچھ حصہ زمین بیع کر دیا، اور زر ثمن اپنے باپ زید متوفی کے واسطے مساکین کو صدقہ دیدیا، بعد اس بیع کے تخمیناً گیارہ سال گذرے ہوں گے کہ پسران زید متوفی میں ایک کی عمر ۱۸ر سال کی یا زیادہ ہوئی اور دوسرے کی عمر ۱۵ر سال یا زیادہ ہوئی تو عدالت میں بیع مذکور کی منسوخی کا دعویٰ کرنا چاہا، جس کا مضمون مختصر یہ ہے کہ: ہم پسران زید چونکہ بیع کے وقت نابالغ تھے، اب ہم بالغ ہو گئے ہیں، لہٰذا یہ بیع منسوخ ہونی چاہیئے، ہم اس پر راضی نہیں، مگر یہ دعویٰ انہوں نے لوگوں کے برانگیختہ کرنے سے کیا، اب یہ گذراش ہے کہ بیع مذکور اس حالت میں شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں؟ اور ان کی والدہ کو بر تقدیر نہ ہونے اور اولیاء عصبہ کے ولایت اجازت بیع کی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہ بیع باطل ہوگی یا صحیح موقوف ہوگی؟ اور پسران زید کو خیار بلوغ ہوگا، اگر خیار بلوغ ہو تو مثل مخیّرہ کے موقوف ہوگا یا متوسّع ہوگا، جب چاہیں فسخ کر لیں؟ اور اگر پسران زید کے اولیاء عصبہ ہوں، لیکن ان کی جانب سے صریح اجازت جواز بیع کی نہ ہو؛ لیکن صریح انکار بھی نہ ہو، مثلاً جب اولیاء عصبہ پسران زید کو پسران زید کی بیع کرنے کی اطلاع ہوگئی، لیکن اولیاء نے سکوت کیا، عرصہ گیارہ سال تک کسی ولی نے بیع کی بابت اقرار یا انکار نہ کیا، تو یہ سکوت ان کا شرعاً اجازت ہوگی یا اجازت نہ ہوگی؟ یعنی شرعاً اس سکوت سے بیع مذکور جائز نافذ ہو جائے گی یا نہ ہوگی؟ اور اگر اولیاء پسران زید نے زر ثمن اپنے ہاتھ سے پسران زید کے باپ زید متوفی کے واسطے

← **ولوصی الأم والأخ أن يبيع المنقول العقار لقضاء دين الميت والباقي ميراث للصغير، ثم ينظر إن كان واحدا ممن ذكرنا حيا حاضرا فليس له ولاية التصرف أصلا في ميراث الصغير؛ لأن الموصى لو كان حيا لا يملكه في حال حياته، فكذا الوصى وإن لم يكن فله ولاية الحفظ لا غير إلا أنه يبيع المنقول لما أن بيع المنقول من باب الحفظ؛ لان حفظ الثمن أيسر الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في ترتيب الولاية، زكريا ٤/ ٣٥٣)

البحرالرائق، كتاب البيع، زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٦، كوئٹه ٥/ ٢٦٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صدقہ کر کے مساکین کو دیئے تو کیا ان کا یہ اپنے ہاتھ سے تصرف کرنا شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ اگر اس سکوت یا اس تصرف کی وجہ سے بیع نافذ ہو جائے تو پسران زید کو بیع منسوخی کا دعویٰ کرنے کا استحقاق ہوگا یا نہ ہوگا؟ اور اگر بعد گذرنے گیارہ سال کے اولیاء پسرانِ زید بیع مذکورہ کی اجازت دیویں یا اس سے انکار کریں تو باوجود سکوت کے زمانۂ سابق میں اور اس تصرف کے جس کا ذکر بالا ہو چکا یہ اقرار یا انکار معتبر ہوگا باوجود بالغ ہو جانے پسران زید کے یا بعد بلوغت پسران زید کے ان کے اولیاء کا انکار یا اقرار معتبر نہ ہوگا؟ بر تقدیر صحت دعویٰ بیع منسوخی کے زرِ ثمن جو کہ مشتری سے پسران زید نے وصول پائے تھے، مشتری کس کس سے وصول کرے گا؟ کیا پسران زید بلا ادائے زرِ ثمن زمین کے زمین پر قبضہ کر سکتے ہیں یا بعد ادائے زرِ ثمن قبضہ کر سکیں گے، اور شرعاً حدّ بلوغ ۱۵/سال ہیں یا ۱۸/سال مفتیٰ بہ قول کونسا ہے، برائے مہربانی مفصل جواب عنایت فرماویں مع حوالہ کتب کے برائے قطع نزع مخالفین کے جو کہ بالکل جاہل ہیں، کل احتمالات مجوزہ غیر مجوزہ درج کئے گئے ہیں اور فریقین کی تسلیؔ اسی میں ہوگی، اگر ممکن ہو تو جلدی جواب عنایت فرماویں، اللہ تعالیٰ جناب کو اس کا اجر فرماویں؟

الجواب: نابالغ کی عقار کی بیع کا چونکہ اولیاء کو بھی اختیار نہیں، لہذا یہ بیع باطل ہوگی (۱) موقوف وہ عقد ہوتا ہے جس کا بالفعل کوئی مجیز ہو، اور یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی، لہٰذا باطل ہوگی، بعد بلوغ کے اگر وہ بیع استینافاً کریں تو صحیح ہے، ورنہ اجازت دینے سے بھی صحیح نہ ہوگی، اور جو روپیہ مشتری نے بیع میں صرف کیا ہے اس کا ضمان اس شخص پر ہے جس کے ہاتھ میں وہ روپیہ پہنچا ہے، اس کی وجہ سے نابالغوں کے حق کا جس مشتری کو جائز نہیں، اس تقریر سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شقوق واحتمالات کا جواب ہو گیا۔ واللہ اعلم

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۹)

---

(۱) وفي الحاوي: وبيع الأم وغيرها من المحارم للمنقول وللعقار لحاجة النفقة لا يجوز عند حضرته وغيبته إجماعا. (تاتارخانية، كتاب النفقات، نفقة ذوي الأرحام، زكريا ديوبند ٥/ ٤٢١، رقم: ٨٣٥٦)

الولاية في مال الصغير للأب ثم وصيه، ثم وصى وصيه ولو بعد فلو مات الأب ولم يوص فالولاية لأب الأب، ثم وصى وصيه، فإن لم يكن فللقاضي ومنصوبه إلى قوله وأما وصى الأخ والأم والعم وسائر ذوي الأرحام ففي شرح الاسبيجابي أن لهم بيع تركة الميت لدينه أو وصيته وإن لم يكن أحد ممن تقدم لا بيع عقار الصغير إذ ليس لهم إلا حفظ المال ←

بیع یا رہن جائیداد مشترک

سوال (۱۶۲۲): قدیم ۳/ ۲۷- کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں باب کہ ایک بیوہ مسلمان کل ترکہ جدّی شوہر متوفی اپنے کو باوجود موجودگی چند اشخاص ورثاء متوفیٰ رہن یا بیع کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ایسی بیوہ مثل جائیداد مذکور کو بیع یا رہن کو دیوے تو وہ باطل سمجھی جائے گی یا صحیح؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مبیع یا مرہون میں جس قدر حصّہ شرعاً دوسرے ورثہ کا ہے، اور وہ ورثا اس بیع ورہن سے رضا مند نہیں ہیں، ان دوسروں کے حصہ میں تو بیع ورہن بالکل باطل ہے، اور جتنا اس بیوہ کا شرعی حصہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ رہن تو باطل ہے اور بیع ہو جاوے گی، پس خلاصہ یہ ہوا کہ یہ رہن تو بالکل ناجائز ہوا(۱)

← **ولا الشراء للتجارة ولا التصرف يما يملكه الصغير.** (شامي، كتاب الوصايا، باب الوصى، زكريا ١٠/ ٤٢٩، كراچى ٦/ ٧١٤)

قلت: وهذا لو البائع وصيا لا من قبل أم أو أخ، فأنهما لا يملكان بيع العقار مطلقا ولا شراء غير طعام وكسوة، ولو البائع أبا فإن محمودا عند الناس أو مستور الحال يجوز. (شامي زكريا، كتاب الوصايا، باب الوصى ١٠/ ٤٢٥، كراچى ٦/ ٧١١)

وأما ترتيب الولاية فأولى الأولياء الأب ثم وصيه، ثم وصى وصيه ثم الجد ثم وصيه، ثم وصى وصيه، ثم القاضي، ثم من نصبه القاضي ...... وليس لمن سوى هؤلاء من الأم والأخ والعم وغيرهم ولاية التصرف على الصغير في ماله. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في ترتيب الولاية، زكريا ٤/ ٣٥٣)

البحرالرائق، كتاب البيع، زكريا ٥/ ٤٣٦، كوئٹه ٥/ ٢٦٠ ـ

(۱) **ولا يصح رهن المشاع وإن كان المشاع مما لا يحتمل القسمة أو كان من الشريك.** (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، باب ما يجوز ارتهانه الخ بيروت ٤/ ٢٧٨)

ولا يجوز رهن المشاع قال صاحب العناية: رهن المشاع القابل للقسمة وغيره فاسد. (فتح القدير، كتاب الرهن، باب ما يجوز ارتهانه الخ مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١٧٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور بیع اپنے حصہ کی ہوگئی (۱) غیروں کے حصّے کی نہیں ہوئی (۲) البتہ اگر جائیداد منقسم ہوتی تو رہن بھی اپنے حصہ کا درست ہوجاتا۔

فـي الدر المختار: بخلاف قن ضم إلى مدبر ونحوه، فإنه يصح أو قن غيره اه (۳)۔ وفيه وقبضة المرتهن محوذاً مميزاً لا مشاعاً اھ (۴)۔ والله تعالىٰ اعلم وعلمه أتم.

۷ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ثالث ص ۱۵)

---

(۱) **يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر عقار مملوك قبل الإفراز.** (شرح المجلة مكتبه اتحاد ۱/ ۱۰۳، رقم: ۲۱٤)

وصح بيع عشرة أسهم أو أقل أو أكثر من مائة سهم من دار أو غيرها بالاتفاق؛ لأن العشرة منها اسم لجزء شائع والسهم أيضا اسم لشائع...... وبيع الشايع جائز. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع ۳/ ۱۹)

(۲) **لا يجوز التصرف من مال غيره بلا إذنه ولا ولايته.** (درمختار مع الشامي، كتاب الغصب، كراچی ٦/ ۲۰۰، زكريا ۹/ ۲۹۱)

كل من الشركاء في شركة الملك اجنبي في حصة سائرهم فليس أحدهم وكيلا عن الآخر، ولا يجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه. (شرح المجلة، الفصل الثاني في كيفية التصرف، مكتبه اتحاد ۱/ ٦۰۱، رقم: ۱۰۷٥)

ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره. (عالمگيري، كتاب الشركة، الباب الأول: في بيان أنواع الشركة، قديم ۲/ ۳۰۱، جديد ۲/ ۳۱۱)

(۳) شامي كراچی، باب البيع الفاسد، كراچی ٥٦، زكريا ديوبند ۷/ ۲٤۳۔

وصح البيع في قن ضم إلى مملوك له من مدبر مطلق أو مقيد أو مكاتب أو أم ولد، فالمملوك أعم خلافا لزفر أو ضم إلى قن غيره بالحصة أي صح بحصة القن الخ. (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ۳/ ۷۸)

(۴) درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، زكريا ۱۰/ ۷۲، كراچی ٦/ ٤۷۹ ۔

وإذا قبض المرتهن محوزا مفرغا متميزا ثم العقد فيه لوجود القبض بكماله فلزم العقد، وفي فتح القدير: والكامل في القبض هو أن يكون الرهن معوزا مفرغا متميزا فيجب ذلك. (هداية مع فتح القدير، كتاب الرهن، زكريا ۱۰/ ۱٥۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حربی کافر اگر اپنے کسی رشتہ دار کو فروخت کرے

سوال (١٦٢٣): قدیم ٣/ ٢٧- **فإذا هدى ملك من أهل الحرب إلى مسلم هدية من احرارهم ملك إلا إذا كان قرابة له، ولو دخل دارهم مسلم بأمان ثم اشترى من أحدهم ابنه، ثم أخرجه إلىٰ دارنا قهرا ملكه، وأكثر مشائخ علىٰ أنه لا يملكهم دارهم وهو الصحيح، وعن محمد أنه يملكه حتىٰ لا يجبر على الردعن أبى يوسف يجبر، وقال الكرخي: إن كانوا يرون جواز البيع فالبيع جائز وإلا فلا، كما في المحيط، وفيه أشعار بأن الكفار في دارهم احرار، وليس كذلک فإنهم ارقاء فيها وإن لم يكن ملك لأحد عليهم علىٰ ما في عتاق المستصفى وغيره اه.** (جامع الرموز نولکشوری ص ٥٤٦ ـ تنبیه)

و في النهر عن منية المفتي: إذا باع الحربي هناک ولده من مسلم عن الإمام أنه لا يجوز، ولا يجبر على الرد، وعن أبى يوسفؒ أنه يجبر إذا خاصم الحربي ولو دخل دارنا بأمان مع ولده فباع الولد لا يجوز في الروايات اه. أي لأن في إجازة بيع الولد نقض أمانه كما في ط عن الولولجية اه (١)۔ (شامی مجتبائی ج ٣ ص ٣٤٣)

وفي المحيط: مسلم دخل دارالحرب بأمان فجاء رجل من أهل الحرب بامه أو بأم ولده. أو بعمة أو بخالة قد قهرهم يبيعها من المسلم المستامن لا يشتريها منه؛ لأن الحربي إن ملكها بالقهر فقد صارت حرة، فإذا باعها فقد باع الحرة، ولو قهر حربي بعض احرارهم ثم جاء بهم إلى المسلم المستامن فباعهم منه ينظر إن كان الحكم عندهم ان من قهر منهم صاحبه فقد صارملكه جاز الشراء؛ لأنه باع المملوک وإن لم يملكه لا يجوز؛ لأنه باع الحر اھ (٢)۔ (بحر الرائق، ج ٥ ص ١٠٦)

---

(١) شامي، کتاب الجهاد، باب استيلاء الکفار، کراچی ٤/ ١٦٠، زکریا دیوبند ٦/ ٢٦٧ـ

(٢) البحرالرائق، کتاب السیر، باب المستأمن، زکریا دیوبند ٥/ ١٦٨، کوئٹه ٥/ ٩٩ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامع الرموز اور شامی کی عبارت سے واضح ہے کہ بیع صحیح ہو جاتی ہے یا کہ رد کرنا واجب نہیں ہے البتہ احراز بدار الاسلام کو بعض نے شرط لکھا ہے۔ اس کی نسبت آنخضرت کی کیا رائے ہے، بحر الرائق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں، کیونکہ اگر قہر سے مالک بھی ہوگیا تو ذی رحم محرم کی وجہ سے آزاد ہو جاوے گا اس لئے بیع حر ہے۔ لیکن یہ عجیب ہے، اس لئے کہ فروع میں کفار حربی مخاطب نہیں، پس ذی رحم محرم کے مالک ہونے سے وہ آزاد کیسے ہو جاوے گا ولو فرضنا آزاد ہو گیا تو پھر مسلمان کے قبض سے ملک ہو جانا چاہیئے، غایۃ مافی الباب بیع صحیح نہ ہو، غرض کہ کچھ پوری تشفی نہیں ہوتی؟

الجواب: تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں تعارض نہیں البتہ اجمال اور ایک میں ایک قید کا دوسری میں دوسری قید کا احتمال ہے، اور مجموعہ کے اعتبار سے مقصود متحد ہے، جامع الرموز میں جو استثنا کیا ہے إلا إذا كان قرابة له اس میں لہ، کی ضمیر ملک کی طرف معلوم ہوتی ہے، اور یہ استثنا مبنی اس پر ہے کہ قرابت محرمیہ موجب عتق ہے(۱)۔ لیکن اس میں قید یہ ہوگی کہ جب اہل حرب کا یہ مذہب ہو کہ کوئی شخص اپنے ذی

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس جواب کے آخر میں تحریر فرمایا کہ یہاں فتوی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ سوال نامہ میں پیش کی گئی عبارات کی توجیہ مقصود ہے۔ اور عبارات کی توجیہ سے جواب کی وضاحت بھی ہوگی، اور اس وضاحتی تحریر میں جن فقہی جزئیات کی طرف اشارہ ہے، ان میں سے چند جزئیات ذیل میں درج ہیں:

من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه، ويكون ولاؤه له -إلى قوله- وتفصيل الكلام في هذا المقام أن القرابة على ثلاثة أنواع، الأول: القرابة وهي قرابة ذي رحم محرم من الولاء إما بطريق الأصلية كالأبوين والأجداد وإن علو، وإما بطريق الفرعية كالأولاد وأولاد الأولاد وإن سفلوا كمن ملك واحدا من هولاء عتق عليه إتفاقا أراد عتقه أو لم يرده. والثاني المتوسطة: وهي قرابة المحارم غير العمودين أعني قرابة الأخوة والأخوات وأولادهم إن سفلوا، وقرابة الأعمام والعمات والإخوان والخالات دون أولادهم، ومن ملك واحدا من هذه المحارم عتق عليه أيضا عندنا خلافا للشافعي، النوع الثالث: البعيدة وهي قرابة ذى المحرم غير المحرم كأولاد الأعمام والإخوان والخالات، وإذا ملك واحدا منهم لم يعتق عليه بلا خلاف الخ. (شريفية، باب العصبات، قبيل باب الحجب، قديم مكتبه يحيوى سهارنفور، ص: ٤٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرابت کا مالک نہیں ہوتا، جیسا کہ کرخی کے قول میں اور بحر کی آخر عبارت میں تصریح ہے اور یہ شبہ کہ استیلاء مسلم تو اس پر پایا گیا بایں وجہ مدفوع ہے کہ یہ استیلاء دارالاسلام میں حاصل ہوا ہے، اور بطور قہر نہیں (۱) ہوا، البتہ دارالحرب میں اگر ہوتا یا دارالاسلام میں قہراً ہوتا موجب ملک ہوسکتا تھا، اور شامی کی عبارت میں جو لایجوز کہا ہے اس میں بھی وہی قید معلوم ہوتی ہے، کہ جب وہ اہل حرب اس بیع کو جائز نہ سمجھتے ہوں، اور غالباً ان قائلین کو اپنے زمانہ کے حربین کا خیال ثابت ہوگیا ہوگا، اور لایجبر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں استیلاء مسلم کا دارالحرب میں ہوا ہے، جو کہ موجب ملک ہے، اور بحر میں جو لایشتریہا اور باع الحرۃ کہا ہے وہ بھی مقید اسی قید مذکور کے ساتھ ہے، اور اس میں نفی مطلق ملک کی نہیں بلکہ قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم بوجہ قبض کے مالک ہو جاویگا لیکن چونکہ مستامن کا ایسا فعل کہ جس کو وہ لوگ اس کے لئے ناجائز سمجھتے ہوں اور اس نے ایسے امور کا التزام بدلالت حال کرلیا ہے یہ فعل عذر ہے اس لئے لایشتریہا کہتے ہیں اور فروع کا مخاطب نہ ہونا ہماری طرف سے ہوگا، نہ یہ کہ خود ان کے معتقدات بھی ان پر حجت نہ ہوں اور یہ کہ احراز بدارالاسلام شرط ہے یا نہیں ظاہراً قواعد سے اشتراط راجح معلوم ہوتا ہے۔ جیسا غنائم کے احکام سے مفہوم ہوتا ہے امید ہے کہ جمیع اشکالات رفع ہوگئے ہوں، اور اگر کچھ باقی ہو تو اعادہ فرمائیے، واللہ اعلم۔

اس تحریر سے فتویٰ مقصود نہیں کیونکہ وہ محتاج نقل ہے۔ بلکہ توجیہ عبارات مقصود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد جلد سوم ص ۱۶)

حفاظت جائیداد کی غرض سے کسی کے نام بیع کرنا

سوال (۱۶۲۴): قدیم ۳/ ۳۹- مورث نے قرض خواہ مہاجن سے محفوظ رکھنے کے خیال سے اپنی زوجہ کے نام اپنی جائیداد کا بیع نامہ لکھ دیا، اس میں عرصہ گذر گیا، بعد انتقال اس شوہر اور زوجہ کے بوجہ نہ ہونے اولاد پسری کے بجائے اس زوجہ کے بندوبست میں نام دختروں کا بانتظام سرکار بلا تحریک دختران کے چڑھا، اور عرصۂ دراز تک اس جائیداد کا حاصل ان دختران کے بنی عم وصول کرکے ان کو دیتے رہے وہ اپنے صرف میں لاتی رہیں، اب تخمیناً دس سال بعد بعض بنی عم خواہشمند اس امر کے

---

(۱) سوال نامہ میں بحر کی عبارت نقل کی جاچکی ہے۔

البحر الرائق، جدید زکریا دیوبند ۵/ ۱۶۸، کوئٹہ ۵/ ۹۹۔ ۱۲

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہوئے کہ اس جائیداد سے ہم کو حصہ ملنا چاہئے، مقصود یہ ہے کہ یہ بیع نامہ جو اس مصلحت سے اس شخص نے اپنی زوجہ کے نام کیا، اور عرصہ تک اسی کے نام رہا، شوہر زوجہ کے روبرو انتقال کر گیا تھا، اس کی دختر ان کے نام جائیداد منتقل ہوئی، اور عرصہ تک وہی اس سے نفع اٹھاتی رہیں، تو اب بنی عم کو کچھ ملے گا یا نہیں، اور یہ کل معاملہ درست رہا یا نہیں؟

الجواب: یہ بیع ہزل ہے(۱) اس کا حکم یہ ہے کہ اگر متعاقدین اس کے ہزل ہونے پر متفق ہوں تب تو وہ مبیع بائع کی ملک سمجھی جاوے گی، اور اس کی وفات کے بعد اس کے سب ورثہ پر تقسیم ہوگی، اور اگر متعاقدین متفق نہ ہو، مثلاً جس کے نام بیع ہے وہ یا اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ اس کی بیع حقیقی ہونے کے مدعی ہوں تو وہ بیع نافذ سمجھی جاوے گی اور جس کے نام بیع ہوئی ہے اس کی ملک سمجھی جاوے گی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گی، پس صورت مسئولہ میں اگر زوجہ کے ورثہ بشرطیکہ بالغین ہوں تسلیم کر لیں کہ یہ بیع فرضی تھی، تب تو شوہر کے انتقال کے بعد زوجہ اور دختر ان کے ساتھ ان دختروں کے بنی عم بھی بقدر حصص شرعیہ کے وارث ہوں گے اور اگر زوجہ کے ورثہ اس کو تسلیم نہ کریں بلکہ اس کو بیع واقعی کہتے ہوں، تو ان بنی عم کو میراث نہ ملے گی، بلکہ صرف زوجہ کے ورثہ میں کل جائیداد تقسیم ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ثالث ص ۱۷)

---

(۱) **وبيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣)

هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون: في البياعات المكروهة، كتاب أدب القاضي، جديد زكريا ٣/ ١٩٦، قديم ٣/ ٢٠٩ ـ

بيع التلجئة: هو العقد الذي يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر، ولا يكون بيعا في الحقيقة ويشهد على ذلك، وهو نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ٢١٣)

الفقه الإسلامي وأدلته، بيع المكروه وبيع التلجئة، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤ / ١٢٨ ـ

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يظهر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء كراچی، ص: ١١٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہبہ یا بیع فرضی بنام بعضے ورثہ

سوال (١٦٢٥): قدیم ۳/ ۳۰- زید نے بحالت صحت وثباتِ عقل اپنی مملوکہ مقبوضہ جائیداد غیر منقولہ زرعی وسکنی کومنجملہ چار ذکور وتین اناث اولاد صلبی کے صرف لڑکوں کے نام ہبہ نامہ لکھدیا، اور رجسٹری کرادیا، لڑکیوں کے رنجیدہ ہونے پر زبانی یہ ظاہر کیا کہ لڑکیوں کومحروم الارث کرنا مقصود نہیں ہے، بمصلحت ایسا کیا گیا ہے، ہبہ نامہ رجسٹری ہونے کے بعد زید جب تک زندرہا موہوبہ جائیداد پر خود ہی قابض رہا، اور ہر چہار موہوب لہم میں جائیداد مشترک رہی، نہ موہوب لہم قابض ہوئے نہ باہمی حصص منقسم ہوئے، اب زید کا انتقال ہوگیا، اورلڑکیاں میراث کی خواہشمند ہیں شرعاً حصّہ مل سکتا ہے یانہیں؟

سوال ثانی ۔صورت مذکورہ میں بجائے ہبہ نامہ کے اگرلڑکوں کے نام باپ نے فرضی بیع نامہ لکھکر رجسڑی کرادیا، اور باقی صورت بجنسہ ہے پس یہ ہبہ یا بیع فرضی شرعاً معتبر ہے یانہیں؟

الجواب: عن الأول فی الدرالمختار وهب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لكبيرين لا عنده لِلشيوع فيما يحتمل القسمة اماما لايحتمله كالبيت فيصح اتفاقاً قيدنا بكبيرين؛ لأنه لو وهب لكبير وصغير في عيال الكبير أو لابنيه صغير وكبير لم يجز اتفاقا، وفي ردالمحتار: قوله لم يجز والحيلة أن يسلم الدار إلى الكبير ويهبها منهما، بزازية وأفاد أنها للصغيرين تصح لعدم المرجح لسبق قبض أحدهما وحيث اتحد وليهما فلا شيوع في قبضه (ا)۔ (ج ٤ ص ٧٨٦)

(ا) درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٩٧، زكريا ٨/ ٥٠٢ ـ

وصح هبة اثنين لواحد دارا؛ لأنها سلمت جملة وقبض جملة فلا شيوع لا عكسه، أي لا تصح هبة الواحد للأثنين عند الإمام وزفر؛ لأن هذه هبة النصف من كل واحد، فيثبت الشيوع قوله: خلافا لهما نظرا لاتحاد العقد فلا شيوع، وهذا لو كبيرين والدار تحتمل القسمة فلو لم تحتملها كالبيت صح اتفاقا لو وهب لكبير وصغير في عيال الكبير أو لابنيه صغير وكبير لم يجز اتفاقا للشيوع بتفرق القبض. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، بيروت ٣/ ٤٩٨)

هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم ٤/ ٣٩٣، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤١٨، البحرالرائق، كتاب الهبة، زكريا ٧/ ٤٩٢، كوئٹه ٧/ ٢٨٩ ـ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ عنہا میں سب موہوب لہم وقت ہبہ کے اگر نابالغ تھے، تب تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا، اور صرف واہب کا یہ کہنا کہ بمصلحت ایسا کیا گیا ہے معتبر نہیں، اور اس صورت میں جائیداد موہوبہ میں میراث جاری نہ ہوگی، اور اگر سب کبیر یعنی بالغ تھے یا بعضے کبیر اور بعضے صغیر تھے، تو یہ ہبہ بوجہ فقدان شرائط صحتِ ہبہ کے صحیح نہیں اور اس صورت میں زید کی لڑکیاں بھی مستحق میراث ہیں؟

الجواب: عن الثاني في الدر المختار، بيع التلجئة قبيل كتاب الكفالة: ولو تبايعا في العلانية إن اعترفا ببنائه على التلجئة فالبيع باطل لاتفاقهما أنهما هزلا به وإلا فلازم(۱)۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر یہ شخص جس کے نام بیع یا ہبہ ہے اقرار کرتا ہو کہ یہ فرضی تھی تو بیع وہبہ کالعدم ہے، ورنہ نافذ ہے۔ واللہ اعلم

۷ اصفر ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ۹۷)

قبالہ میں زوجہ کا نام درج کردینا

سوال (۱۶۲۶): قدیم ۳/ ۳۱- زید نے اپنے روپیہ سے مکان خریدا اور قبالہ (۲) میں نام اپنی زوجہ ہندہ کا کسی مصلحت سے بائع سے لکھوایا، اور ایجاب وقبول مابین بائع اور زید مشتری کے ہوا، اور اس کاغذ کی رجسٹری بھی ہوگئی، بعدہ ہندہ فوت ہوگئی، اور مہر ہندہ معاف کرچکی تھی، اس صورت میں مکان خریدشدہ زید کا ہے یا ورثۂ ہندہ کا؟

(مولوی راغب اللہ از پانی پت)

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ۷/ ٥٤٤، كراچی ٥/ ٢٧٣ ۔

التلجئة إذا كانت في الإقرار به فإن اتفقا على أن يقرا ببيع لم يكن فأقرا بذلك ثم اتفقا على أنه لم يكن فالبيع باطل حتى لا يجوز بإجازتهما؛ لأن الإقرار اخبار الخ. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، بيع التلجئة، زكريا ٤/ ٣٩٠)

أما بيع التلجئة فالاتفاق على عدم إرادة البيع مضمر بينهما، وليس هناك بيع أصلا -إلى قوله- أن المتعاقدين في بيع التلجئة يتفقان على أن يظهرا العقد إما خوفا من ظالم ونحوه وأما لغير ذلك، ويتفقان أيضا على أنها إلا أظهراه لا يكون بيعا. (الموسوعة الفقهية، بيع التلجئة ۹/ ٦٣)

(۲) رجسٹر اسٹامپ مراد ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: رکن بیع کا ایجاب وقبول ہے، جن میں ایجاب وقبول واقع ہوا ان کے ہی درمیان بیع متحقق ہوئی، تو جب ایجاب وقبول زید نے کیا تو ملک اس کی یقیناً ثابت ہوئی، اب انتقال ملک بغیر کسی عقد صحیح معتبر تام کے نہیں ہوگا تو صرف اس سے کسی مصلحت سے بیوی کا نام درج کرادیا، زید کی ملک زائل اور بیوی کی مِلک ثابت نہیں ہوگی، تاوقتیکہ کوئی عقد صحیح معتبر مفید انتقال ملک واقع نہ ہو، حالانکہ ہمیشہ تصرفات مالکانہ خود کرتا رہا۔ اور اب بھی اپنے آپ کو مالک بتلاتا ہے، پس اس میں ورثۂ ہندہ کو کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا، ہاں اگر ہبہ صحیح یا اقرار صحیح گواہوں سے ثابت کردیں اس وقت دعویٰ درست ہوگا۔

وبيع التلجية: وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريد انه يلجأ إليه خوف عدو، وليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل (١)۔ (جلد ٤ ص ٢٤٤)

تو جب تلجیہ میں عاقد کے لئے عقد صحیح نہیں ہوتا تو غیر عاقد کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم فقط۔ **اللّٰهم اعف عني وعن جميع المسلمين**۔ **(امداد ثالث ٢٦)**

بیع مرابحہ میں مثلیتِ ثمن کی شرط

سوال (١٦٢٧): قدیم ٣/٣١- اس طرف یہ رواج ہے کہ لوگ کپڑا دو طریقے سے خریدتے ہیں ایک یہ کہ اس کی قیمت میں نقد روپیہ دیتے ہیں، دوم یہ کہ روپیہ بھی دیتے ہیں اور سوت بھی بازار کے نرخ سے ذرا زیادہ قیمت کے حساب سے دیتے ہیں، تو جس صورت میں کہ صرف روپیہ دیتے ہیں

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣۔

بيع التلجئة: فإن كانت في إنشاء البيع بأن تواضعوا في السر لأمر الجاهم إليه على أن يظهرا البيع ولا بيع بينهما حقيقة، وإنما هو رياء وسمعة نحو أن يخاف رجل السلطان فيقول الرجل: إني أظهر أني بعت منك داري، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة فتبايعا فالبيع باطل في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة. (بدائع الصنائع، كتاب البيع، بيع التلجئة، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفی ديوبند ص: ٢١٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تو ایک تھان مثلاً چودہ آنہ کو لیتے ہیں، اور اگر روپیہ وسوت دونوں دیتے ہیں تو ساڑھے چودہ آنے کو لیتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ پس جس شخص نے کہ کپڑا روپیہ وسوت دونوں دیکر خریدا ہے اس سے اگر کوئی کپڑا فی تھان مثلاً ایک آنہ منافع دے کر خریدے تو وہ منافع چودہ آنے پر لے گا، یا ساڑھے چودہ آنے پر، اور اصل قیمت کون معتبر ہوگی؟

الجواب: یہ بیع مرابحہ ہے، یہ اسی وقت صحیح ہے جب تمام ثمن نقد یا مثلی ہو اور دوسرا مشتری وہی دیتا ہو، پس جس صورت میں کچھ نقد اور کچھ سوت کے عوض تھان لیا ہے اور دوسرا مشتری سب نقد دیتا ہے نفع پر بیچنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ، اتم واحکم

۲۵ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ثالث ص ۱۸)

تعامل، جس کا فقہاء نے اعتبار کیا ہے اس کی تحقیق

سوال (۱۶۲۸): قدیم ۳/۳۲ - ایک امر یہ بھی قابلِ تحقیق ہے کہ فقہاء اکثر مسائل میں مثل استصناع وغیرہ لکھا کرتے ہیں کہ تعامل کا اعتبار ہے، تعامل سے کیا مراد ہے، اور کس زمانہ کا تعامل معتبر

---

(۱) **أن يكون رأس المال من المثليات كالمكيلات والموزونات والعدديات المتقاربة، وهذا شرط في المرابحة والتولية ...... فإن كان مما لا مثل له كالعروض لا يجوز بيعه مرابحة ولا تولية ممن ليس العرض في ملكه؛ لأن المرابحة والتولية بيع بمثل الثمن، الأول مع زيادة ربح عليه في المرابحة.** (الفقه الإسلامي وأدلته، شرائط المرابحة، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٤٩٣)

ومنها أن يكون رأس المال من ذوات الأمثال وهو شرط جواز المرابحة على الإطلاق، وبيان ذلک: أن رأس المال لا يخلو إما أن يكون مما له مثل كالميكلات والموزونات والعدديات المتقاربة، وإما أن يكون مما مثل له من الذرعيات والمعدودات المتفاوته، فإن كان مما له مثل يجوز بيعه مرابحة على الثمن الأول ...... وإن كان مما لا مثل له من العروض لا يجوز بيعه مرابحة ولا تولية ممن ليس ذلک العرض في ملكه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، شروط بيع المرابحة، زكريا ٤/ ٤٦٢)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب المرابحة بيروت ٣/ ١٠٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے، بعض بعض جزئیین ایسی ہیں جو صحابہؓ تابعینؒ کے زمانہ میں موجود نہ تھیں، ان میں تعامل کا اعتبار ہو سکتا ہے یا نہیں، جیسے مطبع کہ کتاب چھپوانے میں استصناع کا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : **قال في نور الأنوار: وتعامل الناس ملحق بالإجماع (١) وفيه ثم إجماع من بعدهم أي بعد الصحابة من أهل كل عصر (٢)۔**

اس سے معلوم ہوا کہ تعامل بھی مثل اجماع کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ہونا ضروری ہے، یعنی اس وقت کے علماء اس پر نکیر نہ رکھتے ہو، اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزئیات کے جواز پر تعامل سے احتجاج کیا ہے۔

كما في الهداية، في البيع الفاسد: ومن اشترىٰ نعلاً على أن يحذوه البائع –إلى قوله– يجوز للتعامل فيه فصار كصبغ الثوب، وللتعامل جوزنا الاستصناع (٣) وفيها في المسلم ان استصنع –إلى قوله– للإجماع الثابت بالتعامل. اھ (٤)

پس اس بنا پر کتاب چھپوانا استصناع میں داخل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ اتم واحکم۔

۲۶ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ثالث، ص ۱۹)

---

(١) نور الأنوار، تقسيم أصول الشرع، مكتبه نعمانيه ديوبند، ص: ٦ ۔

(٢) نور الأنوار، مبحث القياس، مكتبه نعمانيه ديوبند، ص: ٢٢٣ ۔

(٣) هداية، باب البيع الفاسد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦١ ۔

(٤) هداية، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ١٠٠ ۔

من اشترى صرما واشترط أن يحذوه أو نعلا على أن يشركها البائع فالبيع فاسد في القياس، ووجهه ما بيناه أنه شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين، وفي الاستحسان يجوز للتعامل، والتعامل قاض على القياس لكونه إجماعا فعليا كصبغ الثوب –إلى قوله– لكن جوز للتعامل جواز الاستصناع. (عناية مع الفتح، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٤١٤، كوئٹه ٦/ ٨٥)

أو يحذو النعل أو يشركه، ويصح في النعل استحسانا يعنى لو اشترى جلدا على أن يحذوه البائع نعلا للمشتري يقال حذا لي أي عملها يصح في النعل استحسانا للتعامل؛ لأن التعامل يرجح على القياس؛ لكونه إجماعا عمليا الخ. (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ٣/ ٩١) ←

مورث کی جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے

سوال (١٦٢٩): قدیم ۳۲/۳ – بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص فوت ہوا، چند وارث چھوڑے، منجملہ کل وارثوں کے ایک وارث نے مال متروک کہ زمین اور باغ اور مکان وغیرہ ہے، قبضہ کے قبل اپنا حصہ بیع دوسرے شخص کے ہاتھ کر دیا، مشتری اور وارثانِ قابض نے بابت شے مبیع علیحدہ علیحدہ فتویٰ طلب کیا ہے، اول دونوں فتاویٰ نقل علیحدہ علیحدہ ترسیلِ خدمت واسطے تصدیق کے ہے، خادمانہ دست بستہ عرض ہے کہ جواب سے جلد سرفراز کیا جاوے کہ رفع تردد ہو (نقل استفتاء وارثان قابض مع فتویٰ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شے کسی کے قبضہ میں نہ ہو اس کو بیع کرے؟

الجواب: حرام ہے، نہیں جائز ہے بیع، جیسا کہ مشکوٰۃ کی ''کتاب البیوع باب المنهی عنها من البيوع'' میں ہے:

وعن حكيم بن حزام –رضی الله عنه– قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن ابيع ما ليس عندي. (١) رواه الترمذی.

← **وصح بيع نعل على أن يحذوه أو يشركه –إلى قوله– وجه الاستحسان أن الناس تعاملوه وبمثله يترك القياس، ولهذا أجزنا الاستصناع الخ.** (تبيين الحقائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٣)

البحرالرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٦/ ١٤٤، كوئٹه ٦/ ٨٨۔

والقواعد قد تترک بالتعامل وجوز الاستصناع لذلک، وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس سوال کے تین جوابات تھے، ان میں سے پہلے دو جواب یہاں منقول ہیں، تیسرا جواب منقول نہیں ہے۔ ''امداد الفتاویٰ'' قدیم کے حاشیہ میں اس کی وضاحت ہے، وہ مختصر حاشیہ بلفظہٖ یہ ہے: ''اس مسئلہ کے تین جواب ہیں، تین مجیبوں کے یہاں لکھے گئے ہیں، تیسرا جواب حضرت مولانا صاحب مدظلہم کا ہے اور دو پہلے اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ جواب ثالث میں ان سے تعرض کیا گیا ہے'' ۱۲۔

(١) مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ص:٢٤٨۔

ترمذي شريف، نسخهٔ هندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وعن ابن عبّاسؓ قال: أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى أن يقبض، قال ابن عباس: فلا أحسب كل شيء إلا مثله (۱)۔ فقط

کتبہ: عبداللہ مدرس مدرسہ احمدیہ آرہ

(نقل استفتائے مشتری) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مورث چند وارثان کو چھوڑ کر بقضائے الٰہی قضا کر گیا، ترکہ پر منجملہ وارثوں کے ایک وارث کا قبضہ نہیں ہوا، اور کل ترکۂ مورث دوسرے وارثوں کے قبضہ میں رہا۔ جس وارث کا قبضہ ترکۂ مورث پر نہیں ہوا اس نے اپنا حصہ غیر مقبوضہ کسی کو بیع لکھ دیا، ایسی صورت میں بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ ترکۂ مورث جو چھوڑ گیا وہ صرف زمین کاشت اور مکان اور درخت وغیرہ ہے (**هو المصوب**) قبل قبضہ کے بیع غیر منقول کا صحیح ہے بشرط عدم خوف ہلاکت کے۔

كما في الدرالمختار صفحه ۱۷۹ مطبوعه مصر جلد رابع، على حاشية ردالمحتار: صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه، وفي ردالمحتار: قوله من بائعه متعلق بقبض لا يبيع أيضا.

درمختار کے اسی صفحہ پر ہے: **فلا يصحّ بيع منقول قبل قبضه (۲)۔**

عالمگیریہ کی جلد ثالث صفحہ ۱۰ میں ہے: **من حكم المبيع إذا كان منقولا أن لا يجوز بيعه قبل قبضه (۳)۔ وأيضا في الهداية، صفحه ۷۷ مطبوعه لكهنؤ: يجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ الخ (۴)۔**

مذکورہ بالا کتب مفتی بہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیع مثل زمین، مکان وغیرہ جو غیر منقول ہے قبل قبضہ کے جائز ہے جب کہ ہلاک ہو جانے کا خوف نہ ہووے۔ کتبہ: محمد عمر۔

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، مكتبه أشرفيه ص:۲۴۷۔

بخاري شريف ۱/ ۲۸۶، ف: ۲۱۳۵۔

(۲) شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ۷/ ۳۶۹، كراچی ۵/ ۱۴۷۔

(۳) هندية، كتاب البيوع، الفصل الثالث: في معرفة المبيع والثمن الخ، قديم زكريا ۳/ ۱۳/ جديد ۳/ ۱۶۔

(۴) هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، أشرفيه ديوبند ۳/ ۷۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس جواب سے کما حقہ تشفی نہیں ہوئی، کیونکہ اس میں یہ عبارت ہے (جب کہ ہلاک ہو جانے کا خوف نہ ہووے) اس کا مطلب نہیں معلوم ہوا۔ کہ کیونکر ہلاک کا خوف ہے، اور کس طرح نہیں ہے۔ فقط

مکرر عرض آں کہ اس مسئلہ کے حل کرنے کی بابت بہشتی زیور کا پانچواں حصہ دیکھا گیا اس میں در بیان بیع باطل وفاسد یہ مسئلہ ہے (مسئلہ) زمین اور گاؤں اور مکان وغیرہ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں ان کے خریدنے کے بعد جب تک قبضہ نہ کرے تب تک بیچنا درست نہیں، اس سے وارثت کی شے غیر مقبوضہ منقول خواہ غیر منقول کا بیچنا جائز ونادرست ہونا معلوم نہ ہوا، امید کہ جواب سے مع حوالات کتب فقہ خواہ حدیث کے سرفراز فرمایا جاوے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں مبیع عقار ہے، جو میراث میں بائع کو پہنچی ہے، اور یہ جو علماء میں اختلاف ہے کہ قبل قبض بیع اس شے کی جائز ہے یا نہیں جس میں امام محمد مطلقاً ناجائز کہتے ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ منقول میں ناجائز کہتے ہیں، اور عقار میں جائز، بشرطیکہ اس میں ہلاک کا خوف نہ ہو اور خوف یہ کہ مثلاً وہ مبیع مکان کا بالائی درجہ ہے، جبکہ درجہ زیرین نہ بیچا جاوے۔ پس اگر درجۂ زیریں گر جاوے تو درجۂ بالائی بالکل ایسا ضائع ہوگا کہ پھر مالک اس کے بنانے پر قادر نہیں ہوگا، یا وہ مکان یا زمین کسی دریا کے کنارہ پر ہے کہ اس میں دریا برد ہونے کا احتمال ہے، یا کوئی ایسا موقع ہے کہ جہاں ریگ میں دب جانے کا احتمال غالب ہے۔

كما في الدر المختار ورد المحتار الجلد الرابع، فصل التصرف في المبيع والثمن (١)۔

---

(١) صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه، وفي الشامية: أي عندهما، وقال محمد: لا يجوز من بائعه لعدم الغرر لندرة هلاك العقار حتى لو كان علوا أو على شط نهر ونحوه بأن كان في موضع لا يؤمن أن تغلب عليه الرمال عن النهر كمنقول أي بمنزلته من حيث لحوق الغرر بهلاكه. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ٧/ ٣٦٩، كراچی ٥/ ١٤٧)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، وقال محمدؒ: لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تو یہ سب اختلاف اس شے کی بیع میں ہے جو کسی عقد میں عوض قرار دی گئی ہو جیسا اس ضابطہ سے معلوم ہوتا ہے:

کل عوض ملک بعقد ینفسخ بھلا کہ قبل قبضہ فالتصرف فیہ غیر جائز وما لا فجائز عینی کذا فی الدرالمختار الجلد المذکور الفصل المذکور (۱)۔

اور خود فتویٰ ثانی میں جو روایات منقول ہیں ان میں بھی تصریح ہے کہ مقصود بیان کرنا ہے حکم بیع ما ملکہ بالبیع قبل القبض کا، اور صورت مسئولہ میں یہ مبیع کسی عقد سے ملک میں نہیں آئی؛ بلکہ میراث سے ملک میں آئی ہے، جس میں انفساخ کا احتمال ہی نہیں، پس ایسی شئے محل اختلاف علماء ہے ہی نہیں، بلکہ ائمہ موصوفین کے نزدیک بالاجماع مطلقاً اس میں یہ بیع درست ہے، خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقول؛ لہٰذا بلا خلاف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہ بیع جائز ہوگی۔

أما الحديث المنقول في الفتویٰ الأولیٰ فهو أيضاً محمول علیٰ ما ذكر كما يفسره ما أخرجه النسائي في سننه الكبرى (كما في تخرج الزيلعی) عن حكيم بن حزام رض قال قلت: يا رسول الله! إن رجلا اتباع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لي منها وما يحرم قال: لا تبيعن شيئاً حتى تقبضه (۲) وأما تايده بالمعقول فلأن علة هذا النهی كما في هداية: غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک؛ لأنه إذ هلک قبل القبض ينفسخ البيع، وعاد الیٰ قديم ملک البائع فيكون المشترى بائعا ملک غيره (۳) الخ، كذا في الكفاية (۴) والحديث الذي فيه النهي عن بيع ما لم يقبض معلول به عملا

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ۷/ ۳۷۰، كراچی ۵/ ۱۴۸۔

وفي الإيضاح: كل عرض ملک بعقد ينفسخ العقد فيه بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف كالمبيع، والأجرة إذا كان عينا، وبدل الصلح إذا كان معينا، وما لا ينفسخ العقد بهلاكه فالتصرف فيه جائز قبل القبض. (عيني، كتاب البيوع، باب المرابحة، أشرفيه ديوبند ۸/ ۲۴۸)

(۲) السنن الكبرى للنسائي، بيروت ۸/ ۱۹۲، رقم: ۱۰۸۲۵۔

(۳) هداية مع الحاشية، كتاب البيوع، باب المرابحة، اشرفيه ۳/ ۷۴۔

(۴) كفاية مع الفتح، باب المرابحة، كوئٹه ۶/ ۱۳۶، أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۱۔ ←

بدلائل الجواز كما في الهداية، بابُ المرابحة والتولية (ا): وظاهر أن هذا الغرر منتف فی المملوک بحکم الارث لعدم احتمال الا نفساخ فیه کما هو ظاهر فلا یشمله الحدیث ولا قول محمدؒ، فافهم وتأمل.

خلاصہ جواب یہ کہ اگر یہ مبیع اشیائے منقولہ بھی ہوتیں تب بھی بیع جائز ہوتی، اور اگر غیر منقول فی معرض ہلاک ہوتی تب بھی جائز ہوتی، تو یہاں بدرجۂ اولیٰ بلاشبہ بیع درست ہوگئ؛ البتہ اگر یہ مبیع ایسے شخص کے قبضہ میں ہے کہ نہ بائع اس سے بدون نالش کے لے سکتا ہے، اور نہ مشتری بدون نالش کے لے سکتا ہے، تو بوجہ غیر مقدور التسلیم ہونے کے بیع جائز نہ ہوگی۔

علی الاختلاف بين كونه فاسدا أو باطلاً كما في الدرالمختار ورد المحتار (٢) ص: ١٧٣، ١٧٤ من جلد الرابع ۱۳۲۴ھ (امداد ثالث ص ۱۹)

← **لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک قبل القبض؛ لأنه إذا هلک المبيع قبل القبض ينفسخ العقد فتبين أنه باع مالا يملک، والغرر حرام لما روينا.** (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، زكريا ٤/ ٤٣٧)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب المرابحة، بيروت ٣/ ١١٤ ـ

(ا) هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٤ـ

والغرر المنهى غرر انفساخ العقد، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب المرابحة، بيروت ٣/ ١١٤)

(٢) **صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه، وفي الشامية: لأن بيعه من بائعه قبل قبضه فاسد ...... وفي الدرالمختار: والمنقول لو وهبه من البائع قبل قبضه فقبله البائع انتقض البيع ولو باعه منه قبله لم يصح هذا البيع، ولم ينتقض البيع الأول، بخلاف بيعه قبله، فإنه باطل مطلقا قلت وفي المواهب: وفسد بيع المنقول قبل قبضه، ونفى الصحة يحتملها، وفي الشامية: أي يحتمل البطلان والفساد، والظاهر الثاني؛ لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ٧/ ٣٦٩، كراچی ٥/ ١٤٧-١٤٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایسے شخص کو زمین فروخت کرنا جو اس میں مندر بنائے

سوال (١٦٣٠): قدیم ٣/ ٣٥- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک اراضی بضرورت حوائج خانہ داری وادائے قرض وغیرہ ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے، اور غالب ہے کہ ہندو مذکور اس میں شوالہ وغیرہ بنائے، ایسی صورت میں زید کو اراضی مذکور کا اس ہندو کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ **ولا بأس بيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً، ومن آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به** (١)۔ (هداية ج ٢ ص ٤٥٦) **والله اعلم۔**

٤ شعبان ١٣٠٤ھ (امداد ج ٣ ص ٢٦)

---

(١) هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٢ ـ

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. (درمختار مع الشامي، كتاب الحضر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ٩/ ٥٦٠، كراچی ٦/ ٣٩١)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر. (درمختار مع الشامي، كتاب الحضر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢، الموسوعة الفقهية الكويتية، بيع منهي عنه ٩/ ٢١٣)

ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بنفس العصير بل بعد تغيره فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، بيروت ٤/ ٢١٤، زيلعي كتاب الكراهية، فصل في البيع، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤)

أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم. (الأشباه قديم، ص: ٥٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کسی زمین پر کفار کے قبضہ کا موجب ملک ہونا اور ایسی زمین میں درخت لگانے والا درختوں کا مالک ہوگا

سوال (۱۶۳۱): قدیم ۳/ ۳۵- ایک سڑک سرکار کی جانب سے نکالی گئی، اور اس کا معاوضہ زمینداروں کو نہیں دیا گیا، اور زمینداروں کو معاوضہ نہ دینے کی یہ وجہ بیان کی گئی کہ سڑک پبلک یعنی عوام کی ہے، قاعدہ کی رو سے معاوضہ نہیں مِل سکتا اور سڑک کے کنارے کنارے درخت لگانے کی اجازت عام لوگوں کو بایں شرط دی جاتی ہے کہ درخت لگانے والا پھل کا مالک رہے اور درخت خشک ہو جانے کے بعد لکڑی کاٹ کر لے جا سکتا ہے اور درخت شاداب اور کھڑا سرکار کا ہے، آیا درخت لگانے والا اس کے پھل کو بطور ملکیت خود فروخت کر سکتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا؟

الجواب: استیلاء سرکار سے اس سڑک کی زمین اصلی مالک کی ملک سے خارج ہوگئی، جب باجازت سرکار کسی نے اس میں درخت لگایا، اس کا پھل بھی مملوک اس ہی لگانے والے شخص کا ہے، اس لئے اس پھل کا فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ پھل نمودار ہو گیا ہو، اور کام میں لانے کے قابل ہو گیا ہو(۱)۔

۱۱صفر ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۹)

---

(۱) **إذا غلب الترک على الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها؛ لأن الاستيلاء قد تحقق.** (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، أشرفيه ديوبند ۲/ ۵۸۰)

لو استولى كفار الترک والهند على الروم وأحرزوها بالهند ثبت الملک لكفار الترک ككفار الهند. (شامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، زكريا ٦/ ٢٦٦، كراچی ٤/ ١٥٩)

قال الحنفية: يجوز بناء دكة وغرس أشجار فى الطريق النافذة كإخراج الميازيب والأجنحة إن لم يضر المارة ولم يمنع من المرور فيها، فإن ضر المارة أو منع لم يجز إحداثها. (الموسوعة الفقهية ٢٨/ ٣٥٠)

سبى الترک الروم وأخذوا أموالهم ملكوها وملكنا ما نجده من ذلک إن غلبنا عليهم، وفي النهر: لوجود الاستيلاء على مال مباح. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، زكريا ٣/ ٢٢٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نسخہ میں لکھی ہوئی دواؤں کی مقدار سے کم دینا یا تیار شدہ دواؤں میں سے کچھ رکھ لینا

سوال (۱۶۳۲): قدیم ۳/ ۳۵- ایک حکیم صاحب کی زیرنگرانی ایک عطار ادویہ مفرد ومرکب فروخت کرتا ہے اس طریق پر کہ حکیم صاحب مریض کے حسب حال نسخہ لکھ کر اس عطار کو دیدیتے ہیں، مریض کو اس امر کی اطلاع بھی نہیں ہوتی کہ کیا ادویہ میرے واسطے تجویز ہوئی ہیں، پس عطار نے جو کچھ ادویہ دیدیں وہ بخوشی لیکر قیمت نسخہ دے گئے، اس صورت میں اگر عطار حکیم صاحب کے لکھے ہوئے اوزان سے قصداً یا بلا قصد ادویہ کم دیدے تو گنہگار ہوگا یا نہیں ؟اور قیمت نسخہ بتلاتے وقت عطار یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ جس قدر دواتم کو دی جاوے گی اس کی یہ قیمت ہوگی۔ اور ایک اس عطار کا یہ بھی معمول ہے کہ جب حکیم صاحب کسی کے واسطے کوئی معجون یا خمیرہ یا حلوا تجویز فرماتے ہیں تو یہ عطار اس آدمی سے کہہ دیتا ہے کہ تمہارے واسطے حکیم صاحب نے معجون یا حلوا وغیرہ تجویز فرمایا اور سب کی لاگت وغیرہ تین روپے یا پانچ روپے ہوتی ہے سو تم اس قدر دام جمع کردو تو یہ حلوا وغیرہ تیار کر دیا جاوے۔ جب مریض دام دیتا ہے تب عطار دوا تیار کر دیتا ہے اور دوا تیار ہونے کے بعد کچھ معجون وغیرہ خود بھی رکھ لیتا ہے، اور جس معجون کی تین روپے لاگت بتلائے ہیں وہ اصل لاگت دو روپے ہیں مگر عطار نے دوا پیسنے کوٹنے بنانے کی محنت وغیرہ لگا کر قیمت کل تین روپے بتلائے ہیں اور اس بات کو مریض بھی جانتا ہے کہ عطار نے اپنی محنت وغیرہ تمام اس میں لگائی ہے یہ تمام صورتیں جو عرض کیں اس میں کون سی جائز وکون سی ناجائز ہے، اور قیمت حلوا وغیرہ کو پیشگی لے کر بعد میں تیار کر دینا کیسا ہے؟

الجواب: کم دینا دھوکہ ہے(۱) کیونکہ مریض کو یہی خیال ہے کہ نسخہ کے موافق ادویہ دی ہیں البتہ اگر یہ کہہ دے کہ نسخہ سے دوائیں کم ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اور جو دوا دام لے کر بنائی ہے، اس کا حساب پورا

---

(۱) جو کہ ناجائز ہے۔ **من غش لیس منا** . (ترمذی شریف، نسخہ ہندیہ ۱/ ۲۴۵، دارالسلام، رقم: ۱۳۱۵)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه و سلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، دارالسلام، رقم: ١٠١ ـ

أن الغش حرام. (شامي، كتاب البيوع، باب خيار العيب، كراچی ٥/ ٤٧، زكريا ٧/ ٢٣٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بتانا واجب ہے اور وہ سب بنی ہوئی دوا ملکِ مریض ہے، اس میں سے خود رکھ لینا حرام ہے(١)۔

(تتمہ اولیٰ ١٥٨)

بائع ومشتری کی موجودگی میں مبیع کا ایک مرتبہ تولنا کافی ہے

سوال (١٦٣٣): قدیم ٣/٣٦- اشیاء موزونہ اگر بائع ومشتری کی موجودگی میں وزن کی گئیں تو مشتری کو بلا اعادۂ وزن صرف کرنا اور بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ **في الخانية: لو اشترى كيلًا مكايلةً أو موزوناً موازنة فكال البائع بحضرة المشتري، قال الإمام ابن الفضل يكفيه كيل البائع، ويجوز له أن يتصرف فيه قبل أن يكيله** (٢)اھ۔ (شامی ج ٤ ص ٢٥٥) فقط۔(تتمہ اولیٰ صفحہ ١٦٠)

---

(١) **لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.** (البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨)

النهر الفائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا ديوبند ٣/ ١٦٥ ـ

التصرف في مال الغير حرام، فيجب التحرز عنه. (عناية مع فتح القدير، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٦/ ٤٧٧، كوئٹه ٦/ ١٣٩)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ١/ ٦١، رقم: ٩٦)

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ٧/ ٣٧٤، كراچی ٥/ ١٥١ ـ

ولو كاله البائع بعد البيع بحضرة المشتري فقد قيل لا يكتفي به لظاهر الحديث، والصحيح أنه يكتفي به؛ لأن المبيع صار معلوما بكيل واحد، وتحقق معنى التسليم، وفي الفتح كفاه ذلك حتى يحل للمشتري التصرف فيه قبل كيله ووزنه إذا قبضه؛ لأن الغرض من الكيل والوزن صيرورة المبيع معلوما، وقد حصل بذلك الكيل واتصل به القبض.

(هداية مع الفتح، كتاب البيوع، زكريا ٦/ ٤٧٨، كوئٹه ٦/ ١٤١)

وكفى كيل البائع بعد العقد بحضرة المشتري؛ لأن المبيع صار معلوما به وتحقق التسليم وهو الصحيح رد لما قيل شرط كيلان كيل البائع بعد العقد بحضرة المشتري ←

دوسرے شخص کے نام سے جائیداد خرید نے سے اس کی ملک نہ ہونا

سوال (۱۶۳۴): قدیم ۳/ ۳۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کے نام کسی مصلحت سے بعوض اپنے مال کے کوئی معاش خرید کی جیسا کہ فی زماننا اکثر رائج اور عرف میں بنام اسم فرضی مشہور ہے تو آیا وہ معاش زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی؟ اور زید کو اس میں اختیار نقل وتصرف مثل بیع وہبہ وغیرہ کا ہے یا نہیں، بینوا توجروا؟

الجواب: رکن بیع کا ایجاب وقبول ہے، جن کے درمیان ایجاب وقبول ہوا مبیع اسی کی مِلک ہوگی، پس زید نے اگر چہ بمصلحت اپنے بیٹے کے نام سے معاش خرید کی زید ہی کی مِلک ہوگی، نظیر اس کی بیع تلجیہ ہے کہ دو شخص کسی وجہ سے بیع ظاہر کریں، اور مقصود بیع نہ ہو، سو وہ بیع مفید مِلک نہیں ہوتی جب باوجود ایجاب وقبول کے بوجہ عدم قصد ثبوت حکم کے ملک نہیں ہوتی تو جس کے ساتھ ایجاب وقبول تک نہیں ہوا اور نہ اس کے ہاتھ بائع کا بیچنے کا قصد ہے، نہ اس کے لئے مشتری کا خریدنے کا قصد ہے، اس کی مِلک کیونکر ہوسکتی ہے؟

في الدر المختار: وبيع التلجية وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه لخوف عدو وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل (۱) اھ

← **وكيل المشتري قبل التصرف فيه.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع، بيروت ۳/ ۱۱۵)

النهر الفائق، باب المرابحة والتولية، زكريا ۳/ ٤٦٤ ـ

البحر الرائق، باب المرابحة والتولية، زكريا ٦/ ١٩٧، كوئٹه ٦/ ١١٨ ـ

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ۷/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣ـ

اس کے لئے مزید وضاحتی جزئیات ملاحظہ فرمائیے جو موسوعہ اور بدائع کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے:

أما بيع التلجئة فالاتفاق على عدم إرادة البيع مضمر بينهما، وليس هناك بيع أصلا –إلى قوله– أن المتعاقدين في بيع التلجئة يتفقان على أن يظهرا العقد إما خوفا من ظالم ونحوه وإما لغير ذلك، ويتفقان أيضا على أنها إلا أظهراه لا يكون بيعا الخ. (الموسوعة الفقهية، بيع التلجئة ۹/ ٦٣) ←

پس مشتری ہی کی مِلک ہوگی اور اس کو تصرفات مالکانہ جائز ہوں گے، تاوقتیکہ کوئی سبب صحیح موجب انتقال ملک جس سے عمر کی ملک ہوجائے نہ پایا جاوے، ہاں بعض اشیاء میں بوجہ عرف کے نفس اشتراء سے مشتری لہ، کی مِلک ہوجاتی ہے، جیسے چھوٹے بچے کے لئے کپڑے بنائے جاویں نفسِ اتخاذ سے اس کی مِلک ہوجاتے ہیں۔

في الدر المختار عن الخلاصة: وفيها اتخذ لولده أو لتلميذه ثياباً، ثم أراد دفعها لغيره ليس له ذلك ما لم يبين وقت الاتخاذ أنها عارية. انتهىٰ (١)۔

← **أن التلجية في الأصل لا تخلو إما أن تكون في نفس البيع، وإما أن تكون في الثمن، فإن كانت في نفس البيع، فإما أن تكون في إنشاء البيع، وإما أن تكون في الإقرار به، فإن كانت في إنشاء البيع بأن تواضعوا في السر لأمر ألجأهم إليه على أن يظهرا البيع ولا بيع بينهما حقيقة، وإنما هو رياء وسمعة نحو أن يخاف رجل السلطان فيقول الرجل: أني أظهر أني بعت منك داري، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة فتبايعا فالبيع باطل في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة، وهو قول أبي يوسف ومحمد، لأنهما تكلما بصيغة البيع لا على قصد الحقيقة وهو تفسير الهزل، والهزل يمنع جواز البيع؛ لأنه يعدم الرضا بمباشرة السبب فلم يكن هذا بيعا منعقدا في حق الحكم الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب البيع، بيع التلجئة، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦)

تفصیل کے لئے ''فتاوی قاسمیہ'' ٢٠/ ١١٥-١١٩ ر ملاحظہ ہو۔

بيع التلجئة: هو العقد الذي يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر، ولا يكون بيعا في الحقيقة ويشهد على ذلك، وهو نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ٢١٣)

الفقه الإسلامي وأدلته، بيع المكروه وبيع التلجئة، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧ ـ

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٥٠١، كراچی ٥/ ٦٩٦ـ

رجل اتخذ لولده أو لتلميذه ثيابا، ثم أراد أن يدفع إلى ولده الآخر أو تلميذه الآخر ليس له ذلك إلا إذا بين وقت الاتخاذ أنها عارية. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم ٤/ ٣٩٢، جديد زكريا ٤/ ٤١٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہ اس وجہ سے کہ اشتراء لہ موجب مِلک ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ قرائن دال ہیں ہبہ پر اور ہبہ للصغیر میں باپ کا ایجاب اگرچہ دلالۃ ہو کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر اعارہ کی تصریح کردے تو صغیر کی ملک نہیں ہوتی، کما مر اور یہی وجہ ہے کہ کبیر کے لئے اگر کپڑے بنائے تو قبل تسلیم اس کی ملک نہ ہوں گے۔

في ردالمحتار تحت قوله: لولده اى الصغير واما الكبير فلا بد من التسليم كما في الجامع الفتاوىٰ انتهى(۱)۔

اور زمین وغیرہ خریدنے میں جب قرائن عدم ہبہ پر دال ہیں تو ہبہ بھی صحیح نہیں ہوا، پس نہ بیعاً نہ ہبۃً کِسی طرح بیٹے کی ملک نہیں خواہ صغیر ہو یا کبیر واللہ اعلم۔

وإنما اطلنا الكلام في هذا المقام؛ لأنه من مطارح الأعلام فكم من اقدام فيه زلت، وكم من أفهام فيه ضلت والله ولي العصمة۔ (امداد ثالث ص ۱۰۲)

دوسرے شخص کے نام سے جائداد خریدنا

سوال (۱۶۳۵): قدیم ۳/ ۳۷- ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں کہ زید نے اپنے زرمکسوبہ سے ایک موضع میں اپنے ایک پسر مسمیٰ عمرو کے نام جو وقت اشتراء نابالغ تھا بقدر ۳/ ۴ پائی کے حصہ خرید کردیا اور اسی طرح ۴ حِصہ دوسرے پسر مسمیٰ کے بحالت نابالغی خرید کردیا ہے۔ یہ ہر دو پسران بطن زوجہ اولیٰ سے ہیں۔ اور چند عرصہ تک ولایۃً اپنے زیرِ انتظام رکھ کر کئی سال قبل ازممات خود حصص خرید کردہ مذکور عمرو بکر کو دیدیا، اب عندالشرع یہ حصص مملوکہ عمرو بکر کے ہیں یا ترکۂ زید؟

الجواب: کسی کے نام خرید کرنے سے تو خود ہی مالک ہوا تھا، مگر جواب ان لڑکوں کو دیدیا تو وہ لڑکے یعنی عمرو بکر مالک ہوگئے، ترکۂ زید میں داخل نہیں (۲) البتہ یہ دینا اگر موافق شرائط شرع کے نہ ہو تو

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ديوبند ۸/ ۵۰۱، كراچى ۵/ ۶۹۶ ۔

(۲) **ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للابن إذا دلت دلالة على التمليك.** (شامي، كتاب الهبة، زكريا ۸/ ۵۰۲، كراچى ۵/ ۶۹۷)

رجل دفع إلى ابنه في صحته مالا يتصرف فيه ففعل وكثر ذلك فمات الأب إلا أعطاه هبة فالكل له. (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، زكريا قديم ۴/ ۳۹۲، جديد ۴/ ۵۱۷)

موجب ملک نہیں ہوگا، اور اس صورت میں ترکۂ زید میں داخل ہوگا(۱)۔

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹۲)

کسی دوسرے کے نام جائیداد خرید کرنا

سوال (۱۶۳۶): قدیم ۳/ ۳۸- ایک شخص نے جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے کے نام سے خرید کر انتقال کیا تو وہ حصہ سب ورثہ میں تقسیم ہوگا یا کیا کسی کے نام سے خریدنا ہبہ سمجھا جا سکتا ہے، یا یہ فعل مہمل ہے، آج کل یہ معاملہ بکثرت رائج ہے، اس کی طرف پوری توجہ ضروری ہے؟

الجواب: کسی کے نام سے جائیداد خریدنے کے بارے میں میں نے بہت دفعہ غور کیا، اور غالبًا ایک دوبار لکھا بھی ہے، ہبہ تو یہ کسی طرح ہو نہیں سکتا، کیونکہ ہبہ تو ہوتا ہے بعد مِلک کے اور یہاں پہلے سے مِلک نہیں، اس اشترا ہی سے تو خود مالک ہی ہوا ہے، اور بعد اشتراء کوئی عقد پایا نہیں گیا البتہ اگر بعد اشتراء کے کوئی تصرف موجب تملیک پایا جاوے، تو بیشک ملک اس کی ہو جاتی، و اذلیس فلیس (۲)؛ اس لئے

---

(۱) **وإن دفع إليه لأن يعمل فيه للأب فهو ميراث.** (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس: في الهبة للصغير، قديم ٤/ ٣٩٢، جديد ٤/ ٤١٧)

وإن لم يعطه هبة بأن أعطاه قرضا أو دفع إليه ليعمل للأب فميراث. (تكمله شامي، كتاب الهبة، زكريا ديوبند ١٢/ ٦٦٦، كراچی ٨/ ٤٩٩)

(۲) **شرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضا.** (درمختار على الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨)

إذا دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة التمليك. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٠، كراچی ٥/ ٦٨٨)

أنها تفتقر إلى الإيجاب لأن ملك الإنسان لا ينقل إلى الغير بدون تمليكه. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٠، كراچی ٥/ ٦٨٨)

مجمع الأنهر، كتاب الهبة، بيروت ٣/ ٤٩٠ ۔

وأما شرط جوازها فالقبض حتى لا يثبت الملك للموهوب له عندنا قبل القبض ...... ولا تجوز الهبة إلا مقبوضة. (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، زكريا ٦/ ٤٨-٤٩)

هندية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة، جديد زكريا ٤/ ٣٩٥، قديم ٤/ ٣٧٤۔

یہ فعل مہمل ہے، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اشتراء فضولی ہے تو اس مشتریٰ لہ، کی اجازت کے بعد اس کی ملک ہو جانا چاہیئے، جواب یہ ہے کہ بیع للغیر میں تو اجازت غیر سے اس غیر پر نفاذ ہوتا ہے، مگر شراء للغیر میں خود مشتری پر نفاذ ہوتا ہے، کذا فی الدر المختار (۱)۔ پس اس غیر کی تملیک کے لئے عقد جدید کی حاجت ہوگی، فقط، آپ بھی غور کیجئے۔

۱۵ شوال ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۲۱)

کسی کے نام جائیداد خریدنے سے اس کی مِلک نہ ہونا

سوال (۱۶۳۷): قدیم ۳/ ۳۸- زید مرحوم نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کے نام سے دہلی میں ایک مکان خریدا، وثیقہ میں محض مسماۃ مذکورہ ہی کا نام ہے، پھر مسماۃ مسطورہ نے تقریباً ایک سال ہوا کہ مکان مذکور کو بیع بھی کر دیا، اب منجملہ زرِ ثمن جو کچھ باقی تھا اس کو عمرو برادر کلاں زید مرحوم اور بکر داماد زید مرحوم اور خالد وبشیر برادرانِ علاتی زید مرحوم نے مسماۃ ہندہ سے جبراً لیکر نذیر کے پاس اپنی طرف سے بطور امانت رکھوا دیا ہے، اور ہندہ زوجۂ زید مرحوم مشتریہ و مالکۂ مکان کو جس کا عقد ثانی بعد عدت قدیر سے ہو گیا تھا کہا ہے کہ ہم فتویٰ لینے کے بعد جس جس وارث کو جو جو پہنچتا ہوگا خود دیں گے، کیونکہ روپیہ صرف زید مرحوم کا تھا، تیرا نہ تھا، وہ ان کے ورثہ میں تقسیم ہونا ضروری ہے وہ ترکہ ہے، یہ بھی لحاظ رہے کہ زید مرحوم کی تین لڑکیاں اس وقت موجود ہیں، ایک شادی شدہ صاحب اولاد ہے، اور دو نابالغات، اب ارشاد ہو کہ بروئے شریعت غرا کیا ہونا چاہیئے بینوا توجروا؟

الجواب: کسی کے نام جائیداد خریدنے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو ہبہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور ہبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ موہوب وقت ہبہ ملکِ واہب میں ہو، اور ظاہر ہے کہ ملک بعد اشتراء کے ثابت ہوگی،

---

(۱) من يتصرف في حق غيره بغير إذن شرعي كل تصرف صدر منه وله مجيز حال وقوعه انعقد موقوفا، أي على إجازة من يملك ذلك العقد ولو كان العاقد نفسه ...... باعه أو زوجه بلا إذن ثم أجاز بعد وكالته جاز استحسانا ...... وقيد بالبيع؛ لأنه لو اشترى لغيره نفذ عليه.

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٧/ ٣١١ -٣١٥، كراچى ٥/ ١٠٦-١٠٩)

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، تصرف الوكيل، زكريا ٤/ ٣٤٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سو اس کے بعد کوئی عقد دال علی التملیک ہونا چاہیئے، اور بدون اس کے وہ مشتری لہ مالک نہ ہوگا بلکہ وہ بدستور ملک مشتری کی رہے گی (۱)۔ پس اس بناء پر یہ جائیداد ملک زید مرحوم کی قرار پا کر داخل ترکہ ہوگی، اور مثل دیگر ترکہ کے ۲۴ سہام (*) پر منقسم ہو کر ہندہ کو ۳ اور دونوں دختروں (**) کو ۸-۸ اور عمرو کو ۵ ملیں گے، اور خالد اور بشیر محروم ہیں، اور یہ تقسیم میراث بعد تقدیم حقوق متقدمہ علی الارث مثل ادائے مہر و دیگر قرضہ وغیرہ کے ہوگی۔

۲۱ رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ۱۹۸)

نرخ ٹھہرا کر بلا ایجاب وقبول مبیع پر قبضہ کر لینا کافی ہے

سوال (۱۶۳۸): قدیم ۳/ ۳۹ - اگر بیع میں ایجاب وقبول نہ ہوا بلکہ مشتری نے نرخ ٹھہرا کر اور قیمت بتلا کر اس قدر داموں کی دے دے اور بائع سے شئ مبیعہ لے کر اپنے قبضہ میں کر لی تو قبل ادائے ثمن مشتری کو مبیع کے واپس کرنے کا اختیار رہے اور بیع ناتمام سمجھی جائے گی یا نہیں؟

(*) کل ترکہ ۲۷ رسہام پر منقسم ہو کر ہندہ کو ۹ ر اور تین دختروں میں سے ہر ایک کو ۱۶-۱۶ ر اور عمرو کو ۱۵ ر ملیں گے۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

(**) سوال میں تین دختروں کا ذکر ہے؛ اس لئے مسئلہ کی تخریج اسی طرح ہوگی جو مفتی رشید احمد صاحب نے حاشیہ میں فرمائی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) **لاتجوز الهبة إلا مقبوضة والمراد نفي الملك.** (تبيين الحقائق، كتاب الهبة، زكريا ٦/ ٤٩، إمداديه ملتان ٢/ ٩١)

هي لک حلال لا يكون هبة إلا إذا دلت قرينة على إرادتها. (بزازية، كتاب الهبة، زكريا جديد ٣/ ١٢٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٦)

وشرائط صحته في الموهوب أن يكون مقبوضا. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٨)

إن القبض شرط جواز الهبة. (بدائع، كتاب الهبة، زكريا ٥/ ٢٧٠، كراچی ٦/ ١١٩)

اشترط الفقهاء في الواهب أن يكون من أهل التبرع، وذلک بأن يكون عاقلا بالغا رشيدا، وأن يكون مالكا للشيء الموهوب. (الموسوعة الفقهية ٤٢/ ١٢٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بیع تمام ہوگئی، واپسی کا اختیار نہیں۔

في الدر المختار: ولو التعاطي من أحد الجانبين على الأصح فتصح به يفتى فيض الخ، ومثل له في رد المحتار بعين ماسئل عنه (ا)۔ (ج ٤ ص ١٦) فقط۔

١١/ شعبان ١٣٢٩ھ (تتمہ اولیٰ ١٦٠)

کٹھل کا مسلّم خریدنا

سوال (١٦٣٩): قدیم ٣/ ٣٩ - کٹھل کا مسلّم خریدنا کہ معلوم نہیں کہ اس میں کس قدر گُوا ہے اس حالت میں اس کو خریدنا مباح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوؤں کا کوئی خاص عدد شرط نہ ٹھہرایا جاوے تو اس کی بیع مسلّم درست ہے، خواہ کم نکلے یا زیادہ (٢)۔

(ا) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ٧/ ٢٨، كراچی ٤/ ٥١٤ ـ

وينعقد البيع بالتعاطي، وهو التناول في المجلس ولو من جانب به يفتى كما في القبض؛ لأن جوازه باعتبار الرضى وقد وجد، وحقيقته وضع الثمن وأخذ المثمن عن تراضي منهما في المجلس ...... لكن في التنوير: ويكتفي بالاعطاء من أحد الجانبين على الأصح. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٧-٨)

النهر الفائق، كتاب البيوع، زكريا ٣/ ٣٤٠۔

البحر الرائق، كتاب البيوع، زكريا ٥/ ٤٥١، كوئٹہ ٥/ ٢٦٩۔

ويصح أيضا ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى، وصورته: أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المتاع، ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن أو أن يدفع المشتري الثمن للبائع، ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ١/ ٨٠، رقم المادة: ١٧٥)

(٢) **كصحة بيع بر في سنبله ...... وباقلا وأرز، وسمسم في قشرها، وجوز، ولوز، وفستق في قشرها الأول وهو الأعلى (درمختار) وفي الشامية: ويعلم بذلك أنه يجوز بيع التي في سنبلها معه بالأخرى التي في سنبلها معه صرفا للجنس إلى خلافه.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ٧/ ٩١، كراچی ٤/ ٥٥٩) ←

بیع وشراء کا وعدہ حکم میں بیع وشراء کے نہیں

سوال (١٦٤٠): قدیم ٣/ ٣٩ - عمرو نے زید سے کہا کہ تم مجھ کو یک صدروپیہ کا مال جفت پاپوش منگادو، میں تم سے صدکا منافع دے کرادھار ایک ماہ کے واسطے خرید کرلوں گا، یا جس قدر مدت کے واسطے تم دوگے اسی حساب سے منافع دونگا، یعنی پانچ روپے یک صدروپیہ کا منافع ایک ماہ کے واسطے ہے، جب مال آجاوے گا اس وقت مدّت ادھار اور منافع کی معین ہوجاوے گی، اس کے جواب میں زید نے کہا کہ میں منگادوں گا، مگر اطمینان کے واسطے بجائے یک صد کے دوصد کا رقعہ لکھاؤں گا تاکہ تم خلاف عہدی نہ کرو، عمرو نے منظور کیا؟

الجواب: اس میں دومقام قابل جواب ہیں، ایک یہ کہ زید وعمرو میں جو گفتگو ہوئی یہ وعدہ محضہ ہے، کسی کے ذمہ بحکم عقد لازم نہیں (١)۔ اگر زید کے منگانے کے بعد بھی عمرو انکار کردے تو زید کو مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں، پس اگر عرف وعادت میں عمرو مجبور سمجھا جاتا ہو تو یہ معاملہ حرام ہے (٢) ورنہ حلال، اسی طرح

← **وأما الثاني: وهو ما إذا باع برا في سنبله؛ فلأنه مال متقوم منتفع به، فيجوز بيعه في قشره كالشعير.** (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، زكريا ٤/ ٢٩٨)

هداية، كتاب البيوع، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٨ـ

ويجوز بيع البر والشعير والعدس حال كونه في سنبله إن بيع بغير جنسه؛ لأنه حب منتفع به، وكذا يجوز بيع الباقلاء في قشره، والأرز والسمسم، وكذا يجوز بيع اللوز والفستق والجوز في قشرها الأول وهو الأعلى الخ. (مجمع الأنهر مع الدرالمنتقى، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٢٩)

(١) أن البيع إنما ينعقد بصيغة تدل على إنشاء العقد في الحال، ولذلک لا ينعقد بصيغة تتمحض للاستقبال مثل قولنا: سوف أبيعک كذا أو سوف أشتري منک كذا، وإنما تنبئ هذه الصيغة عن الوعد بانجاز البيع في المستقبل فليس بيعا. (فقه البيوع ١/ ٧٨)

ولا ينعقد البيع إذا كان الإيجاب أو القبول بصيغة الاستفهام مثل أتبعني أو المضارع المراد به الاستقبال مثل: سأبيعک أو أبيعک غدا. (الموسوعة الفقهية ٩/ ١٢)

(٢) اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز بيع المكره بغير حق، والإكراه الملجئ وغير الملجئ في ذلک سواء، قال الحصكفي: لأن الإكراه الملجئ وغير الملجئ يعدمان ←

عمرو کو اور مثل عمرو کے زید کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وعدہ، بیع پر قائم رہنے کی صورت میں منافع کی مقدار میں تغیر وتبدل کردیں، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک ماہ کے ادھار کی صورت میں پانچ روپے سیکڑہ نفع کا ٹھہرا تھا(۱) باقی زیادہ لکھانا یہ بیع ہزل فی مقدار الثمن ہے(۲)۔ اگر عمرو کی بدعہدی کی صورت میں بھی زیادہ مقدار واقعی ثمن سے زیادہ وصول نہ کرے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے(۳)۔ نیز زید پر واجب ہوگا کہ ورثہ کو اس کی اطلاع کردے تاکہ زید کے بعد عمرو کو پریشان نہ کریں۔

۲۰ محرم ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۱)

← **الرضا، والرضا شرط لصحة هذه العقود.** (فقه البيوع ١/ ١٩٧)

فلهذا يتخير بين الأخذ والترك، وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا، وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم. (المبسوط للسرخسي ١٣/ ٧-٨)

(۱) ولذلک لا يجوز الزيادة في الثمن مقابل تحديد الأجل بالإجماع، فكذا النقص فيه بنقص الأجل. (فقه البيوع ٢/ ٦٤٨)

كل قرض جر نفعا حرام، أي إذا كان مشروطا كما علم مما نقله عن البحر. (شامي، باب المرابحة، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦)

(۲) والحاصل أن المراد من بيع التلجئة أو الهزل اصطلاحا أن يعقد البيع بتفاهم سابق أنهما لا يريدان بذلک بيعا حقيقيا، وإنما يظهر أن عقد البيع أمام غيرهما بسبب من الأسباب، وحكم التلجئة أنهما إن تواضعا قبل البيع أن ما سيعقد أنه من البيع، فإنه هزل غير مقصود، ثم عقد البيع فالبيع باطل غير منعقد. (فقه البيوع ١/ ٢٢٢)

(۳) ثم أن المرابحة في هذه الحالة إنما تجوز إن كان الربح مبلغا مثل درهم أو درهمين، أما إن كان الربح مبلغا مثل درهم أو درهمين، أما إن كان الربح نسبة شائعة من التكلفة مثل عشرة في المائة فلا يجوز المرابحة في هذه الحالة. (فقه البيوع ٢/ ٦٣٤)

وكذلک إذا اشترى عدل زطي بألف درهم وإن كان أخذ كل ثوب بعشرة دراهم فله أن يبيع كل ثوب مرابحة على عشرة في قول أبي حنيفة وأبى يوسف، وقال محمد: لا يبيع شيئا من ذلک مرابحة. (تاتارخانية، كتاب البيوع، باب بعض ما يشترى مرابحة، زكريا ٩/ ٢٣٨، رقم: ١٣٢٣٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیع وشراء کا وعدہ حکم بیع وشراء کے نہیں

سوال (۱۶۴۱): قدیم ۳/ ۴۰ - عمرو نے زید کو مبلغ سو روپے واسطے خرید نے جفت پاپوش کے دیئے اور کوئی اجرت بطور معاوضہ خریداری کے قرار نہیں پائی، متعاقدین میں اجرت کی نسبت ذکر بھی نہیں آیا، اور قبل خریداری مال اور دینے زر کی قیمت کے باہمی یہ امر طے ہو چکا تھا کہ یہ مال مبلغ سوا چھ روپے سیکڑہ کے منافع سے بمیعاد ایک مہینے کے تم کو دیدیں گے، مال دساور (*) سے خرید کر زید اپنے گھر لے آیا، اور عمرو کو بلا کر مال دکھلا کر جوڑ دیا یعنی شمار کرا دیا، اور دونوں نے سمجھ لیا کہ مال مبلغ سو روپے کا ہے، اس کے بعد عمرو نے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال ہم سے کس قدر مدت کے واسطے بشرح منافع مذکورہ بالا لیتے ہو، زید نے کہا کہ ایک ماہ کے واسطے لیتا ہوں، عمرو نے اس کو قبول کیا، بعد ختم ہونے مدت ایک ماہ کے عمرو نے زید سے اصل روپیہ مع منافع طلب کیا، زید نے صرف منافع مبلغ سوا چھ روپے عمرو کو دے کر اصل روپیہ کی نسبت عذر کیا کہ میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ کچھ مال موجود ہے کچھ نقد ہے اور کچھ اُدھار میں ہے تو عمرو نے کہا کہ اگر تمہارے پاس زر اصل موجود نہیں ہے تو تم اس کے عوض میں اس قدر کا مال آئندہ کے لئے مجھ کو دے کر اور جوڑ وا کر پھر ہم سے اس کو خرید لو، زید نے مبلغ سو روپے کا مال اپنے پاس دکھلا یا، اور عمرو کو دے کر جوڑ وا دیا، اور پھر بشرح منافع بالا عمرو سے خرید لیا، اور مدت کبھی ایک ماہ تراضی طرفین سے قرار پاتی ہے، اور کبھی زائد؟

الجواب: یہاں دو بیعیں علی سبیل التعاقب ہیں، ایک وہ کہ زید نے عمرو سے مال خرید ااس کا حکم یہ ہے کہ اگر زید عمرو کو اور عمرو زید کو بیع وشراء پر بنا بر وعدہ، سابقہ مجبور نہ کرے تو جائز ہے، اور اگر مجبور کرے تو ناجائز ہے (۱)۔ دوسرے بیع وہ جو سو روپیہ بقیہ زر ثمن کے عوض میں زید نے عمرو کو دیا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر

(*) ''دساور'' پردیس۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) ولذلک اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز بيع المكره بغير حق، والإكراه الملجئ وغير الملجئ في ذلک سواء، قال الحصكفي: لأن الإكراه الملجئ وغير الملجئ يعدمان الرضا والرضا شرط لصحة هذه العقود. (فقه البيوع ۱/ ۱۹۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس میں یہ شرط ٹھہری کہ پھر عمرو سے زید اس کو خریدے گا تو حرام ہے(۱)۔ اور اگر یہ شرط نہ ٹھہری پھر اگر خریدے آزادی سے جدید رائے سے خریدے تو جائز ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۴)

مال تجارت لانے کے لئے اجیر بنانا پھر اجیر کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال (۱۶۴۲): قدیم ۳/ ۴۱- زید نے عمرو سے کہا کہ میں تم کو روپیہ دیتا ہوں، اور تمہارے لانے کی اور بار برداری کی اجرت وکرایہ دیتا ہوں، تم میرے اجیر بن کر مال لادو تاکہ پھر تم اس مال میں نقص نہ بتاؤ؟

الجواب: اس کہنے سے عمرو کا حق مال کو ناقص بتلانے کا وقت بیع مرابحہ بینہما زائل نہیں ہوا، عمرو کو مثل مشتری اجنبی کے تمام حقوق حاصل ہیں، البتہ زید کو یہ اختیار ہے کہ جس وقت عمرو اجیر وکیل ہونے کی حیثیت سے مال لایا ہے اگر ناقص مال لانے سے منع کردیا تھا تو ناقص ہونے کی صورت میں عمرو سے بوجہ مخالفت کرنے کے روپیہ لے لے مگر جب مال کو قبول کرلیا تو زید کو تو کوئی حق نہیں رہا (۲) مگر عمرو کو یہی حق حاصل ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وشرط. (المعجم الأوسط للطبراني ۳/ ۲۱۱، رقم: ۴۳۶۱)

ولو كان البيع بشرط لا يقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين أي البائع والمشتري أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدميا فهو أي هذا البيع فاسد. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت ۳/ ۹۰-۹۱)

وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هدايه، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، اشرفي ۳/ ۵۹)

(۲) قوله: بالعيب أشار إلى أنه لو رضي بالعيب، فإنه يلزم ثم الموكل إن شاء قبله وإن شاء ألزم الوكيل. (شامي، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ۸/ ۲۴۸، كراچی ۵/ ۵۱۶)

إذا وكل في شراء سلعة موصوفة فاشترى سلعة لا تتحقق فيها هذه الصفة لم تلزم (الموكل). (الموسوعة الفقهية، الوكالة ۴۵/ ۶۲)

وأما الوكيل بالشراء فالتوكيل بالشراء لا يخلو إما إن كان مطلقا أو مقيدا، فإن ←

وکیل بالشراء نے مؤکل کے مال کے ساتھ کچھ اپنا مال بھی خریدا اب اس کو مؤکل سے بطور مرابحہ خریدنا جائز نہیں!

سوال (۱۶۴۳): قدیم ۳/ ۴۱- زید نے عمرو کو روپیہ دیا اور عمرو مال خرید کر لایا اور اپنے گھر اتارا اس میں اپنا بھی ذاتی مال اور زید کے روپیہ کا بھی شامل ہے پھر اس کو تقسیم کیا، تقسیم کر کے زید کے روپے کا مال زید کے سپرد کر دیا، اور شمار کرا دیا زید نے قبضہ کر کے عمرو سے کہا کہ تم اپنے وعدہ کے موافق اگر خرید کرتے ہو تو کس قدر مدت کے واسطے ادھار خرید تے ہو، عمرو نے کہا ایک ماہ کے واسطے خریدتا ہوں اور پانچ روپے منافع کے قسط وار ہر ہفتہ ایک روپیہ دیتا رہوں گا، غرض آخر ماہ تک منافع کا روپیہ بے باق کر دوں گا اور اصل دیدوں گا؟

الجواب: (قولہ زید نے عمرو کو الیٰ قولہ تقسیم کیا) اقول اگر باذن زید روپیہ شامل ہوا ہے تو یہ بیع تو زید کے ذمہ لازم ہوگئی، مگر پھر زید و عمرو میں جو بیع مرابحہ ٹھہری ہے وہ جائز نہیں (۱) ہاں مستقل بیع

← **كان مقيدا يراعى فيه القيد إجماعا لما ذكرنا، حتى إنه إذا خالف يلزم الشراء إلا إذا كان خلافا إلى خير فيلزم الموكل.** (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، زكريا ٥/ ٣٠)

الوكيل بالشراء إذا اشترى جارية ودفعها إلى الآمر ثم علم بعيب، فإنه لا يردها إلا برضا الآمر، فإن لم يدفعها إلى الآمر فله أن يردها، فإن رضي بالبيع أو أبرأ البائع عن العيب، وقد آمره الآمر بردها صح رضاه وإبراؤه في حقه دون الآمر حتى كان للآمر أن يأخذ الجارية مع العيب، وإن شاء تركها على المأمور، وضمنه الثمن. (حاشية الشيخ الشلبي على الزيلعي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٥/ ٢٥٥-٢٥٦)

(١) **إذا اشترى ثوبين في صفقة لا يبيع أحدهما مرابحة دون الآخر، وكذلك إذا اشترى عدل زطي بألف درهم، وإن كان أخذ كل ثوب بعشرة دراهم فله أن يبيع كل ثوب مرابحة على عشرة في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يبيع شيئا من ذلك مرابحة، وإذا اشترى الرجلان عدل زطي بألف درهم فاقتسما فليس لواحد منهما أن يبيع نصيبه مرابحة.** (تاتارخانية، كتاب البيوع، باب بيع بعض ما يشترى مرابحة، زكريا ٩/ ٢٣٨، رقم: ١٣٢٣٩) ←

بلا قید مرابحہ ہوتو جائز ہے، البتہ اگر زید کے روپے کا مال بالکل الگ خریدا ہے، اور الگ ہی رکھا تب مرابحہ جائز ہے (قولہ تقسیم کر کے الیٰ قولہ اصل دیدوں گا) اقول اگر زید کے روپیہ کا خریدا ہوا مال بالکل علیٰحدہ ہوتا تب یہ بیع (ا) درست ہوتی (*) بشرائط مذکورہ نمبر: ۱-۲۔

۲۰ رمحرم ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

وکیل بالشراء نے اپنے مؤکل سے مال خریدا اور ثمن قسط وار دینے کا وعدہ پورا نہ کیا

سوال (۱۶۴۴): قدیم ۳/ ۴۱ - عمرو اپنے عہد کے موافق ایک ماہ کے بعد زید کو روپیہ نہیں دیتا، اور روپیہ جمع کر رکھا ہے، اور اس روپے سے اب خود مال لاتا ہے اور فروخت کرتا رہتا ہے، منافع اٹھاتا ہے، کبھی ڈیڑھ ماہ میں کبھی دو ماہ میں، غرض خلافِ عہد زیادہ مدّت میں روپیہ اصل مع منافع کے دیتا ہے، مگر جس قدر مدّت عہد سے زیادہ ہوتی ہے نہ اس کا منافع طلب ہوتا ہے نہ دیا لیا جاتا ہے۔

(*) مراد اوپر کے دو سوال وجواب ہیں۔ ۱۲ منہ

نمبر ۱: یہاں سوال نمبر: ۳۴ قدیم اور جدید ۱۶۴۰ ہے۔ اور نمبر ۲: یہاں سوال نمبر: ۳۶ قدیم اور جدید ۱۶۴۲ ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وكذلك الثوبان إذا اشتراهما في صفقة واحدة فلا يبيع أحدهما مرابحة دون الآخر، وكذا إذا اشترى عدل زطي بألف درهم؛ لأن ما يخصه من الثمن ليس بيقين؛ لأن الحصة ثبتت بالقيمة، والقيمة تعرف بالحرز والظن، وإن كان اشترى ثوبين بعشرين وأخذ كل ثوب بعشر دراهم فله أن يبيع كل ثوب مرابحة على عشرة في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، وقال محمد: لا يبيع شيئا من ذلك مرابحة حتى يبين أنه اشتراه مع غيره الخ. (الفتاوى الولوالجية، كتاب البيوع، الفصل السابع، زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۷)

(ا) وإن باعه مرابحة ممن كان العرض في يده وملكه فينظر: إن جعل الربح شيئا متميزا عن رأس المال معلوما كالدراهم وثوب معين مثلا جاز. (الفقه الإسلامي وأدلته، أنواع البيوع، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٤٩٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جب زیادہ نہیں لیا جاتا تو زید پر کوئی گناہ نہیں، عمرو پر وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا (ا) مگر شرائط نمبر: ۱-۲ / کا لحاظ واجب ہے (*)۔

۲۰ محرم ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

اجیر مال لانے والے کے ہاتھ نفع پر مال فروخت کرنا اور ثمن کی میعاد مقرر کرنا

سوال (۱۶۴۵): قدیم ۳/ ۴۲- عمرو نے زید کو مبلغ ستانوے روپے واسطے خرید لانے

(*) جو یہاں سوال نمبر: ۳۴-۳۶ ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(ا) **عن عبدالله -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه.** (المعجم الكبير للطبراني ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (بخاري شريف، النسخة الهندية ١/ ١٠، ف: ٣٣)

عن زيد بن أرقم -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وعد الرجل وينوي أن يفي به فلم يف فلا جناح عليه. الحديث (ترمذي، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ٢/ ٩١)

عن زيد بن أرقم -رضي الله عنه- عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفيء له فلم يف ولم يجيئ للميعاد فلا إثم عليه. (أبو داؤد شريف، كتاب الأدب، باب فى العدة، النسخة الهندية، مكتبه مختار اينڈ كمپنى ديوبند ٢/ ٦٨٢، مشكوة شريف، باب الوعد ٢/ ٤١٦)

قال الملا علي قاري تحت هذا الحديث: مفهومه ان من وعد وليس من نيته أن يفي فعليه الإثم سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. (مرقاة، باب الوعد، إمداديه ملتان ٤/ ٦٤٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال کے دساور (*) سے دیئے، اور مبلغ تین روپے اجرت خریداری کے زید کو دیدیئے، زید نے دساور سے مال جفت پاپوش کا قیمتی ستانوے روپے کا لاکر جوڑوادیا، اور مال اپنے ہی مکان پر لاکرا تارا عمرو کے مکان یا دُکان پرنہیں اُتارا، عمرو نے قبل منگوانے مال کے یہ شرط کرلی تھی کہ جس وقت تم مال ہمارا جوڑوادو گے ہم کو اختیار ہوگا خواہ ہم تم کو دیدیں گے یا اپنی دوکان یا مکان پر لے جائیں گے، اور تم کو نہیں دیں گے، عمرو نے بعد جوڑ لینے کے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال کس طریقہ سے لیتے ہو زید نے کہا کہ پانچ ماہ کے لئے لیتا ہوں، اور مبلغ اٹھارہ روپے منافع کے دوں گا، اور زر اصل ومنافع دونوں ملا کر جو رقم ہوگی (مثلاً صورت موجودہ میں ستانوے اصل اور اٹھارہ منافع کے کل مبلغ ایک سو پندرہ روپے ہوئے) اس کو پانچ روپے بارہ آنہ ہفتہ کے حساب سے ادا کروں گا؟

الجواب: یہ بیع مرابحہ بتاجیل الثمن ہے(۱) اور بقیہ مذکورہ سوال درست ہے۔

۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

نابالغ بلا اذن ولی ادھار کوئی چیز خریدے تو ثمن بعد بلوغ واجب ہوگا یا نہیں

سوال (۱۶۴۶): قدیم ۳/ ۴۲- نابالغ نے کوئی چیز خریدی بلا اذن ولی، اور ثمن ادا نہیں کیا تو بالغ ہونے کے بعد ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(*) پردیس۔سعید احمد پالن پوری

---

(۱) **لو اشترى ثوبا لم ينقد ثمنه مرابحة ثم باعه جاز.** (هندية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر: في المرابحة والتولية، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٩، قديم ٣/ ١٦٣)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح ...... إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوما أو شهرا أو سنة أو إلى وقت معلوم عند العاقدين كيوم قاسم أو النيروز صح البيع. (شرح المجلة، الفصل الثاني: في بيان المسائل المتعلقة بالبيع بالنسيئة والتأجيل، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ١٢٤، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٧)

ويصح البيع بثمن حال ومؤجل لإطلاق قوله تعالى: "أحل الله البيع" بأجل معلوم. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ١٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر بعد بیع کے ولی نے اذن دیدیا تب تو بیع صحیح ہوگئی، اور ثمن واجب ہوگیا، بعد بلوغ کے بھی ادا کرنا ہوگا، اور اگر اذن نہیں دیا اور وہ شے ہلاک ہوگئی تو ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔

في الدر المختار، أول كتاب الحجر: الصبي المحجور مواخذ بأفعاله -إلى قوله- إلا في مسائل وعد منه مابيع منه بلا إذن اهـ. **وجهه أن التسليط وجد من المالك.** (١)

(تتمہ اولیٰ ص ۱۲۷)

وارث کا موصیٰ لہ کے حق کو اپنے تصرف میں لینا

سوال (۱۶۴۷): قدیم ۳/ ۴۳- زید بائع عمرو مشتری کے ہاتھ اس جائیداد کو جس میں وصیت کی گئی تھی اور جس کو موصیٰ لہم نے قبول کرلیا تھا بغیر ادائے حق موصیٰ لہم فروخت کر کے کل زرثمن اپنے تصرف میں کیا اور موصیٰ لہم کو ان کا حق نہیں دیا، تو اس صورت میں موصیٰ لہم کا مطالبہ عمرو مشتری سے ہوگا کہ جائیداد اس کے قبضہ میں ہے یا زید بائع سے فقط؟

الجواب: دوسرے شخص کی ملک کو بلا اس کے اذن کے بیچنا بیع فضولی ہے، جس کے فسخ اور اجازت کا مالک کو اختیار رہے، پس اگر اس بیع کو موصیٰ لہم جائز رکھیں تو ان کا حق ثمن میں متعلق ہوگا جس کا زید بائع سے مطالبہ کریں گے، اور اگر اس بیع کو موصیٰ لہم رد کردیں تو پھر اختیار ہے، خواہ زید بائع سے جائیداد کا مطالبہ کریں کہ وہ غاصب ہے، اور خواہ عمرو مشتری سے اور پھر وہ اس کا ثمن زید بائع سے لے لیگا، اور اگر

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، زكريا ٩/ ٢٠٣، كراچی ٦/ ١٤٦، الأشباه والنظائر ١/ ٢٣٨-

وإذا أتلف الصبي سواء عقل أم لا شيئا متقوما من مال أو نفس ضمنه إذ لا حجر في التصرف الفعلي، وتضمينه من باب خطاب الوضع ...... إلا في مسائل لا يضمن فيها؛ لأنه مسلط من قبل المالك كما إذا أتلف ما افترضه وما أودع عنده بلا إذن وليه، وكذا إذا أتلف ما أعير له وما بيع منه بلا إذن. (الموسوعة الفقهية الكويتية، حجر ١٧/ ٨٩)

إذا كان بسبب تسليطهم على المال كما لو أودع صبيا وديعة بلا إذن وليه فأتلفها لم يضمن الصبي إلى قوله وما بيع منه بلا إذن للتسليط من مالكها. (الموسوعة الفقهية ٢٨/ ٢٧٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعض موصی لہم جائز رکھیں اور بعض جائز نہ رکھیں تو ہر ایک کے لئے بتفصیل بالا جدا جدا حکم ہوگا۔

في الدر المختار: والأصح أنه أي العقار يضمن بالبيع والتسليم الخ (۱)۔

۸؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۳)

مبیع میں جتنے عیوب ہوں سب کو ظاہر کرنا واجب ہے

سوال (۱۶۴۸): قدیم ۳/ ۴۳- گھوڑے میں شرعاً کوئی عیب نہیں ہے مگر عرفاً اس کے عیوب بہت بتلائے جاتے ہیں، مسلمان کو گھوڑا بیچنے کی ضرورت ہے اگر اس عرفی عیب کو ظاہر کرتا ہے تو نقصان کا اندیشہ ہے، اگر اس عیب کو ظاہر نہ کرے تو شرعاً گنہگار تو نہ ہوگا ؟

الجواب: في الدر المختار، باب الخيار عن القنية: لو ظهر أن الدار مشومة ينبغي أن يتمكن من الرد؛ لأن الناس لا يرغبون فيها اھ(۲)۔

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب الغصب، زكريا ۹/ ۲۷۳، كراچی ۶/ ۱۸۷ ـ

فلو غصب عقارا وهو ماله أصل وقرار كالضيعة والدار فهلك في يده بأن غلب السيل على الأرض أو هدم البناء بآفة سماوية لا يضمن عند الشيخين لانتفاء الشرط وهو النقل -إلى قوله- خلافا لمحمد، فإن عنده يجري الغصب في العقار؛ لأن إزالة اليد فيه يكون بما يمكن لا بالنقل الخ. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٨١)

فإن غصب عقارا وهلك في يده لم يضمنه، وهذا عند الإمام وأبي يوسف، وقال محمد وزفر والشافعي: يضمنه، وهو قول أبي يوسف أولا، وفي العيني: ويفتى بقول محمد في عقار الوقف (قوله) إذا باع دار الرجل وأدخلها المشتري في بنائه لم يضمن البائع عند أبي حنيفة، وعند محمد يضمن قيمتها. (البحر الرائق، كتاب الغصب، زكريا ٨/ ٢٠٢، كوئٹه ٨/ ١١١)

(۲) درمختار مع الشامي، باب خيار العيب، زكريا ۷/ ۱۸۳، كراچی ۵/ ۱۵ـ

فإن ظهر عيب قديم عند المشتري آخر رجع بالنقصان كثوب شراه فقطعه فاطلع على عيب وليس له الرد إلا أن يرضى البائع يأخذه، وتحته في مجمع الأنهر: لأن تعذر الرد بسبب العيب الحادث، وطريق معرفته أن يقوم وبه هذا العيب ثم يقوم وهو سالم، فإذا عرف التفاوت بين القيمتين يرجع عليه بحصته من الثمن الخ. (الدر الملتقى مع مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٦٤-٦٦، النهر الفائق، باب خيار العيب، مكتبه زكريا ٣/ ٣٩٨)

اس سے معلوم ہوا کہ عیوب عرفیہ کو بھی ظاہر کرنا واجب ہے (۱) یا یوں کہہ دے کہ ہم کسی عیب کے ذمہ دار نہیں (۲)۔ (تتمہ ثانیہ ص ۱۲۶)

بیع زمین مستاجرہ

سوال (۱۶۴۹): قدیم ۳/ ۴۳- اگر کوئی شخص اپنی زمین کا کسی شخص کو ٹھیکہ دیدے، اور زر ٹھیکہ پہلے سب وصول کرلے، تو ایسی صورت میں مالک زمین کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ مشتری کو قبضہ بعد گذرنے میعاد ٹھیکہ کے اس صورت میں ملے گا اس سے قبل نہیں مل سکتا، تو بروقت بیع کے قبضہ نہ حاصل ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور اگر بائع اس نقصان کے عوض مشتری کو اس قدر سالوں کی آمدنی جتنے سالوں اس کا قبضہ نہیں ہونے کا بروئے حساب ٹھیکہ یا بطور تخمینہ کے دینی گوارا کرے تو یہ روپیہ لینا مشتری کو جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فروخت نہیں کرسکتا کہ دوسرے کا ضرر ہے (۳) اور یہ بیع موقوف رہے گی، اور جو چیز

---

(۱) **لا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام، قال الشامي: إذا باع سلعة معيبة عليه البيان.** (درمختار مع الشامي، باب خيار العيب، زكريا ٧/ ٢٣٠، كراچى ٥/ ٤٧)

لايحل له أن يكتم العيب عند البيع. (النهرالفائق، باب خيار العيب ٣/ ٣٨٩)

(۲) **وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب بأن قال: بعتك هذا العبد على أني بريئ من كل عيب.** (درمختار مع الشامي، باب خيار العيب، زكريا ٧/ ٢١٨، كراچى ٥/ ٤٢)

ولو باع بشرط البراءة من كل عيب صح، وإن لم يعد العيوب عندنا؛ لأن الجهالة في الإبراء لا تفضي إلى النزاع. (مجمع الأنهر، فصل في الخيار، بيروت ٣/ ٧٥)

(۳) **عن عبادة بن الصامت -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن لا ضرر ولا ضرار. الحديث** (سنن ابن ماجة، أبواب الأحكام، النسخة الهندية ١٦٩، مكتبه دارالسلام رقم: ٢٣٤٠)

عن أبي صرمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ضار أضر الله به ومن شاق شق الله عليه. الحديث (سنن ابن ماجة، النسخة الهندية ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبضہ میں نہ آوے اس کا نفع لینا جائز نہیں تو اس نفع کا عوض بھی درست نہیں، اور مشتری پر ادائے ثمن بھی واجب نہیں، بعد انقضائے مدت اجارہ بیع نافذ ہو جاوے گی، اور مشتری کو استحقاق قبضہ کا ہوگا اور بائع پر تسلیم مبیع اور مشتری پر تسلیمِ ثمن واجب ہوگا۔

في الدر المختار: ويوقف بيعه إلى انقضاء مدتها (أي الإجارة) هو المختار (١)۔ (ج۵ص ۵۷۸)

۲۹ ربیع صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۲۸)

کتابیں پڑھنے کے بعد ان کی بیع

سوال (۱۶۵۰): قدیم ۳/ ۴۳- کتاب پڑھ کر فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز وجہ شبہ یہ کہ اس کا پڑھنا ہی اس کا استعمال ہے ہر مستعمل کے دام کم ہوتے ہیں؟

الجواب: اگر استعمال سے کچھ رونق وغیرہ میں کمی ہوگئی ہو تو مشتری کو اطلاع کر دینا بوقت بیع کے واجب ہے (۲)۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۳۶)

---

(۱) درمختار مع الشامي، کتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، زکریا ۹/ ۱۱۴، کراچی ۶/ ۸۳۔

قال العلامة خالد اتاسيؒ: لو باع الآجر الماجور بدون إذن المستأجر كان البيع نافذا بين البائع والمشتري، وإن لم يكن نافذا بحق المستأجر حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع في حق المشتري، وليس له الامتناع عن أخذ المبيع إلا أن يطلب تسليمه من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة الخ. (شرح المجلة، الفصل الثاني: في تصرف العاقدين في الماجور عبد العقد ۱/ ۳۱۵، رقم المادة: ۵۹۰)

(۲) **عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، لا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا وفيه عيب إلا بينه له.** (سنن ابن ماجة، نسخه هنديه، ص: ۱۶۲، دارالسلام، رقم: ۲۲۴۶)

لا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام، وفي الشامية: إذا باع سلعة معيبة عليه البيان. (درمختار مع الشامي، باب خيار العيب، زکریا ۷/ ۲۳۰، کراچی ۵/ ۴۷) ←

معاہدہ نامہ اور اقرار نامہ لکھ کر دینے سے بیع کا منعقد نہ ہونا

سوال (۱۶۵۱): قدیم ۳/ ۴۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان متصل مسجد بیجناتھ پارہ رائے پور متولیان مسجد مذکور کے ہاتھ مسجد کے مصرف کے لئے بیع کرنے کا معاہدہ کر کے دس روپے پیشگی لے کر رسید لکھ دی اور بقیہ قیمت مبلغ ۳۴۰ روپیہ وصول پانے پر بیع نامہ لکھ کر تکمیل رجسٹری کا اقرار کیا، لیکن ایک ہی دو روز کے بعد زید نے اس مکان کو بکر کے نام ہبہ کر دیا اور ہبہ نامہ کو رجسٹری کرا دیا۔ شرائط ہبہ نامہ یہ تھے کہ بکر تاحین حیات زید اس کے اخراجات کا کفیل رہے اور اگر زندگی اور قوت قائم رہے تو زید کو حج کرنے کا پورا خرچ دے اور بصورت موت اس کے تجہیز وتکفین فاتحہ، چہلم وغیرہ کا بار اپنے ذمہ لے، اس تحریر ہبہ نامہ کے بعد زید چند مہینہ تک زندہ رہا اور متولیان مسجد نے نہ اپنے دس روپے زر پیشگی کا تقاضا کیا، اور نہ تکمیل تحریر بیعنامہ کے لئے زید کو مجبور کیا، زید نے وہ دس روپے کی رقم اپنے ایک بہی خواہ کے پاس تحریر رسید کے وقت امانت رکھی تھی اور وہ شخص مسجد کی انتظامیہ انجمن کا ایک جو شیلہ ممبر ہے، اور بیعنامہ کرانے کے لئے رسید لکھانے کا محرک بھی تھا، زید کا انتقال ہو گیا، مگر یہ رقم دس روپے کی ممبر مذکور سے واپس نہیں لی، اور نہ اس رقم کے لئے کوئی زبانی وصیت کی، بعد انتقالِ زید متولیان وممبران مسجد کمیٹی نے بکر کو تجہیز وتکفین نہ کرنے دی، اور اپنے خیال کے مطابق ہبہ نامہ کو ناجائز سمجھ کر اور اس دس روپیہ کی رسید کو مکمل بیعنامہ سمجھ کر بقیہ رقم ۳۴۰ میں سے قریب ساٹھ روپے کے زید کی تجہیز وتکفین فاتحہ، چہلم وغیرہ میں صرف کیا، بکر نے مجبور ہو کر فاتحہ چہلم وغیرہ کیا، مگر تجہیز وتکفین سے بجبر ممبران مسجد باز رہا۔ اور اس سختی کے برتاؤ سے رنجیدہ ہو کر ایک شخص غیر خالد کے ہاتھ مکان مذکور کی مبلغ دوسو روپیہ پر بیع کر کے رجسٹری کرا دی، اور قبضۂ دخل بھی دیدیا، اب ممبران مسجد عدالت سے چارہ جو ہیں کہ زید کے معاہدہ کی بنا پر ۳۵۰ میں سے دس روپیہ زید نے رسید لکھتے وقت نقد لئے تھے اور ۶۰ اس کی تجہیز وتکفین وفاتحہ وغیرہ میں صرف ہوا اس لئے بقیہ ۲۸۰ روپے میں سے خرچہ نالش وغیرہ وضع کرنے کے بعد بقیہ قیمت پر خالد بیعنامہ کر دینے پر مجبور کیا جاوے پس استفسار یہ ہے آیا معاہدہ زبانی وتحریر رسید بنام ممبران مسجد حکم بیعنامہ کا

← كتمان عيب السلعة حرام، وفي البزازية، وفي الفتاوى: إذا باع سلعة معيبة عليه البيان. (النهر الفائق، باب خيار العيب، زكريا ۳/ ۳۸۹)

البحر الرائق، باب خيار العيب، زكريا ۶/ ۵۸، كوئٹه ۶/ ۳۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رکھتا ہے، اگر حکم بیع نامہ کا رکھتا ہے تو قیمت مکان بعد زید کے انتقال کے کس کو دی جاوے اس لئے کہ زید نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا ہے، اور نہ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی وارث موجود ہے یا نہیں، کیوں کہ زید بذات خاص کسی غیر جگہ سے آ کر آباد ہوا تھا، اور کچھ پتہ ونشان نہیں بتلایا۔ اور اگر یہ معاہدہ بیعنامہ نہیں ٹھہرا تو بکر کے نام ہبہ نامہ جائز ہوا یا نہیں؟ اور اگر خالد سے ازسرِ نو زرِ ثمن مقرر کر کے یہ مکان مسجد کی رقم سے ممبران مسجد خرید لیں تو یہ زمین توسیع مسجد و دیگر مصرف مسجد میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ معاہدہ جو فیما بین زید و متولیان مسجد کے ہوا یہ بیع شرعی نہیں محض وعدہ ہے (١) جس کا بلا وجہ خلاف کرنا عند اللہ موجب مواخذہ ہوتا ہے (٢) لیکن قضاء اس میں مجبور نہیں کیا جا سکتا خاص کر جب کہ قبل تکمیل وہ وعدہ کرنے والا ابھی مر جاوے، پس جب یہ بیع نہیں ہے تو اس کو شرعاً اختیار تھا کہ بکر کے نام ہبہ کردے، اور گو جن شرائط مذکورہ فی السوال پر ہبہ کیا ہے، یہ شرائط فاسد ہیں، مگر ہبہ شرائط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، خود وہ شرائط ہی باطل اور لغو ہو جاتی ہیں (٣) پس اگر دوسری شرائط صحت ہبہ کی پائی گئی ہوں تو وہ مکان بکر کی ملک ہو گیا، اور اگر شرائط صحت کی نہ پائی گئی ہوں تو مکان زید کی ملک بدستور رہا (٤) لیکن

---

(١) إن البيع إنما ينعقد بصيغة تدل على انشاء العقد في الحال، ولذلک لا ينعقد بصيغة تتمحض للاستقبال مثل قولنا سوف أبيعک كذا أو سوف أشتري منک كذا، وإنما تنبئ هذه الصيغة عن الوعد بانجاز البيع في المستقبل فليس بيعا. (فقه البيوع ١/ ٧٨)

(٢) عن زيد بن أرقم –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وعد الرجل أخاه وليس من نيته أن يفي فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. (أبو داؤد هندي ٢/ ٦٨٢، مرقاة شرح مشكوة، باب الوعد، إمداديه ملتان ٤/ ٦٤٧)

المرأ مؤاخذ بإقراره ...... المرأ يعامل في حق نفسه كما أقربه الخ. (قواعد الفقه أشرفي ١٢٠-١٢١)

(٣) والشرط الفاسد إذا وجد في عقد من عقود المعاوضات المالية كالبيع والإجارة والقسمة مثلا أفسده، ولكنه يكون لغوا في العقود الأخرى، مثل التبرعات والتوثيقات والزواج، وتكون هذه العقود حينئذ صحيحة. (موسوعة الفقه الإسلامي، عقد البيع ٤/ ١٤٨)

(٤) ركن الهبة هو الإيجاب والقبول قياسا؛ لأنها عقد كالبيع، وكذا القبض ركن كما في المبسوط؛ لأنه لابد منه لثبوت الملک. (موسوعة الفقه الإسلامي، كتاب الهبة ٤/ ٦٧٩) ←

متولیانِ مسجد سے کسی حال میں اس مکان کا کوئی تعلق نہیں رہا، جیسا ان کا غلط خیال ہے، اور اس لئے اس غلط خیال کی بناء پر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، وہ اس رقم کو نہ تحویل مسجد سے وصول کر سکتے ہیں نہ کسی اور شخص سے، اس کا تاوان خود ان پر پڑے گا، پھر آگے جو بکر نے خالد کے نام بیع کر دیا ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مکان زید کی ملک تھا تب تو یہ بیع درست نہیں ہوئی اور بدستور زید کی ملک رہا، اور اگر بکر کی مِلک تھا تو اب خالد کی مِلک ہو گیا بہر حال مکان اب بکر کی ملک تو نہیں ہے یا تو زید کی ملک ہے اور یا خالد کی، پس اگر خالد کی ملک ہے تب تو اس سے کسی قسم کا جبر خالد پر جائز نہیں (۱)۔ ہاں اس کی رضا سے خریدنا درست ہے (۲) اور اگر زید کی ملک ہے۔ اور کوئی اس کا وارث معلوم نہیں تو اول اس کے کرایہ وغیرہ سے مسجد کے دس وصول کئے جاویں اور اس کے ورثہ کو تلاش کیا جاوے پس جب یاس ہو جاوے تو اس وقت مکرر سوال کیا جاوے، کہ لاوارث مال کا شرعاً کیا حکم ہے۔

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۶)

بلا اطلاع بیوی کے نام بیعنامہ رجسٹری کا حکم

سوال (۱۶۵۲): قدیم ۳/۴۵- میاں بی بی میں قبل تحریر بیع نامہ کوئی قرارداد یا ایجاب وقبول نہیں ہوا بعد تحریر بیعنامہ ورجسٹری بی بی کو معلوم ہوا؟

← **رجل وهب دارا وسلم وفيها متاع الواهب لا تجوز؛ لأن الموهوب مشغول بما ليس بهبة فلا يصح التسليم.** (مجمع الأنهر، كتاب الهبة بيروت ۳/ ٤٩١)

(۱) شرائط النفاذ فإثنان الملک أو الولاية، وأن لا يكون في البيع حق لغير البائع.

(شامي، كتاب البيوع، زكريا ۷/ ۱۵، كراچی ٤/ ٥٠٥)

قال جمهور الحنفية: إن عقود البيع والشراء والإيجار ونحوها من المكره إكراها ملجئا أو غير ملجئ تكون فاسدة؛ لأن الإكراه يزيل الرضا الذي هو شرط في صحة هذه العقود. (موسوعة الفقه الإسلامي، بيع المكره ٤/ ۱۲۷)

(۲) وشرطه أمور: منها في العاقد ومنها في الآلة ...... ومنها التراضي وحكمه الملک. (فتاوى تاتارخانية، زكريا ۸/ ۲۱۲، رقم: ۱۱٦۷۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : یہ شرعاً بیع نہیں ہوئی (١)۔ ١٤ر شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٦)

کاشتکار کے ذمہ لازم شدہ غلہ کو مالک زمین کے ہاتھ فروخت کرنے کا حکم

سوال (١٦٥٣): قدیم ٣/ ٤٥- جناب عالی محصول اراضی کا روپیہ جو بذمۂ کاشتکار زمیندار کا ہوتا ہے، اسی روپے کے عوض برضا مندی فریقین اگر غلّہ یا کوئی جنس پیداوار فصل کی خرید کر لی جاوے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : جائز ہے، بشرطیکہ جتنے کی خریداری ٹھہری ہے، وہ سب فوراً وصول کرلیا جاوے یہ جائز نہیں کہ نرخ مقرر کرکے نصف اب لے لیا، اور نصف اس کے ذمّہ سمجھا گیا، اگر ایسا اتفاق ہو تو جس قدر غلّہ وہ کاشتکار فی الحال دے سکتا ہے، صرف اسی کا معاملہ کیا جاوے، باقی کا پھر ایسے ہی وقت کیا جاوے، جب کہ وہ غلّہ ادا ہو سکے، اور یہی حکم ہے اس کا کہ کاشتکار کے ذمّہ غلّہ تھا اور اس کے عوض روپیہ لے لیا (٢)۔

١٨ر ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ٣٠)

---

(١) میاں بیوی کے درمیان پہلے سے کسی قسم کی گفتگو بیع نامہ کرنے سے متعلق نہیں، شوہر نے خفیہ طور پر کردیا ہے اور بیوی کو بعد میں معلوم ہو جائے تو اس معاملہ میں رکن بیع جو ایجاب وقبول ہے وہ حقیقتاً، عرفاً ومجازاً کسی طرح بھی نہیں پایا گیا؛ اس لئے عقد بیع منعقد نہیں ہوا۔ جزئیہ ملاحظہ فرمایئے:

فركنه ما يقوم به العقد وهو الإيجاب والقبول إذا كانا بلفظ الماضي، وشرطه أمور، ومنها: التراضي وحكمه الملك. (فتاوى تاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل الأول: في بيان ركنه وشرطه الخ ٨/ ٢١٢، رقم: ١١٦٧٢)

ركن البيع عند الحنفية: هو الإيجاب والقبول الدالان على التبادل أو ما يقوم مقامهما من التعاطي، فركنه بعبارة أخرى الفعل الدال على الرضا متبادل الملكين من قول أو فعل، وهذا قولهم في العقود. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، مكتبه أشرفيه ٤/ ١١٥) شامي، كتاب البيوع، زكريا ٧/ ١٤، كراچى ٤/ ٥٠٤۔

(٢) **رجل له على آخر دين وطالبه فجاء المطلوب بشعير قدرا معلوما، وقال للطالب: خذه بسعر البلدة، فإن كان سعر البلدة معلوما وهما يعلمان ذلك كان بيعا تاما، أما إذا لم يكن سعر البلدة معلوما أو كان معلوما إلا أنهما لا يعلمان ذلك لا يكون بيعا.** (فتاوى تاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل الثاني: فيما يرجع إلى انعقاد البيع ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٢) ←

مچھلی کی بیع کی مختلف صورتیں

سوال (۱۶۵۴): قدیم ۳/ ۴۶- **ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد؛ لأنه باع مالا یملکه، ولا في حظیرة إذا کان لا یؤخذ إلا بصید؛ لأنه غیر مقدر التسلیم، ومعناه إذا أخذه ثم ألقاه فیها، ولو کان یؤخذ من غیر حیلة جاز إلا إذا اجتمعت فیها بأنفسها ولم یسد علیها المدخل لعدم الملک (۱) زید إلا إذا اجتمعت فیها** سے حظیرہ صغیرہ، مراد لیتا ہے، اور اپنے استدلال میں عبارت عنایہ کو جو اس کی شرح ہے پیش کرتا ہے:

قوله: إذا اجتمعت الخ. استثناء من قوله: جاز یعني الحظیرة إذا کانت صغیرة أخذ من غیره حیلة جاز إلا إذا اجتمعت فیها بأنفسها ولم یسد علیها المدخل، فإنه لا یجوز بعدم الملک وهو استثناء منقطع لکونه غیر مستثنی من المأخوذ الملقی في الحظیرة والمجتمع بنفسه لیس بداخل فیه، وفیه إشارة إلی أنه لو سد صاحب الحظیرة علیها ملکها أما بمجرد الاجتماع في ملکه فلا کما لو باض الطیر في أرض إنسان أو فرخت فإنه لا یملک لعدم الإحراز (۲)۔

اس بنا پر اس اطراف میں جو تالاب ہوتے ہیں جن کو یہاں کے عرف میں پوکھرا بولتے ہیں، ان کی بیع سمک کو باطل ٹھہراتا ہے، کیونکہ یہ حظیرہ کبیرہ ہیں، اور ان تالابوں کی مقدار مختلف ہوتی ہے، کوئی تالاب بیس بیگہ کا اور کوئی اس سے بھی زیادہ اور کوئی آٹھ بیگہ اور کوئی دس بیگہ کا، غرض کہ اس کی کوئی خاص مقدار معین نہیں ہے، اور پھر اس میں بھی دو طرح کے تالاب ہیں، بعض کو متصل ندی کے جن کا مدخل اس ندی میں ہوتا

← المحیط البرهاني، کتاب البیوع، ما یرجع إلی انعقاد البیع ۹/ ۲۲۱، رقم: ۱۱۶۹۷۔

طالب مدونه فبعث إلیه شعیرا قدرا معلوما وقال: خذه بسعر البلد والسعر لهما معلوم کان بیعا، وإن لم یعلماه فلا. (شامي، کتاب البیوع، مطلب البیع بالتعاطي، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۳۰، کراچی ۴/ ۵۱۵)

(۱) هدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مکتبه أشرفیه ۳/ ۵۱۔

(۲) عنایة علی الفتح، باب البیع الفاسد، مکتبه زکریا ۶/ ۳۷۶-۳۷۷، کوئٹه ۶/ ۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے، اور بعد بارش کے اس کے مدخل کو باندھ دیتے ہیں، یا خود بخود اس مدخل سے ندی کا پانی متصل ہوجاتا ہے اور بعض تالاب وہ ہیں جو بعد بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں، اور اِدھر اُدھر سے مچھلیاں آجاتی ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کے تالاب کا حکم جداگانہ ہے، یا ایک یعنی مالکِ زمین تالاب ان دونوں کی مچھلیوں کو اپنی مِلک سمجھ کر عندالشرع فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ زید اس شرح عنایہ کی وجہ سے یہ سمجھ رہا ہے کہ جو تالاب کہ جن کی مقدار پہلے مذکور ہوئی ہے حکم حظیرۂ صغیرہ کا نہیں رکھتے، لہٰذا بہر صورت تالاب کی مچھلیاں بوجہ سدّ مدخل کے مالکِ زمین کو فروخت کرنا اور دوسروں کو منع کرنا درست نہیں جانتا ہے اور عبارت (عینی) ”**وقيد به لأنه لو سد موضع الدخول حتى صار بحيث يعتذر على الخروج فقد صارا آخذا له لمنزله ما لو وقع في شبكته فيجوز بيعه** (۱)“ کو حظیرۂ صغیرہ پر محمول کرتا ہے، تاکہ عینی اور عنایہ میں موافقت ہوجائے، زید کا اس عبارت مذکورہ سے یہ سمجھنا صواب ہے یا خطاء اور دوسرے استدلال میں بہشتی زیور اور صفائی معاملات جس میں تالاب کی مچھلیوں کی بیع مطلقاً باطل اور حرام ٹھہرائی گئی ہے پیش کرتا ہے، اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ حظیرۂ صغیرہ جب مراد ہے تو زمین چاہے کسی کی ہو باندھنے والا ہی مالک سمجھا جائے گا، نہ کہ صاحب زمین، جیسا کہ عنایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

وفيه إشارة إلى أنه لوسد صاحب الحظيرة عليها ملكها أما بمجرد الاجتماع في ملكه فلا كما لو باض الطير في أرض إنسان أو فرخت، فإنه لا يملك بعدم الإحراز.

اور حظیرۂ صغیرہ کے مدخل کو جب بند کردیا جاوے تو مالک اس کا باندھنے والا ہے، اسی طرح اگر کبیرہ ہو تو محض بند ڈال دینے سے باندھنے والا مالک ہوجاتا ہے یا نہیں، اگر مالک ہوجاتا ہے تو ایک ندی فرض کی جائے کہ خطِ اِسے نکلی اور کئی کوس تک جاکر کسی بڑے دریا میں مل گئی، اب اس ندی کو چار پانچ کوس کے بعد عرضاً باندھ دیا تو جس قدر آب محاط کے اندر مچھلیاں ہیں ان سے زید لوگوں کو روک سکتا ہے اور مالک اس کا عندالشرع قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں اور حظیرۂ صغیرہ کی عندالشرع کیا مقدار ہے؟

الجواب: یہاں دو حکم الگ الگ ہیں، ایک تو مچھلی کا ملک میں داخل ہونا دوسرا ملک میں داخل ہونے کے بعد بیع کا جائز ہونا، سو حکم اول کے لئے قبضہ واحراز شرط ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ مچھلی کو

---

(۱) بناية شرح هداية، باب البيع الفاسد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٨ / ١٤٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پکڑ کر ڈال دے، اور ایک صورت یہ ہے کہ ان کے از خود جمع ہو جانے کے بعد بند لگا دے، جس سے وہ خروج پر قادر نہ ہوں، عینی کی عبارت مذکورہ فی السوال اس کے متعلق ہے اور اس میں صغیرہ وکبیرہ کی کوئی قید نہیں، اور حکم ثانی کے لئے قدرت علی التسلیم شرط ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ حظیرہ سے نکال کر کسی ظرف میں رکھی ہوئی ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ حظیرۂ صغیرہ میں ہو کہ جب چاہیں بلا تکلف پکڑ لیں عنایہ کی عبارت مذکورہ فی السوال اس کے متعلق ہے اور اس میں صغیرہ کی قید ہے، پس عینی اور عنایہ میں تطابق موقوف نہیں ہے اور اس پر کہ عینی میں بھی صغیرہ مراد لیا جاوے، پوری عبارتیں دیکھنے سے یہ امر بالکل واضح ہے، پس پوکھرے جن کا ذکر سوال میں ہے ان میں تفصیل یہ ہے کہ جوندی سے متصل ہیں اور ندی سے اس میں مچھلی آنے کے بعد اس کے مدخل کو بند کر دیتے ہیں اس کی مچھلی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔

كما ذكر في العناية والعيني: أو سد صاحب الحظيرة عليها ملكه. اھ **ولو سد موضع الدخول حتى صار بحيث لا يقدر على الخروج فقد صار آخذا له.** اھ(۱)

اور جو بند نہیں کیا خود ندی سے اس کا اتصال جاتا رہا تو اس میں دیکھنا چاہیئے کہ اس تالاب کو آیا اس غرض کے لئے پہلے سے مہیّا کیا گیا تھا یا نہیں اگر مہیا کیا گیا تھا تو بدون بند کئے ہوئے بھی مِلک میں داخِل ہو جاویں گی، ورنہ نہیں۔

---

(۱) عناية على الفتح، باب البيع الفاسد، زكريا ٦ / ٣٧٧، كوئٹه ٦ / ٤٩، بنايه أشرفيه ٨ / ١٤٦ ۔

فلو كانت له حظيرة أي حوض أو بركة فدخلها السمك، فإن أعدها لذلك فما دخلها ملكه، ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه، وللمشتري الخيار وإلا فلا، وإن لم يكن أعدها لا يملكه إلا إذا سد الحظيرة، فيملكه ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة جاز بيعه وإلا فلا. (النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤١٩)

وكذا لو دخل السمك الحظيرة باحتيا له بأن سد عليه فوهة أو سد موضع الدخول حتى لا يمكنه الخروج على هذا التفصيل؛ لأنه لما احتبس فيه باحتياله صار آخذا له، وملكه بمنزلة ما لو ألقاه فيه. (تبيين الحقائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٤ / ٣٦٤)

البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١١٩، كوئٹه ٦/ ٧٣ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في فتح القدير: فإن كانت له حظيرة فدخلها السمك، فإما أن يكون أعدها لذلك أو لا، فإن كان أعدها لذلك فما دخلها ملكه، وليس لأحد أن يأخذه -إلىٰ قوله- وإن لم أعدها لذلك لا يملك ما يدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملك الخ (۱)۔

اور جو ندی سے متصل نہیں بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور مچھلیاں یا تو ان میں پیدا ہو جاتی ہیں یا اِدھر اُدھر سے جمع ہو جاتی ہیں، ان میں بند لگانے کا تو تحقق ہی نہیں ہوتا اب صرف یہ دیکھا جاوے گا کہ آیا اس کو پہلے سے اس کام کے لئے مہیّا کر رکھا تھا یا نہیں، صورت اولیٰ میں مچھلی ملک میں داخل ہو جاویں گی، اور صورت ثانیہ میں نہیں۔ **وقد ذكر دليله آنفا.**

یہ تفصیل ہوئی مچھلیوں کے مملوک وغیر مملوک ہونے میں، اب جواز بیع بمعنی صحۃ وعدم فسادہ کے مملوک ہونے کے بعد یہ شرط ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہو، چونکہ حظیرۂ کبیرہ میں یہ قدرت نہیں ہے اس لئے اس کے لئے حظیرہ کا صغیرہ ہونا شرط ہوگا، چنانچہ فتح القدیر میں بھی بعد عبارت **ليس لأحد أن يأخذه** کے جو دال ہے سمک کے مملوک ہو جانے پر یہ عبارت ہے:

ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم مثل السمكة في جب وإن لم يكن يوخذ إلا بحيلة لا يجوز بيعه لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع. اھ (۲)۔

باقی بہشتی زیور وصفائی معاملات کی عبارت مختصر اور متعلق بعض صورتوں کے ہے، اس سے شبہ نہ کرنا چاہیئے، ان دونوں رسالوں میں تفصیل نہیں لکھی، بعض کثیر الوقوع صورتوں کو لکھدیا، باقی رہی یہ بات کہ اگر حظیرہ کی (صغيرةً كانت او كبيرةً كما مر) زمین کسی کی ہو اور بند ڈالنے والا دوسرا شخص ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر زمین والے نے اس زمین اور حظیرہ کو اس کے لئے مہیا کر رکھا تھا تو اس سے وہی مالک ہوگا، بند ڈالنے والا مالک نہ ہوگا، اور اگر اس نے مہیّا نہیں کر رکھا تھا تو مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ یہ بند ڈالنے والا مالک ہو جاوے، اور اگر اس میں اختلاف ہو تو زمین والے کا قول معتبر ہوگا کہ میں نے مہیا کر رکھا تھا اور جس

---

(۱) فتح القدير، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٣٧٤-٣٧٥، كوئٹه ٦/ ٤٩۔

(۲) فتح القدير، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٣٧٥، كوئٹه ٦/ ٤٩۔

صورت میں بند ڈالنے والا مالک ہوجاوے تو مالک زمین کو اس پر جبر جائز ہے، کہ فوراً میری زمین خالی کرے کہ غیر کی ملک کو مشغول کرنا بدون اس کی رضا کے جائز نہیں (١)۔

اور ندی مذکور فی آخر السوال کو عرضاً باندھ دینے کی صورت سمجھ میں نہیں آئی، مگر قواعد مذکورہ فی الجواب سے اس کا حکم نکال لینا چاہیئے، اور حظیرۂ صغیرہ کی حد کسی پیمائش سے نہیں ہے، یہی حد ہے کہ **يمكن الأخذ منها إلا بتكلف واحتيال كما في العناية (٢) أول عبارتها المذكور في السؤال۔**

۲۰ صفر ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۲۷)

تالاب میں مچھلی کی بیع

سوال (١٦٥٥): قدیم ۳/ ۴۸ – تالاب میں مچھلی فروخت کرنے کی مسئلہ کی کیا تحقیق

---

(١) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

لا يجوز التصرف فى مال غيره بغير إذنه، ولا ولايته عليه. (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، كراچى ٢/ ٩٨)

(٢) عناية على الفتح، باب البيع الفاسد ٦/ ٣٧٥، كوئٹه ٦/ ٤٩۔

إذا كان في حظيرة إذا كان لا يؤخذ إلا بصيد لكونه غير مقدور التسليم، فيكون فاسدا، ومعناه إذا أخذه ثم ألقاه فيها ولو كان يأخذ بغير حيلة جاز إلا إذا اجتمعت فيها بأنفسها ولم يسد عليها المدخل لعدم الملك، والحاصل أن عدم جوازه قبل أخذه لعدم ملكه له، فإن أخذه ثم ألقاه في حظيرة كبيرة فعدم جوازه لكونه غير مقدور التسليم، فإن سلمه بعد ذلك فكالروايتين في بيع الآبق إذا سلمه، وإن كانت صغيرة جاز، وله خيار الرؤية بعد التسليم ...... وإذا دخل السمك الحظيرة باحتياله ملكه، وكان له بيعه على التفصيل، وقيل: لا مطلقا لعدم الإحراز، والخلاف فيها إذا لم يهيئها له، فإن هيأها له ملكه إجماعا، فإن اجتمع بغير صنعه لم يملكه سواء أمكنه أخذه من غير حيلة أو لا. (البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١١٩، كوئٹه ٦/ ٧٣)

النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٣/ ٤١٩، تبيين الحقائق، زكريا ٤/ ٣٦٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہوئی جائز ہے یا ناجائز مطلع فرما کر سرفراز فرماویں اگر ناجائز ہو تو فتح القدیر کی روایت کے کیا معنی اور اگر جائز ہو تو جو اور کتابوں میں ناجائز لکھا ہے اس کی کیا توجیہ؟ فقط۔

الجواب: **ولا يجوز بيع السمک قبل الاصطياد؛ لأنه باع ما لا يملكه، ولا في حظيرة إذا كان لايؤخذ إلا بصيد؛ لأنه غير مقدور التسليم، ومعناه إذا أخذه ثم ألقاه فيها ولو كان يؤخذ من غير حيلة جاز إلا إذا اجتمعت فيها بأنفسها ولم يسد عليها المدخل لعدم الملک.** (١)اھ (هداية اخيرين اوّل باب البيع الفاسد)

وأيضًا فيها اٰخر المسائِل المنثورة: وإذا أفرخ طير في أرض رجل فهو لمن أخذه، وكذا إذا باض فيها، وكذا إذا تكنس فيها ظبي -إلى قوله- وصاحب الأرض لم يعد أرضه لذلک فصار كنصب شبكة للجفاف، وكما إذا دخل الصيد داره أو وقع مانثر من السكر أو الدراهم في ثيابه لم يكن له ما لم يكفه، أو كان مستعداً له. اھ(٢)۔

وفي فتح القدير على القول الأول المذكور للهداية: فإن كانت له حظيرة فدخلها السمک فإما أن يكون أعدها لذلک لايملک مايدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملک، إلا أن يسد الحظيرة إذا دخل يملكه ولو لم يعد ها لذلک، ولكنه أخذه ثم أرسله في الحظيرة ملكه. اھ (٣)۔

مختصراً بنا برروایات مذکورہ کے اس مقام میں دو کلام ہیں ایک مچھلی کے مملوک وغیر مملوک ہونے کے

---

(١) هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديو بند ٣/ ٥١ ۔

(٢) هداية، كتاب البيوع، مسائل منشورة، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٠٤۔

(٣) فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٣٧٤-٣٧٥، كوئٹه ٦/ ٤٩۔

فلو كانت له حظيرة أي حوض أو بركة فدخلها السمک، فإن أعدها لذلک فما دخلها ملكه، ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه، وللمشتري الخيار وإلا فلا، وإن لم يكن أعدها لا يملكه إذا سد الحظيرة، فيملكه ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة جاز بيعه وإلا فلا. (النهرالفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديو بند ٣/ ٤١٩)

البحرالرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١١٩، كوئٹه ٦/ ٧٣۔

تبيين الحقائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٤/ ٣٦٤۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعلق دوسرے اس کے جواز بیع وعدم جواز کے متعلق سو امر اول میں تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کا جدا حکم ہے۔ایک صورت یہ کہ مچھلی پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑے، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مچھلی اور اُس کی نسل سب اس چھوڑنے والے کی مملوک ہیں، دوسرے کو بلا اذن پکڑنا درست نہیں۔

دوسری صورت یہ کہ خود پکڑ کر یا خرید کر نہیں چھوڑی؛ لیکن مچھلیوں کے آنے کی کوئی خاص تدبیر کی ہے یا آجانے کے بعد اُن کے روک لینے کا کوئی خاص سامان کیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس اعداد اور اس سامانِ انسداد سے بھی اس شخص کی مِلک ہو جاتی ہے، مگر صرف نیت کر لینے کو اعداد نہ کہیں گے۔ لان معناہ سامان کردن لامحض قصد کردن۔

تیسری صورت یہ کہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہوئی بلکہ قدرتی طور پر مچھلیاں پیدا ہو گئیں یا آگئیں نہ ان کے جمع کرنے کا کوئی اہتمام کیا اور نہ اُن کے منع یعنی روک دینے کا کوئی انتظام کیا، اس کا حکم یہ ہے کہ قبل پکڑنے کسی کی مِلک نہ ہوگی۔ یہ تو امر اول میں تفصیل تھی اور امر دوم میں تفصیل یہ ہے کہ جن صورتوں میں کہ مچھلی داخل مِلک ہی نہیں ہوئی اس میں تو بدون پکڑے ہوئے بیع کرنا مطلقاً جائز نہیں اور جن صورتوں میں داخل مِلک ہوگئی، اس میں دیکھنا چاہیئے اگر پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ وتدبیر کی ضرورت ہے تب بھی بیع جائز نہیں ''لأنہ غیر مقدور التسلیم'' اور اگر بلا کسی تدبیر کے پکڑنا آسان ہو تو بیع جائز ہے، مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہو کہ ہاتھ ڈال کر پکڑ سکیں اور جن کتب میں مطلقاً ناجائز لکھا ہے مراد اس سے خاص صورتیں عدم جواز کی ہیں۔

۲۹ ر ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

حکم بیع سمک در تالاب

سوال (۱۶۵۶): قدیم ۳/ ۵۰- ہمارے اطراف میں پوکھرے ندی کے قریب ہوتے ہیں، جب موسم بارش کم ہوتا ہے تو مالک پوکھر اُس کا مخرج ومدخل بند کر دیتا ہے، یعنی باندھ ڈال کر ندی سے جُدا کر لیتے ہیں، ایسی صورت میں مالک پوکھر کو دوسروں کو مچھلی کے شکار سے روکنا درست ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو ''ہدایہ'' کی اس عبارت کا کیا منشا ہے؟:

''إلا إذا اجتمعت بأنفسها ولم یسد علیها المدخل'' منشا شبہ یہ ہے کہ اگر ''لم یسد'' کی جگہ ''یسد علیها المخرج'' ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: یہاں دو حکم جدا جدا ہیں ایک تو مچھلی کا مالک ہو جانا سو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ بند لگا دینے سے مِلک میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کی فرع یہ ہوگی کہ اس کا روکنا جائز ہوگا۔ دوسرا حکم مملوک مچھلی کا بیع کرنا سو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مملوک مچھلی مقدور التسلیم ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔

دليل هذا كله ما في الهداية: ولا يجوز بيع السمک قبل أن يصطاد؛ لأنه باع ما لا يملكه، ولا في حظيرة إذا كان لا يؤخذ إلا بصيد؛ لأنه غير مقدور التسليم، ومعناه إذا أخذه ثم ألقاه فيها، ولو كان يؤخذ من غير حيلة جاز، إلا إذا اجتمعت فيها بأنفسها ولم يسد عليها المدخل لعدم الملک (١)۔

وفي العيني: وقيد به؛ لأنه لو سد موضع الدخول حتى صار بحيث لا يقدر على الخروج فقد صار آخذا له بمنزلة ما لو وقع في شبكة فيجوز بيعه (٢)۔

۲ر صفر ۱۳۳۳ھ

مچھلی کی بیع تالاب میں

سوال (۱۶۵۷): قدیم ۳/۵۱- صفائی معاملات میں ایک مسئلہ مرقوم ہے وہ یہ ہے کہ تالاب یا دریا ماہی گیروں کو دیدیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس تالاب سے مچھلی پکڑنے نہیں دیتا یہ بیع باطل ہے وفیہ بعد سطرین بلکہ سب کو مچھلیاں پکڑنے کا شرعاً حق حاصل ہے، ازیں مسئلہ زید می گوید کہ

---

(١) هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٥١۔

(٢) بناية شرح هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٨/ ١٤٦۔

بيع السمک في البحر قبل الصيد بل هو باطل لعدم ملكه له، فلو كانت له حظيرة أي حوض أو بركة فدخلها السمک، فإن أعدها لذلک فما دخلها ملكه، ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه، وللمشتري الخيار وإلا فلا، وإن لم يكن أعدها لا يملكه إلا إذا سد الحظيرة، فيملكه ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة جاز بيعه وإلا فلا. (النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤١٩)

تبيين الحقائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٤/ ٣٦٤۔

البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١١٩، كوئٹه ٦/ ٧٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بدون اطلاع مالک تالاب خفیہ اگر تالاب سے مچھلیاں پکڑ لاوے تو کچھ گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ شرعاً اس میں سب کا حق ہے تو حضرت یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کا قول صحیح ہے اور خفیہ مچھلی پکڑنا تالاب سے درست ہے (۱) لیکن اگر مالک تالاب نے مچھلیاں کہیں سے لاکر اپنے ہاتھ سے چھوڑی ہوں تو وہ مچھلیوں کا مالک ہوگا، اور پھر خفیہ پکڑنا درست نہیں؛ لیکن بیع کرنا بدون پکڑے ہوئے پھر بھی درست نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثالث ص ۱۹)

---

(۱) اگر تالاب میں مچھلیاں کسی دوسری جگہ سے لاکر ڈالا نہیں ہے؛ بلکہ مچھلیاں از خود برسات وغیرہ کے موقع پر بہتی ہوئی داخل ہوگئی ہیں، تو ان کو خفیہ پکڑنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

والذي علم ما تقدم عدم جواز البيع مطلقا سواء كان في بحر أو نهر أو أجمة وهو بإطلاقه أعم من أن يكون في أرض بيت المال أو أرض الوقف الخ. (منحة الخالق على هامش البحر، كوئٹه ٦/ ٧٣)

وإن لم يكن أعدها لذلک لا يملک ما يدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملک الخ.

(فتح القدير، بيروت ٦/ ٤١٠، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٧٥)

(۲) **ولا يجوز بيع السمک قبل أن يصطاد؛ لأنه باع مالا يملكه، ولا في حظيرة إذا كان لا يؤخذ إلا بصيد؛ لأنه غير مقدور التسليم، ومعناه إذا أخذه ثم ألقاه فيها، ولو كان يؤخذ من غير حيلة جاز إلا إذا اجتمعت فيها بأنفسها ولم يسد عليها المدخل لعدم الملک.**

(هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٥١)

وفى فتح القدير: فإن كانت له حظيرة فدخلها السمک، فإما أن يكون أعدها لذلک أو لا، فإن كان أعدها لذلک فما دخلها ملكه، وليس لأحد أن يأخذه -إلى قوله- وإن لم أعدها لذلک لا يملک ما يدخل فيها، فلا يجوز بيعه لعدم الملک إلا أن يسد الحظيرة إذا دخل يملكه، ولو لم يعدها لذلک ولكنه أخذه ثم أرسله في الحظيرة ملكه. (فتح القدير، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٦/ ٣٧٤-٣٧٥، كوئٹه ٦/ ٤٩)

النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤١٩۔

البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٦/ ١١٩، كوئٹه ٦/ ٧٣۔

مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ٣/ ٨٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیہاتی بینک سے قرض کے مقابلہ میں بیع سلم کا معاملہ کرنا بہتر

سوال (١٦٥٨): قدیم ٣/ ٥١- یہاں یہ رواج ہے کہ کاشتکاران تخم ریزی کے وقت مہاجنوں سے غلّہ قرض لیتے ہیں، اور یہ شرط ہوتی ہے کہ فصل کٹنے کے بعد ڈیوڑھا یا سوایا غلّہ واپس دیں گے، یہ طریقہ کاشتکاران کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور مہاجنان حساب و وزن وغیرہ میں بھی طرح طرح کی زیادتی کرتے ہیں، جس کو کاشتکاران اہلِ غرض ہونے کی وجہ سے پورا کرتے ہیں۔

(٢) اکثر زمینداروں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کو اس مصیبت ونقصان سے بچانے کی کوئی جائز تدبیر ہو تو اس پر عمل کیا جاوے، ساتھ ہی اس کے اپنا روپیہ لگانے کا کچھ ماحصل اور فائدہ تجارتی بھی ضرور حاصِل ہونا چاہیئے، تاکہ نقصان نہ اٹھانا پڑے، اور جو فائدہ غیروں کو ہوتا ہے وہ خود حاصِل کریں۔

(٣) منجانب سرکار رعایا و کاشتکاران کی امداد کے لئے ایک طریقہ دیہاتی بنکوں کا جاری ہے، جس کو کوآپریٹیو بنک (Co-operative Bank) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے، اور چار آنے اس کی ممبری کی فیس ہے، جو لوگ ممبر ہوتے ہیں ان میں سے ہم قوم دس آدمی ایک ساتھ قرض لیتے ہیں اور اس کی ادائیگی کی ذمّہ داری مشترکہ ومنفردہ طور پر دسوں آدمیوں پر ہوتی ہے، اور چھ روپے فی صدی سے زیادہ سود نہیں لیا جاتا، درحقیقت ایسے بنکوں کا قیام کاشتکاران کے لئے بہت مفید ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان زمینداران بوجہ شرعی ناجوازی کے ایسے بنک نہیں قائم کر سکتے اور اس لئے وہ اپنی رعایا کی امداد کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔

(٤) لہٰذا سوال یہ ہے کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کریں جو شرعاً جائز ہو، اور ان کے کاشتکاران بجائے مہاجنوں کے پنجوں میں پھنسنے اور تباہ ہونے کے خود اپنے زمینداران سے اپنی ضروریات کے لئے قرض لیں، اور اس کے شرائط ایسے ہوں کہ زمیندار کو اپنے سرمایہ لگانے سے تجارتی فائدہ بھی ہو اور کاشتکار یا رعایا مہاجنوں کی سخت شرائط کے نقصان سے بھی محفوظ رہیں۔

(٥) ایک تدبیر جو خیال میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تخم ریزی یا اور ضروریات کے موقع پر نقد روپیہ زمیندار سے کاشتکاران لیں۔ اور اپنا کام چلاویں، جس وقت نئی فصل کاٹی جاوے اس وقت نرخ بازار کے حساب سے جو اس وقت غالباً ارزاں ہوگا بہ نسبت اس وقت کے جب کہ تخم ریزی ہوتی ہے غلّہ دیں۔ ایسی صورت میں ارزانی وگرانی میں جو فرق ہوگا وہی قرض دہندہ کا نفع ہوگا آیا ایسی صورت شرعاً اپنے کاشتکاران

کو فائدہ پہنچانے اور خود فائدہ حاصل کرنے کی جائز ہے یا نہیں ہے، اور اگر نہیں ہے تو وہ دوسری اور کون صورت ہے جس کے اختیار کرنے سے زمیندار قرض دہندہ اور کاشتکار قرض گیرندہ کو نفع حاصل ہو، چونکہ یہ مسئلہ بہت ضروری ہے اور اس کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جاتی ہے، اور بعد بحث ومباحثہ اس کے مفید ہونے پر سرکار اور عوام سب کو اتفاق ہے، اور ہزار ہا بنک ایسے قائم ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، اور منجانب سرکار بہت توجہ ہے اور ترغیب دلائی جاتی ہے کہ اس طریقہ سے کاشتکاران کی مدد زمیندار کریں۔ اور مہاجنوں کے پنجۂ ظلم سے ان کو نجات دلائی جائے، ساتھ ہی اس کے جو شخص اپنا روپیہ پھنسائیگا اس کو بھی کچھ فائدہ جب تک نہ ہو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنا روپیہ اس میں لگائے، اور روپیہ نہ لگانے میں یہ نقص پڑتا ہے کہ اگر ہمسایہ زمیندار کوئی بنک کھولے تو اس کی رعایا خوش حال اور فارغ البال ہوتی ہے بخلاف اس کے ہم اگر اپنی رعایا کی مدد نہ کریں تو بوجہ شرع ناجوازی کے ہماری رعایا اس فائدہ سے محروم ہو جاتی ہے، اور اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے، لہٰذا مسلمان زمینداران کے لئے کوئی جائز طریقہ ضرور علماء کرام مدظلہم کو ایسا تجویز فرمانا چاہیئے جس میں فائدہ تو وہی حاصل ہو جو دیہاتی بنک قائم کرنے کا مقصود ہے، لیکن اس میں معصیت نہ ہو، جواب باصواب سے سرفراز فرمائیے؟

الجواب: جو تدبیر سوال ۵ میں لکھی ہے وہ بعد کسی قدر ترمیم کے شریعت کے موافق جائز ہو سکتی ہے، یعنی تخم ریزی کے وقت جو نقد روپیہ کاشتکاروں کو دیا جاوے اس کا غلّہ فصل پر لے لیا کریں، مگر نرخ بوقت روپیہ دینے کے معین ہو جاوے، یعنی یہ نہ ہو کہ بازار میں جو اس وقت نرخ ہوگا اس سے اتنا زیادہ لیں گے، بلکہ اس طرح معین ہو کہ ہم دس سیر یا بارہ سیر کا لیں گے خواہ بازار کا نرخ کچھ ہی ہو، اور اپنے نزدیک تخمینہ کر کے اسی حساب کے موافق ذہن میں سمجھ لیں، اگر کسی قدر کمی بیشی بھی ہوئی تو بمقابلہ جواز شرعی اور غالب اوقات میں جانبین کی مصالح کے مرعی ہونے کے ایسی کمی بیشی کوئی چیز نہیں، اس کو شریعت میں بیع سلم کہتے ہیں (۱) اس کے جواز میں اور بھی بعض سہل شرائط ہیں رسالہ صفائی معاملات میں ملاحظہ فرمالی جاویں، جس

---

(۱) **والرابع: بيان قدره في المكيلات بالكيل والموزونات بالوزن والمعدودات بالعدد، وينبغي أن يعلم مقداره بوزن أو كيل يؤمن فقده عن أيدي الناس.** (تاتارخانية، كتاب البيوع، شرائط السلم، زكريا ۹/ ۳۳۳، رقم: ۱۳۵۱۷)

كذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم، بيروت ۳/ ۱۴۱۔

النهر الفائق، باب السلم ۳/ ۵۰۳۔　شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں ایک شرط جو بوجہ ابتلائے عام کے زیادہ اہتمام کے قابل ہے یہ بھی ہے کہ وقت موعود پر اگر غلّہ موعود وصول نہ ہو سکے تو اس کے عوض میں نہ تو دوسری جنس لینا درست ہے(۱) اور نہ روپیہ مقدار بڑھا کر لینا درست ہے، بلکہ اگر روپیہ لے تو جس قدر دیا تھا اسی قدر لے لے، اور اگر جنس لے تو وہی لے (۲) اور وہ اگر اس وقت میسر نہ ہو سکے تو مہلت دیدے، اور بعد مہلت پھر وہی لے جو ٹھہری تھی، اور اگر اب بھی کسی جزو میں شبہ باقی رہے تو استفسار کر لیا جاوے۔ واللہ اعلم

۱۲/ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۴)

سودی بینک کی آمدنی کی حرمت

سوال (۱۶۵۹): قدیم ۳/ ۵۳- جالندھر شہر میں ایک انجمن بنام خادمان اسلام عرصہ سات سال سے منعقد ہے، اس کے زیر آوردہ ایک اسلامیہ ہائی اسکول ہے، جس میں انگریزی، عربی، فارسی حساب وغیرہ کے علاوہ ابتدائی جماعتوں یعنی پرائمری حصہ میں قرآن شریف اور مڈل اور ہائی جماعتوں

---

(۱) **ولا يجوز أن يأخذ برأس المال شيئا آخر من غير جنسه.** (تاتارخانية، كتاب البيوع، السلم، زكريا ۹/ ۳۵۶، رقم: ۱۳۵۷۹)

ولا يجوز أن يأخذ عوض رأس المال شيئا من غير جنسه، فإن أعطاه من جنس أجود منه ...... فرضي المسلم إليه جاز ...... ولو أسلم في زيتون فأخذ مكانه زيتا لايجوز، وإن علم أنه أقل مما في الزيتون. (هندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر: في السلم، الفصل الثالث: فيما يتعلق بقبض رأس المال والمسلم فيه، جديد زكريا ۳/ ۱۷۸- ۱۸۲، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۶- ۱۹۱)

فقه البيوع، الباب الثاني: في السلم، الشرط الرابع: أن يسلم نفس المسلم فيه بدون استبدال، مكتبه نعيميه ديوبند ۱/ ۵۸۱۔

(۲) **والشرط الرابع: لجواز التسليم عند الجمهور أن يسلم نفس المسلم فيه فلا يجوز استبداله بشيء آخر ولو برضا رب السلم؛ لأن استبداله بشيء آخر يودي إلى بيع المسلم فيه قبل قبضه وهو لا يجوز.** (فقه البيوع، الباب الثاني في السلم، مكتبه نعيميه ديوبند ۱/ ۵۸۰، النهر الفائق، باب السلم، زكريا ۳/ ۵۰۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں فقہ وحدیث شریف بھی پڑھائی جاتی ہے؛ لیکن دیگر مضامین بہ نسبت دینیات غالب ہیں، اس کا اجراء قوم کی مختلف قسم کی امداد وعطیات، بیاہ شادی وزکوٰۃ وصدقات وگاہ بگاہ زمیندارہ بنکوں کے منافع یعنی سودی پیسہ روپے سے بھی ہے؛ لیکن تقسیم وتنخواہ واخراجات میں کوئی تمیز نہیں ہے، تمام قسم کا روپیہ پیسہ یک جا جمع ہوکر اس سے تنخواہیں وغیرہ، سامان تعلیم وغیرہ خریدا جاتا ہے، ایسے مدرسہ میں تعلیم کام وغیرہ کے لئے ملازمت کرنا اور اجراء مدرسہ کے لئے مذکورہ صورتوں کی آمدنی کا مہیّا کرنا گناہ تو نہیں، مہربانی فرماکر جواب باصواب سے مطلع فرماویں تاکہ میرے دل کی تسلّی کا موجب ہو، کیونکہ خاکسار انجمن ہذا کے دفتر میں محرر کا کام اور روپیہ پیسہ کی وصولی کا کام کررہا ہے۔ فقط

اس سوال کے جواب میں صاحبِ فتاویٰ نے مضمون ذیل بھیجا۔

زمیندارہ بنک کی کیا صورت ہے اس کا جواب اس تحقیق پر موقوف ہے۔ آھ

اس کے جواب میں پھر ذیل کا سوال آیا۔

محرر کا کام: یعنی بیرون جات میں وصولی چندہ کے لئے خط وکتابت کرنا وصولی چندہ ماہواری چندہ دہندگان سے روپیہ پیسہ وصول کرکے باقاعدہ حساب رکھنا، زمیندارہ بنک کی صورت، پنجاب میں زمیندار قوم یا دیگر مسلمان کہلانے والے لوگ آپس میں مل کر روپیہ جمع کرکے ایک بنک بنالیتے ہیں، اس جمع شدہ روپے میں سے جس شخص کو ضرورت ہو وہ ایک پیسہ فی روپیہ ماہوار سود دے کر روپے لیجاتا ہے، ادائیگی قرضہ کے وقت سود بشرح صدر شمار کرکے اصل زر سے سود ادا کرجاتا ہے، سال بھر روپیہ کا حساب ہوتا ہے، جتنی رقم سود کی بڑھ جائے وہ آپس میں ممبران بنک میں تقسیم ہوجاتی ہے، اس بڑھوتری یعنی سود میں سے کچھ رقم مدرسہ ہذا کے اجراء کے لئے بھی پہنچ جاتی ہے، غرضیکہ مدرسہ ہذا کا اِجراء مختلف قسم کی آمدنی پر موقوف ہے؟

الجواب: اس بنک کی آمدنی تو حرام ہے (١) باقی جس مدرسہ میں اس سے مدد کی جاتی ہے، اگر

---

(١) **عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء.** (مسلم شريف، باب لعن آكل الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

سنن أبي داؤد، باب في آكل الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دوسری حلال آمدنی غالب اور یہ حرام آمدنی مغلوب اور کم ہے، تب تو اس مدرسہ کی نوکری اور مجموعہ تنخواہ لینا حلال ہے ورنہ حرام (۱)۔

۳ رمحرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۵۹)

بینکنگ معاملہ کا عدم جواز

سوال (۱۶۶۰): قدیم ۳/۵۴- بینکنگ کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ کوئی آدمی اگر کوئی بھاری کاروبار یا چائے باغیچہ کھولنا چاہے تو کسی کمپنی سے وہ بندوبست کرتا ہے، جتنے خرچ کی سال بھر میں اس کاروبار یا چائے باغیچہ میں ضرورت ہوگی وہ کمپنی اسے دیتی جائے گی؛ لیکن جتنی چائے کی سال بھر میں اس باغ میں آمدنی ہوگی وہ سب کی سب اس کمپنی کو بھیجنی ہوگی، کمپنی مذکور اس چائے کو فروخت کرتی ہے، جتنا اس کمپنی کا خرچ سال میں ہوتا ہے چائے بیچ کر وصول کر لیتی ہے، اور کمپنی مذکور نے جو اصل روپیہ دیا تھا، اس کا سود بھی اس سے لیتی ہے، باقی روپیہ بچت رہ جاتا ہے، تو اس باغیچہ والے کو بھیج دیتی ہے۔ تو اس قسم کا بینکنگ کاروبار جائز یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا حاصل تو صرف اتنا ہے کہ کوئی شخص بڑی تجارت کرنا چاہتا ہے اور سرمایہ اس کے پاس ہے نہیں، اس لئے وہ کسی سے قرض سودی لیتا ہے، اور اس تجارت میں اس کو جتنی آمدنی ہوتی جاتی ہے، وہ آمدنی اس قرض خواہ کو دیتا رہتا ہے پھر اخیر میں حساب ہونے سے اس کے پاس اگر اصل اور سود سے زائد کچھ رقم پہنچ گئی وہ اس کو واپس کر دیتا ہے، بس اصل سوال تو اتنا ہے، اور اس کا جواب ظاہر ہے کہ سودی

---

(۱) **أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم أنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية الخ.** (فتاوى عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦)

تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل: الهدايا والضيافات، زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠ـ

وفي البزازية: غالب مال المهدي إن كان حلالا لا بأس بقبول هديته، وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لا يخلو عن حرام فيعتبر الغالب، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، بيروت ٤/ ١٨٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرض لینا حرام ہے(۱) باقی اس سوال میں جو مثال فرض کی گئی ہے اس میں علاوہ اس سوال کے دو امر قابل تعرض ہیں، ایک یہ کہ باغیچہ کا خریدنا جائز ہے یا نہیں۔ سو یہ ایک مستقل مسئلہ ہے، اگر اس کو مقصوداً پوچھا جاوے، اور سوال میں پوری حقیقت معاملہ کی ظاہر کی جاوے تو اس کا جواب ممکن ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اس مال کو مقرض یعنی قرض خواہ بیچتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں، سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ آیا مقرض کا بیچنا عقد کے اندر داخل وشرط ہے یا اتفاقاً بلا جبر یکے بعد دیگرے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے، شق اول پر یہ معاملہ فاسد ہے(۲) اور شق ثانی میں جائز ہے۔

۲۴ / شعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامسہ ص ۲۶)

منافع بنک

سوال (۱۶۶۱): قدیم ۳/۵۴- اگر بنک گھر میں روپیہ جمع کیا جاوے تو اس کے سود سے منتفع ہونا جائز ہے یا نہیں، مگر صاحب بنک قوم نصرانی ہیں؟

الجواب: سود نصوصِ قطعیہ سے حرام ہے، اور اطلاقِ نصوص سے اس میں نصرانی وغیر نصرانی سب برابر ہیں(۳)۔ **وإباحة الشيء لا يستلزم جواز العقد به فافهم. واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۳ ص ۳۶، حوادث اول ص ۸۸)

---

(۱) **عن عليؓ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: كل قرض جر منفعة فهو ربا.** (كنزالعمال، الدين و السلم، بيروت ٦/ ٩، رقم: ١٥٥١٢)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، دارالفكر بيروت ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢۔

كل قرض جر نفعا حرام. (درمختار مع الشامي، باب المرابحة، فصل في القرض، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچى ٥/ ١٦٦)

إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، مطبوعه كراچى ١٤/ ٩٩۔

الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٤٤، قواعد الفقه، دارالكتاب ديوبند ص: ١٠٢۔

(۲) **ولا يصح الشرط الذي لا يلائم العقد كاشتراط رد زيادة في البدل أو رد صحيح بدل معيب أو شرط بيع داره مثلا.** (الفقه الإسلامي وأدلته، حكم القرض، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٥١٥)

(۳) **قال الله تعالىٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.** [البقرة: ٢٧٥] ←

ہنڈی ونوٹ میں بٹہ لینا

سوال (١٦٦٢): قدیم ۳/۵۴- ہنڈی ونوٹ میں بٹہ لینا دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں(١)۔

← يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. [البقرة: ٢٧٨]

عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

سنن أبي داؤد، باب في آكل الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧٧۔

(١) **وكرهت السفتجة وصورتها: أن يدفع إلى تاجر مالا قرضا ليدفعه إلى صديقه، وإنما يدفعه قرضا لا أمانة يستفيد به سقوط خطر الطريق ...... وفي الفتاوى الصغرى وغيرها: إن كان السفتج مشروطا في القرض فهو حرام، والقرض بهذا الشرط فاسد وإلا جاز.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحواله، مطلب في السفتجة، زكريا ٨/ ١٧-١٨، كراچی ٥/ ٣٥٠)

ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق، وهذا نوع نفع استفيد به وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعا. (هداية، كتاب الحوالة، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٣١)

والحكم في ذلك يختلف؛ لأنه إما أن يكون الكتاب الذي يكتبه المستقرض لوكيله (وهو السفتجة) مشروطا في عقد القرض أو غير مشروط، فإن كان ذلك مشروطا في عقد القرض فهو حرام والعقد فاسد؛ لأنه قرض جر نفعا فيشبه الربا؛ لأن المنفعة فضل لا يقابله عوض، وهذا عند جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية وبعض فقهاء المالكية، ورواية عن محمد الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٢٥-٢٦)

مجمع الأنهر مع الدر المنتقى، كتاب الحوالة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٠٩۔

عدم جواز کے دلائل آپ کے سامنے آچکے ہیں۔

لیکن آج کل رقم کی منتقلی بڑی مشکل ہوتی ہے، راستہ میں ہر وقت خطرہ رہتا ہے؛ اس لئے علماء نے عموم بلویٰ کے پیش نظر ایجنٹ اور وکیل بالاجرۃ کے حکم میں مان کر اس کے جواز کا حکم بیان کیا ہے اور ←

ہنڈی وغیرہ کے نوٹ میں کمی بیشی کا حکم

سوال (۱۶۶۳): قدیم ۳/ ۵۵- السلام علیکم۔ہم لوگ بیوپاری اورتاجر ہیں اکثر ہنڈی کا لین دین کرنا پڑتا ہے۔اوراس پر دو چار آنہ یا کم وزیادہ کا بٹہ لینا دینا بھی پڑتا ہے اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ ازروئے شرع سود تو نہیں ہے۔دوسرے نوٹ یا اشرفیوں پر بعض دفعہ دو چار آنے دینے پڑتے ہیں اورایسے ہی ہم کبھی لے بھی لیتے ہیں مثلاً ایک اشرفی کے پندرہ روپے دیں گےاوراس کے بدلے میں ایک اشرفی اورایک آنہ لیں گے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔براہ نوازش مطلع فرماویں؟

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہنڈی کا بٹہ اگر ویسا ہی ہے جیسا نوٹ پرلیا دیا جاتا ہے تب تو حکم یہ ہے کہ اس میں اورنوٹ میں کمی بیشی ناجائز ہےاوراشرفی کو پندرہ روپیہ سے کم پر یا زیادہ پرفروخت کرنا درست ہے اس شرط پر کہ عوضین دست بدست ہوں،قرض میں کمی بیشی درست نہیں (۱)۔

۲۲/صفر ۱۳۳۲ھ

← وکیل بالاجرۃ جائز ہے،اسی طرح رقم کی منتقلی کی جتنی شکلیں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر چل رہی ہیں، سب اس میں شامل ہیں۔ملاحظہ فرمایئے:

تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات ويجعل لهم عمولة -إلى قوله- لأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل قيام بها فيجوز أخذ الأجرة فيها الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبة الهدى ديوبند ٤/ ٧٤٥)

الحالة الثانية: أن تقع الوكالة في مقابلة عوض على وجه الإجارة، وذلك بأن يوكله على عمل معين بأجرة معلومة أو على غير معين في زمن معين الخ. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، بيروتی ٣/ ٢٠٧)

اوراگر الگ الگ دوملکوں کی کرنسی ہو تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ سب کے نزدیک جائز ہے،اس میں بٹہ کا مسئلہ ہی نہیں رہتا، بس صرف ایک جانب سے نقد ادائیگی لازم ہے۔(ایضاح النوادر ۱/ ۱۱۹-۱۲۲) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔۱۲

(۱) **ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق، وهذا نوع نفع استفيد به وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعا.** (هداية، كتاب الحوالة، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٣١) ←

دیہات میں زمینداری بینک کا حکم

سوال (۱۶۶۴): قدیم ۳/ ۵۵- زمینداری بینک جو دیہات میں کھولے گئے ہیں اوراس کا قاعدہ یہ ہے کہ پانچ یا دس یا بیس روپے جس قدر مقدرت ہو بینک میں پیشتر سے بنام زر حصص داخل کرائے جاتے ہیں جو ایسی امانت رکھتا ہے وہ حصہ دار تصور کیا جاتا ہے، یعنی وہ اس بینک سے لین دین کر سکتا ہے، اور روپے کا جو اس نے پیشتر سے جمع کیا ہے بعد دس سال کے سود ملے گا، وہ اس طرح ہوگا کہ سرکاری سود ساڑھے آٹھ روپے سال ہے اور زمینداروں سے ساڑھے بارہ روپے سال وصول کیا جاتا ہے، چار روپے سال کی جو بچت ہے بعد دس سال کے منقسم کی جاوے گی، اس کی کوئی شرح مقرر نہ ہوگی، بلکہ بچت پر منحصر ہے جو کچھ حصّہ رسدی ہوگا مل جاوے گا، اور چونکہ انہیں سے چار روپے سال کے حساب سے زیادتی وصول کی، جاکر یہ بچت ہوئی ہے، لہٰذا یہ طریقہ از روئے شرع کیسا ہے؟

← **والحكم في ذلك يختلف؛ لأنه إما أن يكون الكتاب الذي يكتبه المستقرض لوكيله (وهو السفتجة) مشروطا في عقد القرض أو غير مشروط، فإن كان ذلك مشروطا في عقد القرض فهو حرام والعقد فاسد؛ لأنه قرض جر نفعا فيشبه الربا؛ لأن المنفعة فضل لا يقابله عوض، وهذا عند جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية وبعض فقهاء المالكية، ورواية عن أحمد ...... وإن كان المستقرض هو الذي كتب السفتجة من غير شرط من المقرض بذلك جاز ذلك باتفاق؛ لأنه من حسن القضاء.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۲۵-۲۶)

وكرهت السفتجة وفي الشامية: وصورتها: أن يدفع إلى تاجر مالا قرضا ليدفعه إلى صديقه، وإنما يدفعه قرضا لا أمانة يستفيد به سقوط خطر الطريق ...... وفي الفتاوى الصغرى وغيرها: إن كان السفتج مشروطا في القرض فهو حرام، والقرض بهذا الشرط فاسد وإلا جاز.

(درمختار مع الشامي، كتاب الحواله، مطلب في السفتجة، زكريا ۸/ ۱۷-۱۸، كراچى ۵/ ۳۵۰)

یہ ہنڈی کے عدم جواز کے لئے حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کے مسئلہ پر دلائل کے جزئیات ہیں؛ لیکن وکیل بالاجرۃ کے حکم میں قرار دے کر بٹہ کو رقم پہنچانے کی ذمہ داری کی اجرت قرار دے کر جواز کا حکم لگایا جاتا ہے، جیسے گذشتہ مسئلہ میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: چونکہ سرکار اس میں وکیل ہے زمینداروں کی، اس لئے یہ ایسا ہے جیسے خود زمیندار باہم سود لیتے ہیں، پس بالکل جائز نہیں (۱)۔

ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ۲ ص ۱۳۳)

سیونگ بینک اور ڈاک خانہ میں روپیہ رکھنے اور سود لینے کا حکم

سوال (۱۶۶۵): قدیم ۳/ ۵۵- دار الحرب میں بعض لوگ سیونگ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں اور سالانہ سود بھی لیتے ہیں، کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب: یہ فعل معصیت ہے (۲) مگر اس سے جو مال حاصل ہو وہ مباح ہوسکتا ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے (۳)۔

۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۵)

---

(۱) **عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

كل قرض جر نفعا حرام، أي إذا كان مشروطا. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦)

قد اتفق الفقهاء على أن الوكيل إذا أضاف العقد إلى الموكل في العقود التي تتم بالإيجاب والقبول كالبيع تنصرف حقوق العقد إلى المؤكل. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع: الوكالة، حقوق العقد وحكمه في الوكالة، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٧٨٤)

وكيل بالبيع والشراء لو أضاف العقد إلى المؤكل ترجع حقوق العقد إلى المؤكل اتفاقاً. (تكملة رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الوكالة، زكريا ١١/ ٣٨٥، كراچی ٧/ ٢٨٥)

(۲) **من القاعدة المقررة أن للوسائل حكم المقاصد فوسيلة الطاعة طاعة ووسيلة المعصية معصية ما حرم فعله حرم طلبه.** (الأشباه قديم ٣٩٢، قواعد الفقه أشرفي ١١٥، رقم: ٢٩١)

كل أمر يتذرع به إلى محظور فهو محظور. (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، قبيل الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ١٢٨)

(۳) **ولا ربا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله** ←

مبیع کی قیمت کم کرنے کیلئے بائع کی رضا شرط اور بیع مرابحہ میں اس کا اظہار ضروری ہے

سوال (۱۶۶۶): قدیم ۳/ ۵٦- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم تاجر لوگ کاریگروں سے جو مال خرید کرتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں، اور اس بات کا اعلان کاریگروں سے پہلے کردیا گیا ہے، اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ صورت ثانی: اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیسہ روپیہ کاٹ کر جو مال خریدا جاتا ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتلا کر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے، یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی یہ امر جائز یا ناجائز؟

← **ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلا عذر قوله: ثمة أي في دارالحرب، قلت: ويدل على ذلک ما في السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان؛ لأنه إنما أخذ المباح على وجه عري عن العذر فيكون ذلک طيبا له.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٢٢-٤٢٣، كراچی ٥/ ١٨٦)

ولا ربا بين السيد وعبده ولا المسلم والحربي في دار الحرب عند الطرفين خلافا لأبي يوسف. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا بيروت ٣/ ١٢٧)

ولا ربا بين المسلم والحربي ثمة أي فی دار الحرب ...... وهذا عندهما، وقال أبويوسف: لا يحل وبه قالت الثلاثة لإطلاق النصوص المحرمة للربا. (النهر الفائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٣/ ٣٨٠)

یہ بات ذہن نشیں رہنی ضروری ہے کہ دارالحرب میں حربیوں سے سود لینے کی اجازت صرف اس مسلمان کے لئے ہے جو خود اس دارالحرب کا رہنے والا نہ ہو؛ بلکہ کسی دوسرے ملک سے ویزا لے کر عارضی طور پر آیا ہوا ہو، جیسا کہ درمختار کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ولا ربا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٢٢، كراچی ٥/ ١٨٦)

اس کی تفصیلی وضاحت (ایضاح النوادر ۱/ ۹۳-۹۸) میں موجود ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: پہلا اعلان کافی نہیں، خریداری کے وقت بائع کو اطلاع کرنی چاہیئے کہ ایسا کیا جاوے گا اور اگر خریداری کے وقت نہ کہا تو پھر اس کا جواز بائع کی رضا مندی پر موقوف ہے، اور بدون رضا مندی کے ناجائز ہے(۱) اور حقیقت اس کٹوتی کی حطّ ثمن ہے، اور اس کٹوتی کے بعد بیوپاری کو بھی اس کی اطلاع ضروری ہے، جبکہ نفع پر معاملہ ہو پورا روپیہ بتلانا حرام ہے، کیونکہ حطّ ثمن اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے(۲) گویا پونے سولہ آنہ پر اول ہی سے معاملہ ہوا۔

۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۷۳)

تحقیق حکم بیع المضطر

سوال (۱۶۶۷): قدیم ۳/ ۵۶- وقتیکہ شمایان در جلسہ مدرسہ عبدالرب صاحب مرحوم تشریف آوردہ بودید پس درانجا وزاں صاحب یک دوست بندہ تفتیش کردہ بود کہ بیع مضطر بغبن فاحش یا

---

(۱) **وإذا أوجب واحد قبل الآخر في المجلس كل المبيع بكل الثمن أو ترك** (درمختار) **وفي الشامية قوله: كل المبيع بكل الثمن بيان لاشتراط موافقة القبول للإيجاب بأن يقبل المشتري ما أوجبه البائع بما أوجبه فإن خالفه ...... لم ينعقد.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ۷/ ٤٤، كراچی ٤/ ٥٢٥)

كذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ۳/ ۸۔

(۲) **ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك، فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا.** (هداية، باب المرابحة ۳/ ۷۵)

وصح التصرف في الثمن ببيع وهبة وإجارة قبل قبضه، والحط منه أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعض هلاك المبيع من المشتري والزيادة فيه حال قيام المبيع. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع والتصرف في الثمن بيروت ۳/ ۱۱۵)

فإن كان البائع قد قبض الثمن ثم حط البعض أو قال: حططت بعض الثمن عنك صح ووجب على البائع رد مثل ذلك على المشتري. (هندية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر: في الزيادة في الثمن، قديم زكريا ۳/ ۱۷۳، جديد زكريا ۳/ ۱٦۷)

ترجمہ سوال [۱۶۶۷]: ایک دفعہ تمہارے یہاں مدرسہ کے جلسہ میں مرحوم عبدالرب ←

شرائے وے بغبن فاحش جائز ست یا نہ، جناب درجواب فرمودہ کہ بیع وشراء مضطر غیر مکرہ جائز وصحیح ست دریں بارہ عرض کردہ می شود کہ درمختار در آخر بیع الفاسد فرمودہ: **وفي النتف بيع المضطر وشرائه فاسد** وصاحب ردالمختار زیر ایں قول تحقیق کردہ وبعد ازاں تحقیق بیع وشراء مضطر بغبن فاحش فاسد گردانیدہ چونکہ عبارت وے طویل بود ازیں وجہ نقل کردہ شدہ طحطاوی حاشیہ درمختار تحت قول مذکور فرمودہ:

هو أن يضطر الرجل إلىٰ طعام أو شراب أو لباس أو غيرها فلا يبيعها البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه، كذا في المنح (١) انتهى حلبى.

نیز درشرح الاوطار حاشیہ درمختار بزبان اردو در استدلال برفساد بیع وشراء مذکور حدیث شریف نقل کردہ کہ مروی ست از علی کرم اللہ وجہہ: **نهى النبي ﷺ عن بيع المضطر وشرائه (٢)**. (ابوداؤد) اقوال مذکور الصدر دلالت می کند برفساد پس برتقدیر صحت دستخط کردہ واپس ارسال فرمائید واگر برخلاف آنجناب را روایۃً راجح معلوم میشود آں را تحریر کردہ عنایت فرمائید، عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور خواہید گردید؟

← صاحب تشریف لائے تھے، پھر اس دوران بندہ کے ایک دوست نے سوال کیا کہ مضطر کا غبن فاحش کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جناب نے جواب دیا کہ غیر مکرہ مضطر کی خرید وفروخت جائز اور صحیح ہے، اس بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ درمختار میں بیع الفاسد کے آخر میں فرمایا ہے: ''**وفي النتف بيع المضطر وشرائه فاسد**'' اور صاحب درمختار نے اس قول کی تحقیق کی ہے اور تحقیق کے بعد مضطر کی خرید وفروخت کو غبن فاحش کے ساتھ فاسد قرار دیا ہے، چونکہ وہ عبارت طویل تھی اس لئے نقل نہیں کی گئی، درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں اس قول کے نیچے لکھا ہوا ہے: ''**هو أن يضطر الرجل الخ**'' نیز شرح الاوطار حاشیہ درمختار اردو زبان میں خرید وفروخت کے فساد کے استدلال میں حدیث شریف نقل کی ہے، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے مضطر کی بیع وشراء سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد) شروع میں جو اقوال ذکر ہوئے وہ فساد پر دلالت کرتے ہیں برتقدیر صحت دستخط فرما کر واپس روانہ فرمائیں اور اگر آں جناب کو اس کے برخلاف روایت معلوم ہو اس کو تحریر فرمائیں مشکور ہوں گا۔

(١) درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، مطلب: بيع المضطر وشراؤه فاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٧، كراچی ٥/ ٥٩۔

(٢) سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، النسخة الهندية، ص: ٤٨٠، دارالسلام، رقم: ٣٣٨٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: درذہن من ہماں بود کہ زبانی جواب دادہ بودم غالباً شبہش اقوال شراح حدیث است۔

كـما قال الخطابي: هذا يكون من وجهين، أحدهما: أن يضطر إلى العقد من طريق الإكـراه عـليه، وهذا بيع فاسد لا ينعقد، والثاني: أن يضطر إلى البيع لدين ركبه أو مؤنة تـرهـقـه فيبيـع مـا في يده بالوكس للضرورة، وهذا سبيله في حق الدين والمروأة أن لا يبـايع على هذا الوجه، ولكن يعار ويقرض إلى الميسرة أو يشترى السلعة بقيمتها، فإن عـقـد البيع مع الضرورة على هذا الوجه صح، ولم ينفسخ مع كراهة أهل العلم له مص علـى أبي داؤد، وفي المرقاة من النهاية (١) مثـله. وفي اللمعات: المراد به المكره، أي لا يـنـبـغـي أن يشـتـرى ويبتـاع مـن الـمكره، وقيل: يجوز أن يراد من المضطر المحتاج الـذي اضـطـر إلـى البيـع لـديـن ركبـه أو مـؤنة لـحقته فيبيعه رخيصاً بحكم الضرورة، فالمروءة تقتضى أن لا يشترى منه ويعان ويقرض (٢) مثلاً اھ۔

الحال درمختار وردالمحتار را مطالعہ نمودم واز اں ترددے دردل پیدا شد لیکن بعد تامل راجح ہماں قول خود مینماید وعمل قول درمختار وردالمحتار صورتے خاص معلوم می شود وآں آنست کہ دریں عبارت مذکور ہست:

ترجمہ جواب: [١٦٦٧] میرے ذہن میں یہی تھا کہ میں زبانی جواب دے چکا ہوں، غالباً شراحِ حدیث کے اقوال سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے ”**كـمـا قال الخطابي الخ**“ درمختار اور ردالمحتار کا مطالعہ نہیں کیا تھا؛ کیوں کہ تردد دل میں پیدا ہوا تھا؛ لیکن غور وفکر کے بعد وہی قول راجح نظر آیا اور درمختار اور ردالمحتار کے قول پر عمل کرنا خاص صورت میں معلوم ہوتا ہے اور وہ اس عبارت میں مذکور ہے: ”**ومثـالـه مـالـو ألـزمه الخ**“ یعنی اس صورت میں کہ مال کا بیچنا حاکم کی طرف سے متعین ہو اور اس کے معنی یہی ہیں اور قرینہ اس کا مصنف کا وہ قول لانا ہے جو صاحب ردالمحتار نے استدلال کے طور پر نقل فرمایا ہے: **ولـو صـادره السلطان الخ**“ لہٰذا اس وضاحت کی بنا پر اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے تمریض کے صیغہ کے ساتھ نقل کرکے فرمایا ہے: **فتأمل هذا عندي، فإن لم يطمئن قلبكم فراجعوا الأكابر**“ اور میرا اس پر اصرار نہیں ہے۔

(١) مرقاة المفاتيح، باب المنهي عنها من البيوع، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ٨٠۔

(٢) لـمعـات التنـقيح شرح مشكاة المصابيح، باب المنهي عنها من البيوع، مكتبه بيروت ٥/ ٥٧٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ومثاله ما لو ألزمه القاضي ببيع ما له لا يفاء دينه أو ألزم الذمي ببيع مصحف أو عبد مسلم ونحو ذلك (۱) اھ۔

یعنی صورتے کہ دراں بیع مال از حاکم معیّن کردہ شود و معنی نحو ذلک ہمین ست وقرینہ بریں حمل آں قول مصنف ست کہ صاحب ردالمحتار بطور استدلال نقل کردہ:

ولو صادره السلطان ولم يعين بيع ما له فباع صح اھ۔

پس بنابریں تقریر حاجت آں جواب نیست علامہ شامی بصیغۂ تمریض نقل کردہ فرمودہ:

فتأمل هذا عندي فإن لم يطمئن قلبكم فراجعوا الأكابر ولست بمصر على ذلك.

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ٦)

جو کتاب کتب خانہ میں موجود نہ ہو اس کی بیع کا وعدہ پھر کتاب خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کا حکم

سوال (۱٦٦٨): قدیم ۳/ ۵۷- زید را بکر گفت مرا کتاب شرح وقایہ می باید زید گفت موجود نیست طلبیدہ میدہم واز مطبع بذریعہ وی پی طلبیدہ بقیمت خویش یعنی از بکر چیزے نگرفتہ بلکہ برزر خویش قیمتش ادا نمودہ بکر را بنفع قلیل یا کثیر بیع نمود مثلاً چہار روپیہ قیمت وی پی ادا نمودہ بہ پنج روپیہ بکر را دادہ ایں جائز ست یا نہ وجہ شبہ ایں کہ چونکہ بطلبش زید طلبیدہ است بہماں قیمت اورا دادن ضروری باشد یا نہ واگر ظاہر نماید کہ بہ پنج روپیہ آمدہ دریں صورت ناجوازش معلوم وظاہر است۔

۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ

---

(۱) شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: بيع المضطر وشراؤه فاسد، زكريا ديوبند ۷/ ۲۴۷، كراچی ۵/ ۵۹۔

ترجمہ سوال: [۱٦٦٨] بکر نے زید سے کہا کہ مجھے کتاب شرح وقایہ چاہئے، زید نے کہا موجود نہیں ہے، منگوا کر دوں گا اور کتب خانہ سے وی پی کے ذریعہ اپنی طرف سے قیمت دے کر منگوایا، بکر سے کوئی چیز نہیں لیا؛ بلکہ اپنے پیسہ سے اس کی قیمت ادا کر کے بکر کو تھوڑے یا زیادہ نفع کے ساتھ بیچ دیا، مثلاً چار روپیہ وی پی کی قیمت ادا کر کے پانچ روپیہ میں بکر کو دیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شبہ کی وجہ یہ ہے کہ اس کی طلب پر زید نے منگوایا ہے، تو اسی قیمت پر اس کو دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اور اگر معلوم نہ ہو کہ پانچ روپیہ میں آئی ہے تو اس صورت میں ناجائز ہونا وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: چونکہ احتمال غالب ست کہ بکررا ہمیں گماں باشد کہ زید برائے من خرید می کند و بناء علیہ مرا ہماں ثمن مید ہد کہ خود خرید کردہ وسکوت در موضع بیان مثل بیان باشد، لہٰذا شرط جواز پنج روپیہ گرفتن آنست کہ زید تصریح نماید کہ من برائے خود خرید می کنم باز بشما معاملہ می نمایم وچوں معاملہ بشما جدید باشد شمارا اختیار خواہد بود کہ خرید کنید یا نہ کنید ومرا اختیار خواہد بود خواہ بثمن خرید خود بدست شما فروشم خواہ نفع ہم گیرم وبدون ایں تصریح جائز نمی نماید(۱)۔ (تتمہ خامسہ ص۱۹۰)

ترجمہ جواب: [۱۶۶۸] چونکہ غالب گمان ہے کہ بکر کو یہی خیال ہوگا کہ زید میرے لئے خرید رہا ہے اور اسی بناء پر وہ ساری رقم مجھے دیتا ہے، تاکہ خود کروں اور بیان کی جگہ میں سکوت اختیار کرنا بیان کی طرح ہوگا؛ اس لئے پانچ روپیہ کی شرط لگائی ہے، چونکہ زید نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ میرے لئے خرید رہا ہے اور جب یہ معاملہ نیا ہے تو تمہیں اختیار رہے کہ تم اسے خرید و یا نہ خرید واور مجھے یہ اختیار ہے کہ جتنے میں خریدا اتنے میں ہی دے دوں یا نفع کے ساتھ دوں اور اس بات کی صراحت کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

(۱) **قال محمد في الأصل: رجل اشترى عبدا وأشهد أنه اشتراه لفلان، فقال فلان: قد رضيت، ثم أراد المشتري أن يبيع منه كان له ذلك قالوا: هذه المسألة على ثلاثة أوجه: الأول: أن يشهد قبل الشراء أنه يشتريه لفلان، ثم اشترى بعد ذلك وأطلق الشراء إطلاقا وقال: اشتريت، وفي هذا الوجه نفذ الشراء على المشتري، ولا ينتقل إلى فلان بمجرد إجازته ورضاه إلا أن يرضى الوكيل فيسلم العبد إلى فلان ويأخذ منه الثمن فينعقد بينهما عقد جديد بالتعاطي، ويصير العبد ملك فلان بحكم البيع المنعقد بالتعاطي.** (تاتارخانية، كتاب الوكالة، الفصل: في التوكيل بالشراء، زكريا ۱۲/ ۳۳۶، رقم: ۱۷۶۷۷)

إن أضاف العقد إلى مال أحدهما كان المشتري له، وإن أضافه إلى مال مطلق فإن نواه للآمر فهو له، وإن نواه لنفسه فهو له. (درمختار مع الشامي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ديوبند ۸/ ۲۵۲، كراچی ۵/ ۵۱۸)

إذا وكل الرجل رجلا أن يشترى له عبدا بعينه بثمن مسمى وقبل الوكيل الوكالة وخرج من عند المؤكل وأشهد أنه يشتريه لنفسه ثم اشترى العبد بمثل ذلك الثمن فهو للمؤكل. (تاتارخانية، كتاب الوكالة، فصل: في التوكيل بالشراء، زكريا ۱۲/ ۳۲۶، رقم: ۱۷۶۴۸)

البحرالرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ۷/ ۲۷۰-۲۷۱، كوئٹه ۷/ ۱۶۰، مجمع الأنهر، باب الوكالة بالبيع والشراء، بيروت ۳/ ۳۲۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کھوٹے سکہ کو سودے کی قیمت میں ادا کرنا

سوال (١٦٦٩): قدیم ٣/ ٥٨- محررِ ُکان نے غلطی سے ایک کھوٹی اکنّی لے لی، جسے میں نے علیحدہ رکھدیا، اور اس کے چلانے کی ممانعت کردی، لیکن انہوں نے خیر خواہی سمجھ کر اسے چلادیا اور مجھے خوشخبری سُنائی میں ناراض ہوا اور جہاں وہ اکنّی چلائی گئی تھی دوسری کھری اکنّی بھیج دی کہ کھوٹی واپس کردو اس نے یہ جواب دیا کہ وہ ہمارے یہاں سے بھی چلی گئی، اس صورت میں اس ایک آنہ کو کیا کرنا چاہیئے، خود تو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اگر غلطی سے ہم نے کسی سے دھوکا کھایا تو اب یہ حلال نہیں کہ ہم کسی کو دھوکہ دیں؟

الجواب: جہاں وہ کھوٹی اکنّی چلائی گئی ہے، چونکہ اس سے اس کا حق واجب ادا نہیں ہوا اس لئے یہ کھری اکنّی شرعاً اسی کا حق ہے، باقی اس کا واپس کردینا چونکہ اس کی بناء فاسد ہے اس لئے یہ واپسی معتبر نہیں، اب اس صاحب حق کو مکرر اطلاع دی جاوے کہ تمہارا حق ہمارے ذمّہ ہے، اور وہ حق کھوٹی اکنّی سے ادا نہیں ہوا البتہ اگر اس کھوٹی اکنّی کو تم برضائے خود اپنے حق کا عوض سمجھو تو پھر حق ادا ہوگیا، اس اطلاع کے بعد اگر وہ اس کھوٹی پر راضی ہوجاوے تو وہ کھری اکنّی آپ کی ہے، صرف کیجئے، اور اگر وہ اس کھری کو لینا چاہے تو اس کو دیدی جاوے (١) اور اس دوسری صورت میں اس شخص پر دو امر واجب ہیں، ایک کھوٹی اکنّی کو

---

(١) **ومن قبض زيفا بدل جيد غير عالم به فأنفقه أو هلك فهو قضاء، وقال أبويوسف: يرد مثل الزيف ويقتضي الجيد، قال في المجمع: قيد با لإتلاف؛ لأنه لو كان قائما يرده ويسترد الجيد عندهم، وقيد بغير عالم به؛ لأنه لو كان عالما به عند القبض يسقط حقه بلا خلاف.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، مسائل شتى، بيروت ٣/ ١٥٤-١٥٥)

ومن قبض زيفا بدل جيد كان له على آخر غير عالم به فلو علم وانفقه كان قضاء اتفاقا، فانفقه أو هلك فلو قائما رده اتفاقا فهو قضاء؛ لأنه من جنسه، وقال أبويوسف: يرد مثل الزيف ويقتضي الجيد، أي يرجع بالجياد. (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، مسائل شتى، بيروت ٣/ ١٥٤)

ولو قبض زيفا بدل جيد كان له على آخر جاهلا به فلو علم وأنفقه كان قضاء اتفاقا؛ لأنه صار راضيا بترك حقه في الجودة، ونفق أو أنفقه فلو قائما رده اتفاقا فهو قضاء لحقه، ←

واپس کرنا جس کے معاف کردینے کا آپ کو اختیار ہے، دوسرے جہاں وہ کھوٹی اکنّی اس نے چلائی ہے اس کو اطلاع دینا، اور دوسری اکنّی دینا، اور پھر دوسرا امر ہر حال میں اس کے ذمّہ واجب ہے اور یہ کھوٹی اکنّی جس کے ہاتھ بھی آوے اس کو کنویں میں پھینک دینا چاہیئے، اور جو معلوم نہ ہو کہاں گئی تو ضرور جہاں یہ اول بار چلی ہے اس کے ذمّہ کسی کا حق رہا، وہ لقطہ ہے صاحب حق کی نیت سے اس کو تصدق کردے (۱)۔

۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۷)

عقد بیع کے بعد قبضہ سے پہلے جو عیب مبیع میں پیدا ہو جاوے اس کی وجہ سے مبیع کی واپسی

سوال (۱۶۷۰): قدیم ۳/ ۵۸- حکم شرعی اس مسئلہ میں کیا ہے کہ میں نے ایک راس بھینس خرید کی، زر قیمت ادا کر دیا، بھینس جنگل میں بائع کے قبضہ میں تھی، اس نے شام کو دینے کا اقرار کیا تھا، جنگل میں میرا لڑکا اس کو دیکھنے گیا، اور وہاں سے اس کو لانا چاہا، لیکن وہ نہیں آسکی اور بھاگ کر جنگل میں بائع کے قبضہ میں رہی، شام کو بائع اس بھینس کو لایا کہ اس نے بچہ دیدیا ہے جس سے وہ خراب ہوگئی، اور اس بھینس کی وہ حیثیت نہیں رہی جو خریدتے وقت تھی، بائع کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ بھینس جنگل میں میرے لڑکے کے لانے کی وجہ سے جو بھاگی ہے اس سے بچّہ ڈالدیا ہے، مگر اس کی کوئی تصدیق نہیں ہے، اب یہ بھینس کس کی ہے؟ آیا بائع کے قبضہ میں ہے اس کی ہی ہے یا میری ہے، بھینس اب تک بائع کے پاس ہے؟

الجواب: في الهداية، باب خيار العيب تحت قول محمد: فإذا أقامها حلف

← **وقال أبو يوسف: إذا لم يعلم يرد مثل زيفه، ويرجع بجيده استحسانا.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، زكريا ديوبند ۷/ ۴۸۸، كراچی ۵/ ۲۳۳)

(۱) **وإلا تصدق بها إيصالا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان.** (هداية، كتاب اللقطة، أشرفيه ۲/ ۶۱۵)

وعرف إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها فينتفع الرافع بها لو فقيرا وإلا تصدق بها على فقير. (درمختار مع الشامي، كتاب اللقطة، زكريا ديوبند ۶/ ۴۳۸، كراچی ۴/ ۲۷۸)

النهر الفائق، كتاب اللقطة، زكريا ديوبند ۳/ ۲۷۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

باللّٰه الخ ما نصه؛ لأن العيب قد يحدث بعد البيع قبل التسليم وهو موجب للرد(١)۔

بنا بر روایت مذکورہ کے حکم یہ ہے کہ اگر اس بھینس پر لڑکے کو قبضہ کرادیا گیا تھا، پھر اس کے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گئی تب تو وہ بھینس مشتری کی ہوگئی، اور اگر لڑکے کو قبضہ نہیں کرایا گیا تو بھینس بائع کی ہے۔

(النور شعبان ۱۳۵۰ھ ص ۵)

اراضی فلسطین کی بیع یہودیوں کے ہاتھ

سوال (۱٦٧١): قدیم ۳/ ۵۹- بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، ماحكم الشريعة الإسلامية المطهرة في بعض المسلمين الذين يبيعون أراضى بلاد فلسطين المقدسة أو

---

(١) هداية، باب خيار العيب، أشرفيه ٣/ ٤٥-٤٦۔

وأما شرائط ثبوت الخيار فمنها: ثبوت العيب عند البيع أو بعده قبل التسليم حتى لو حدث بعد ذلك لا يثبت الخيار. (هندية، كتاب البيوع، الباب الثامن: في خيار العيب، قديم زكريا ٣/ ٦٦، جديد ٣/ ٦٨)

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، العيب الذي يوجب الخيار، زكريا ٤/ ٥٤٦۔

أما إذا لم يكن العيب قديما بل حدث بعد التسليم فلا يثبت الخيار؛ لأنه لفوات صفة السلامة المشروطة دلالة في العقد وقد حصل المعقود عليه سليما في يد المشتري إذا العيب لم يحدث إلا بعد التسليم، قال المرغيناني: العيب قد يحدث بعد البيع قبل التسليم وهو يوجب الرد. (الموسوعة الفقهية الكويتية، خيار العيب ٢٠/ ١١٩-١٢٠)

أن يكون العيب في المبيع منذ كان المبيع في ضمان البائع، فإن حدث عيب بعد انتقال ضمانه إليه ولو بالتخلية فلا خيار له. (فقه البيوع، خيار العيب ٢/ ١١٧٩)

سوال: [۱٦٧١] کا ترجمہ: شریعت اسلامیہ کا ان مسلمانوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جو فلسطین کی مقدس زمینوں کو یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کررہے ہیں، یا ان زمینوں کو یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کرنے کا واسطہ بن رہے ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ ان کی زمینیں خرید کر ان کو جلا وطن کردیں اور ان کی مسجد اقصیٰ پر ناحق غلبہ حاصل کرلیں اور مسجد اقصیٰ کی جگہ پر اپنے ہیکل نامی کنیسہ کی تعمیر کرلیں۔ اور فلسطین میں ان اسلام دشمن ممالک کی مدد اور تعاون سے ایک یہودی ریاست قائم کرلیں کہ جو ممالک اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر ممکن کوششوں میں مصروف ہیں اور ان کے اس خطرناک عمل پر کوئی روک ٹوک اور نکیر کرنے والا نہیں ہے ←

يتوسطون ببيعها اليهود الطامعين الذين يقصدون من شراء هذه الأراضي والعقارات جلاء المسلمين عن هذه البلاد المقدسة والاستيلاء على المسجد الأقصى الذي بارك اللّٰه حوله، و انشاء كنيستهم الهيكل مكانه، وتشكيل دولة يهودية في فلسطين بمساعدة بعض الدول المعادية للإسلام والّتي تبذل كل جهد في محاربة وما هو الرادع لهم عن هذا العمل المنكر، وهل إذا أفتى بعض العلماء بكفر من باع أرضه لليهود أو توسط ببيع أرض غيره لهم لمساعدة أهل الكفر على المسلمين ولموالاته لليهود الذين يعملون ليلاً ونهاراً لطرد المسلمين وإبعادهم عن بلاد فلسطين والمسجد الأقصى الذي اسرى اللّٰه برسوله محمد صلى الله عليه وسلم إليه وحرمانهم من الصلوٰة عليهم، ومن الدفن في مقابر المسلمين لخروجهم عن الإسلام، وفيه عبرة لغيرهم ممن تسّول له نفسه اقتراف مثل خطيئتهم، فما قولكم في فتواهم، وإذا كان هناك زاجر خلافها ذكرافيدونا ولكم من اللّٰه الأجر والثواب؟

الجواب : وهو الموفق للصّدق والصّواب، أما عن الجزء الأوّل فلنمهد أولا

← دوسری طرف بعض علماء نے ان لوگوں کے بارے میں کفر کا فتویٰ صادر کردیا ہے جو یہودیوں کے ہاتھوں اپنی زمین فروخت کریں گے یا کسی دوسرے مسلمان کی زمین ان یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کرنے میں واسطہ بنیں گے اور ان علماء کے کفر کا فتویٰ صادر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کا تعاون کررہے ہیں اور ان یہودیوں سے دوستانہ تعلق قائم کررہے ہیں جو دن رات مسلمانوں کو فلسطین سے اور اس مسجد اقصیٰ سے دربدر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جہاں کی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو شب معراج میں سیر کرائی تھی اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے اور ان کے قبرستانوں میں دفن کرنے سے محروم کردیں، نیز اس فتوی میں دوسروں کے لئے سامان عبرت ہے کہ جو بھی مسلمان اس راستہ پر چلے گا وہ بھی ان ہی کی طرح مجرم اور گنہگار قرار دیا جائے گا، تو آنجناب کا ان علماء کے فتوی کے متعلق کیا خیال ہے؟ اور اگر ان کے فتوی کے خلاف کوئی مواد موجود ہو تو فراہم کرکے ہمیں مستفید فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب سے نوازیں۔

جواب: [١٦٧١] کا ترجمہ: پہلے جزء میں ہم اولاً دلائل پیش کریں گے، پھر اس کے بعد سائل کو خراج تحسین پیش کریں گے۔ ''درمختار'' میں جزیہ کی فصل کے تحت اور ذمیوں کے احکام کے متعلق جو فرمایا ہے کہ وہ ہتھیار کے ساتھ اپنا کام نہیں کرسکتے تو ''ردالمحتار'' میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ذمی نہ تو ہتھیار استعمال کرسکتا ←

الدلائل ثم نشيد بها السائل، ففي الدر المختار، فصل: الجزية أحكام أهل الذمة:

← ہے اور نہ ہی ہتھیار اٹھا سکتا ہے: اس لئے کہ ذمی کے ہتھیار اٹھانے میں ایک طرح کی اس کی عزت ہے: لہٰذا جو چیز بھی اس قبیل سے ہوگی ذمی کو اس سے روکا جائے گا: لہٰذا اب اس اصول سے بہت سارے احکام جان سکتے ہو اور یہ ایک کلی اصول ہے، اس سے بہت سارے جزئیات متفرع ہوتے ہیں، جن کو ابھی ہم ذکر کریں گے، چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ ذمی نے کوئی گھر خریدا یعنی شہر میں خریدنے کا ارادہ کیا تو یہ صحیح نہیں ہے کہ ذمی کے ہاتھوں اس گھر کو فروخت کیا جائے: لیکن اگر اس نے خرید لیا تو کیا اس کو مجبور کیا جائے گا؟ کہ وہ مسلمان کے ہاتھ اس کو فروخت کرے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ ذمی کثیر تعداد میں جمع ہو جائیں۔ اور ''ردالمحتار'' میں ''الذمي إذا اشترى'' کے تحت علامہ سرخسی ''شرح السیر'' میں لکھتے کہ اگر امام مسلمانوں کی زمینوں میں مسلمانوں کے لئے بستی آباد کرے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ میں مسلمانوں کو بسایا تھا، پھر وہاں ذمی گھر خرید لیں اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگیں تو ان کو اس سے نہیں روکا جائے گا: کیوں کہ ہم نے ان سے ذمہ کے عقد کو قبول کر لیا ہے، تا کہ وہ وہاں رہ کر دین کی اچھی باتوں کو سیکھیں اور امید ہے کہ ایمان لے آئیں اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں گے اور ان کے ساتھ رہ کر زندگی گذاریں گے۔ اور علامہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس وقت ہے جب ذمی کم تعداد میں وہاں ہوں، اگر بہت ہی زیادہ تعداد میں ذمی ہوں گے اور اس بات کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہو کہ مسلمانوں کی جماعتوں میں انتشار پیدا ہوگا اور ان کے ساتھ رہ کر مسلمانوں کی جماعت میں کمی آ جائے گی تو اس وقت ان کو وہاں رہنے سے منع کر دیا جائے گا اور ان کو شہر کے کنارے رہنے پر مجبور کیا جائے گا، جہاں مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ رہتی ہو اور یہ قول امام ابو یوسفؒ کی کتاب ''امالی'' سے ماخوذ ہے، پھر ''درمختار'' میں چند سطروں کے بعد یہ عبارت ہے: ''إذا تكارى أهل الذمة'' الخ یعنی ذمیوں نے مسلمانوں کے مابین رہنے کے لئے گھر کرایہ پر لیا: لہٰذا کرایہ پر لینا جائز ہے: کیوں کہ بیع وشراء کی صورت میں نفع کے وقت مسلمانوں سے رجوع کریں گے اور مسلمانوں کے معاملات کا مشاہدہ کریں گے، جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور یہ بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ ہی جائز ہوگا، یعنی ذمیوں کی تعداد کم ہو اور مسلمانوں کے درمیان انتشار کا سبب نہ بنتے ہوں، چنانچہ علامہ حلوائیؒ اور علامہ تمرتاشی کے کلام کا خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ رہیں اور مسلمانوں میں کوئی انتشار یا تقلیل جماعت کا خطرہ نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ مسلمانوں کے بیچ رہیں: لیکن ایک خاص محلّہ میں نہیں رہیں گے: کیوں کہ اگر ایک خاص محلّہ میں ذمی ایک ساتھ رہیں گے تو ان کو مسلمانوں کی طرح قوت وعزت حاصل ہو جائے گی: لہٰذا اس کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں پھر ''ردالمحتار'' میں چند سطروں کے بعد تنبیہ کے عنوان سے ←

مـانـصـه ولا يعمل بسلاح، وفي ردالمحتار : رأى لا يستعمله ولا يحمله؛ لأنه عزو كل

← ''درمنتقی'' میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں اونچی عمارتیں بنانے سے روکا جائے گا، نیز بعض علماء کے نزدیک مساوی درجہ کی عمارتوں سے بھی روکا جائے گا، تاہم قدیم عمارتوں کو باقی رکھا جائے گا، پھر علامہ شامیؒ لمبی بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے اس بات کا ثبوت نہیں ہوتا کہ ان کو وہی عزت وشرف حاصل ہو جو مسلمانوں کو حاصل ہے؛ البتہ عقود وغیرہ کے معاملات اس سے الگ ہیں؛ اس لئے کہ دلائل سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان پر ذلت اور مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب رہنے کو لازم کردیا گیا ہے۔ اور شوافع نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ذمیوں کو بلند عمارتیں تعمیر کرنے سے روکنا واجب ہے؛ کیوں کہ ان کو اونچی عمارت سے روکنے میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دین اسلام کی تعلیم ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان پڑوسی کی رضامندی کے باوجود اس کو مباح قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور ہمارے اصول قواعد بھی اس کے مخالف نہیں ہیں اور یہ بات گذر چکی ہے کہ ذمی کی تعظیم کرنا حرام ہے؛ لہٰذا اس کی رضامندی پر اونچی عمارتیں بنانے میں خود اس کی تعظیم ہے، یہ وہ خلاصہ کلام ہے جو اس مقام پر میرے سامنے عیاں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میں (حضرت تھانویؒ) کہتا ہوں کہ اس بات میں بے شمار روایتیں اور جزئیات ہیں اور جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ کافی ہے، جب کرایہ پر گھر لینا اور خریدنا اور اونچی عمارت بننے کے متعلق یہ حکم ہے تو مسلمانوں کا اپنی زمینیں کفار کے ہاتھوں بیچنے کا کیا حکم ہوگا؟ حالانکہ یہ تو اور زیادہ عزت، شان وشوکت اور غلبہ کا سبب ہے، جب ذمیوں کے یہ احکام ہیں جو کہ مسلمانوں کی ماتحتی میں رہ کر زندگی گذارتے ہیں، تو ان غیر ذمیوں کا کیا حکم ہوگا جو اسلام کی ماتحتی میں نہیں ہیں، اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے: ''یالونکم خبالا'' (یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمة'' (یہ کسی مومن کے معاملہ کے بارے میں کسی رشتہ داری یا معاہدہ کا پاس نہیں کرتے) اور مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''إن يثقفوكم يكونوا لكم اعداء ويبسطوا اليكم ايديهم والسنتهم بالسوء وودو لو تكفرون'' (اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے اور اپنے ہاتھ اور زبانیں پھیلا پھیلا کر تمہارے ساتھ برائی کریں گے اور ان کی خواہش ہے کہ تم کافر بن جاؤ) کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

ہمارے دوستوں پر زمانے کے مصائب بہت طرح سے آتے ہیں۔ اور مصائب میں سب سے بھاری مصیبت بے وقوفوں کی شان وشوکت ہے، تو کب یہ زمانہ اپنے نشہ سے افاقہ پائے گا اور میں یہودیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ فقہاء کے لباس میں ملبوس ہیں۔ ←

ماكان كذلك يمنعون عنه قلت، ومن هذا الأصل تعرف أحكام كثيرة (١). درمنتقى اهـ. وهذا أصل كلي وههنا جزئيات نسردها، ففي الدرالمختار: والذمي إذا اشترى دارا) أي أراد شراءها (في المصر لا ينبغي) أن تباع منه فلو اشترىٰ يجبر على بيعها من المسلم) وقيل: لا يجبر إلا إذا اكثر دور، في رد المحتار قوله: الذمي إذا اشترى دارا الخ. قال السرخسي في شرح السير: فإن مصر الإمام في أراضيهم للمسلمين كما مصر عمرؓ البصرة والكوفة، فاشترى بها أهل الذمة دورا وسكنوا مع المسلمين لم يمنعوا من ذلك، فإنا قبلنا منهم عقد الذمة ليقفوا على محاسن الدين، فعسٰى أن يؤمنوا واختلاطهم بالمسلمين والسكن معهم يحقق هذا المعنى، وكان شيخنا الإمام شمس الائمة الحلواني يقول: هذا إذا قالوا وكان بحيث لا تعطل جماعات المسلمين ولا تتقلل الجماعة بسكنا هم بهذه الصفة، فأما إذا اكثروا علىٰ وجه يؤدى إلى تعطيل بعض الجماعات أو تقليلها منعوا من ذلك وأمروا أن يسكنوا ناحية ليس فيها للمسلمين جماعة، وهذا محفوظ من أبي يوسف في الأمالى (٢) اهـ. ثم في الدرالمختار بعد اسطر (وإذا تكارى أهل الذمة دورا فيما بين المسلمين ليسكنوا فيها) في المصر (جاز) لعود نفعه إلينا وليروا تعاملنا فيسلموا (بشرط عدم تقليل الجماعات بسكنا هم) شرطه الإمام الحلواني (فإن لزم ذلك من سكناهم أمروا بالاعتزال عنهم والسكنى بناحية ليس فيها مسلمون) وهو محفوظ عن أبي يوسف بحر عن الذخيرة، وفي ردالمحتار تحت القول الآتي من الدرالمختار: لكن رده الخ ما نصه فتحصل من مجموع كلام

← اورجز وثانی کا جواب یہ ہے کہ اس کا فتویٰ دینے والے اہل بصیرت اور معاملہ فہم علماء ہیں، تو یہی اقرب ترین تدبیر اور رہنمائی ہے اور علماء کو ان جیسے معاملات میں سربراہی کا حق حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، زكريا ٦/ ٣٣٤، كراچی ٤/ ٢٠٧۔

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، مطلب: في سكنى أهل الذمة المسلمين في المصر، زكريا ٦/ ٣٣٧-٣٣٨، كراچی ٤/ ٢٠٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الحلواني والتمر تاشي أنه إذا لزم من سكناهم في المصر تقليل الجماعة أمروا بالسكنى في ناحية خارج المصر ليس فيها جماعة للمسلمين، وإن لم يلزم ذلك يسكنون في المصر بين المسلمين مقهورين لا في محلة خاصة؛ لأنه يلزم منه أن يكون لهم في مصر المسلمين منعة كمنعة المسلمين بسبب اجتماعهم في محلتهم فافهم، ثم في رد المحتار بعد اسطر بعنوان التنبيه ما نصه قال في الدر المنتقٰى: وكذا يمنعون عن التعلى في بنائهم على المسلمين ومن المساواة عند بعض العلماء نعم يبقى القديم ثم قال بعد بحث طويل والحديث الشريف لا يفيد أن لهم مالنا من العز والشرف بل في المعاملات من العقود ونحوها للأدلة الدالة على الزامهم الصغار وعدم التمرد للمسلمين، وصرح الشافعية: بأن منعهم عن التعلى واجب وأن ذلك لحق الله تعالىٰ وتعظيم دينه فلا يباح برضا الجار المسلم اھ. وقواعدنا لاتأباه فقد مر أنه يحرم تعظيمه، ولا يخفى أن الرضا باستعلائه تعظيم له هٰذا ما ظهرلي في هذا المحل. (١) والله تعالىٰ اعلم اھ.

قلت: وفي الباب روايات لاتحد ولا تعد وفيما ذكرنا كفاية إنشاء الله تعالىٰ، وإذا كان هذا حكم الكراء والشراء للدار، والتعلى في البناء والجدار فكيف حكم بيع المسلمين أراضيهم من الكفار وهو أقوىٰ أسباب العزة والشوكة والقوة والصولة، وإذا كان هذا حكم الذميين وهم مقهورون تحت حكم الإسلام فكيف حكم غير الذميين الذين ليسوا في شيء من الاستسلام، وهو كما قال الله

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، زكريا ٦/ ٣٣٨-٣٤١، كراچی ٤/ ٢١٠-٢١٢۔

البحرالرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج، زكريا ٥/ ١٩٤، كوئٹه ٥/ ١١٥۔

هندية، كتاب السير، الباب الثامن: في الجزية، جديد زكريا ٢/ ٢٦٦، قديم ٢/ ٢٥٢۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الخراج المتفرقات، زكريا ٧/ ٢٧٠-٢٧١، رقم: ١٠٤٦٤-١٠٤٦٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تعالیٰ: لا یالونکم خبالا، وکما قال تعالیٰ: لا یرقبون في مؤمن إلا ولا ذمة، وکما قال اللّٰه تعالیٰ: إن یثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا إلیکم أیدیهم وألسنتهم بالسوء وودوا لو تکفرون، وللّٰه درالقائل ؎

احبا بنانوب الزمان کثیرة ☆ وامر منها رفعة السفهاء

فمتیٰ یفیق الدهر من سکراته ☆ وأری الیهود بذلة الفقهاء

وأما عن الجزء الثاني: فإن کان أهل هذه الفتاویٰ من أهل البصیرة والکیاسة فاقرب محاملها هي السیاسة، والعلماء لهم في أمثالهاحق الریاسة، وهٰذا اٰخر الجواب في هذا الباب. واللّٰه أعلم بالصواب.

کتبه: اشرف علی التهانوی

من الهند الحنفی الفاروقی عنه للثلث الاول فی رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ

(النور شعبان ۵۴ھ ص ۹)

ذبح سے قبل جانور کی کھال یا گوشت خریدنا

سوال (۱۶۷۲): قدیم ۳/ ۶۱ - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکری یا گائے وغیرہ کی کئی شخصوں نے قبل ذبح کے اگر گوشت کا اندازہ کر کے ان کی قیمت طے کی اور چمڑے کی قیمت علیحدہ دوسرے شخص سے طے کرائی اور اسی وقت قیمت بھی سب آدمیوں نے دیدی یا ٹھہر کردی اور دوسری صورت یہ ہے کہ قبل ذبح کے فقط گوشت یا فقط چمڑے کی قیمت ملے گی اگر قبل ذبح کے ایسی صورت کی جائے تو اس کا گوشت بعد ذبح کے خریدنا یا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدرالمختار، صور البیع الفاسد: وکذا کل ما اتصاله خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ (۱) اھ۔

---

(۱) درمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، زکریا ۷/ ۲۵۲، کراچی ۵/ ۶۳ ۔

أن کل ما بیع في غلافه لایجوز کاللحم في الشاة الحیة أو شحمها أو ألیتها أو أکارعها أو جلودها الخ. (النهرالفائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، زکریا ۳/ ۴۲۱)

البحرالرائق، باب البیع الفاسد، زکریا ۶/ ۱۲۳، کوئٹہ ۶/ ۷۵ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بیع فاسد تھی اور بیع فاسد میں گو متعاقدین گنہگار ہوتے ہیں مگر مبیع بعد قبضہ کے مملوک ہو جاتی ہے (۱) پس گوشت بھی مملوک ہو گیا اس لئے بعد ذبح کے اس گوشت کا خریدنا جائز ہے۔

۲۹؍رمضان ۱۳۳۲ھ

زمیندار اپنی رعایا کے قصابوں سے ارزاں نرخ پر گوشت خریدیں اس کا حکم

سوال (۱۶۷۳): قدیم ۳/۶۱- قصاب رعایا میں ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ بمقابلہ دیگر اشخاص کے زمیندار کو کم نرخ پر گوشت دیتے ہیں، اور بعض جگہ ایک آنہ سیر معین ہے خواہ نرخ کچھ ہو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک طرح جائز ہے کہ وہ قصاب اس زمیندار کے مکان میں مثلاً رہتا ہو یا اور کوئی انتفاع اس سے ایسا حاصل کرتا ہو جس کی اجرت لینا شرعاً جائز ہو اور اس اجرت میں یہ بات ٹھہر جاوے کہ ہر ماہ اس قدر گوشت ہم اتنے نرخ پر لیں گے اور مہینے میں اس مقدار سے زیادہ نہ بڑھیں، کم رہے تو مضائقہ نہیں اس طرح درست ہے (۲)۔ جتنا احتمال مہینہ بھر میں ہو اس سے کچھ زیادہ مقدار ٹھہرا لینے میں خطرہ نہ رہے گا، مگر حساب یاد رکھنا ہوگا۔

۳؍صفر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۳)

---

(۱) **وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع، وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته.** (تاتارخانية، كتاب البيوع، أحكام البيع الفاسد، زكريا ۸/ ۴۵۳، رقم: ۱۲۴۷۵)

ولو قبض المبيع بيعا فاسدا بإذن بائعه صريحا كقبض المشتري المبيع بأمره في المجلس أو بعده على الرواية المشهورة أو دلالة كقبضه في مجلس عقده ولم ينهه البائع عنه قبل الافتراق، وكل أي والحال أن كل واحد من المبيع والثمن عوضيه أي البيع مال ملكه ولزمه لهلاكه مثله حقيقة أو معنى الخ. (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ۳/ ۹۴)

الدرالمختار مع ردالمحتار، باب البيع الفاسد، زكريا ۷/ ۲۸۷، کراچی ۵/ ۸۸۔

(۲) **وإن كان الأجر كيليا أو وزنيا أو عدديا متقاربا يشترط فيه بيان القدر والصفة.** (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة، قديم زكريا ۴/ ۴۱۲، جديد ۴/ ۴۴۲) ←

زمینداروں کا کاشتکاروں سے شادی کے موقع پر گھی بنرخ ارزاں خرید نا غیر معین مقدار پر

سوال (۱۶۷۴): قدیم ۳/ ۶۲ - زمینداروں میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کاشتکاروں سے فی ہل ایک روپیہ دے کر گھی لیتے ہیں، اور کاشتکار ایک روپیہ لے کر سوا روپے کا گھی دیتے ہیں؟

الجواب: یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں مجموعی مقدار متعین نہیں، کہ کتنا گھی ایک سال میں مثلاً لیا جاوے گا(۱)۔ ۲۶ / شوال ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۸)

← **وكل ما صلح ثمنا أي بدلا في البيع صلح أجرة، وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين، وفي الشامية: فلو كانت كيليا أو وزنيا أو عدديا متقاربا والشرط بيان القدر والصفة.** (درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، زكريا ۹/ ۵-۷، كراچی ۶/ ۴-۵)

وإن كانت الأجرة مكيلا أو موزونا أو عدديا متقاربا فاعلامها ببيان القدر والصفة. (تاتارخانية، كتاب الإجارة، الفصل: في بيان الألفاظ التي تنعقد بها الإجارة ۱۵/ ۸، رقم: ۲۱۹۲۴)

لو كانت كيليا أو وزنيا أو عدديا متقاربا فالشرط فيه بيان القدر والصفة. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه ۳/ ۵۱۳)

نرخ اور قیمت کم کر کے اس معاملہ کو حط ثمن کے مسئلہ کے دائرہ میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے، جو سب کے نزدیک جائز ہے۔

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلک، فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة ۳/ ۷۵)

(۱) **وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن، وفي الشامية: فخرج ما لو كان قدر المبيع مجهولا أى جهالة فاحشة، فإنه لا يصح.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ۷/ ۴۸، كراچی ۴/ ۵۲۹)

ولابد من معرفة قدر أي قدر مبيع وثمن ككر حنطة وخمسة دراهم أو أكرار حنطة فخرج ما لو كان قدر المبيع مجهولا، أي جهالة فاحشة، فإنه لا يصح، وقيدنا بالفاحشة لما قالوه ولو باعه جميع ما في هذه القرية أو هذه الدار، والمشتري لا يعلم ما فيها لا يصح لفحش الجهالة. (النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ۳/ ۳۴۲) ←

کھڑی ہوئی گھاس کی بیع بعض اعذار کی حالت میں

سوال (١٦٧٥): قدیم ٣/ ٦٢ - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں فقہ کی کتابوں میں بیع باطل وفاسد کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ کھڑی ہوئی گھاس بیچنا درست نہیں ہے جبکہ زمیندار نے قبل جمنے کے پانی نہ دیا ہو اور خودرو ہو، جو زمین قابل مزروعہ کے نہیں ہوتی فراز نشیب ہوتی ہے، اور بارش میں ڈوب بھی جاتی ہے، اس زمین پر علی العموم گھاس جما کرتی ہے اور زمیندار لوگ پانی تو نہیں دیتے مگر اس کی نگرانی وحفاظت کرتے ہیں، اور سرکار مزروعہ سے کم لگان تشخیص کر کے مال گذاری بھی لیتی ہے، اور زمینداروں کو اس کی مال گذاری دینی پڑتی ہے، اور جب کہ زمیندار کو چرائی لینا ناجائز ہے تو ایسی صورت میں زمیندار بلاوجہ نقصان اٹھاتا ہے، اور گردونواح کے لوگ مویشیاں تجارتی رکھتے ہیں، یعنی گائے اور بھینس بکثرت پالتے ہیں، اور اس کا گھی اور دودھ اور بیل وبھینسا جو اس سے پیدا ہوتا ہے فروخت کرتے ہیں، اور چند روز کے بعد وہی مالکان مویشیاں اپنا استحقاق قائم کرتے ہیں، کہ ہم عرصۂ دراز سے بلا معاوضہ چراتے ہیں، مالک زمین کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے زمیندار دو نقصان اٹھاتا ہے، ایک تو سرکار کا مال گذاری ادا کرتا ہے، دوسرے بعد چندے زمین پر اس کا کوئی استحقاق خاص بہ نسبت اور لوگوں کے باقی نہیں رہتا، بلکہ کسی وقت میں اگر زمین قابل مزروعہ کے ہو جاتی ہے، اور زمیندار اس کو مزروعہ کرنا یا کرانا چاہتا ہے تو وہی مالکان مویشیان نالش فوجداری میں کرتے ہیں، اور بیچارہ بلاوجہ مفت پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس قدر ایسی زمین پرتھی کے گردونواح میں کھیت رہتے ہیں ان کھیتوں کی بھی مویشیان نقصان پہنچاتے ہیں، زمیندار مال گذاری سرکار کہاں سے ادا کرے، ایسی صورت میں زمیندار کو کیا چارۂ کار ہے، یعنی اس زمین پرتھی کی چرائی لینا اور بغرض تحفظ استحقاق آیندہ مویشیوں کو روکنا جائز ہے یا ناجائز۔ اور ایسی قسم کی زمین پرتھی پر گھاس جمتی ہے، اور مویشیوں کو چرنے وغیرہ سے روکا جاتا ہے، اور حفاظت کی جاتی ہے، مگر زمیندار پانی نہیں دیتا، اور جب وہ گھاس بڑی ہو جاتی ہے، اس کو گھاس کلاں اور کھر بھی کہتے ہیں، اور وہ دیہاتوں میں نہایت کارآمد ہوتی ہے، یعنی کل مکانات آدمیوں کے رہنے اور مویشیوں کے رہنے کے

← مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ١٢، هندية، كتاب البيوع، الباب الأول، قديم زكريا ٣/ ٣، جديد زكريا ٣/ ٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور کل ضرورتوں کے مکانات اسی سے چھائے جاتے ہیں، علاوہ اس کے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس سے مکانات دیہات کے چھائے جائیں، اور وہ گھاس کلاں یعنی کھر قیمتی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں پرتھی زمین کی گھاس کی حفاظت کرنا اور بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز، اور اگر علی العموم پرتھی زمین کی گھاس ہر شخص چروا دیا کرے اور حفاظت نہ کرے تو دیہات میں مکانات چھانے کی ضرورت کیونکر رفع ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب : جو گھاس سیدھی کھڑی ہو جاوے، یعنی تنہ دار ہو، جیسے پولا جس میں سینکیں نکلتی ہیں وہ ہر حال میں زمیندار کی ملک ہے، اور جو ایسی نہ ہو بلکہ زمین پر پھیلتی ہو اس میں یہ تفصیل ہے، کہ اگر وہ اس شخص کے پانی دینے سے پیدا ہوئی ہے تب بھی اس کی ملک ہے اور جو از خود پیدا ہوئی وہ ملک نہیں اور محض حفاظت سے ملک نہیں ہوتی، پس ایسی گھاس کا بدون کاٹے ہوئے بیچنا یا کسی کو اس کے لینے سے روکنا جائز نہیں اور مال گزاری دینے سے اس کا جواز لازم نہیں آتا۔

لأن أخذ الخراج إن كان بحق مظاهر وإن كان بغير حق فلأن المظلوم لايظلم غيره.

البتہ اگر مویشی کو اس میں چرنے کی اجازت دینے سے کوئی ضرر بیّن ہو جیسا سوال میں لکھا ہے فی قولہ: وہی مالکانِ مویشیان الخ تو اس صورت خاص میں اس سے تو روکنا جائز ہے لیکن بیع یا اجارہ جائز نہیں، بلکہ اگر مواشی والوں کو گھاس کی ضرورت ہو اور قریب موقع پر مفت گھاس میسر نہ ہو تو اس مالک گھاس سے کہا جاوے گا کہ یا تو گھاس چرانے کی اجازت دو یا گھاس کٹوا کر دو، البتہ اگر اجازت میں زمیندار کا کوئی معتدبہ ضرر ہو اور ممانعت میں عامہ کا معتدبہ ضرر نہ ہو تو امید ہے کہ فقہاء کے لکھے ہوئے حیلہ پر عمل کرنے میں ملامت نہ ہوگی، اور وہ حیلہ یہ ہے کہ جس زمین میں گھاس ہے اس کو کسی شخص کے ہاتھ کسی اور کام کے لئے اجارہ پر دے دیں، مثلاً اس میں مواشی کو کھڑا کیا کریں گے و مثل ذلک، پس وہ دام کرایہ کے ہوں گے، گھاس کے نہ ہوں گے۔

كذا في الدرالمختار ورد المحتار (۱) باب البيع الفاسد وباب الشرب.

۲۷؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۶)

---

(۱) والمراعي أي الكلاء واجارتها أما بطلان بيعها فلعدم الملك لحديث الناس شركاء في ثلاث: في الماء، والكلأ، والنار ...... وهذا إذا نبت بنفسه، وإن انبته بسقي وتربية ملكه وجاز بيعه ...... قال: وبيع القصيل والرطبة على ثلاثة أوجه إن ليقطعه أو ليرسل دابته فتأكله جاز، وإن ليتركه لم يجز، وحيلته أن يستاجر الأرض لضرب فسطاطه أو لا يقاف ←

جواز بعض صور صفقة فی صفقة

سوال (١٦٧٦): قدیم ٣/ ٦٣ – نهى عن صفقةٍ في صفقة کےظاہری معنی کے

← دوابـه أو لـمـنـفعة أخرى كمقيل ومراح (درمختار) وفي الشامية، قوله: والكلأ ...... قال في البحر: ويدخل فيه جميع أنواع ما ترعاه المواشي رطبا كان أو يابسا بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والشجر له ساق فلا تدخل فيه حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه لكونها ملكه ...... وفي الكلأ الاحتشاش ولو في أرض مملوكة غير أن لصاحب الأرض المنع من دخوله ولغيره أن يقول إن لي في أرضک حقا ...... وإنما تنقطع بالحيازة وسوق الماء ليس بحيازة، وعلى الجواز أكثر المشايخ، واختاره الشهيد، قال في الفتح: ...... كما يملک الكلأ بتكلفة سوق الماء إلى الأرض لينبت فله منع المستقي وإن لم يكن في أرض مملوكة له ...... قوله: وحيلته، أي حيلة جواز بيع الكلأ، وكذا اجارته قال في البحر: والحيلة في جوز اجارته أن يستأجرها أرضا لإيقاف الدواب فيها أو لمنفعة أخرى بقدر ما يريد صاحبه من الثمن أو الأجرة فيحصل به غرضهما، وفي ا لفتح: والحيلة أن يستأجر الأرض ليضرب فيها فسطاطه أو ليجعله حظيرة لغنمه، ثم يستبيح المرعى فيحصل مقصودهما. (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٥٦-٢٥٨، كراچی ٥/ ٦٦-٦٧)

وحكم الكلاء كحكم الماء، فيقال للمالک: اما أن تقطع وتدفع إليه أي إن لم يجد كلاء في أرض مباحا قريبا من تلک الأرض ...... وهذا إذا كان الكلاء نابتا ملكه بلا انباته ولم يحتشه ...... ما نبت في موضع غير مملوک لأحد، فالناس شركاء في الرعي والاحتشاش منه ...... وأخص منه وهو ما نبت في أرض مملوكة بلا انبات صاحبها، وهو كذلک إلا أن لرب الأرض المنع من الدخول في أرضه، وأخص من ذلک كله وهو أن يحتش الكلاء أو انبته في أرضه فهو ملک له الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب احياء الموات، فصل الشرب، زكريا ١٠/ ١٥-١٦، كراچی ٦/ ٤٤٠)

هكذا في البحرالرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١٢٧، كوئٹه ٦/ ٧٧۔

مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ٣/ ٨٣۔

النهرالفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٣/ ٤٢٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لحاظ سے بعض امور ناجائز معلوم ہوتے ہیں حالانکہ بکثرت خاص وعام میں شائع ہیں مثلاً گھڑی کی مرمت کہ ٹوٹے ہوئے پرزے کو نکال کر صحیح پرزہ لگادے گا تو اس پرزہ کی تو بیع ہے اور لگانے کا اجارہ۔

(۲) چار پائی بنوانا، اور بان اپنے پاس سے نہ دینا اس میں بان کی بیع ہے، اور بننے کا اجارہ۔

(۳) سقّہ سے پانی لینا کہ جب اس نے کنوئیں سے پانی نکال کر اپنے ظروف میں لیا تو اس کی ملک ہوگیا، سو پانی کی بیع ہوئی اور وہاں سے لانے کا اجارہ نیز "**بيع ماليس عنده**" بھی ہے۔

(۴) کوئی زیور یا انگوٹھی جڑنے کو دینا یہ نگینوں کی بیع ہے اور لگانے کا اجارہ وغیرہ۔ **ذلك من المعاملات الرابحة؟**

الجواب: تعامل کی وجہ سے کہ بلانکیر شائع ہے جو ایک نوع کا اجماع ہے یہ سب معاملات جائز ہیں پس نص عام مخصوص البعض ہے جیسا فقہا نے صباغی وخیاطی میں اس کی اجازت دی ہے کہ صبغ اور خیط صانع کا ہوتا ہے اور اس میں اجارہ بھی ہوتا ہے (۱)۔ **وهذا ظاهر جدا**. فقط واللہ اعلم

---

(۱) **والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر.** (عقود رسم المفتي، سعيديه مظاهر علوم، ص: ۹۸، زكريا ص: ۱۸۳)

لو دفع إلى حائك غزلا على أن ينسجه بالثلث قال: ومشايخ بلخ كنصير بن يحيى ومحمد بن سلمة وغيرهما كانوا يجيزون هذه الإجارة في الثياب لتعامل أهل بلدهم، والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر، وتجويز هذه الإجارة في الثياب للتعامل بمعنى تخصيص النص الذي ورد في قفيز الطحان لا في الحائك إلا أن الحائك نظيره. (نشر العرف في رسائل ابن عابدين ۲/ ۱۱۶)

قد اتفق مشايخنا في هذا الزمان فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه، والقواعد قد تترك بالتعامل، وجوز الاستصناع لذلك، وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ۵/ ۱۸۴، زكريا ديوبند ۶/ ۲۳۷)

ومن اشترى نعلا على أن يحذوها البائع قال أو يشركها فالبيع فاسد، قال: ما ذكره جواب القياس، وفي الاستحسان يجوز للتعامل فيه، فصار كصبغ الثوب، وفي فتح القدير: مقتضى القياس منعه؛ لأنه إجارة عقدت على استهلاك عين مع المنفعة، وهو ←

گھاس کی بیع وشراء غیر مسلم سے

سوال (١٦٧٧): قدیم ۳/ ٦۴ - :(۱) گھاس خودرو کو کفار یا سرکار سے خریدنا کیسا ہے؟

(۲) اور کفار کے ہاتھ بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: درست نہیں، بعض کے نزدیک درست ہے(۱)۔

۹/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۰)

کاشت کی ہوئی گھاس کو فروخت کرنا

سوال (١٦٧٨): قدیم ۳/ ٦۴ - بہشتی زیور میں گھاس کے ملک ہونے کے متعلق حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ البتہ اگر پانی دے کر سینچا اور خدمت کی ہو تو اس کی ملک ہو جاوے گی اب بیچنا بھی جائز ہے، اور لوگوں کو منع کرنا بھی جائز ہے، خدمت کی صراحت فرمادی جائے کہ کس طور کی خدمت، یا مالک زمین اگر گھاس کا پھول ڈال دے جس کی وجہ سے گھاس اُگے، آیا اس صورت میں بھی گھاس اس کی ملک ہو جائے گی یا نہیں؟

← **عين الصبغ، ولكن جوز للتعامل، وفي العناية: والتعامل قاض على القياس لكونه إجماعا فعليا كصبغ الثوب الخ.** (هداية مع الفتح والعناية، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٤١٤، ٤١٥، كوئٹه ٦/ ٨٧)

(۱) **وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع ولا لنفاذه ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراؤه -إلى قوله- ولنا عمومات البيع من غير فصل بين بيع العبد المسلم من المسلم وبين بيعه من الكافر فهو على العموم.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب شروط انعقاد البيع، زكريا ٤/ ٣٢١، كراچی ٥/ ١٣٥)

وكذلك لا يشترط لصحة البيع اسلام المتعاقدين، فيصح البيع والشراء من غير مسلم، سواء أكان ذميا أم حربيا أو مستأمنا، ولكن منع بعض الفقهاء من مبايعته لبعض العوارض لا لكونه غير أهل للتعاقد. (فقه البيوع، أحكام بيع غير المسلمين ١/ ١٦٦)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ٧/ ١٤، كراچی ٤/ ٥٠٤-٥٠٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بدرجہ اولیٰ ملک ہو جاوے گی سقی سے غرس کو اس کے حصول میں زیادہ دخل ہے۔

وفي ردالمحتار: وأخص من ذلک کله، وهو أن یحتش الکلاء أو انبته في أرضه فهو ملک له، ولیس لأحد أخذه بوجه لحصوله بکسبه ذخیرة وغیرها ملخصا (ا) (ج ٥ ص ٤٣٥)

۱۰؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ۹۱)

(ا) شامي، کتاب احیاء الموات، فصل: في الشرب، زکریا ١٠/ ١٥، کراچی ٦/ ٤٤٠۔

لو تسبب في ذلک بأن سقی الأرض أو هیأها لانبات جاز له بیع کلائها؛ لأنه ملکه حتی لو احتشه إنسان بغیر إذنه کان له استرداده، وفي الدرالمنتقی: وإذا نبتت بسقي وتربیة ملکه وجاز بیعه. (مجمع الأنهر مع الدرالمنتقی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، بیروت ٣/ ٨٣، النهرالفائق، باب البیع الفاسد، زکریا ٣/ ٤٢٤)

وإن انبته صاحب الأرض بأن سقاها أو حدق حولها أو هیأها للإنبات ملکه وجاز بیعه الخ. (تبیین الحقائق، باب البیع الفاسد، زکریا ٤/ ٣٧٢)

البحرالرائق، باب البیع الفاسد، زکریا ٦/ ١٢٧، کوئٹه ٦/ ٧٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ باب الإقالة (واپسی بیع) اور بیع بالخیار

تعریف اقالہ وبیع بالخیار

سوال (۱٦۷۹): قدیم ۳/ ٦۵ - بیع اقالہ اور بیع بالخیار کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا فقہ میں اس سے بحث کی گئی ہے؟

الجواب: اقالہ یہ ہے کہ ایک بیع تام ہوگئی، پھر مشتری یا بائع پچھتایا اور دوسرے سے واپسی مبیع کی درخواست کی، اور اس نے خوشی سے واپس کرلیا (۱) اور بیع بشرط الخیار یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے

---

(۱) **الإقالة هي لغة: الرفع، و شرعا: رفع البيع. وفي حاشية الشامي: معناها في الاصطلاح: رفع البيع برضا العاقدين كتقايلنا البيع أو يقول أحدهما: أقلته ويقبل الآخر، وإذا فلابد في الإقالة من رضا العاقدين معاً بها الخ.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الإقالة، زكريا ۷/ ۳۳۰)

الإقالة رفع العقد والعقد من المتعاقدين، وقد انعقد بتراضيهما فكان لهما رفعه دفعا للحاجة، أي التي لها شرع البيع. (حاشية چلپي على الزيلعي، كتاب البيوع، باب الإقالة، زكريا ٤/ ٤١٦)

رجل باع شيئا ثم قال للمشتري أقلني البيع، فقال: قد أقلتک لم يكن ذلک إقالة ...... حتى يقول البائع بعد ذلک قبلت، لو قال المشتري تركت البيع وقال البائع: رضيت أو أجزت يكون إقالة ...... لو طلب البائع الإقالة من المشتري فقال المشتري: هات الثمن وقبل البائع فهو كقول البائع: أقلني. (هندية، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر: في الإقالة، جديد زكريا ديوبند ۳/ ١٤٤، قديم ۳/ ١٥۷)

بدائع الصنائع، كتاب البيوع، بيان ماهية الإقالة، زكريا ديوبند ٤/ ۵۹۲۔

الإقالة في الفقه: رفع العقد وإلغاء حكمه بتراضى الطرفين بأن يرد البائع المبيع ويرد المشتري الثمن الخ. (فقه البيوع، المبحث الثاني عشر: في الإقالة، نعيميه ديوبند ۲/ ۱۱۲۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۳۲٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہا کہ ہم کو اتنی مدت تک واپس کر لینے کا اختیار ہے، یہ تو تعریف ہے(۱)۔ رہی بحث سو بہت سے مباحث اس کے متعلق لکھے ہیں، اگر کوئی خاص امر دریافت کیا جاوے تو جواب ممکن ہے۔

۹/ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۰)

تحقیق حدیث خیار مجلس

سوال (۱۶۸۰): قدیم ۳/ ۶۵ - روى البخاري في ۲۸۴ حدثنا قتيبة ثنا

---

(۱) **خيار الشرط في الاصطلاح: فقد قال ابن عابدين: إن خيار الشرط مركب إضافي صار علما فى اصطلاح الفقهاء على ما يثبت با لاشتراط لأحد المتعاقدين من الاختيار بين الإمضاء والفسخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۰/ ۷۷)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، زكريا ۷/ ۱۰۱، كراچى ٤/ ٥٦٥۔

خيار الشرط حق يشترطه أحد المتبايعين أو كلاهما فى العقد لإمضاء البيع أو فسخه الخ. (فقه البيوع ۲/ ۱۱۸٤)

سوال: [۱۶۸۰] کا ترجمہ: امام بخاری علیہ الرحمہ نے ص: ۲۸۴ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب دو آدمی خرید وفروخت کریں تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے، جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں اور دونوں ساتھ ساتھ ہوں، یا یہ کہ ان میں کوئی ایک دوسرے کو اختیار دے دے، پھر دونوں اسی پر بیع کریں تو بیع لازم ہوجائے گی۔ اور اگر دونوں بیع کرنے کے بعد جدا ہوجائیں اور ان میں سے کوئی بھی بیع کو نہ چھوڑے تو بھی بیع لازم ہوجائے گی۔

اسی روایت کو امام نسائیؒ نے بعینہٖ اسی سند ومتن کے ساتھ نقل فرمایا ہے؛ البتہ انہوں نے لفظ ''شرط'' کا اضافہ نقل کیا ہے، پھر امام بخاریؒ نے اسی مذکورہ صفحہ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اپنا مال بیچا...... جب ہم بیع کا معامل کر چکے تو میں الٹے پاؤں لوٹ گیا، یہاں تک کہ میں اپنے گھر سے نکل گیا، اسی اندیشہ کی بنا پر کہ وہ میری بیع رد کر دیں اور سنت یہ ہے کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو اختیار رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جدا ہوجائیں۔

ان دونوں حقیقتاً اور حکماً مرفوع روایتوں میں خیار مجلس کے ثبوت کی واضح اور ہر تاویل کو ختم کرنے والی دلیل موجود ہے۔ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی طریق سے امام نسائی کی نقل کردہ روایت اس کے معارض نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو اختیار رہتا ہے، جب تک کہ وہ ←

لیث عن نافع عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: إذ تبايع الرجلان فكل واحد منهما بالخيار مالم يتفرقا، وكانا جميعاً أو يخير أحدهما الآخر (۱) (فإن خير أحدهما الآخر نسائي) فتبايعا على ذلک فقد وجب البيع، وإن تفرقا بعد أن تبايعا ولم يترك واحد منهما البيع فقد وجب البيع (۲). (ص ۱۸۸، کتاب البیوع)

← جدا نہ ہوں، مگر یہ کہ خیار کا معاملہ ہو اور کسی ایک کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ بیع فسخ کرنے کے اندیشہ کی وجہ سے اپنے ساتھی سے جدا ہو جائے؛ اس لئے کہ یہ روایت متکلم فیہ ہے۔ اور اگر اس روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ صحیح روایت کے معارض نہیں ہو سکتی اور اگر معارض تسلیم کرلی جائے تو اس میں صرف اشارہ ہے اور پہلی روایت یا تو صریح ہے یا صریح کے درجہ میں ہے۔ اور اشارہ صراحت سے بڑھ کر نہیں ہوتا ہے۔ رہا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ جس چیز کو عقد نے زندہ اور اکٹھا پایا (پھر وہ ضائع ہوگئی) تو وہ مشتری کا نقصان ہے۔ (رواہ البخاری)

تو اس سے اگرچہ امام طحاویؒ نے استدلال کیا ہے، مگر وہ استدلال تام نہیں ہے اور ہمارے لئے مفید نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہم اس کے معنی اور مقصود کے قائل نہیں ہیں: اس لئے کہ ہمارے نزدیک ہلاکت قبل القبض فسخ بیع کا موجب ہے اور ہلاک ہونے والی چیز بائع کی شمار ہوتی ہے نہ کہ مشتری کی؛ لہٰذا ہم جس چیز کے قائل نہیں ہیں اس سے ہم کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ یہ ہمارے لئے صرف ان کے (ابن عمر) کے قول وفعل کے درمیان مخالفت کے اثبات کے حق میں مفید ہے، تو اگرچہ ان دونوں (قول وفعل) میں تعارض ہے، مگر ان کی روایت تعارض سے محفوظ ہے؛ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس آخری روایت (قول ابن عمرؓ) میں تاویل کی جائے اور صفقہ سے تمام شرائط کے اعتبار سے صفقۂ تامہ مراد لیا جائے اور اس کے (بیع کے) شرائط میں سے ایک تفرق بالابدان ہے؛ لہٰذا ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو عقد تفرق بالبدن کے بعد زندہ اور اکٹھا پائے (پھر وہ ضائع ہو جائے) تو وہ مشتری کا نقصان ہے؛ لہٰذا محض امام نخعیؒ کے قول کی وجہ سے مرفوع اور موقوف حدیث صحیح کو رد کرنے کو طبیعت ناپسند اور ناگوار سمجھتی ہے۔ اور عالی جناب سے ہم نہیں چاہتے ہیں کہ وہ شراح یا احناف کی روایتیں اور اقوال ذکر کریں؛ اس لئے کہ یہ تو محض صحیح اور صریح حدیث کی تردید ہے؛ بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ تو اس بات کو بتلاتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک یہ ایک دائمی عمل اور مستقل سنت تھی۔

(۱) بخاري شريف، باب إذا خير أحدهما صاحبه بعد البيع فقد وجب البيع، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۴، رقم: ۲۰۶۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۱۲۔

(۲) سنن النسائي، كتاب البيوع، باب وجوب الخيار للمتبايعين قبل افتراقهما، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دار السلام، رقم: ۴۴۷۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وهـذه الـرواية رواها النسائي بعين هذا السند و متنه سوى أنه زاد لفظ الشرط، ثم روى البخارى في تلك الصفحة عن عبد اللّٰه بن عمر قال: بعت من أمير المؤمنين عثمان -إلى قوله- فلما تبايعنا رجعت على عقبى حتى خرجت من بيته خشية أن يرادني البيع، وكانت السنة أن المتبايعين بالخيار حتى يتفرقا (١) الخ.

ففي هاتين الروايتين المرفوعتين حقيقةً وحكمًا بيان واضح لثبوت خيا ر المجلس وقاطع لكل تاويل، ولا يعارضه مارواه النسائي ١٨٨ عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ قال: المتبايعان بالخيار مالم يتفرقا إلا أن يكون صفقة خيار، ولا يحل له أن يفارق صاحبه خشية أن يستقيله (٢) اھ لأن هذا متكلم فيه، ولو سلم فهو لا يعارض الصحيح، ولو سلم فهي إشارة والاولىٰ كالصريح أو صريح، والإشارة لا تفوق الصراحة، وأما قول ابن عمر ما ادركت الصفقة حياً مجموعاً فهو من المبتاع. (رواه البخارى (٣) ص ٢٨٧)

فهذا وإن احتج به الطحاوي فهو غير تام، وغير مفيد لنا؛ لأنا لا نقول بمفاده إذا الهلاک قبل القبض عند نا يوجب فسخ البيع وكون الها لک من مال البائع لا من المبتا ع فما لا نقول به كيف نحتج به فلا يفيد نا إلا إثبات المخالفة بين قوله وفعله، فهما وان تعارضا بقيت روايته سالمة بل ينبغي أن يؤل هذا الأخير، ويراد بالصفقة الصفقة التامة باعتبار جميع شرائطه، ومن شرائطه التفرق بالأبدان، فمعنى هذا القول ما ادركت الصفقة بعد التفرق بالبدن حياً مجموعاً فهو من المبتا ع، فبمجرد قول

---

(١) بخاري شريف، كتاب البيوع، باب إذا اشترى شيئا فوهب من ساعته قبل أن يتفرقا الخ۔ النسخة الهندية ١/ ٢٨٤، رقم: ٢٠٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢١١٥۔

(٢) سنن النسائي، كتاب البيوع، باب وجوب الخيار للمتبايعين قبل افتراقهما بأبدانهما، النسخة الهندية ٢/ ١٨٨، دارالسلام، رقم: ٤٤٨٨۔

(٣) بخاري شريف، كتاب البيوع، باب إذا اشترى متاعا أو دابة الخ، النسخة الهندية ١/ ٢٨٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

النخعي رد الحديث الصحيح مرفوعاً وموقوفاً يمجه الطبع و يستنكره، ولا نريد من جنابكم ذكر مارواه الشراح أو الاحناف إذ هو رد الحديث الصريح الصحيح لاغير بل معاملته مع عثمان تدل على أن تلك السنة كانت مستمرة عندهم.

الجواب: هذه الشبهة من شبهاتي القديمة، ولا شك في أن ظاهر الأحاديث هو

جواب: [١٦٨٠] کا ترجمہ: یہ شبہ میرے پرانے شبہات میں سے ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ظاہر احادیث سے خیار مجلس کا ثبوت ہوتا ہے؛ لیکن مذہب حنفی پر یقینی طور پر احادیث کے مخالف ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، جب تک کہ احادیث محتمل تاویل ہوں خواہ تاویل بعید ہی ہو اور مذاہب متبوعہ والوں میں کوئی بھی اس طرح کی تاویلات سے محفوظ نہیں ہے، جیسا کہ بعض شوافع نے آپ علیہ السلام کے ارشاد ''فاقرأ ما تيسر معك من القرآن'' کو قراءت فاتحہ پر محمول کیا ہے؛ اس لئے کہ وہ آسان ہے اور حنفیہ کی قریب ترین دلیل آپ علیہ السلام کا ارشاد ''لايحل له أن يفارقه خشية أن يستقيله'' (متعاقدین میں سے کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ فسخ بیع کے اندیشہ کی وجہ سے اپنے ساتھی سے جدا ہو جائے) ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ کے سوا اصحاب خمسہ نے روایت کیا ہے اور دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے، جیسا کہ ''نیل الاوطار'' ۵/ ۴۹ پر ہے، اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عاقد کا ساتھی فسخ بیع کا اختیار نہیں رکھتا ہے، مگر استقالہ ہی کے ذریعہ۔ اور مخالفین کا یہ کہنا کہ اگر حقیقتاً استقالہ مراد ہوتا تو آپ اسے جدا ہونے سے منع نہ کرتے؛ اس لئے کہ یہ مجلس عقد کے ساتھ خاص نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقد سے قریب زمانہ کا متعاقدین میں سے ہر ایک کے دوسرے کے میل ملاپ سے متأثر ہونے میں واقعی دخل ہوتا ہے۔ رہا آپ علیہ السلام کا قول: ''لا يحل'' تو وہ کراہت پر محمول ہے؛ اس لئے کہ یہ مروت اور مسلمان کے حسن معاشرت کے مناسب نہیں ہے، جیسا کہ خیار مجلس کے قائلین بھی اس تاویل کے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں؛ اس لئے جدائیگی کی حلت ہمارے اور ان کے سب کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ اور رہا اس کا متکلم فیہ ہونا تو اس کا اعتبار اس وقت کیا جاتا جب کہ وہ صحیح حدیث کے معارض ہوتا اور صحیح حدیث میں تاویل کے بعد تعارض باقی نہ رہا اور قریب ترین تاویل تفرق بالابدان کو استحباب پر محمول کرنا ہے، مسلمان کے ساتھ حسن معاملہ کرنے کے لئے جیسا کہ استقالہ والی حدیث کی تقریر میں مذکور ہو چکا ہے۔ رہا مخالفین کا یہ کہنا کہ اگر تفرق بالاقوال مراد ہو تو حدیث بے فائدہ ہو جائے گی؛ اس لئے کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک مشتری کی طرف سے قبول مبیع نہ پایا جائے اسے خیار رہتا ہے، اسی طرح بائع کی ملکیت میں عقد بیع سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے، تو یہ نا قابل التفات ہے؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ شارع کا مقصود ملامسہ، منابذہ جیسی جاہلیت کی بعض بیوع کی نفی کرنا ہو؛ لہٰذا حدیث بے فائدہ نہ رہی۔ رہا حدیث کے بعض الفاظ کے نا قابل تاویل ←

ثبوت خيار المجلس، لكن لا يصح الحكم بكون المذهب الحنفي مخالفاً للأحاديث يقيناً مادامت الأحاديث تحتمل التاويل، ولو كان فيه شيء من البعد، ولا يسلم أحد من أهل المذاهب المتبوعة عن نحو هذه التاويلات كما حمل بعض الشافعية قوله عليه السلام: فاقرأ ما تيسر معك من القرآن على الفاتحة، فإنها متيسرة وأقرب دلائل الحنفية قوله عليه السلام: لا يحل له أن يفارقه خشية أن يستقيله (١). رواه الخمسة إلا ابن ماجة ورواه الدار قطني كذا في النيل ج٥ ص ٤٩.

ففيه دليل على أن صاحبه لا يملك الفسخ إلا من جهة الاستقالة، وأما قول المخالفين أنه لو كان المراد حقيقة الاستقالة لم تمنعه من المفارقة؛ لأنها لا تختص

← ہونے کا دعوی جیسا کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے:''فإن خير أحدهما الآخر الخ'' تو یہ نا قابل تسلیم ہے؛ اس لئے کہ پہلی حدیث میں ''فقد وجب البيع'' کے معنی ہیں کہ خیار شرط کے ساتھ بیع لازم ہوجاتی ہے، جب کہ متعاقدین میں سے ایک دوسرے کو اختیار دے۔ اور دوسری حدیث میں اس کے معنی ہیں کہ بیع تام اور نافذ ہوجاتی ہے، جب کہ اس میں خیار کی شرط نہ ہو اور اس سے زیادہ صریح الفاظ کوئی اور نہیں ہیں۔ اور امام صاحب اس تاویل میں منفرد نہیں ہیں؛ بلکہ امام نخعی، مالکیہ امام ثوری امام لیث اور زید بن علی وغیرہ حضرات بھی اس کی طرف گئے ہیں۔

(١) ترمذی شریف، أبواب البيوع، باب ماجاء البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، دارالسلام، رقم: ١٢٤٧۔

أبو داؤد شريف، كتاب البيوع، باب في خيار المتبايعين، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٦۔

نسائي شريف، كتاب البيوع، باب وجوب الخيار للمتبايعين، النسخة الهندية ٢/ ١٨٨، دارالسلام، رقم: ٤٤٨٨۔

مسند إمام أحمد بن حنبل ٢/ ١٨٣، بيت الأفكار رقم: ٦٧٢١۔

دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٤، رقم: ٢٩٧٨۔

نيل الأوطار، كتاب البيوع، باب إثبات خيار المجلس، دارالحديث القاهرة ٥/ ١٩٦، رقم: ٢٢٣٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بمجلس العقد، فا لجواب عنه أن قرب العهد بالعقد له دخل مشاهد في تأثر كل من المتعاقدين بالتماس الآخر، أما قوله: لا يحل فمحمول على الكراهة من حيث أنه لا يليق بالمروة وحسن معاشرة المسلم، كما اضطر إليه أيضاً القائلون بخيار المجلس، فإن حل المفارقة إجماعي عندنا وعندهم جميعاً، وأما كونه متكلما فيه فيعتبر لو كان معارضاً للصحيح، ولم يعارض بعد تاويل الصحيح، وأقرب التاويلات حمل التفرق بالأبدان على الاستحباب تحسينا للمعاملة مع المسلم، كما ذكر في تقرير حديث الاستقالة، وأما قول المخالفين أنه لو كان المراد تفرق الأقوال فخلا الحديث عن الفائدة، وذلك أن العلم محيط بأن المشتري ما لم يوجد منه قبول المبيع فهو بالخيار، وكذلك البائع خياره في ملكه ثابت قبل أن يعقد البيع. اھ فغير ملتفت إليه لأنه يمكن أن يكون مقصود الشارع نفى بعض بيوع الجاهلية من نحو الملامسة والمنابذة فلم يكن خاليا عن الفائدة، وأما دعوى كون بعض ألفاظ الحديث غير محتمل للتاويل، كقوله عليه السلام: فإن خير أحدهما الآخر فتابعا على ذلك فقد وجب البيع، وان تفرقا بعد أن تبايعا ولم يترك واحد منهما البيع فقد وجب البيع. اھ فممنوعة لأن معنى قوله: فقد وجب البيع في الأول، أي بشرط الخيار حيث خير أحدهما الأخر، وفي الثاني أي البيع البات حيث لم يشترط فيه الخيار، وليس لفظ أصرح منه، وليس الإمام متفرداً في هذا، بل قد ذهب إليه النخعي والمالكية، والثوري والليث وزيد بن على وغيرهم، كما (١) في النيل ج ٥ ص ٤٧. واللہ اعلم

۱۰/ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۳)

دھوکہ سے معاملہ بیع کا کرلیا تو مشتری کو خیار نہیں

سوال (١٦٨١): قدیم ٣/ ٦٧ - ہمارے اطراف میں بسا راس طرح دیا جاتا ہے کہ

---

(١) نيل الأوطار، كتاب البيوع، باب إثبات خيار المجلس، دارالحديث القاهرة ٥/ ١٩٥، بيت الأفكار، ص: ١٠٠٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک نرخ معین کر کے فی روپیہ کے حساب سے چیت کے ادھار غلّہ دیا جاتا ہے، اور چیت میں روپیہ لیا جاتا ہے، امسال بھی ایسا ہی ہوا، مگر اسامیوں نے یہ دھوکہ دیا کہ ہماری بڑی پٹی کا یہ حوالہ دیا کہ ان کے یہاں فی روپیہ چھ سیر گندم دیا گیا ہے، اس لئے میں نے بھی اسی نرخ پر دے دیا، مگر اسی روز سہ پہر کو معلوم ہوا کہ مجھے دھوکہ دیا گیا، اور جانچنے پر معلوم ہوا کہ بڑی پٹی میں ساڑھے پانچ سیر گندم فی روپیہ دیا گیا ہے، اب میں چھ سیر کی جگہ ساڑھے پانچ سیر نرخ فی روپیہ رکھ سکتا ہوں یا نہیں، غلّہ میرے قبضہ سے نکل گیا ہے، مگر ابھی اسامیوں نے کھیت میں نہیں ڈالا ہے، بلکہ گھر پر موجود ہے، میں نے یہ کہلوا دیا ہے کہ بڑی پٹی میں ساڑھے پانچ سیر دیا گیا ہے، اب میں نے بھی ساڑھے پانچ سیر بھاؤ کر دیا ہے جس کو یہ بھاؤ منظور ہو رکھے ورنہ میرا گندم واپس کر دیا جاوے، لیکن کسی نے واپس نہیں کیا؟

الجواب: في الهداية: فيما يكره من البيوع وعن تلقى الجلب، وهذا إذا كان يضر بأهل البلد، فإن كان لا يضر فلا بأس به، إلا إذا لبس السعر على الواردين، فحينئذٍ يكره لما فيه من الغرر والضرر -إلى قوله- وكل ذلك يكره، ولا يفسد به البيع؛ لأن الفساد في معنى خارج زائد لا في صلب العقد، ولا في شرائط الصحة (۱). (ج۲ص۵۱)

---

(۱) هداية، كتاب البيوع، فصل: فيما يكره، أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٧۔

وكره النجش والسوم على سوم غيره، وتلقى الجلب لما كان المكروه شعبة من شعب الفاسد لاستوائهما في البيع إذا المكروهات هنا كلها تحريمية ألحقه به وأخره؛ لأنه أدنى حالا منه في فساد العقد، وهذا لأن الفاسد فيه لمعنى لا في صلب العقد ولا في شرائط الصحة، فكان صحيحا، وكره أيضا تلقى الجلب بمعنى المجلوب زاد في المجمع إذا أضر ولبس عليهم؛ لأن النهى عنه الوارد في الصحيحين محمول على ذلك الخ. (النهر الفائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ٣/ ٤٤٧)

وكره النجش ...... وتلقى الجلب المضر بأهل البلد للنهي عنه، وأما إذا لم يضر بأهل البلد بأن لم يكونوا محتاجين إليه فلا بأس به إلا إذا لبس سعر البلد على الواردين، فاشترى منهم بأرخص منه، فإنه يكره، فإذا انتفيا لم يكره -إلى قوله- وصح البيع في الجميع أي في جميع ما ذكر من قوله: وكره النجش إلى هنا؛ لأن الكراهة لا تمنع الانعقاد. (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد بيروت ٣/ ٩٩-١٠٠) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اسامیوں کو اس دھوکہ دینے سے گناہ ہوا لیکن بیع صحیح ہوگئی، آپ کو نہ غلّہ کا واپس کرنا جائز ہے اور نہ دام زیادہ لینا، آپ ان کی روایت کی تحقیق خود کر سکتے تھے، ان پر کیوں اعتماد کیا۔

۷ ارمحرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۱)

مشتری بائع کو مبیع کی حالت بیان کرنے میں دھوکہ دے

سوال (۱۶۸۲): قدیم ۳/ ۶۷- کیا حکم شریعت کا ہے اس صورت میں کہ زید پانی پت میں رہتا ہے اور عمرو گیا میں، زید نے عمرو سے کہا کہ تمہاری جائیداد جس کا غلّہ ۴۰ سالانہ کا وصول ہوتا ہے، پانی پت میں ہے، اور پانی پت میں نرخ غلّہ ارزاں ہوگیا ہے، ان کے باہمی عقد بیع ہوگیا، بعد بیع عمرو کو معلوم ہوا کہ زید نے مجھ کو فریب دیا، غلّہ ارزاں فروخت نہیں ہوتا، نوبت بعدالت پہنچی، عمرو نے عدالت میں بیان تحریری دیا کہ زید نے مجھ کو فریب دیا، اور مجھ سے کہا کہ پانی پت میں غلّہ منوان ۴ ۷ ثار کا فروخت ہوتا ہے، اور اب معلوم ہوا کہ غلّہ دو من سے بھی کم فروخت ہوتا ہے، اس کے بعد یہ مقدمہ ثالثوں کے پاس آیا، ثالثوں سے عمرو نے بیان کیا کہ زید نے مجھے فریب دیا تھا اور کہا تھا کہ غلّہ چار پانچ من فی صدی فروخت ہوتا ہے، اور شہادت سے بھی عمرو نے یہ بات ثابت کردی کہ زید نے عمرو سے بیشک یہ کہا تھا کہ پانی پت میں چار پانچ من غلّہ فی صدی فروخت ہوتا ہے، پس اس صورت میں عمرو کے دونوں بیان جو ظاہرا متعارض معلوم ہوتے ہیں، اس کے اثبات دعویٰ کے بھی مضر اور شہادت کے مسقط ہیں یا نہیں، یعنی فریب چار پانچ من فی صدی کا جو شہادت سے ثابت ہو وہ ثابت رہے گا، یا اول بیان کے معارض ہونے سے ساقط ہوجائے گا، اور شہادت ساقط ہوگی، یا دوسرے بیان کی مثبت رہے گی؟

الجواب: عبارت سوال کی ناکافی ہے، زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ مطلب یہ ہے، کہ جس زمین

← زيلعي، باب البيع الفاسد، زكريا ٤/ ٤١١-٤١٤۔

عن أبي هريرة رضـ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتلقى الجلب. (مسلم شريف، باب تحريم تلقى الجلب، النسخة الهندية ٢/ ٤، بيت الأفكار رقم: ١٥١٩)

ترمذي شريف، باب ماجاء في كراهية تلقى البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، دارالسلام، رقم: ١٢٢١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں اس قدر غلہ حاصل ہوتا ہے یعنی دومن چونتیس (۳۴) سیر دومن سے بھی کم یا چار پانچ من مثلاً وہ جائداد سوروپے کو فروخت ہوتی ہے اور میرے نزدیک عمرو کے ان دونوں بیانوں کا تعارض مضر نہیں، کیونکہ جب مقدمہ ثالثوں کے سپرد بتراضی طرفین ہوگیا، تو مجلس قضااب اس حکم کی مجلس ہوگی، اور پہلا بیان مجلسِ قضا سے خارج ہوگا جس کا اعتبار نہیں، اور اس مجلس میں دعویٰ کیا ہے، وہ اور شہادت متوافق ہیں، لہٰذا پہلے بیان کا تعارض مضر نہیں، لیکن باوجود مضر نہ ہونے کے عمرو کے اصل مقصود کے نافع نہیں، کیونکہ اصل مقصود اس کا خیار فسخ کا حاصل کرنا ہے، جیسا کہ خود اس سوال کی بھی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے پرچہ سے جو اس کے ساتھ جواب کی غرض سے آیا ہے زیادہ واضح ہوتا ہے، اس میں بائع کا نام زید فرض کیا گیا ہے، اور اس میں عمرو اس دوسرے پرچہ میں خیارِ فسخ بائع کے لئے نہ ہونا مدلّل و مفصل مذکور ہے۔ واللہ اعلم

والدليل هذا في الهداية الشهادة إذا وافقت الدعوىٰ قبلت، وإن خالفتها لم تقبل (۱) وفي حاشيتها برمز مل علىٰ قوله كتاب الدعوى هي في عرف الفقهاء عبارة عن مطالبة حق في مجلس من له الخلاص عند ثبوته –إلىٰ قوله– شرط صحتها مجلس القضاء، فالدعوىٰ في غير مجلس القضاء لا تصح (۲) الخ. والله اعلم.

یوم عرفہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۲)

---

(۱) هداية، كتاب الشهادة، باب الاختلاف في الشهادة، أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۶۶۔

وأما الشرائط التي ترجع إلى نفس الشهادة فأنواع: منها: أن تكون موافقة للدعوى فيما يشترط فيه الدعوى، فإن خالفتها لا تقبل الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، زكريا ۵/ ۴۱۱)

شرط موافقة الشهادة الدعوى؛ لأنها لو خالفتها فقد كذبتها والدعوى الكاذبة لا يعتبر وجودها. (مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، باب الاختلاف، بيروت ۳/ ۲۵۰)

البحرالرائق، باب الاختلاف في الشهادة، زكريا ۷/ ۱۷۴، کوئٹہ ۷/ ۱۰۳۔

درمختار مع الشامي، باب الاختلاف في الشهادة، زكريا ۸/ ۲۱۶، کراچی ۵/ ۴۹۲۔

(۲) حاشية هداية تحت لفظ كتاب الدعوى، أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۰۱۔

الدعوى في الاصطلاح: قول يطلب به الإنسان إثبات حق على الغير في مجلس القاضي أو المحكم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۰/ ۲۷۰) ←

تتمہ سوال سابق

سوال (۱۶۸۳): قدیم ۳/ ٦٨- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ملکیت کی جائیداد جس کا غلّہ سال بھر میں آتا ہے، پانی پت میں عمرو کے قبضہ اور تصرف میں ہے، اور زید گیا میں رہتا ہے، زید سے عمرو نے گیا میں جا کر کہا کہ تمہارا غلّہ میرے پاس بمقدار للعب موجود ہے، زید نے اس کو للعب سمجھ کر چودہ سو کو عمرو کے ہاتھ فروخت کر دیا، بعدہٗ زید کو معلوم ہوا کہ میری جائداد کی آمدنی من سے زیادہ ہے، اب عمرو چاہتا ہے کہ یہ بیع بات قرار دی جائے اور زید کہتا ہے کہ مجھ سے مقدار کمیت میں فریب کیا گیا ہے، مجھے خیار فسخ ہے، میں اب اس بیع کو قائم رکھنا نہیں چاہتا عمرو کا خیال ہے غایہ مافی الباب یہ ہے کہ جو زائد غلّہ اس کا ہے اس کی قیمت اسی طرح دِلا دی جائے کیونکہ بیع ہو چکی تھی، اس مسئلہ کی بابت علماء دین سے سوال کیا ہے کہ اس صورت میں زید بائع کو بسبب غبن فاحش خیار فسخ ہے یا نہیں؟

سوال دوم (۲): یہ ہے کہ نرخ کے اندر فریب دینے سے حق فسخ حاصل ہوتا ہے، یا مقدار مبیع کے اندر فریب دینے سے بھی حق فسخ حاصل ہوتا ہے؟

الجواب: عبارت سوال کی ناکافی ہے، زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ صورت سوال یہ ہے کہ بیع جائیداد کی ہوئی ہے، اور اس کی آمدنی زیادہ غلّہ کی ہے، اور مشتری نے دھوکہ دے کر بائع کو کم بتلائی جس

← **الدعوى شرعا: قوله مقبول عند القاضي يقصد به طلب حق قبل غيره أو دفعه عن حق نفسه -إلى قوله- وشرطها أي شرط جواز الدعوى مجلس القضاء.** (درمختار مع الشامي، كتاب الدعوى، زكريا ٨/ ٢٨٥-٢٨٧، كراچی ٥/ ٥٤١-٥٤٣)

وفي الشرع ما اختاره المصنف تبعا للوقاية بقوله: إخبار عند القاضي أو الحكم، فإنه شرط بحق معلوم، فإنه شرط له أي للمخبر على غيره أي على غير المخبر الحاضر ...... و شرطها مجلس القاضي -إلى قوله- لكون حضور مجلس القاضي مأخوذا في مفهوم الدعوى، وهي مطالبة حق عند من له الخلاص. (مجمع الأنهر، كتاب الدعوى، بيروت ٣/ ٣٤٣)

ثم شرط جواز الدعوى أن تكون في مجلس القاضي، ولا تصح في غير مجلسه حتى لا يستحق على المدعي عليه جوابه. (تبيين الحقائق، كتاب الدعوى، زكريا ٥/ ٣١٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سے گراں چیز ارزاں فروخت کردی، اس صورت میں جواب یہ ہے کہ عمرو کو گناہ بہت ہوا، لیکن زید کو خیار فسخ حاصل نہیں، البتہ عمرو پر فیما بینہ وبین اللہ واجب ہے کہ زید کی رضا وطیب نفس حاصل کرے۔

ودلائل هٰذه في الهداية: ومن باع مالم يره فلا خيار له، وكان أبو حنيفةؒ يقول أولاً له الخيار اعتبارا بخيار العيب وخيار الشرط، وهذا لأن لزوم العقد بتمام الرضاء زوالاً وثبوتاً، ولا يتحقق ذلك إلا بالعلم بأوصاف المبيع، وذلك بالرؤية، فلم يكن البائع راضيا بالزوال، ووجه القول المرجوع إليه أنه معلق بالشراء لما روينا، فلا يثبت دونه، وروى (قال الزيلعي: أخرجه الطحاوي، ثم البيهقي عن علقمة ابن أبي وقاص) أن عثمان بن عفانؓ باع أرضا بالبصرة من طلحة بن عبد اللهؓ، فقيل لطلحةؓ: أنك قد غبنت، فقال لي: الخيار؛ لأني اشتريت مالم أره، وقيل لعثمان: أنك قد غبنت، فقال لي: الخيار لأني بعت مالم أره، فحكم بينهما جبير بن مطعم فقضٰى بالخيار لطلحة، وكان ذلك بمحضر من الصحابة (١) اھ۔

---

(١) هداية، كتاب البيوع، باب خيار الرؤية، أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٦۔

ولا خيار لمن باع ما لم يره، وكان أبو حنيفة أولا يقول: له الخيار؛ لأن البيع يتم برضا المتعاقدين، فإذا انتفى رضا أحدهما لعدم الرؤية فكذا رضا الآخر إذ لا يثبت به الملك، ولا يزول به إلا بالرضا وهو بالعلم بأوصاف المبيع، وذلك بالرؤية؛ ولأنه خيار يثبت لأحد المتعاقدين فوجب أن يثبت للآخر اعتباراً بخيار الشرط، وخيار العيب ثم رجع عنه، ولنا للمرجوع إليه أن عثمان بن عفان رضى الله عنه باع أرضا بالبصرة -إلى آخره- وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضي الله عنهم من غير نكير، فكان إجماعا، ولأن خيار الرؤية معلق برؤية المشتري فيما روينا فلا يثبت دونه الخ. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب خيار الرؤية، زكريا ديوبند ٤/ ٣٢٢)

ولا خيار لمن باع ما لم يره؛ لأن النبي عليه الصلاة والسلام أثبت الخيار في الشراء لا في البيع، ولقضاء جبير بن مطعم بمحضر من الأصحاب في الشراء لا في العيب، وهو قول الإمام آخرا رجع إليه الخ. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل: الخيارات ٣/ ٥١-٥٢)

البحرالرائق، كتاب البيوع، باب خيار الرؤية، زكريا ديوبند ٦/ ٤٤، كوئٹہ ٦/ ٢٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قلت : لما لم يثبت الخيار للبائع مع عدم رؤيته لذات المبيع، ففي عدم رؤية الوصف الذي هو الربع أولى كما هو ظاهر وفيها وأن تلقى الجلب، و هذه إذا كان يضر بأهل البلدة، فإن كان لا يضر فلا بأس به إلا إذا لبس السعر على الواردين، فحينئذ يكره لما فيه من الغرر (١) اھ۔

قلت : ومطلق النهى والكراهة يفيد التحريم، وهذا دليل كون فعل هذا المشترى حرام، وفى الحديث : ألا لا يحل مَال امرئ إلا بطيب نفسه (٢)۔ قلت: واني لا يحضر في مخرجه الآن، وهو دليل على وجوب إرضاء البائع ديانة. واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم: اگر یہ سوال بھی متعلق سوال اول کے ہے، جیسا کہ ظاہر ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فریب نرخ ہی میں ہوا ہے، مقدار مبیع میں نہیں ہوا۔ اوراس کا جواب گذر چکا ہے، اوراگر مقدار مبیع کو مستقلاً پوچھنا ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر مبیع جائیداد یعنی عقار ہے اور ثمن جملہ ٹھہرا ہے تو بعد میں مقدار زیادہ معلوم ہونے سے بائع کو خیار نہیں ہوتا۔

---

(١) هداية، باب البيع الفاسد، فصل: فيما يكره، أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٧ ـ

وكره تلقى الجلب المضر بأهل البلد للنهي عنه، وأما إذا لم يضر بأهل البلد بأن لم يكونوا محتاجين إليه فلا بأس به إلا إذا لبس سعر البلد على الواردين، فاشترى منهم بأرخص منه، فإنه يكره، فإذا انتفيا لم يكره. (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد بيروت ٣/ ١٠٠)

وكره أيضا تلقى الجلب بمعنى المجلوب زاد في المجمع إذا أضر ولبس عليهم؛ لأن النهى عنه الوارد في الصحيحين محمول على ذلك الخ. (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ٣/ ٤٤٧)

عن أبي هريرة ؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتلقى الجلب. (مسلم شريف، باب تحريم تلقى الجلب، النسخة الهندية ٢/ ٤، بيت الأفكار رقم: ١٥١٩)

ترمذي شريف، باب ماجاء في كراهية تلقى البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، دارالسلام، رقم: ١٢٢١۔

(٢) مشكاة المصابيح، ص: ٢٥٥، شعب الإيمان للبيهقي، بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في هـداية: ومـن اشتـرىٰ ثوبا على أنه عشرة أذرع بعشرة، أو أرضا علىٰ أنها مـائة ذراع، فـوجـدهـا أقل فالمشترى بالخيار، إن شاء أخذ ها بجملة الثمن، وإن شـاء تـرک، وإن وجـدهـا أكثـر مـن الذراع الذي سماه فهو للمشتري، ولا خيار للبائع (١) الخ. واللہ اعلم۔

یوم عرفہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۳)

---

(١) هداية، كتاب البيوع، أشرفيه ديو بند ٣/ ٢٣۔

وفي بيـع المذروع كثوب وأرض يعني لو اشترى ثوبا على أنه مائة ذراع بمائة درهم فـوجـد أقـل فخير المشتري إن شاء يأخذ الأقل بكل الثمن أو يفسخ، أي إن شاء يفسخ لعدم انـعـقـاد البيـع حـقيـقة إذ لم يوجد المبيع المعين، فيكون أخذه بكل الثمن على وجه التعاطي والـزائـد لـه أي لـلـمشتري بالثمن بلا زيادة قضاء ...... بلا خيار للبائع الخ. (مـجمع الأنهر مع الدرالمنتقى، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ١٨-١٩)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ٧/ ٦٩، كراچى ٤/ ٥٤٣-٥٤٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/باب: بیع سَلم (بدھنی)

مسلم الیہ کو بیع کے لئے وکیل بنانا اور بدھنی (۱) کے وقت مسلم فیہ کے موجود ہونے کی شرط

سوال (۱۶۸۴): قدیم ۳/۷۰- یہاں شیرہ کی تجارت کی صورت یہ ہے کہ کھنسال والوں کو قبل فصل شیرہ کے پیشگی روپیہ دیدیا جاتا ہے، اور نرخ اسی وقت قرار پاجاتا ہے کہ ہم فصل میں اس نرخ سے شیرہ زیادہ لیں گے، اور اتنا روپیہ دیتے ہیں، اس روپیہ کا اس نرخ سے زیادہ لیں گے، یہ بات قرار پاجاتی ہے، جب فصل آئی اور جو بھی نرخ ہوا مالک شیرہ خود ہی جتنا شیرہ نکلتا جاتا ہے، خود اس ہی نرخ سے فروخت کرتا رہتا ہے، اور تعداد معین فروخت ہوجانے پر حساب کردیتا ہے، مثلاً زید نے عمرو کو سو (۱۰۰) روپے دیئے اور یہ بات قرار پائی کہ چھ سیر کا شیرہ چھ سو سیر ہمارا رہا، جب فصل آئی اور شیرہ راب میں سے نکلتا گیا اور نرخ تین سیر ہوگیا تو مالک اس کو بحساب تین سیر فروخت کرتا رہا، جب چھ سو سیر نکل چکا تو اس نے حساب کردیا۔

الجواب: في الدرالمختار في السلم: شرط دوام وجوده، وفيه شرط حمله إلیٰ منزله بعد الإيفاء في المكان المشروط لم يصح لاجتماع الصفقتين الإجارة والتجارة، وفيه لا يجوز التصرف -إلیٰ قوله- ولا لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه (۲)۔

---

(۱) معاملہ عقد سلم کو بعض علاقہ میں ''بدھنی'' کہتے ہیں۔

(۲) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ۷/ ٤٦٢-٤٦٧، كراچی ٥/ ٢١٥-٢١٨۔

فاشترط لذلک دوام وجود المسلم فيه لتدوم القدرة على تسليمه ...... ولا يجوز التصرف لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٢١٦-٢١٩)

لأن القدرة على التسليم بالتحصيل فلا بد من استمرار الوجود في مدة الأجل ليتمكن من التحصيل. (هداية، باب السلم، اشرفيه ديوبند ٣/ ٩٣)

وإن شرط أن يوفيه في موضع، ثم يحمله إلى منزله لا يجوز؛ لأنه يملكه بالإيفاء ثم اشتراط الحمل يكون إجارة في بيع، فلا يجوز ...... فاشتراط النقل على البائع شرط ←

پس اولاً قبل فصل سَلَم ٹھہرانا جائز نہیں للروایۃ الاولیٰ ۔ اور اگر بعد فصل ٹھہرائیں تو جب تک شیرہ پر خود رب السّلم قبضہ نہ کرلے اس میں تصرف کرنا جیسا بیع کرنا خواہ خود خواہ بذریعہ وکیل غیر قابض جائز نہیں، اور یہاں وکیل بائع ہے، جس کا قبضہ بجائے خود رب السلم نہیں، اس لئے یہ بیع منجانب رب السّلم نہیں، للروایۃ الثالثۃ، اور اگر خود رب السّلم بھی قبضہ کرلے تب بھی یہ شرط ٹھہرانا کہ مسلم الیہ بیع کرایا کرے گا، شرط زائد ہے ، اور صفقہ توکیل کا صفقہ سلم کے ساتھ جمع کرنا ہے، اس لئے جائز نہی للروایۃ الثانیہ، البتہ اگر فصل میں مسلم فیہ موجود ہو اور توکیل مشروط نہ ہو، اور بعد تیاری شیرہ قبضہ کرکے بتوکیل جدید مسلم الیہ کو وکیل بناوے تب جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

۱۴؍شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۸)

بدھنی میں مشتری کے مرنے سے معاملہ قائم بائع کے مرنے سے باطل ہوجاتا ہے

سوال (۱۶۸۵): قدیم ۳/ ۱۷- زید نے بدھنی کی یعنی بیس روپے رہتا ہے اس وعدہ پر عمرو کو دیئے کہ پانچ سال میں فی سال دو من گیہوں کے حساب سے دس من گیہوں ادا کرے، ایک سال کے بعد دو من گیہوں کچا اناج ادا کرکے زید کا انتقال ہوگیا اب سوال یہ ہے کہ زید کے ورثہ عمرو سے آئندہ چار سال میں عقد سابق کے موافق آٹھ من گیہوں وصول کرسکتے ہیں یا نہیں، غرض احد المتعاقدین کی موت سے معاملہ ومعاہدہ سابق فسخ ہوجائے گا یا باقی رہے گا اسی طرح عمرو کے انتقال ہونے سے عمرو کے ورثہ پر زید کا تقاضا چلے گا یا نہیں یا دونوں صورتوں میں اصل روپیہ کا مطالبہ اور ادا واجب ہوگا؟

← **فاسد إذا العقد لا يقتضيه أو يكون إجارة في بيع فيكون مفسدا للنهي المعروف عن صفقة في صفقة ...... ولا يصح التصرف في رأس المال والمسلم فيه قبل القبض.** (تبيين الحقائق، باب السلم، زكريا ٤/ ٥١٤-٥١٦)

ولو شرط حمله إلى منزله بعد الإيفاء من المكان المشروط لم يصح لاجتماع الصفقتين الإجارة والتجارة ...... ولا يجوز التصرف في رأس المال للمسلم إليه أو المسلم فيه لرب السلم. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم بيروت ٣/ ١٤٤-١٤٥، النهر الفائق، باب السلم، زكريا ٣/ ٥٠٤-٥٠٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: و يبطل الأجل بموت المسلم إليه لا بموت رب السلم، فيؤخذ المسلم فيه من تركته حالاً لبطلان الأجل بموت المديون لا الدائن (١) الخ.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے مرنے سے کہ وہ رب السلم ہے عقد بحالہ رہے گا زید کے ورثہ عمرو سے موافق عقد کے وصول کریں گے، اور عمرو کے مرنے سے کہ وہ مسلم الیہ ہے میعاد باطل ہو جائے گی، بقیہ گیہوں عمرو کے ترکے سے وصول کر لئے جائیں گے۔ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٦)

روپیہ پیسہ میں بیع سَلم کا عدم جواز

سوال (١٦٨٦): قدیم ٣/ ١٧- روپیہ پیسہ میں بیع سَلم درست ہے یا نہیں یعنی ایک شخص نے کسی مدیون کو آج دس روپے دئے، ایک سال بعد پچاس روپے کے پیسے دینا ہوگا، اس طرح کی بیع سَلم درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں نزاع ہے؛ لہٰذا جواب کو مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے۔

الجواب: اگر مقصود صرف مبادلہ فلوس و روپے ہی کا ہوتا، تو بوجہ عدم مانع کے یہ بیع درست ہوتی، لیکن مقصود تو یہاں دوسرا ہے، یعنی سود ایک حیلہ سے لینا اس لئے یہ جائز نہ ہوگا، جس طرح فقہاء نے بیع عینہ

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم زكريا ٧/ ٤٦٢، كراچی ٥/ ٢١٥۔

الأجل يبطل بموت المسلم إليه ويجب أخذ المسلم فيه من تركته فاشترط لذلك دوام وجود المسلم فيه لتدوم القدرة على تسليمه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٢١٦)

ولو مات المسلم إليه قبل الأجل حل الدين ...... والأصل في هذا أن موت من عليه الدين يبطل الأجل، وموت من له الدين لا يبطل؛ لأن الأجل حق المديون لا حق صاحب الدين، فتعتبر حياته وموته في الأجل وبطلانه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، شرائط جواز السلم، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٩)

ولا يبطل الأجل بموت رب السلم، ويبطل بموت المسلم إليه حتى يؤخذ المسلم من تركته حالا. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ٦/ ٢٦٨، كوئٹه ٦/ ١٦٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کو باوجود انطباق علی قواعد الجواز کے اسی وجہ سے حرام (۱) کہا ہے (*)۔ وهذا ظاهر جداً.

۲۲ شوال ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۷)

افیون کی بیع سلم

سوال (۱۶۸۷): قدیم ۳/ ۱۷- افیون کی کھیتی کرنا اس طریقہ سے کہ اس کا خریدنے والا انگریز ہے جو اس تخم ریزی کے زمانہ میں پیشگی کچھ خرچ دیتا ہے، اور جب پھول تیار ہوتا ہے تو پھلوں کو

(*) تفصیل سوال نمبر: ۱۰۹۰ر میں دیکھیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) **والكراهة إما لأنه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة في أخذ الزيادة بالحيلة.** (عناية على فتح القدير، كتاب الصرف، زكريا ۷/ ۱۴۰، كوئٹه ۶/ ۲۷۱)

وقيل: إنهما كرهه لأنهما باشرا الحيلة لسقوط الربا كبيع العينة، فإنه مكروه لهذا. (فتح القدير، كتاب الصرف، زكريا ۷/ ۱۴۰، كوئٹه ۶/ ۲۷۱)

وإنما كره لأنه احتيال لسقوط الربا ليأخذ الزيادة بالحيلة فيكره كبيع العينة، فإنه مكروه لهذا. (كفاية، زكريا ۷/ ۳۹، كوئٹه ۶/ ۲۷۱)

بيع العينة أي بيع العين بالربح نسيئة يبيعها المستقرض بأقل ليقضي دينه اخترعه أكلة الربا، وهو مكروه مذموم شرعا. وفي الشامية: قال محمد هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا. (درمختار مع الشامي، كتاب الكفالة، مطلب بيع العينة، زكريا ۷/ ۶۱۳، كراچی ۵/ ۳۲۵-۳۲۶)

الأمر ببيع العينة مثل أن يستقرض من تاجر عشرة فيتابى عليه ويبيع منه ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشر مثلا رغبة في نيل الزيادة يبيعه المستقرض بعشرة، ويتحمل عليه خمسة سمى به لما فيه من الإعراض عن الدين إلى العين، وهو مكروه لما فيه من الإعراض عن مبرة الاقراض مطاوعة لمذموم البخل. (هداية، كتاب الكفالة، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۲۳)

مجمع الأنهر مع الدرالمنتقى، كتاب الكفالة، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه ۳/ ۱۹۳-۱۹۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

توڑ کر مٹی کے تادہ میں جو مثل تنور کے ہے گرم کر کے اس پر پھلوں کو بچھا کر کپڑوں کی گدّی سے اس کو دباتے ہیں تو بھاپ سے وہ باہم سمٹ جاتا ہے، مثل روٹی کے تو اس کو دھوپ میں سکھلاتے ہیں اور جب افیون تیار ہوتا ہے تو افیون اور روٹی دونوں اس کے طلب پر تول کے حساب سے فروخت کراتے ہیں، اور وہ اپنا دیا ہوا پیشگی لے لیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا عندا لجلیل۔

الجواب: یہ سَلم ہے، اگر سب شرائط جواز پائی جاویں تو جائز ہے(۱)۔

۱ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۰۰)

عقد سلم کی صحت کے لئے مسلم فیہ کی جنس کا موجود ہونا

سوال (۱٦۸۸): قدیم ۳/ ۷۲- دیار بنگالہ کے آدمی وہاں پر بیع سلم کرتے ہیں، ساتھ

---

(۱) **السلم بيع آجل وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال، وركنه ركن البيع …… ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره كمكيل وموزون …… وشرطه: أي شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة بيان جنس، وبيان نوع وصفته وقدره وأجل …… وبيان قدر رأس المال …… والسابع بيان مكان الإيفاء للمسلم فيه.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٤-٤٦٣، كراچی ٥/ ٢٠٩-٢١٥)

هداية، باب السلم، أشرفيه ديوبند ٣/ ٩٥۔

وأما الذي يرجع إلى المسلم فيه فأنواع أيضا، منها: أن يكون معلوم الجنس، ومنها: أن يكون معلوم النوع، ومنها: أن يكون معلوم الصفة، ومنها: أن يكون معلوم القدر …… وفي شرائط جواز السلم منها: أن يكون مؤجلا عندنا، ومنها: أن يكون مؤجلا بأجل معلوم، ومنها: بيان مكان إيفائه الخ. (بدائع الصنائع، باب السلم، زكريا ٤/ ٤٤٠-٤٤٩، كراچی ٥/ ٢٠٧)

مجمع الأنهر، باب السلم، بيروت ٣/ ١٤١-١٤٣۔

النهرالفائق، باب السلم، زكريا ديوبند ٣/ ٥٠٢-٥٠٤۔

البحرالرائق، باب السلم، زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٥، كوئٹه ٦/ ١٦٠۔

عالمگيري، باب السلم، زكريا قديم ديوبند ٣/ ١٧٩، جديد ٣/ ١٧٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدت معین مع شرائط مذکورہ شرع کے، لیکن ان ملکوں میں ایسا کوئی بازار نہیں ہے، کہ ہر روز ہر وقت میں بیع و فروخت کی جاوے، البتہ اندرون ہفتہ کے جائے واحد میں دو دن بازار قائم ہوتا ہے، اور اطراف و جوانب کے بازاروں کے حساب سے ہر روز بازار بھی پایا جاتا ہے، اور اکثر مقررہ بازاروں میں وقتِ معین پر شالی و غلّہ کثرت سے بیع و فروخت ہوتا ہے اور بعض بازاروں میں نہیں، اور کوئی بازار اور کوئی دُکان اور گودام ایسا نہیں ہے کہ جہاں ہر روز ہر وقت خرید و فروخت کی جاوے، البتہ وقتِ خاص اور معین پر موجود ہوتا ہے، ولیکن ہر محلّہ اور ہر بستی میں ہر وقت بلا قیل وقال خرید و فروخت جاری ہے، جس وقت چاہے اس وقت مل سکتا ہے، اور بہت لوگ بہ نیت تجارت کے اپنے گھروں میں خرید کر گودام معمور رکھتے ہیں، اور فروخت بھی کرتے ہیں، اور کوئی عالم علمائے سلف وخلف سے آج تک مانع و غیر مجوز نہیں ہوا، بلکہ علمائے محققین سابقین وحال کے فتویٰ وتحریرات جائز اور درستگی پر پائے جاتے ہیں، مگر اس وقت ایک شخص ان ملکوں کی بیع سَلم کو بالکل حرام و ناجائز بیان کرتا ہے اور دلیل لاتا ہے کہ بازار میں گودام ہونا شرط ہے، اور اس گودام میں ہر وقت خرید و فروخت پایا جانا ضروری ہے، اور محلوں اور گھروں کے گودام کی خرید و فروخت سے درست و جائز نہ ہوگا، اب علماء محققین کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ اس صورت مرقومۃ الصدر کے ساتھ ان ملکوں کی بیع سَلم وہاں پر درست و جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدار المختار: منقطع لا يوجد في الأسواق من وقت العقد إلى وقت الاستحقاق، ولو انقطع في إقليم دون آخر لم يجز فى المنقطع. وفي ردالمحتار: وحد الانقطاع أن لا يوجد في الأسواق وإن كان في البيوت، كذا في التبيين، شرنبلالية ومثله في الفتح والبحر والنهر، وفيه: لم يجز في المنقطع، أي المنقطع فيه؛ لأنه لايمكن احضاره إلا بمشقة عظيمة فيعجز عن التسليم (١) (بحر، ج ٤، ص ٣١٧، ٣١٨)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٨-٤٥٩، كراچی ٥/ ٢١٢۔

والمنقطع أي لا يجوز السلم في الشيء المنقطع لفوت شرطه، وهو أن يكون موجودا من حين العقد إلى حين المحل حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل أو بالعكس، أو منقطعا فيما بين ذلك لم يجز؛ لأنه غير مقدور التسليم لتوهم موت ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئول عنہا میں سلم جائز ہے، اور فی البیوت کے معنی ہیں کہ اس کا بقیمت ملنا سہل نہ ہو، اور جب وہ ہر وقت بقیمت مل سکتی ہے تو جائز ہے، بلکہ ''فی اقلیم دون آخر'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خاص اس بستی میں بھی نہ ملے مگر قرب و جوار میں مل سکے تب بھی جائز ہے۔

۳ رمحرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۹)

← **المسلم إليه فيحل الأجل وهو منقطع فيتضرر رب السلم وحد الانقطاع أن لايوجد في الأسواق التي تباع فيها وإن كان في البيوت، ولو انقطع عن أيدي الناس بعد المحل قبل أن يوفى المسلم فيه ...... ولو انقطع في إقليم دون إقليم لا يصح السلم في الإقليم الذى لا يوجد فيه؛ لأنه لا يمكن إحضاره إلا بمشقة عظيمة فيعجز عن التسليم الخ.** (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٣-٢٦٤، كوئٹه ٦/ ١٥٨)

النهرالفائق، باب السلم، زكريا ديوبند ٣/ ٥٠٠۔

فتح القدير، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٧٨-٧٩، كوئٹه ٦/ ٢١٣-٢١٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴/باب: بیع صَرف اور رائج الوقت سکّوں نوٹوں کی بیع

(سونے چاندی کی بیع)

روپیہ کا تبادلہ پیسوں سے اور کچھ پیسوں پر قبضہ

سوال (۱٦٨۹): قدیم ۳/۷۳- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مبادلۃ الروبیہ بالفلوس بایں طور کہ احدالمتعاقدین نے روپیہ بالفعل دیا، اور آخر نے روپے کے کچھ پیسے بالفعل دیئے، اور کچھ پیسے ادھار رکھے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ مسائل مصرّح ومسلّم ہیں: بیع معدوم باطل (۱) ہے بجز سلم کے۔

۲ سلم کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اقل مدّت اس میں تسلیم مسلم فیہ کے لئے ایک ماہ (۲) ہونی چاہئے، اور مسلم فیہ بالفعل نہ دیا جاوے۔

۳ قدر وجنس میں سے اگر دو چیزیں ایک وصف میں بھی متحد ہوں تو تفاضل جائز اور نسیہ حرام ہے (۳)۔

---

(۱) **أن بيع ما ليس في ملكه باطل ...... لأنه بيع المعدوم والمعدوم ليس بمال، فينبغي أن يكون بيعه باطلا الخ.** (شامي، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ۷/ ۲٤۸، کراچی ٥/ ٦۰)

كذا في البحرالرائق، زكريا ديوبند ٥/ ٤۳٥، کوئٹہ ٥/ ۲٦۰۔

(۲) **وشرطه: بيان الجنس، والنوع، والصفة، والقدر، والأجل، وأقله شهر.** (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٦/ ۲٦٥، کوئٹہ ٦/ ۱٦۰)

هداية، باب السلم، أشرفي ديوبند ۳/ ۹٥۔

مجمع الأنهر، باب السلم، بيروت ۳/ ۱٤۱۔

(۳) **وعلته: القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النسأ.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ۷/ ٤۰۳-٤۰٤، کراچی ٥/ ۱۷۲)

فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا أي ا لفضل والنسأ، وإن وجد أحدهما فقط حل التفاضل لا النسأ؛ لأن جزء العلة، وإن كان لايوجب الحكم، لكنه ←

۴۔ جو مباح ذریعہ غیر مباح کا بنے ناجائز ہے(١)۔

۵۔ قرض میں مطالبہ مثل کا استحقاق ہوتا ہے(٢)۔

اب مبادلہ مسئولہ میں کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ روپیہ قرض دیا گیا، اور یہ شرط بھی کی کہ اس کے عوض میں اتنے پیسے لیں گے یہ ناجائز ہے، خواہ پیسے کم ہو یا زیادہ حسب مسئلہ۵، دوسرے یہ کہ قرض نہیں دیا گیا، بلکہ مبادلہ مقصود ہے، اور دوسرے شخص کے پاس پیسے موجود نہیں ہیں یہ بھی ناجائز ہے خواہ پیسے کم ہوں یا زیادہ حسب مسئلہ۱، تیسرے یہ کہ پیسے موجود ہیں مگر اس وقت کسی وجہ سے آئے نہیں، پس اگر تانبے کا وزنی ہونے کا لحاظ کیا جاوے تو روپیہ اور پیسے متحد القدر نہ ہوں گے، ان میں نسیہ جائز نہیں خواہ پیسے کم ہوں یا زیادہ حسب مسئلہ۳ اور اگر اس کے وزنی ہونے کا اعتبار نہ کیا جاوے خواہ اس وجہ سے کہ اصطلاحاً یہ معدود ہے، خواہ اس وجہ سے کہ اس کے وزن کے باٹ چاندی تولنے کے باٹ سے مختلف ہیں تو یہ مبادلہ جائز ہے کما اختلف الشیخانؒ ومحمدؒ، چوتھے یہ کہ مبادلہ سلم مقصود ہے، لیکن کچھ پیسے اس وقت لے لئے یا ایک ماہ سے کم مدّت مقرر ہوئی یا کچھ مدت مقرر نہیں ہوئی تب بھی ناجائز ہے، حسب مسئلہ۲، پانچویں یہ کہ دونوں طرف مقصود علیہ موجود ہو، اور اس کے وزنی ہونے کا لحاظ نہ کیا جاوے لیکن زیادہ لینے میں فتح باب ربٰو کا اندیشہ ہو تب بھی ناجائز ہے حسب مسئلہ۴، چھٹے یہ کہ صورت سلم میں اندیشہ ربٰو کا نہ ہو تب جائز ہے لعدم الحاظر۔ واللہ اعلم

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ۲۳)

← يورث الشبهة في الربا الخ. (مجمع الأنهر، باب الربا بيروت ٣/ ١٢١)

النهر الفائق، باب الربا، زكريا ديوبند ٣/ ٤٧١ ـ

(١) **كل أمر يتذرع به إلى محظور فهو محظور**. (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٨)

وكل ما أدى إلى مالا يجوز لا يجوز. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في اللبس، زكريا ديوبند ٩/ ٥١٩، كراچی ٥/ ٣٦٠)

(٢) **القرض: هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله.** (درمختار مع الشامي، باب المرابحة، فصل: في القرض، زكريا ديوبند ٧/ ٢٨٨، كراچی ٥/ ١٦١)

أن الأقراض تقضى بأمثالها ـ (الأشباه والنظائر، كتاب المداينات، قديم ص: ١٤٣ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پیسوں کا بدلہ روپیوں سے

سوال (۱۶۹۰): قدیم ۳/۷۳- ''تعلیم الدین'' کے صفحہ۴۳ر میں ہے، اکثر رواج ہے کہ روپیہ دے کر کچھ پیسے لیتے ہیں، اور کچھ پیسے گھنٹہ بھر کے بعد لیتے ہیں، یہ معاملہ جائز نہیں ہے، انتہیٰ ۔اور بظاہر یہ مخالف درمختار اور عالمگیری کے ہے، بالتفصیل ارقام فرمایا جاوے۔

عبارت عالمگیری یہ ہے: ص۱۶۱، جلد ثالث، مطبع کشوری ''فی الفصل الثالث، فی بیع الفلوس''۔

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم يكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز، وكك لوافترقا بعد قبض الفلوس قبل قبض الدراهم كذا في المبسوط. وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ إذا اشترى فلوساً بدراهم، وليس عند هٰذا فلوس، ولا عند الآخر دراهم، ثم أن أحدهما دفع وتفرق جاز، وإن لم ينقد واحد منهما حتى تفرقا لم يجز، كذا في المحيط انتهى (۱)۔

وعبارت در مختار این ست جلد ثالث، باب الربوٰ: باع فلوساً بمثلها أو بدراهم أو بدنانير، فإن نقد أحدهما جاز. انتهیٰ (۲)۔

اور اس مقام پر شامی میں کچھ تفصیل ہے وہ بھی ذرا بسط سے ارقام فرمائیے؟

الجواب: اصل میں اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے، جس کو باعتبار عادت غالبہ کے غیر ضروری سمجھ کر مصرح نہیں لکھا، وہ تفصیل یہ ہے کہ کچھ پیسے ادھار رہ جانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس شخص کی ملک میں پیسے موجود ہیں، مگر بالفعل اس کے پاس یعنی اس کے قبضہ میں نہیں، دوسرے یہ کہ خود ملک ہی میں نہیں حکم عدم جواز کا جو میں نے لکھا ہے، وہ دوسری صورت کا ہے، کیوں کہ یہ بیع المعدوم ہے (۳) جس میں

---

(۱) هندية، كتاب الصرف، الفصل الثالث: في بيع الفلوس، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۲۲٤، جديد زكريا ۳/ ۲۰۸۔

(۲) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ٤١٤، كراچی ٥/ ۱۷۹۔

(۳) **عن حكيم بن حزام –رضي الله عنه– قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي.** (سنن الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۳، دار السلام، رقم: ۱۲۳۳) ←

صرف بیع سلم کی اجازت ہے، اور یہاں شرائط سلم متحقق نہیں، اور پہلی صورت میں چونکہ بیع المعدوم لازم نہیں آتی، لہٰذا وہ جائز ہے، یہ تفصیل ہوئی، باقی اس کی تصریح نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی عادت غالب یہی دوسری صورت ہے، اس لئے سدّ اللذرائع مطلقاً لکھ دیا ہے، باقی روایات جو نقل فرمائی گئی ہیں ان کا حاصل صرف اتنا ہے کہ تقابض شرط نہیں، سومیں بھی اس کا قائل ہوں، چنانچہ صورتِ اولیٰ کو جائز کہتا ہوں (ا)۔ اور تقابض کے عدم اشتراط سے مبیع کے مملوک للبائع ہونے کا عدم اشتراط لازم نہیں آتا اور دوسری صورت میں یہی لازم آتا ہے، پس مدار نہی کا بیع المعدوم ہے نہ کہ اشتراط تقابض۔ واللہ اعلم

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۱)

← **وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وما له خطر العدم، وفي الشامية: قوله: لبطلان بيع المعدوم إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم.** (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩)

البحرالرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٥، كوئٹه ٥/ ٢٦٠۔

بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٩، كراچی ٥/ ٤٦۔

(ا) **وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا أن حكم العقد في الثمن وجوبها، ووجودها معا، ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط في الدراهم والدنانير الخ.** (المبسوط للسرخسي، بيروت ١٤/ ٢٤)

هندية، كتاب الصرف، الفصل الثالث: في بيع الفلوس، زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٤، جديد زكريا ٣/ ٢٠٨۔

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية: لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من أحد الجانبين الخ. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٤١٤، كراچی ٥/ ١٨٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صفائی معاملات

سوال (۱۶۹۱): قدیم ۳/ ۷۴- صفائی معاملات ص: ۷۱ سطر ۸ پر تحریر ہے: اسی طرح جس جگہ چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کوسونے کے بدلے کم وزیادہ کر کے بیچتا ہومگر حیلہ جواز کے لئے کم جانب میں ایک پیسہ یا ایک پائی، مثلاً ملالیں کہ جس کی قیمت اس قدر نہ ہوجس قدر دوسری طرف زیادہ مال ہے یہ بھی مکروہ ہے کذا فی الہدایہ اور بہشتی زیور میں کسی جگہ درباب بیان سودیہ تحریر ہے کم جانب پیسہ ملالیں یا دونوں شخص ایک ایک پیسہ ترازو کے پلڑے میں رکھ دیں تو جائز ہوگا ان دونوں عبارتوں کا مطلب اور فرق کیا ہے؟

الجواب: اس میں تفصیل یہ ہے بدلین کی قیمت عرفاً اگر متقارب ہواس وقت تو یہ حیلہ جائز ہے اور اگرمتفاوت بتفاوت فاحش ہوتو ناجائز ہے، ہدایہ میں دوسری صورت ہے (۱)۔ کما یدل علیہ قولی جس قدر دوسری طرف زیادہ مال ہے اور بہشتی زیور میں پہلی صورت (۲)۔

۱۸/ رج ۱۳۴۹ھ

---

(۱) ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبا بذهب وأحدهما أقل ومع أقلهما شيء آخر يبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهية، وإن لم تبلغ فمع الكراهة، وإن لم يكن له قيمة كالتراب لا يجوز البيع. (هداية، كتاب الصرف، أشرفيه ٣/ ١٠٨)

(۲) ولو قال: أعطني نصف درهم فلوسا ونصفا إلا حبة جاز؛ لأنه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم وبنصف درهم إلا حبة فيكون نصف درهم إلا حبة بمثله، وما وراءه بازاء الفلوس. (هداية، كتاب الصرف، أشرفيه ديوبند ٣/ ١١١)

ومن أعطى صيرفيا درهما فقال: أعطني به نصف درهم فلوسا ونصفا إلا حبة صح هذا العقد؛ لأنه لما لم يتكرر لفظ نصف بل قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم، وبنصف درهم إلا حبة كان نصف درهم إلا حبة بمثله من الفضة والباقي بازاء الفلوس.

(النهرالفائق، كتاب الصرف، زكريا ٣/ ٥٤١)

مجمع الأنهر، كتاب الصرف، بيروت ٣/ ١٧١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پیسوں کا بدلہ روپے سے

سوال (۱۶۹۲): قدیم ۳/۷۵- بقال نقد روپیہ ۲/۱۔ ۱۳ لے کر پیسے گنڈے دیتے ہیں اور ادھار ہو تو ۴/۱ ۱۳ گنڈے دیا کرتے ہیں، دوانّی چوانّی نہیں دیتے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پیسے مبیع اور روپیہ ثمن قرار دینے سے یہ صورت جائز ہے(۱)۔

۱۰ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۱۴۶)

کمی زیادتی کے ساتھ نوٹ کی بیع میں ایک طرف پیسے ملا لینا کافی نہیں

سوال (۱۶۹۳): قدیم ۳/۷۵- چاندی خریدنے میں جس طرح روپیہ کے ساتھ بخیال تبدیل جنس پیسہ ملا لیا کرتے ہیں، ایسے ہی اگر نوٹ یا کوٹھی کے روپیہ جمع شدہ کی بیع میں کریں، نیز ریزگاری خریدنے میں جو صراف کے یہاں رہ جاوے، اسے پیسہ تصور کریں تو کیا قباحت ہے۔ فقط؟

الجواب: یہ حیلہ تو بیع یداً بید میں ہوسکتا ہے کہ اس میں مماثلت شرط نہیں (۲)۔ اور نوٹ اور کوٹھی

---

(۱) **لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو بالدنانير فنقد أحدهما دون الآخر جاز.** (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٦/ ٢١٩-٢٢٠، كوئٹه ٦/ ١٣٢)

باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير، فإن نقد أحدهما جاز. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٤١٤، كراچی ٥/ ١٧٩)

وإذا أعطى رجل رجلا درهما، وقال: أعطني بنصفه كذا فلسا وبنصفه درهما صغيرا، فهذا جائز. (هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني: في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث: في بيع الفلوس، قديم زكريا ٣/ ٢٢٥، زكريا جديد ٣/ ٢٠٩)

(۲) **عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد.** (مسلم شريف، باب الصرف، النسخة الهندية ٢/ ٢٥، بيت الأفكار، رقم: ١٥٨٧)

وعلته: القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن ←

کے جمع شدہ روپیہ کی بیع درحقیقت حوالہ ہے، کہ قرض میں داخل ہے جس کا حکم مماثلت ہے اور اس حیلہ میں وہ فائت ہے، لہٰذا درست نہیں (١) یہ جب ہے کہ کمی بیشی پر معاملہ کیا جاوے ورنہ علی السواء مضائقہ نہیں کہ عدم مماثلت عقد میں شرط نہیں ٹھہرائی اور ادا کے وقت استبدال جائز ہی ہے، اور ریز گاری کے معاملہ اگر بقیہ کو پیسہ تصور کیا جاوے تاہم معدوم ہے لہٰذا قیاس مع الفارق ہے۔ (تتمہ اولیٰ ١٥٥)

مبادلہ روپیہ بریز گاری وقت تفاوتِ وزن

سوال (١٦٩٤): قدیم ٣/٧٥- روپے کی ریز گاری مثلاً ایک اٹھنی اور ایک چونی اور ایک دوئی لینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ روپے کے مقابلہ میں ان سب ریز گاری کا وزن برابر نہ ہو؟

الجواب: چونکہ اصل وضع میں ریز گاری اسی انداز سے بنائی جاتی ہے کہ ایک روپے کے برابر ہو اور تفاوت کسی عارض فرسودگی وغیرہ سے بہت شاذ و نادر ہوتا ہے جو یقینی نہیں پھر وہ بھی اس قدر قلیل کہ اس کی کوئی متعد بہ قیمت نہیں؛ اس لئے بقاعدہ:

الیقین لا یزول بالشک (٢) والنادر کالمعدوم. وجزئیة درمختار: وذرة من الذهب وفضة مما لا یدخل تحت الوزن بمثلیها، فجاز الفضل لفقد القدر. (٣) ١٢۔

(مصریة ج ٢ ص ٢٨٠)

← **وجد أحدهما حل الفضل وحرم النسأ.** (درمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب الربا، زکریا دیوبند ٧/ ٤٠٣، کراچی ٥/ ١٧١)

وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة، وإذا وجد أحدهما حل التفاضل وحرم النساء. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٩)

(١) **ولا يجوز بيع الجيد بالردي مما فيه الربوا إلا مثلا بمثل لاهدار التفاوت في الوصف.** (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٩)

ولا يجوز بيع الجيد بالردي إلا متساويا لقوله عليه السلام: جيدها ورديها سواء. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا بيروت ٣/ ١٢٦)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤١٢، كراچی ٥/ ١٧٩۔

(٢) الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قديم ص: ١٠٠۔

(٣) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٠٨، كراچی ٥/ ١٧٥۔ ←

اس تفاوت کا اعتبار نہیں اور اگر کسی مقام پر زیادت یقینی ہو تو زیادہ کو زبان سے معاف کرالے۔

في الدرالمختار عن الخلاصة: لو باع درهما بدرهم وأحدهما أكثر وزنا فحلله زيادته جاز (۱) الخ. (ج:۴ ص ۲۷۵)

۱۹ر محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ۲ص ۱۲۷)

ہزار روپیہ نقد دے کر اس کے بدلہ گیارہ سو روپیہ بعد میں لینا

سوال (۱۶۹۵): قدیم ۳/ ۶ ۷- کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین وحامیان شرع متین اس باب میں: کہ زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ گیارہ سو روپے کے بدلے فروخت کئے، اور عمرو مشتری نے زید بائع سے کہہ دیا کہ ان نوٹوں کا زر ثمن یعنی گیارہ سو روپے چھ ماہ کے بعد ادا کروں گا تو ارشاد فرمائیے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے لئے سو روپے زائد سود ہوں گے یا نہیں؟ اور یہ بیع باطل ہے یا فاسد، یا جائز؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ جنس بدل گئی اس لئے یہ معاملہ جائز ہے، اور زید کو عمرو سے گیارہ سو روپے چھ ماہ کے بعد لینا جائز ہے؟ عنایت فرما کر مفصل بحوالہ کتب جواب باصواب تحریر فرمائیے۔ فقط بینوا، توجروا۔

(**۲**) اگر سو روپے کے کوئی شخص نوٹ یداً بیدٍ کسی کے ہاتھ سو سے کم یا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

← **لو باع ما لايدخل تحت الوزن كالذرة من ذهب وفضة بما لايدخل تحته جائز؛ لعدم التقدير شرعا إذ لا يدخل تحت الوزن الخ.** (البحرالرائق، كتاب البيع، باب الربا، زكريا ديوبند ٦/ ٢١٨، كوئٹه ٦/ ١٣١)

زيلعي، باب الربا، زكريا ديوبند ٤ / ٤٥٧۔

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٠٢، كراچی ٥/ ١٧١۔

حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب الربا، كوئٹه ٣ / ١٠٩۔

ولو أرجح في الوزن إن كان كثيرا لم يجز، وإن أقل ودخل تفاوت الموازين لم يحرم الخ. (خلاصة الفتاوى، كتاب البيوع، الصرف جنس آخر في علة الربوا، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٠٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: معاملہ نوٹ حوالہ ہے بیع نہیں، اس لئے یہ دونوں صورتیں حرام اور سُود ہیں، کمی بیشی جائز نہیں(۱) اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔ (حوادث اول ص ۸)

گراں قیمت میں سستا سامان فروخت کرنا قرض دینے کے ساتھ

سوال (۱۶۹۶): قدیم ۳/ ۶۷- ایک شخص مسلمان مالدار ہے، جب کوئی شخص اس سے مثلاً نقدی قرض ایک سوساٹھ (۱۶۰) روپیہ لینے کے واسطے آتا ہے تو وہ اس طریق سے قرض دیتا ہے کہ ایک کپڑا جس کی قیمت دس روپے ہے۔ پچاس روپے اور بڑھا کر گویا ساٹھ (۶۰) روپے میں خریدار کو دیتا ہے، حالانکہ مشتری بھی اس بات کو جانتا ہے کہ یہ چیز دس روپے کی ہے، اس کے ساتھ میں ایک سو روپیہ اور دیتا ہے۔ پھر بوعدہ مقررہ یہ جملہ ایک سوساٹھ روپے لیا جاتا ہے، شخص مذکور کو کپڑے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر وہ مجبوراً طریقہ مذکورہ بالا کو اپنی حاجت روائی کے لئے منظور وقبول کر لیتا ہے۔ اور دوسری صورت قرض مسطورہ شرح صدر یہ ہے کہ ایک سو روپے کا نوٹ ایک سوساٹھ (۱۶۰) روپے میں دیا جاتا ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ مزید روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: قصد ونیت تو بالکل سود لینے کی ہے، اس لئے باطناً بھی حرام ہے اور مشروط بقبول (۲) المبیع

---

(۱) **فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس فيجوز أن يباع ورق نقدى قيمته عشر روبيات بعشرة أوراق قيمة كل واحد منهما ربية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية.** (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، أشرفيه ديوبند ۱/ ۵۹۰)

النقود الورقية لا يجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا. (فقه البيوع، مكتبه نعيميه ديوبند ۲/ ۱۱۷۵)

(۲) **لو أقرض الرجل رجلا دراهم أو دنانير يشتري المستقرض من المقرض متاعا بثمن غال فهو مكروه.** (فتاوى تاتارخانية، كتاب البيوع، فصل: القروض ما يجوز استقراضه، زكريا ۹/ ۳۸۸، رقم: ۱۳۶۸۳) ←

بھی اس لئے ظاہراً بھی حرام ہے، غرض کسی طرح یہ معاملہ حلال نہیں اور نوٹ کا مذکورہ فی السوال کا حرام ہونا تو اس سے زیادہ صریح ہے (۱)۔ فقط

۲/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۸)

مدیون کا مال قرض کے طور پر رعایت سے خریدنا

سوال (۱۶۹۷): قدیم ۳/ ۷۶- زید کا روپیہ اصل عمرو کے ذمّہ باقی ہے اور مدت مہلت گذر چکی، زید نے کہا کہ اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے تو مال تمہارے پاس بہت موجود ہے، ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تم قرض اپنا مال ہم کو دیدو مگر مال ہم خود دیکھ کر لیں گے اور جو ہم نے دیا تھا وہ مال نہ لیں گے، اس وقت جو مال تمہارے پاس موجود ہے اس میں سے چھانٹ لیں گے، اور نہ تمہاری خرید پر لیں گے بلکہ جیسا جچے گا وہ لیں گے، عمرو نے کہا اچھا لے لو زید نے عمرو سے مال خریدا اور کہا کہ قرض ہمارے ذمّہ ہے، ہم دو چار روز میں اس مال کا روپیہ دے دیں گے، عمرو نے کہا کہ اچھا پھر زید نے کہا کہ اب ہمارے اس مال کو اگر تم منافع سے خریدتے ہو تو خریدلو، عمرو نے کہا کہ میں صہ کے منافع سے خریدتا ہوں مگر روپیہ ایک ماہ میں دوں گا، زید نے کہا اچھا لے لو، زید نے اپنے قبضہ سے عمرو کے قبضہ میں دے دیا شمار کرا دیا؟

← **قال شيخ الإسلام خواهرزاده: ما نقل عن السلف محمول على ما إذا كانت المنفعة وهي شراء المتاع بثمن غال مشروطة في الاستقراض، وذلک مكروه بلا خلاف ...... إذا استقرض إنسانا منه شيئا كان يبيعه أولا سلعة بثمن غال ثم يقرضه بعض الدنانير إلى تمام حاجته، وكثير من المشايخ كانوا يكرهون ذلک، وكانوا يقولون هذا قرض جر نفعا الخ.** (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر: في القرض والاستقراض، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣، جديد زكريا ٣/ ١٩١)

(۱) **النقود الورقية لا يجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا.** (فقه البيوع، الصرف، مكتبه نعيميه ديوبند ٢/ ١١٧٥-١١٧٦)

ولا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة الخ. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٥٩٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ حرام ہے (١) ادھار کی یہ رعایت (جیسے کہ زید کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے، اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے تو مال تمہارے پاس بہت موجود ہے ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تم قرض اپنا مال ہم کو دے دو) بوجہ عمرو کے مدیون ہونے کے ہے البتہ یہ جائز ہے کہ زید کا جتنا روپیہ عمرو کے ذمہ رہ گیا ہے اس کے عوض میں مال اس طرح خرید کرے کہ وہ روپیہ مجرا ہو جاوے (٢) پھر عمرو کو اختیار ہے خواہ اس مال کو خریدے یا نہ خریدے۔

٢٠ رمحرم ١٣٣٠ھ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٣)

نوٹ کی بیع کی صورتیں

سوال (١٦٩٨): قدیم ٣/ ٧٧- نوٹ کی بیع تین طرح سے کی جاتی ہے، پہلا طریقہ دس کا نوٹ دس کو، دوسرا طریقہ دس کا نوٹ سوا نو کو، نو (٩) روپے تین چونیاں، تیسرا طریقہ دس کا نوٹ پونے دس کو، نو (٩) روپے بارہ آنے کے پیسے اس میں کون سی صورت جائز ہے؟

---

(١) **لو أقرض مؤجلا أو شرط التأجيل بعد القرض، فالأجل باطل والمال حال ...... قال محمد في كتاب الصرف: أن أبا حنيفة كان يكره كل قرض جر منفعة، وكذلک إذا أقرض رجلا دراهم أو دنانير يشتري المستقرض من المقرض متاعا بثمن غال فهو مكروه الخ.** (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر: في القرض والاستقراض، قديم زكريا ٣/ ٢٠٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٩١)

ونص الحنفية على حرمة الشروط في القرض، قال ابن عابدين وفي الخلاصة: القرض بالشرط حرام. (الموسوعة الفقهية الكويتية، قرض ٣٣/ ١٣٣)

(٢) **ليس لذي الحق أن يأخذ غير جنس حقه، قال ابن عابدين: إن عدم الجواز كان في زمانهم أما اليوم فالفتوى على الجواز.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٦، كراچی ٦/ ٤٢٢)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ غیر جنس سے اپنا قرض وصول کرنا جائز ہے اور یہی قول راجح اور اسی پر فتوی ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اول جائز (١) ثانی اور ثالث ناجائز (٢)۔ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٩)

نوٹ کا سکہ اور ثمن عرفی کا حکم

سوال (١٦٩٩): قدیم ٣/ ٧٧- نوٹ کاغذی سکّہ (٣) ہے، مثل اور سِکّوں کے ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ ١١/ رجب المرجب ١٣٢٧ھ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٩)

---

(١) **ویشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا، وإن اختلفا جودة و صياغة.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٢١-٥٢٢، كراچی ٥/ ٢٥٧)

(٢) **النقود الورقية لا يجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا.** (فقه البيوع، مكتبه نعيميه ديوبند ٢/ ١١٧٥)

فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس فيجوز أن يباع ورق نقدى قيمته عشر روبيات بعشرة أوراق قيمة كل واحد منهما روبية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، أشرفيه ديوبند ١/ ٥٩٠)

(٣) کاغذی نوٹ کو ایک زمانہ تک ثمن تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی ثمن عرفی تسلیم کیا جاتا تھا، بس صرف سونا چاندی ہی کو ثمن تسلیم کیا جاتا تھا؛ لیکن آج بین الاقوامی سطح پر کاغذی نوٹ کو ہر ملک میں ثمن ہی سمجھا جاتا ہے، اس کا عرف عام ہو چکا ہے؛ اس لئے ہر ملک کی کرنسی یعنی کاغذی نوٹ اس ملک کے لئے ثمن عرفی ہے اور ثمن عرفی کا حکم بہت سے امور میں ثمن خلقی کے حکم میں ہو جاتا ہے اور بہت سے امور میں الگ بھی ہو جاتا ہے، مثلاً ثمن خلقی وزنی ہوتا ہے؛ اس لئے اس میں قدر و جنس کا اعتبار ہو کر تفاضل اور نسیئہ دونوں جائز ہوتے؛ بلکہ برابری اور ہاتھ در ہاتھ ہونا لازم اور شرط ہے اور ثمن عرفی نہ وزنی ہے اور نہ ہی کیلی اور زرعی ہے۔ اور جب دو ملکوں کی الگ الگ کرنسی ہوں تو مختلف الجنس اور مختلف القدر کے دائرہ میں داخل ہو کر تفاضل اور نسیئہ یعنی ادھار دونوں جائز ہو جائیں گے؛ البتہ کسی ایک طرف سے قبضہ کرنا لازم ہوگا، تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آجائے، مثلاً ہندی کرنسی کے عوض امریکن ڈالر یا سعودی ریال کا تبادلہ کیا جائے یا اس کے برعکس کیا جائے تو ایک جانب سے قبضہ ←

حکم کمی بیشی درنوٹ وہنڈی یا درمبادلہ اشرفی

سوال (۱۷۰۰): قدیم ۳/ ۹۳ - وعلیٰ ہذا ان دونوں کو دے کر ان کی قیمت دو چار روز کے بعد لینا؟

← شرط ہے اور دوسری جانب سے ادھار ہوسکتا ہے؛ لیکن اگر ایک ہی ملک کی کرنسی کا تبادلہ ہے تو متحد الجنس ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز نہیں ہوگا؛ البتہ ادھار جائز ہوگا۔

اس مسئلہ کو ''التبیان'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

أن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفى القدر والجنس أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة، وأما القدر لإنها ليست من جنس ولا ثمان الخلقية بل عرفية فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي الخ. (التبيان في زكوة الأثمان بحواله مجله فقه اكيڈمی ٤ / ٥٩)

اور ''تکملہ فتح الملہم'' کی عبارت بھی اس کی مؤید ہے، ملاحظہ فرمائیے:

بالجملة صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود، ويطلق عليها اسم النقد والعملة في العربية والإنكليزية والأردوية في حين ان هذه الأسماء لا تطلق على الشيكات المصرفية مع شيوع التعامل بها أيضا -إلى قوله- بل لأن معظم الممالك اليوم تصدرها كالأثمان العرفية -إلى قوله- فالذي روى أن القول بثمنيتها أصح قويا منذ إن جعلتها الحكومات أثمانا قانونيا وجبرت الناس بقبولها الخ. (تكمله فتح الملهم ١/ ٥٢٠)

اور ''بیع الکالی بالکالی'' کی ممانعت حدیث میں وارد ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالي بالكالي. الحديث (دارقطني ٢/ ٦٠، رقم: ٣٠٤١)

السنن الكبرى للبيهقي/ ١٤١، رقم: ١٠٩٦٧٦، مستدرك حاكم/ ٨٨٢، رقم: ٢٣٤٢۔

دوسری حدیث ''عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر'' ہے، ملاحظہ ہو:

عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن بيع الكالي بالكالي، قال اللغويون هو النسيئة بالنسيئة. الحديث (دارقطني ٢/ ٦٠، رقم: ٣٠٤٢)

مستدرك، مكتبه مصطفى باز مكه مكرمه ٣/ ٨٨٢، رقم: ٢٣٤٣۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: یہ درست ہے(١)۔ (تتمہ اولیٰ ص ١٦٩)

سوال (١٧٠١): قدیم ٣/ ٧٧- والد صاحب قبلہ نے ایک عرصہ سے منی آرڈر بھیجنا چھوڑ دیا ہے بجائے اس کے نوٹ بھیجتے ہیں، نوٹ جہاں جاتے ہیں وہ اس کو فی سیکڑا کچھ آنوں کی کمی سے لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نوٹ کمی سے لینا دینا دونوں ناجائز ہیں (٢) مگر میرے نزدیک اس کمی سے بدل میں حرمت وخباثت پیدا نہیں ہوتی، اس کی وجہ محتاج تطویل ہے ورنہ لکھ دیتا۔ (امداد ثالث ص ٣١)

---

(١) **لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو بالدنانير فنقد أحدهما دون الآخر جاز.** (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٦/ ٢١٩، كوئٹه ٦/ ١٣٢)

باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير، فإن نقد أحدهما جاز. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٤١١، كراچی ٥/ ١٧٩)

(٢) **النقود الورقية لا يجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا.** (فقه البيوع، الصرف، مكتبه نعيميه ديوبند ٢/ ١١٧٥-١١٧٦)

ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا، وإن اختلفا جودة وصياغة. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٢١-٥٢٢، كراچی ٥/ ٢٥٧)

فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس فيجوز أن يباع ورق نقدى قيمته عشر روبيات بعشرة أوراق قيمة كل واحد منهما ربية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، أشرفيه ديوبند ١/ ٥٩٠)

ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه ينفتح باب الربوا، وفي هامش الهداية: أي بجواز التفاضل في هذه الأموال لم يفتوا؛ لأنه لو جاز حل الربوا في أعز الأموال لقاسوا عليه جواز الربوا في الذهب والفضة بالتدريج. (هداية، كتاب الصرف، أشرفيه ديوبند ٣/ ١٠٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کاغذی نوٹ کی ادائیگی میں کمی بیشی اور اعانت گئو سالہ

سوال (۱۷۰۲): قدیم ۳/ ۷۸- بندہ کے یہاں نمک کی تجارت ہوتی ہے، اور تین جگہ کارخانہ ہے، ایک آڑتی بہت معتبر مل گیا ہے، اس نے روپے بھیجنے کی سبیل یہ رکھی ہے کہ جب مال فروخت ہوجاوے تو نوٹ بھیج دیتا ہے، ایک بار میرے ذمہ اس کے روپے چاہئے تھے بوجہ دیر میں پہنچنے روپے کے اس نے سود لگایا تو بندہ نے اس کو سود نہیں دیا اور یہ لکھا کہ ہمارے مذہب میں سود لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں اس لئے ہم معاملہ سود کا ہرگز نہیں کرسکتے، اس نے لکھا کہ ہم سود نہیں لیں گے، اور یہ بھی معاملہ طے ہوگیا کہ سود کا لین دین کبھی نہ ہوگا، البتہ جب نوٹ بھیجتا ہے تو کمی کے ساتھ بھیجتا ہے، مثلاً فی سیکڑہ دو آنے یا تین آنہ کاٹتا ہے، ان کے یہاں کٹ کی شرح مختلف اوقات میں مختلف طور سے معیّن ہوتی ہے، اور کچھ حصہ ہمارے روپے سے گئو سالہ کے نام کا بھی کاٹتا ہے، اور ہماری ہی تخصیص نہیں، بلکہ ان کے یہاں کا قاعدہ ہر ایک سے یہی ہے، سو بندہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ امر دونوں جائز نہیں معلوم ہوتے، اس کے بارہ میں کیا کیا جاوے۔۔۔۔۔۔۔اگر اس سے یہ کہا جاوے کہ یہ معاملہ ہم نہیں کریں گے تو وہ ہرگز نہ مانے گا، کیونکہ نوٹ میں کمی ان کے یہاں سود میں شمار نہیں، اور گئو سالہ کی نسبت بھی نہیں مان سکتا کیونکہ صرف ہمارے لئے قانون جدید نہیں معین کرے گا، تو اب کیا حیلہ کیا جاوے جس سے معاملہ شریعت کے موافق رہے، اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ اگر وہ یہ معاملہ رکھے تو مجھ پر مواخذہ اخروی رہے گا یا نہیں اور نوٹ میں کمی زیادتی صرف مسلمانوں کے درمیان ناجائز ہے، یا جب ایک جانب مسلم ہو اور دوسری جانب کافر تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ جملہ امور کو مفصلاً تحریر فرما دیجئے؟

الجواب: نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو ربوا ہے (۱)

---

(۱) قال ابن عبدالبر: وكل زيادة في سلف أو منفعة ينتفع بها المسلف فهي ربا ولو كانت قبضة من علف، وذلك حرام إن كان بشرط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/ ۱۳۰)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورا متعارفا في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدرا معينا، ويكون رأس المال باقيا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانو في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازي تحت تفسير ←

البتہ اگر بلا شرط وعرف ہوتو بعض صورتوں میں تاویل صلح کی ہوسکتی ہے، مگراب ممکن نہیں، میری سمجھ میں تو اس کی تدبیر بجز اس کے کہ نقد روپیہ اس سے لیا جاوے اور کچھ نہیں آتی، یا اس پر یہ بات ثابت کردی جاوے کہ ہمارے مذہب میں یہ سود ہے یا اس کی کچھ آڑھت بڑھا کر حق ٹھہرادیا جاوے اور یہ کہہ دیا جاوے کہ نوٹ برابر سرابر لیا جاوے گا، اور تمہاری کمی اس اضافہ سے پوری کردی جاویگی، اور یہ تدبیر غالباً سہل ہے، رہا گؤ سالہ کا قصہ سواگر وہ آڑھتی آپ کا مشتری ہوتا اور آپ اس کے بائع ہوتے تب تو بتاویل حطِ ثمن کے یہ جائز ہوسکتا تھا گویا اپنا روپیہ وہاں دیتا ہے، اور آپ کو ثمن کم دیتا ہے، لیکن آڑھتی وکیل ہوتا ہے وہاں یہ تاویل ممکن نہیں، اس لئے میرے نزدیک اسے یوں سمجھا دیا جاوے کہ حق آڑھت اور حصہ گؤ سالہ یہ اب مجموعہ حق آڑھت میں شمار کرنا چاہئے، پھر خواہ وہ بہی میں کسی طرح لکھے کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم

(امداد ثالث ص ۳۱)

کمی وزیادتی کے ساتھ نوٹ کی خرید وفروخت کی حرمت

سوال (۱۷۰۳): قدیم ۳/ ۷۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ پر مسجد کا روپیہ جمع ہے، انجمن کا خیال ہے کہ کوئی حیلہ ایسا قائم ہو جس سے اس روپے کی ترقی ہو، اور انجمن کو نفع ہو، لیکن سود تو اس روپے کا لے نہیں سکتے وہ تو بالکل حرام ہے، لیکن عمرو کہتا ہے کہ صورت مستفسرہ میں نوٹ کا لین دین بحیثیت بیع وشراء ہے تو چونکہ نوٹ اور روپیہ دونوں ایک جنس سے نہیں، اس لئے اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو (۱۱۰۰) روپے یا کم وبیش نقد میں یا ہزار روپیہ نقد گیارہ سو یا کم وبیش کے نوٹ میں ایک مدّت معین کے وعدہ پر ادھار خریدا یا بیچا جاوے تو اس کا خریدنا جائز اور اس کا نفع حلال ہے فتح القدیر میں ہے: ”ولو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ“ اھ۔ زید کہتا ہے اوپر کے مسئلہ کی صورت بیاج کی ہے، اس لئے حرام ہے، اس مسئلہ کی سخت ضرورت ہے، بہت جلد جواب دیں، مع ثبوت حدیث وفقہ کے مولانا۔۔۔۔۔۔۔صاحب ومولانا۔۔۔۔۔۔۔صاحب جائز کہتے ہیں، قاضی صاحب مفتی بھوپال حرام کہتے ہیں، اس لئے حضور سے دریافت کی ضرورت ہوئی۔

← رقم الآیۃ: ۲۷۵ من سورۃ البقرۃ بیروت ۷/ ۹۱، روح البیان ۲/ ۹۳)
غرائب القرآن للنیسابوری ۲/ ۶۰، فقہ السنۃ للسید سابق ۳/ ۱۳۵-۱۳۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: مفتی صاحب بھوپال کا قول حق (۱) ہے اور ''فتح القدیر'' کی عبارت سے استدلال باطل ہے وہاں کاغذ مبیع ہے، اور نوٹ مبیع نہیں ہے، سند حوالہ ہے۔

۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ ۵۷۷)

ساورن کرنسی اور نوٹ کی خریداری کا حکم

سوال (۱۷۰۴): قدیم ۳/ ۷۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ معروضہ تحت میں وہو ہذا، زید کو ضرورت نوٹ اور ساورن (*) سکّہ رائجہ کی ہے، نوٹ سو روپے کا ننانوے روپے بارہ آنے کو اور ساورن پندرہ روپے کی سولہ روپے چار آنہ کو ملتی ہیں، نوٹ کی خرید سے فیصدی چار آنے کا نفع اور ساورن کی خرید پر فی ساورن ایک روپیہ چار آنہ نقصان ہے۔ یہ بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(*) ''ساورن'' گنی، پونڈ انگریزی لفظ ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) **وعلته: القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النسأ.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ۷/ ۴۰۳-۴۰۴، كراچی ۵/ ۱۷۱-۱۷۲)

مجمع الأنهر، باب الربا، بيروت ۳/ ۱۱۹-۱۲۰۔

بيع بعض الأثمان ببعض فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض، وإن اختلفا جودة وصياغة وإلا شرط التقابض. (النهر الفائق، كتاب الصرف، زكريا ۳/ ۵۲۹-۵۳۰)

بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا، وإن اختلفا جودة وصياغة وإلا بأن لم يتجانسا شرط التقابض الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ۷/ ۵۲۱-۵۲۲، كراچی ۵/ ۲۵۷-۲۵۸)

عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد. (مسلم شريف، باب الصرف، النسخة الهندية ۲/ ۲۵، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۸۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: نوٹ یہ معاملہ ناجائز ہے اور ساورن کا جائز ہے، بشرط یہ کہ قیمت ساورن کی دست بدست فوراً مل جاوے(۱)۔ (تتمہ خامسہ ۵۷)

تدبیر جائز بودن خریداری گوٹہ از نوٹ

سوال (۱۷۰۵): قدیم ۳/ ۷۹- عرض یہ ہے کہ آج کل نقد روپیہ نہیں ملتا ہے، ہر جگہ نوٹ کا چلن ہو گیا ہے ہم لوگوں کو اکثر گوٹہ کناری خریدنا ہوتا ہے، جس کے عوض بجز نوٹ کے اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی ہے نہ اس شخص کے پاس روپیہ ہوتا ہے کہ اس سے لیکر خرید کرلیں۔ اور یہ روپے کی عوض میں اس کو نوٹ دے دیں جیسا کہ آپ نے کسی کتاب میں لکھا ہے۔ اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کے سوا اور کیا صورت کی جاوے، جس سے یہ معاملہ عندالشرع صحیح ہو جاوے؟

الجواب: یا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی اور سے نقد روپیہ لے لیا جاوے، اور یا اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی ایسی چیز کے عوض میں دست بدست گوٹہ کناری خریدا جاوے جس کی قیمت اتنے روپیوں کی ہو مثلاً کسی کپڑے کے عوض میں، پھر اس کپڑے کو بعوض نوٹ کے خرید لیا جاوے (۲) اگر دوسرے عاقد کو پہلے سے سمجھا دیا جاوے تو وہ اس طرح کرنے پر راضی ہو جاوے گا۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۴)

---

(۱) **عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد.** (مسلم شريف، باب الصرف، النسخة الهندية ۲/ ۲۵، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۸۷)

بيع بعض الأثمان ببعض فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض، وإن اختلفا جودة وصياغة وإلا شرط التقابض. (كنز الدقائق على النهر الفائق، كتاب الصرف، زكريا ۳/ ۵۲۹-۵۳۰)

بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا، وإن اختلفا جودة وصياغة وإلا بأن لم يتجانسا شرط التقابض الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ۷/ ۵۲۱-۵۲۲، كراچی ۵/ ۲۵۷-۲۵۸)

(۲) **والأصل أنه متى بيع نقد مع غيره كمفضض ومزركش بنقد من جنسه** ←

حقیقت مبادلہ نوٹ بروپیہ

سوال (۱۷۰۶): قدیم ۳/۸۰- امر دریافت طلب یہ ہے کہ ’’الامداد‘‘، بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نوٹ نہ حقیقتاً نقد ہے نہ حکماً بلکہ سند نقد ہے، اگر ایسا ہے تو شبہ ہوتا ہے کہ نوٹ کی بیع بالعوض روپے کے جائز نہ ہو، اس لئے کہ بیع صرف میں لین دین دست بدست شرط ہے، اور یہاں ایک جانب سے حوالہ ہے، جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب: مبادلہ مقصود نہیں، جس میں یداً بید شرط ہے، بلکہ ایک شخص سے قرض لیتا ہے اور اس کو خزانہ پر حوالہ کر کے نوٹ دیتا ہے، قرض میں یداً بید شرط ہے نہیں (۱)۔

۲۵/رجب ۱۳۳۹ھ (حوادث تتمہ خامسہ ۳۸)

← **شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل لو بغير جنسه شرط التقابض فقط.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچی ٥/ ٢٦٢)

لو اشترى سيفا محلي بالفضة أو لجاما مفضضا بفضة خالصة وزنها أكثر من الحلية جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدري لايجوز. (هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثاني: في بيع السيوف المحلاة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٢١، جديد زكريا ٣/ ٢٠٦)

وكذا إذا باع سيفا محلي بالفضة مفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجا أو سكينا مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة المفردة أكثر حتى جاز البيع بحصة الفضة صرفا. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب بيع السيف المحلي بالفضة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٥)

(۱) **وإن استقرض الفلوس من رجل ودفع إليه قبل الافتراق أو بعده فهو جائز إذا كان قبض الدراهم في المجلس، وكذا لو افترقا بعد قبض الفلوس قبل قبض الدراهم.** (هندية، كتاب الصرف، الفصل الثالث: في بيع الفلوس، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٩، قديم زكريا ٣/ ٢٢٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بٹہ پرنوٹ

سوال (۱۷۰۷): قدیم ۳/ ۸۰- نوٹ خواہ ہنڈوی کا لینا درست ہے یا نہیں؟ یعنی نوٹ کبھی کچھ زیادہ کو بکتا ہے اور کبھی کچھ کم کو جیسے سو روپیہ کا نوٹ ہے تو کبھی ننانوے روپے آٹھ آنے کو بکتا ہے اور کبھی سو روپے چار آنہ کو علیٰ ہذا القیاس اس ہنڈوی میں بھی کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے، پس آیا یہ زیادتی و کمی داخلِ ربوا ہے یا نہیں؟ اور نوٹ و روپیہ کو ایک جنس سے سمجھا جاوے گا یا دو جنس سے علیٰ ہذا ہنڈوی؟

الجواب: نوٹ کے ہم جنس یا غیر جنس ہونے کی تحقیق اس وقت مفید ہے جب وہ خود مبیع ہو نوٹ کا لین دین بیع نہیں بلکہ حوالہ ہے اور ظاہر ہے محتال بہ میں کمی بیشی ربوا ہے لہٰذا یہ شبہ حرام ہے (۱)۔

۹ر شوال ۱۳۳۲ھ

نوٹ کے عوض میں چاندی خریدنا

سوال (۱۷۰۸): قدیم ۳/ ۸۰- اگر پانچ روپیہ کی چاندی مجھ کو خریدنا منظور ہے، اور میں نے بجائے پانچ روپے کے پانچ روپے کا نوٹ دے دیا، اور یوں کہا کہ اس نوٹ کی جو پانچ روپے کا ہے مجھ کو چاندی دے دو اور اس نے نوٹ لے کر وزن میں ساڑھے سات روپے بھر چاندی مجھ کو دی، یہ سود نہ ہوگا؟

---

(۱) **عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد.** (مسلم شريف، باب الصرف، النسخة الهندية ٢/ ٢٥، بيت الأفكار، رقم: ١٥٨٧)

وافتى المصنف ببطلان بيع الجامكية، وفي الشامية: تحته وعبارة المصنف في فتاواه: سئل عن بيع الجامكية وهو أن يكون لرجل جامكية في بيت المال ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية فيقول له رجل: بعتني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا أنقص من حقه في الجامكية فيقول له: بعتك فهل البيع المذكور صحيح أم لا؛ لكونه بيع الدين بنقد؟ أجاب إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع مطلب: في بيع الجامكية، زكريا ديوبند ٧/ ٣٣، كراچی ٤/ ٥١٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: نوٹ سے چاندی خریدنا درست نہیں، اول اس نوٹ کو کسی سے بھنالے، پھر روپے سے چاندی خریدے اور ربوا سے بچنے کی وہی مشہور تدبیر کرے کہ کم چاندی کی طرف پیسے ملائے(۱)۔

۱۹/ محرم ۱۳۲۲ھ (حوادث ۱، ۲، ص ۱۲۶)

---

(۱) **ولو قال: أعطني نصف درهم فلوسا ونصفا إلا حبة جاز؛ لأنه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم، وبنصف درهم إلا حبة فيكون نصف درهم إلا حبة بمثله وما وراءه بازاء الفلوس.** (هداية، كتاب الصرف، أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۱۱)

ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبا بذهب وأحدهما أقل ومع أقلهما شيء آخر يبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهية، وإن لم تبلغ فمع الكراهة، وإن لم يكن له قيمة كالتراب لا يجوز البيع. (هداية، كتاب الصرف، أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۰۸)

ولو قال: أعطني به، أي بالدرهم نصف درهم فلوس، ونصفا إلا حبة صح في الكل والنصف الاحبة بمثله والفلوس بالباقي؛ لأنه ذكر المثمن ولم يقسمه على أجزاء الثمن فيكون النصف إلاحبة في مقابلة مثله وما بقي من نصف وحبة في مقابلة الفلوس. (مجمع الأنهر، كتاب الصرف، بيروت ۳/ ۱۷۱)

النهرالفائق، كتاب الصرف، زكريا ديوبند ۳/ ۵٤۱۔

ضروری گزارش

یہ سب جزئیات حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب کی تائید کے لئے درج ہیں۔ اور یہ حکم حضرتؒ کے زمانہ کے اعتبار سے تھا، اب حکم دوسرا ہے۔ اب حکم یہی ہے کہ کاغذی نوٹ کے عوض میں سونا اور چاندی کا خریدنا بلا شبہ جائز ہے، نیز چیک کے ذریعہ سے بھی خریدنا اور فروخت کرنا دونوں جائز ہے، اس میں کم وزیادہ ہر طرح سے خریدنا جائز ہے، ہاں البتہ دونوں جانب ادھار جائز نہیں اور کم از کم ایک جانب سے قبضہ لازم ہے، تا کہ ''بیع الکالی بالکالی'' لازم نہ آئے۔

فينبغي للعلماء اليوم أن يعيدوا النظر في فتاواهم السابقة، ويتفكروا في ما أفتى به أمثال الشيخ الساعاتي والشيخ اللكنويؒ ونجله رحمه الله نظرا إلى تغير الأحوال واشتداد الحاجة؛ لأن التعامل بها قد شاع في سائر البلدان بحيث لا توجد فيها العملة المسكوكة إلا نذرا قليلا فالحكم بعدم أداء الزكوة بأوراق العملة وبحرمة شراء الذهب والفضة بها ←

عدم جواز فروخت گنّی بعوض نوٹ وتدبیر جواز

سوال (۱۷۰۹): قدیم ۳/۸۰- ایک مسئلہ در پیش ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بمبئی میں ایک گنّی رائج ہے پندرہ روپے کی، اور اس گنّی کا نرخ دہلی میں مثلاً سترہ روپے ہے، اور کلکتہ میں چودہ روپے، اور ایک نوٹ ہے پندرہ روپے کا جو کہ سب جگہ ایک ہی طرح پر چلتا ہے، اب ایک شخص نے کلکتہ میں ایک گنّی چودہ روپے میں خریدی اور دہلی میں اس کو بعوض سترہ روپے نوٹ کے بیچ ڈالا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قاعدہ سے تو جائز نہیں معلوم ہوتا، البتہ نوٹ والا اپنے نوٹ سترہ روپے کے بیچ کر خواہ اسی گنّی والے ہی کے ہاتھ بیچ ڈالے پھر ان روپیوں سے گنّی دست بدست لے لے یہ درست ہے (۱)۔

۳ رصفر ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۲)

← فيه حرج عظيم، والمعهود من الشريعة السمة في مثله السعة والسهولة، والعمل بالعرف العام المتفاهم بين الناس الخ. (تكملة فتح الملهم ١/ ٥٢٠) ١٢

(١) عن أبي سعيد الخدري -رضي الله عنه- قال: جاء بلال إلى النبي صلى الله عليه وسلم بتمر برني، فقال له النبي من أين هذا قال بلال كان عندنا تمر ردي فبعت منه صاعين بصاع ليطعم النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم عند ذلک أوّه أوّه عين الربا عين الربا لا تفعل ذلک، ولكن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببيع آخر، ثم اشتر به. (صحيح البخاري، كتاب الوكالة، باب إذا باع الوكيل شيئا فاسدا فبيعه مردود، النسخة الهندية ١/ ٣١٠-٣١١، ف: ٢٣١٢)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكل تمر خيبر هكذا، قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنأخذ الصاع من هذا والصاعين بالثلث، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلا تفعل بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا. (مسلم شريف، باب الربا، النسخة الهندية ٢/ ٢٦، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٣)

بيع بعض الأثمان ببعض فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض، وإن اختلفا ←

سونے چاندی کے تاروں سے بٹے ہوئے کپڑوں اور گوٹے کی بیع میں ادھار نا جائز ہے

سوال (۱۷۱۰): قدیم ۳/ ۸۱- مولوی محمد احسن صاحب مرحوم نے 'رسالۂ نافعہ' خریداران، بیان بیع صرف میں بنارسی کپڑے جن میں سچے کلابتوں لگے ہیں ان کو سیف محلی پر قیاس کر کے بیع نسیہ کا ناجواز تحریر فرمایا ہے اور میں جو غور کرتا ہوں تو ناجواز سمجھ میں نہیں آتا، لہٰذا جناب سے استفاضۃً دریافت کرتا ہوں، دینی معاملہ متعلق بحلال وحرام ہے بہت جلد ایک نظر غائر ڈال کر میری فہم کی تصحیح وتغلیط فرماویں۔

← **جودة وصياغة، وإلا شرط التقابض.** (كنز الدقائق على النهر الفائق، كتاب الصرف، زكريا ۳/ ۵۲۹-۵۳۰)

بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا، وإن اختلفا جودة وصياغة وإلا بأن لم يتجانسا شرط التقابض الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ۷/ ۵۲۱-۵۲۲، كراچی ۵/ ۲۵۷-۲۵۸)

ضروری گزارش

اوپر جو جزئیات نقل کئے گئے ہیں وہ سب حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب کی تائید میں ہیں؛ لیکن چونکہ آج کل کاغذی نوٹ ثمن عرفی ہے، اس کے بدلہ میں ثمن خلقی (سونا چاندی) کمی بیشی کے ساتھ خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے۔ اور سوال نامہ میں جس گنّی کا ذکر ہے وہ سونے کا ایک سکہ ہے اور سونے کو کاغذی نوٹ کے عوض میں جتنے میں طے ہو جائے خرید وفروخت جائز ہوتا ہے؛ اس لئے آج کل کے زمانہ میں اس طرح کی گنی کلکتہ یا کسی اور جگہ سے سستی خرید کر دہلی یا کسی اور جگہ پر گراں فروخت کرنا جائز ہے، جو 'التبیان' کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

أن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفى القدر والجنس أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة، وأما القدر لإنها ليست من جنس ولا ثمان الخلقية بل عرفية فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي الخ. (التبيان في زكوة الأثمان بحواله مجله فقه اكيڈمی ۴/ ۵۹، إيضاح النوادر ۱/ ۱۲۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

علامہ شامی نے ذیل قول درمختار: والأصل أنه متى بيع نقد مع غيره كمفضض ومزركش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل، ولو بغير جنسه شرط التقابض فقط (١)۔ تنبیہ کر کے ایک مبسوط عبارت بذکر حکم اعلام الثواب تحریر کی ہے، اس کو پورے طور پر آپ ملاحظہ فرماویں، اس میں کی عبارت مندرجہ ذیل سے مجھے جواز بیع نسیہ پارچہائے بنارسی مثل کمخواب، ساڑی، دوپٹہ سوت وغیرہ جن میں سچے کلا بتو لگتے ہیں سمجھ میں آیا ہے۔

بخلاف علم الثوب والابريسم فى الذهب فانه لا يعتبر لانه تبع محض اھ.

(٢) وحاصل هذا كله اعتبار المنسوج قولا واحدا واختلاف الرواية في ذهب السقف والعلم وان المعتمد عدم اعتباره في المنسوج اھ۔

(٣) ولا كذلك علم الثوب؛ لأن الشرع أهدر اعتباره حتى حل استعماله (٢)۔

(جلد: ٤ ص: ٣٦٨)

یہ تینوں عبارتیں شامی میں ذیل تنبیہ ہیں، آیا ان عبارات سے جواز بیع نسیہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں امید کہ بہت جلد مفصل جواب سے مطمئن فرماویں؟

الجواب: معلوم ہوتا ہے آپ نے ”قولاً واحداً“ کے معنی یہ سمجھے کہ یہ اقوال مختلفہ میں سے ایک قول ہے اور ”انّ المعتمد“ کو اس کا قول مقابل سمجھے، اگر یہ مطلب ہوتا تو جواز کا سمجھنا ٹھیک تھا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ ”قولاً واحداً“ کے یہ معنی ہیں کہ ان میں بس ایک ہی قول ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اس لئے اس کے متصل ہی اس کا مقابل ”اختلاف الرواية الخ“ آیا، مطلب یہ ہے کہ اس میں تو ایک ہی قول ہے، اور ذہب سقف وعلم میں اختلاف ہے، چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت میں ان دونوں کا مختلف فیہ ہونا بھی نقل کیا گیا ہے:

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچى ٥/ ٢٦٢۔

الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الصرف، بيروت ٣/ ١٦٤-١٦٥۔

(٢) شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچى ٥/ ٢٦٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في قوله: ان في اعتبار الذهب في السقف روايتين فلا يعتبر العلم في الثوب، وعن أبي حنيفة وأبي يوسف أنه يعتبر. (۱) اھ۔

اور اگر وہ مطلب ہوتا جو مبنی ہے سوال کا تو قطع نظر اس سے کہ "قولاً واحداً" اس معنی میں مستعمل نہیں دیکھا گیا، اس پر یہ اشکال واقع ہوگا کہ اوپر کی عبارت میں یہ مضمون کہیں بھی نہیں گذرا کہ "ان المعتمد عدم اعتباره في المنسوج" پھر اس کو حاصل کے ذیل میں بیان کرنا کہاں صحیح ہوگا؟ دوسرے اس صورت میں حق عبارت کا یہ تھا "ان المعتمد عدم اعتبار المنسوج" تا کہ مقابل ہوتا اوپر کی عبارات "اعتبار المنسوج" کا۔ تیسرے اس صورت میں عدم اعتبار کی ضمیر مجرور کا مرجع کون ہوگا اور جو اس کا واقعی مطلب ہے، اس پر یہ ضمیر راجع ہے علم کی طرف، یعنی منسوج میں علم کا اعتبار نہ ہونا معتمد ہے اور اس طرح علم کا غیر معتبر ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے، جو کہ منسوج کے علم کو بھی شامل ہے، پس منسوج کا حکم عدم جواز ہی رہا۔

۲۲ / ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۴)

سوال (۱۷۱۱): قدیم ۳/ ۸۲- میرے سچّے گوٹے کی دکان ہے، جس میں بعض میں چاندی زائد ہوتی ہے اور بعض میں ریشم زائد ہوتا ہے، تحقیق طلب یہ گزارش ہے کہ اس کو قرض اور تفاضلاً بیچنا اور خریدنا جائز ہے یا نہیں، یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کو قرض وغیرہ بیچنا ناجائز ہے، اس کا حکم مطلقاً چاندی کے مثل ہے، اور ریشم تو علیحدہ رہتا ہے، اس میں ملتا نہیں ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ گوٹہ کی بیع قرض اور کم وبیش اس لئے جائز ہے کہ اس کی تکمیل ریشم سے ہوتی ہے، اور اس کو قرض اور نقد ہر طرح بیچنا جائز ہے، اب تردّد ہے کہ کس پر عمل کروں حضور اقدس کے ارشادِ گرامی کا منتظر ہوں اور اس پر آمادہ ہوں کہ اگر فی الحقیقت اس کو قرض خریدنا وغیرہ جائز نہیں تو گوٹہ کی دُکان چھوڑ کر کوئی اور کام شروع کروں گا؟

الجواب: في الدر المختار: والأصل أنه متى بيع نقد مع غيره كمفضض ومزركش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل، ولو بغير جنسه شرط التقابض فقط. في رد المحتار عن التاتارخانية: بخلاف علم الثوب

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ۷/ ۵۲۷-۵۲۸، کراچی ۵/ ۲۶۳۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

والابريسم في الذهب، فإنه لا يعتبر رأى لا يعتبر العلم في الأول فيجوز، ولايعتبر الابريسم في الثاني فلا يجوز. ١٢؛ لأنه تبع محض اھ۔ وفيه أيضا: حاصل هذا كله اعتبار المنسوج قولاً واحداً -إلى قوله- و مثله المنسوج بالذهب، فإنه قائم بعينه غير تابع بل هو مقصود بالبيع (١) الخ. (باب الصرف)

یہ روایات صریح ہیں عدم جواز میں، اور تصریح فقہاء کے مقابلہ میں ہمارا قیاس معتبر نہیں، لیکن اگر کم و بیش یا نسیۃً معاملہ کرنے کا موقع پیش آجاوے تو اس کا ایک حیلہ ہوسکتا ہے، کم وبیش میں تو دونوں طرف دودو پیسے مثلاً ملالئے جاویں، اور نسیہ کی صورت میں اپنے پاس سے خریدار کو روپیہ قرض دے کر قیمت میں لے لیا، پھر وہ قرض اس کے ذمّہ رہا۔

۱۹/ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ ص ۵)

جس عمامہ میں تھوڑا سا کلابتون شامل ہو اس کی بیع میں ادھار معاملہ کرنا

سوال (۱۷۱۲): قدیم ۳/ ۸۳- ہمارے یہاں شہر میں پگڑیاں بُنی جاتی ہیں، ان میں کلابتون بنا جاتا ہے دونوں پلّوں پر ماشہ، دو ماشہ، چھ (٦) ماشہ تک بلکہ تولہ بھر تک، دہلی وغیرہ کے خریدار آتے ہیں، پگڑیاں عموماً ادھار لے جاتے ہیں، یعنی ساتھ روپیہ نہیں لاتے، گھر سے جا کر ادا کرتے ہیں، پگڑی میں کلابتون نسبتاً اصل پگڑی سے کم وبیش کم قیمت کا ہوتا ہے، مثلاً دو روپے کی پگڑی ہوئی تو اس میں کلابتون ایک آنہ سے لے کر ۸، ۱۰ کا ہوتا ہے، بڑی دقت یہ ہے کہ خریدار اتنا بھی پیشگی نہیں لاتے اور نہیں دیتے کہ کلابتون کی قیمت کی مقدار نقد وصول ہو جایا کرے، خریدار ہندو مسلمان دونوں ہوتے ہیں، ہندو بکثرت، مسلمان بالکل کم، تجارت پیشہ مسلمان سخت ابتلا میں ہیں، جس سے بعض مخلص بندگانِ خدا حیران و ششدر رہیں، کہ کیا کریں، لہٰذا عرض ہے کہ کیا کوئی شرعی مخلص ہے کہ اس بُنے ہوئے کلابتون کی بیع تبعاً پگڑیوں کے ساتھ ادھار بیچنا جائز ہو، جناب کی مستنبط رائے ہو تو مستدل اور فقہی روایت ہو تو اصل عبارت یا حوالہ کتاب مع صفحہ وباب بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچی ٥/ ٢٦٤-٢٦٥۔

الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الصرف، بيروت ٣/ ١٦٤-١٦٥۔

الجواب : في الدر المختار، باب الصرف: والأصل أنه متى بيع نقد مع غيره كمفضض ومزركش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل، ولو بغير جنسه شرط التقابض فقط. وفي رد المحتار، تحت قوله: كمفضض ومزركش عن التاتارخانية: بخلاف علم الثوب والابريسم في الذهب، فإنه لا يعتبر؛ لأنه تبع محض اھ۔ وفيه بعد اسطر: ومثله المنسوج بالذهب (أي الخالص بلاابريسم) فإنه قائم بعينه غير تابع، بل هو مقصود بالبيع كالحلية والطوق وبه صار الثوب ثوباً، ولذا يسمى ثوب ذهب بخلاف المموه؛ لأنه مجر دلون لاعين قائمة، وبخلاف العلم في الثوب، فإنه تبع محض، فإن الثوب يسمىٰ به ثوب ذهب (۱) الخ (ج ٤ ص ٣٦٨، مطبوعه مصر سنة ١٢٩٤ھ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ادھار بیچنا جائز ہے۔

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۸)

گوٹہ کونوٹ کے عوض میں بیع کرنے کی تدبیر

سوال (۱۷۱۳): قدیم ۳/ ۸۴- عرض یہ ہے کہ آج کل نقدروپیہ نہیں ملتا ہے، ہر جگہ نوٹ کا چلن ہوگیا ہے، ہم لوگوں کو اکثر گوٹہ کناری خریدنا ہوتا ہے جس کے یہ سوال غلطی سے مکرر درج ہوگیا پہلے صفحہ پر یہ سوال وجواب آچکا ہے۔ ''نعمانی، عوض بجز نوٹ کے اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی ہے، نہ اس شخص کے پاس روپیہ ہوتا ہے کہ اس سے لے کر خرید کرلیں، اور یہ روپے کے عوض میں اس کو نوٹ دے دیں، جیسا کہ آپ نے کسی کتاب میں لکھا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کے سوا اور کیا صورت کی جاوے جس سے یہ معاملہ عند الشرع صحیح ہوجاوے؟

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچی ٥/ ٢٦٢-١٦٣۔

الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الصرف، بيروت ٣/ ١٦٤-١٦٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی اور سے نقد روپیہ لے لیا جاوے، اور یا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی ایسی چیز کے عوض دست بدست گوٹہ کناری خریدا جاوے جس کی قیمت اتنے روپیوں کی ہو، مثلاً کسی کپڑے کے عوض میں۔ پھر اس کپڑے کو بعوض نوٹ کے خرید لیا جاوے (١)۔ اگر دوسرے عاقد کو پہلے سے سمجھا دیا جاوے تو وہ اس طرح کرنے پر راضی ہو جاوے گا۔

۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۴)

سنار کو زیور بنانے کے لئے روپیہ دے دینا

سوال (۱۷۱۴): قدیم ۳/ ۸۴- احقر نے ایک شخص کو سونے کی بالیاں پرانی بغرض فروخت دی تھیں اور ذکر تھا کہ از سرِ نو بنیں گی، انہوں نے ان کو اِ روپے کو فروخت کر کے سنار کو روپیہ دے دیا، اور کہہ دیا کہ اس میں تھوڑا سونا اور ڈال کر تولہ کی نئی بالیاں بنا دے حساب بعد میں کر دیا جائے گا، چنانچہ اس نے اتنے ہی وزن کی بنا دیں یہ صورت ناجائز ہوتی ہے۔ ایک صاحب یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں جو پیشگی دئے گئے ہیں وہ سنار کے پاس امانت یا قرض سمجھے جائیں، اور دست بدست خریدا جائے، اس میں

---

(١) **لو اشترى سيفا محلي بالفضة أو لجاما مفضضا بفضة خالصة وزنها أكثر من الحلية جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدري لايجوز.** (هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثاني: في بيع السيوف المحلاة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٢١، جديد زكريا ٣/ ٢٠٦)

والأصل فيه أنه متى بيع نقد مع غيره كمفضض ومزركش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل، ولو بغير جنسه شرط التقابض فقط. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٢٧-٥٢٨، كراچى ٥/ ٢٦٢)

وكذا إذا باع سيفا محلي بالفضة مفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجا أو سكينا مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة المفردة أكثر حتى جاز البيع بحصة الفضة صرفا. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب بيع السيف المحلي بالفضة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نسیہ نہ ہوگا۔اب چونکہ بذمہ سنار واجب الادا ہیں اس لئے وہ مقدار ساقط کر کے اور اس کو دے دو، یا یوں کرو کہ روپے نقد دے کر دست بدست اس سے زیور لے لو، پھر اپنے کا مطالبہ اس سے کرو اور ایک صاحب یہ تاویل کرتے ہیں کہ سنار تمہاری طرف سے روپیہ کا سونا خریدنے کے لئے وکیل ہے، تم سے پیشگی لے چکا ہے، اور دس کا سونا اپنے پاس سے خرید لایا ہے، اس کا مطالبہ اب کرتا ہے، حضور اس میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

الجواب: تاویل ثالث تو چل نہیں سکتی، کیونکہ وکالت بلا توکیل کیسے ہوگی، اور توکیل یہاں ہے نہیں (۱) لہٰذا یہ بالیاں جدید سنار کی ملک ہوں گی، اور اب ان کی بیع جدید ہوگی، پس اگر وہ بعینہ سنار کے پاس موجود ہیں تو قرض کی تاویل نہیں ہوسکتی کیونکہ نہ تصریحاً قرض دیا نہ تصرف کی وجہ سے اس کے ذمہ دین ہوا، پس لا بد امانت ہوگی اور امانت میں روپیہ معین ہوتا (۲) ہے، تو عقد متعلق اس روپیہ سے ہوگا، اور وہ

---

(۱) صورة التوكيل أن يقول المشتري لغيره: كن وكيلا في قبض المبيع أو وكلتك بقبضه -إلى قوله- وحاصله أنه يصير وكيلا بألفاظ الوكالة ...... صرح في البدائع أن افعل كذا وأذنت لک أن تفعل كذا توكيل. (شامي، كتاب الوكالة، زكريا ٨/ ٢٣٩-٢٤٠، كراچی ٥/ ٥٠٩)

وأما بيان ركن التوكيل فهو الإيجاب والقبول، فالإيجاب من الموكل أن يقول: وكلتک بكذا أو أفعل بكذا أو أذنت لک أن تفعل كذا، والقبول من الوكيل أن يقول: قبلت وما يجري مجراه فما لم يوجد الإيجاب والقبول لا يتم العقد. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، زكريا ديوبند ٥/ ١٥)

(۲) وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه، والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شيئا منها ضمن. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع والوديعة الخ، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٨، جديد زكريا ٤/ ٣٤٩)

ليس للمستعير أن يؤجر العارية ولا أن يرهنها بدون إذن المعير؛ لأن الإعارة دون الرهن والإجارة والشيء لا يتضمن ما فوقه. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٤٥٧، رقم المادة: ٨٢٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مجلس میں موجود نہیں تو نسیہ لازم آنے سے ناجائز ہوگا (۱) پس جب نہ قرض ہوا نہ امانت سے عقد کا متعلق ہونا جائز ہوا۔ اس صورت میں صرف یہ صورت جائز ہو سکے گی کہ اپنی امانت اول واپس کر لے اور اس میں دس روپے اور ملا دے اور دست بدست خرید لے (۲)۔ اور اگر وہ اس کے ضمان میں داخل ہو گیا ہے، خواہ بوجہ صرف کر ڈالنے کے یا بوجہ مخلوط کر دینے کے، تو البتہ وہ دَین ہو گیا ہے، اس صورت میں تاویل اول چل سکتی ہے، اور تاویل ثانی بے تکلّف صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

(امداد ثالث ص ۳۲)

سنار کو قیمت چاندی کی دینا

سوال (۱۷۱۵): قدیم ۳/ ۸۵- اگر کسی ہندو سنار کو دس روپے نقد اور آٹھ آنہ کے پیسے دے کر کہا کہ اس کی جس قدر چاندی آوے لا کر فلاں قسم کا زیور بنا دینا، اور اس زیور کی مزدوری بعد تیاری بارہ آنے دیں گے اس معاملہ میں کوئی گناہ تو لازم نہیں آوے گا؟

الجواب: اگر دو امر کا یقینی اطمینان ہو تو جائز ہے، ایک یہ کہ سنار چاندی اپنے پاس سے نہ لگاوے گا، دوسرے یہ کہ انہیں داموں سے خریدے گا بدلے گا نہیں (۳) مگر چونکہ اس کا اطمینان مشکل ہے،

---

(۱) **وعلته: القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النسأ.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٤٠٣-٤٠٤، كراچی ٥/ ١٧١- ١٧٢)

مجمع الأنهر، باب السلم، بيروت ٣/ ١١٩-١٢٠۔

(۲) **أن في بيع الفلوس بالدراهم يكتفى بقبض أحد البدلين قبل الافتراق، وإن لم تكن الدراهم مقبوضة.** (المحيط البرهاني، كتاب الصرف، الفصل الخامس: في الفلوس، المجلس العلمي بيروت ١٠/ ٤١٦، رقم: ١٣١٤١)

هندية، كتاب الصرف، الباب الأول: في تعريفه وركنه، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢١٧، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣۔

(۳) یہ معاملہ بظاہر استصناع کا ہے؛ کیوں کہ کاریگر سنار کو اس طرح زیور بنوانے کا آرڈر دیا ہے کہ فلاں قسم کا زیور بنوانا ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ معاملہ استصناع کا نہیں ہے؛ اس لئے کہ استصناع کی صحت ←

اس لئے یہ بہتر ہے کہ ان دس روپے اور پیسوں کی چاندی خود خرید کر خواہ اس سنار سے یا دوسرے کسی سے خرید کر پھر اس سنار کو دے دے، اور بنوائی ٹھہرالے۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷۱)

روپیہ یا چاندی کی بیع چاندی کے سوا دوسرے سکّوں سے بطور ادھار

سوال (۱۷۱۶): قدیم ۳/ ۸۶- (۱) سوائے ان چند اشیاء کے جن کا ذکر حدیث شریف میں ہے (سونا چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) دیگر اشیاء کی خرید وفروخت زیادتی کمی کے ساتھ دست بدست یا بطور قرض جائز ہے یا نا جائز؟

(۲) ایک نقرئی روپیہ سکّہ مروجہ وقت کی فروخت بالنسیہ بالعوض بیس آنہ سکّہ تانبہ مرّوجہ وقت یا بالعوض بیس اکنّیوں کے جائز ہے یا نا جائز؟

(۳) ایک تولہ چاندی کی خرید وفروخت بالعوض تیس آنہ کے سکّہ کے جو تانبہ کا ہو بالنسیہ جائز ہے یا نا جائز؟

← کے لئے عین شئ اور عمل دونوں صانع اور کاریگر کی طرف سے ہونا شرط اور لازم ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ شئ مطلوب مستصنع اور آرڈر دینے والے کی طرف سے ہے اور ایسی صورت میں معاملہ استصناع، معاملہ اجارہ سے بدل جاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ مین مذکور معاملہ اجارہ کا ہے، استصناع کا نہیں؛ اس لئے حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس کی صحت کے لئے مذکورہ شرط کو ضروری قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع، فإن العقد يكون إجارة لااستصناعا الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدى ديوبند ٤ / ٣٩١)

والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا الخ. (تاتارخانية، جديد ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

شرطه أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة الخ. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٩، رقم المادة: ١٢٤)

حتى لو كان العين من المستصنع كان إجارة لا استصناعا. (مجمع الأنهر، بيروتي جديد ٣/ ١٤٩)

تفصیل کے لئے دیکھئے "فتاوی قاسمیہ" ۱۹/ ۶۰۹- ۶۲۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : في الهداية: الربوا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلا، وفيها إذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء، وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء، وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء (ا). (ص: ٦٣،٦١ ج ٢)

(ا) اس میں تصریح ہے کہ بجز ان چھ چیزوں کے بھی تمام مکیلات وموزونات میں ربوٰ جاری ہوتا ہے، اس تفصیل سے کہ ان میں جو چیزیں ہم جنس ہیں ان میں کمی بیشی بھی اور نسیہ بھی حرام ہے، اور جو چیزیں ہم جنس نہیں ہیں مگر موزون یا مکیل ہونے کے وصف میں شریک ہیں، ان میں کمی بیشی تو جائز ہے، مگر نسیہ حرام ہے، البتہ انہی ہم جنس چیزوں میں اور اسی طرح عددی متقارب چیزوں میں قرض لینا دینا جائز ہے، مگر حکم قرض کا یہ ہے کہ اس کا مثل واپس کرنا واجب ہوتا ہے قرض دینے کے وقت غیر مثل کی شرط حرام ہوتی ہے، گو قرض ادا کرتے وقت بتراضی طرفین اس کے عوض دوسری چیز لے لی جاوے، مثلاً روپیہ قرض لیا تو اس وقت دوسری چیز کا شرط ٹھہرانا کہ اس کے عوض گنّی یا اتنی اکنّی لیں گے یہ حرام ہے، پھر خواہ ادا کرتے وقت باہمی رضامندی سے جو کہ ابھی حاصل ہوئی ہے، گنّی یا بہت سی اکنّی لے لی، اور دے دی جاویں۔

في الدرالمختار : القرض عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلى لأخر ليرد مثله، وصح القرض في مثلي لا في غيره فيصح استقراض الدراهم والدنانير، وكذا كل ما يكال ويوزن أو يعد متقاربًا. اھ **ملخصا (٢) (ص ۴۴، ۴۵، ج ٢)**

(ا) هداية، كتاب البيوع، باب الربا، أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٧-٧٩۔

وعلته: أي علة التحريم الزيادة القدر المعهود بكيل أو وزن مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عد ما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النساء. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا زكريا ديوبند ٧/ ٤٠٣-٤٠٤، كراچی ٥/ ١٧١-١٧٢)

النهرالفائق، باب الربا، زكريا ديوبند ٣/ ٤٦٩-٤٧٢۔

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل: في القرض، زكريا ديوبند ٧/ ٣٨٨-٣٨٩، كراچی ٥/ ١٦١-١٦٢۔

ويجوز القرض فيما هو من ذوات الأمثال كالمكيل والموزون والعددي المتقارب كالبيض الخ. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٩٠، قديم زكريا ٣/ ٢٠١) ←

(۲) اس کا جزو اول حرام ہے؛ للروايات المذكورة في جواب السوال الأول. اور دوسرے جزو میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بطور قرض کے ہے تب تو حرام ہے، للروايات السابقه۔ اور اگر بطور بیع کے ہے تو یہ سلم ہے، اور سلم میں علاوہ دیگر شرائط کے ایک حکم ضروری یہ ہے کہ اگر مسلم الیہ کو مسلم فیہ پر قدرت نہ ہو تو رب السلم کو اپنا اصلی رأس المال واپس کر کے اس کے بدل میں دوسری چیز لینا جائز نہیں۔

في الهداية: ولا يجوز التصرف في رأس مال السلم والمسلم فيه قبل القبض (۱) الخ (ص ۸۱، ج۲)

(۳) اس میں وہی تفصیل ہے جو جواب سوال دوم کے جزو دوم میں ہے اور سوال دوم کے جزو دوم اور سوال اخیر میں سلم کی اجازت یہ تب ہے کہ مقصود اس حیلہ سے سود نہ ہو، اور نہ اس کا حکم مثل بیع عینیہ کے ہے، جس کی نسبت ''ہدایہ'' میں ہے: وهو مكروه (۲)۔

← القرض اصطلاحا عند الحنفية: هو ما تعطيه من مال مثلي لتتقاضاه أو بعبارة أخرى هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله ...... يصح القرض في المثلي كالمكيل والموزون والمعدود المتقارب الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٥٠٩-٥١٢)

(۱) هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفيه ديوبند ٣/ ٩٧۔

ولا يصح التصرف في رأس المال والمسلم فيه قبل القبض. (النهر الفائق، باب السلم، زكريا ديوبند ٣/ ٥٠٧)

درمختار مع الشامي، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٧، كراچی ٥ / ٢١٨۔

ولا يجوز التصرف في رأس المال أو المسلم فيه قبل قبضه، أي قبل قبض المسلم إليه رأس المال، وقيل: قبض رب السلم المسلم فيه. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع باب السلم، بيروت ٣/ ١٤٥)

(۲) الأمر ببيع العينة مثل أن يستقرض من تاجر عشرة فيتأبى عليه ويبيع منه ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشر مثلا رغبة في نيل الزيادة يبيعه المستقرض بعشرة، ويتحمل عليه خمسة سمى به لما فيه من الاعراض عن الدين إلى العين، وهو مكروه الخ. (هداية، كتاب الكفالة، أشرفي ديوبند ٣/ ١٢٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور کفایہ میں ہے: **اخترعه أكلة الربو** (۱)۔ اور فتح القدیر میں ہے: **و قال محمد: هذا البيع في قلبى كأمثال الجبال ذميم الخ.** (ص ۱۰۷ ج ۲)

اور ''فتح القدیر'' حاشیہ ہدایہ میں ایسے ہی ایک حیلہ کی نسبت ہدایہ کے قول ''**فمع الكراهة**'' پر لکھا ہے: **إنما كره لأنهما باشرا الحيلة لسقوط الربوا كبيع العينة، فإنه مكروه بهذا.**

اور اس کے بعد لکھا ہے: **ينبغي أن يكون قول أبي حنيفة أيضاً على الكراهة كما هو ظاهر إطلاق المصنف من غير ذكر خلاف.**

اور اس کے قبل لکھا ہے: **قيل لمحمد: كيف تجده في قلبک؟ قال: مثل الجبل** (۲)۔ (ص: ۹۲، ج ۲)

اور مکروہ سے مراد ایسے مقام پر مکروہ تحریمی ہے، جو قریب حرام کے اور عادت کرنا اس کا حرام ہے اور عادات ناس سے یہ امر متعین ہے کہ وہ اس کو بجائے سود کے استعمال کرتے ہیں اس لئے اس کو حرام لکھا جاوے گا۔

۲۴ ربجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۴۳)

---

(۱) **وبيع العينة مكروه ذميم اخترعه أكلة الربو الخ.** (كفاية، زكريا ديوبند ۷/ ۵۲، كوئٹه، كتاب الكفالة ٦/ ۳۲۳)

(۲) فتح القدير، كتاب الصرف، كوئٹه ۲۷۱-۲۷۲، زكريا ۷/ ۳۹، حاشية هداية، كتاب الصرف، أشرفى ديوبند ۳/ ۱۰۸۔

والكراهة إما لأنه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة في أخذ الزيادة بالحيلة. (عناية على الفتح، كتاب الصرف، زكريا ۷/ ۱٤۰، كوئٹه ٦/ ۲۷۱)

بيع العينة أي بيع العين بالربح نسيئة يبيعها المستقرض بأقل ليقضى دينه اخترعه أكلة الربا وهو مكروه مذموم شرعا، وفي الشامية: قال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا. (درمختار مع الشامي، كتاب الكفالة، مطلب بيع العينة، زكريا ۷/ ٦۱۳، كراچى ٥/ ۳۲٥-۳۲٦)

مجمع الأنهر مع الدر المنتقى، كتاب الكفالة، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه ۳/ ۱۹۳-۱۹٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اضرار کفار کے لئے الخ

سوال (١٧١٧): قدیم ٣/ ٨٧- طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہو جانے سے ہندوستان کے مسلمانوں میں جس قدر بے چینی ہے ایک گونہ اثر اس کا دہلی میں بھی ہے چنانچہ دہلی کے ایک جلسہ میں یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اٹلی کے ساتھ تجارتی لڑائی کریں، اٹلی ساخت کے کل سامان کا استعمال ترک کردیں خرید وفروخت بالکل چھوڑ دیں جو ایسا کرے گا وہ کافر ہے سلطان کا خیرخواہ نہیں اٹلی کا حامی ہے اور اس کا عمل نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اسی جلسہ میں اٹلی ساخت کی ترکی ٹوپیاں اُتار اُتار کر جلا دیں میری دوکان پر سامان اکثر فینسی ہوتا ہے جس میں بہت سی چیزیں اٹلی ساخت بٹوا، قینچی، چاقو، بٹن، استرہ وغیرہ وغیرہ بھی ہوتے ہیں لوگوں نے بہت تنگ کرنا شروع کیا کہ ان چیزوں کا فروخت کرنا چھوڑ دو فقط؟

الجواب: کافر ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں اور بلکہ بیع ناجائز بھی نہیں۔ لیکن افضل یہی ہے (١) بشرطیکہ اپنا ضرر اور اتلاف مال نہ ہو ورنہ افضل کیا جائز بھی نہیں۔ فقط

١٨/ ذی قعدہ ١٣٢٩ھ

---

(١) ولا بأس بحمل الثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك إليهم لانعدام معنى الإمداد والإعانة، وعلى ذلك جرت العادة من تجار الأمصار أنهم يدخلون دار الحرب للتجارة من غير ظهور الرد والإنكار عليهم إلا أن الترك أفضل؛ لأنهم يستخفون بالمسلمين ويدعونهم إلى ماهم عليه فكان الكف والإمساك عن الدخول من باب صيانة النفس عن الهوان والدين عن الزوال، فكان أولى. (بدائع الصنائع، كتاب السير، فصل: وأما بيان ما يكره حمله، زكريا ديوبند ٦/ ٦٥)

أما الشراء من أهل الحرب فيجوز مطلقا سواء كان شراء السلاح أو شراء الثياب والطعام، فإن في ذلك تقوية للمسلمين ...... نعم إن كان للمسلمين إمام ورأى المصلحة في مقاطعة التجارة على أهل الحرب في الثياب وغيرها فله أن يمنع المسلمين عن التجارة معهم فيما شاء، وحينئذ يجب علينا مقاطعة التجارة عنهم بأمر الإمام، وأما بدون ذلك فلا، ←

اضرار کفار کے لئے ان کی بنائی ہوئی چیزوں کی تجارت ترک کرنا

سوال: طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہو جانے سے۔۔۔۔الخ (یہ مضمون بعینہ اس صفحہ کے قبل صفحہ پر درج ہو چکا ہے)

متعلق سوال نمبر: ۸۲، ص: ۷۳

سوال (۱۷۱۸): قدیم ۳/ ۸۸- عمرو نے زید سے اپنا روپیہ طلب کیا مع منافع کے اور زید نے دے دیا پھر اسی جگہ بیٹھے زید نے کہا کہ اگر دوبارہ پھر مال خرید کر ہم کو ادھار دے دو تو ہم وہ ہی منافع ایک ماہ کا (صہ) پانچ روپیہ دیں گے اس نے کہا کہ ہم اور کہیں سے مال نہیں منگاتے کیونکہ ہمارا خود جانا نہیں ہوتا اور تم کو وکیل یا اجیر بنانے میں ہم کو خیال ہے خیانت کا البتہ تمہارے پاس اگر مال موجود ہو تو

← **فإن حكم الشراء منهم عكس حكم البيع، فلا دلالة للأثر على حرمته أصلا.** (إعلاء السنن، باب النهي عن بيع السلاح من أهل الحرب، بحث الشراء من أهل الحرب، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٤٢، کراچی ١٢/ ٣٥)

أن الأحكام تدور على مصلحة الإسلام والمسلمين فما تعين ذريعة لتقوية أهل الحرب ضد المسلمين فهو ممنوع، وما لم يكن كذلك فليس بمحظور ...... وكذلك الأمر لا يختص بالسلاح بل كل ما يقوى أهل الحرب في محاربتهم للمسلمين لايجوز بيعه منهم، ولذلك ذكر الفقهاء في بيع الطعام من الحربيين أنه لا يجوز في زمن الحرب، قال المواق رحمه الله: وأما الطعام فيجوز بيعه منهم في الهدنة، وأما في غير الهدنة فلا ...... فهذا كله يدل على أن المنع ليس لكون البيع منهم ممنوعا في حد ذاته، بل المنع دائر على مصلحة الإسلام والمسلمين في أحوال مختلفة، وينبغي أن يكون الأمر في مثل ذلك موكولا إلى الإمام العادل. (فقه البيوع، بيع السلاح من غير المسلمين، مكتبه نعيميه ديوبند ١/ ١٧٤- ١٧٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہمارے ہاتھ فروخت کردو اور اس کی قیمت ہم سے لے لو پھر اس مال کو ہم سے خرید لینا، ادھار کی جو مدت معین کروگے۔ یہ بات قرار پاکر عمرو نے زید سے مال خرید کر قیمت دے دی پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے عمرو نے کہا کہ تم اس مال کو خریدتے ہو خرید لو زید نے کہا میں خریدتا ہوں جو منافع پانچ روپیہ کا پہلے دیا تھا اسی منافع سے ایک ماہ کی مہلت سے لیتا ہوں عمرو نے دے دیا اور زید نے منظور کیا؟

الجواب: یہ معاملہ مبنی ہے ۵ پر جس کا حرام ہونا اوپر مذکور ہوا ہے پس یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے، پھر یہ تمام صورتیں بیع کی غیر مقصودہ ہیں اس لئے کہ مدیون ان صورتوں میں مجبور کیا جاتا ہے مقصود اس ظاہری صورت سے نفع حاصل کرنا ہے بلا رضامندی صاحب معاملہ کے اس لئے بھی ناجائز ہے۔

۲۰ رمحرم الحرام ۱۳۳۰ھ

۵/باب: بیع فاسد

مقتضائے عقد کے خلاف کے شرائط اور ربوا و قمار کی وجہ سے عقد فاسد

سوال (۱۷۱۹): قدیم ۳/۸۹- آج کل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں، اور اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں، جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کر ڈالتا ہے، اور ان اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیج دیتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے، اور ان چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیج دیتا ہے، جس میں ویسے ہی چار ٹکٹ بھی ہوتے ہیں، جس کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ کو پھر بیچ ڈالتے ہیں، جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے، تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام روپیہ اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کئے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیج دیتا ہے اور ایک ایک کاغذ ویسا ہے جن کے نام انہوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں صاحب کمپنی بھیج دیتا ہے، پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کا اجرا رہتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اُٹھائے گا، تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلا واسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بواسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اتنے خریدار پیدا کرلو تو اس روپیہ مرسلہ کے عوض ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کردی، ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کرلیں گے، سو اس میں دونوں شرطیں فاسد و باطل ہیں، دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر پر فروخت کرنا بھی کہ وہ تنجیز بیع کے وقت (مقرون بشرط فاسد مخالف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد بحکم ربٰوا ہے اور تعلیق کے وقت (تعلیق الملک علی الخطر ہونے کی وجہ سے) قمار ہے، اور ربوا اور قمار دونوں حرام ہیں، اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار پیدا نہ کرنے کے تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی کہ صریح اکل بالباطل ہے، اور یہ تاویل ہرگز مقبول نہیں ہوسکتی کہ روپیہ کے عوض ٹکٹ دیا ہے: کیونکہ ٹکٹ یقیناً مبیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہو جاتا ہے، ٹکٹ فروخت کر کے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہ ہوتا

جیسا تمام عقود میں یہی ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ مبیع نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد وباطل ہونا ثابت ہوگیا تو ایسا معاملہ بھی بالیقین حرام اور متضمن ربوا اور قمار واکل بالباطل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: احل اللّٰہ البیع وحرم الربوٰ (۱)۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: انما الخمر والمیسر –الی قولہ– رجس من عمل الشیطان (۲)۔

وقال تعالیٰ: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل. الآیة (۳)۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم: کل شرط لیس في کتاب اللّٰہ، فھو باطل (۴)۔

ونھی علیہ السلام عن بیع وشرط (۵) وفي جمیع الکتب الفقھیہ: صرحوا بعدم جواز بیع مشروط بمالا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ، وفیہ نفع لأحدھما (۶) کما لا یخفی علی من طالعھا. واللّٰہ أعلم (امداد ثالث ص ۵)

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت:۲۷۵۔

(۲) سورۂ بقرہ، آیت:۹۰۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت:۱۸۸۔

(۴) سنن ابن ماجة، باب المکاتب، النسخة الھندیة، ص: ۱۸۱، دارالسلام، رقم: ۲۵۲۱۔

عن ابن عباس أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل شرط لیس في کتاب اللہ فھو باطل. (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۸۶)

(۵) **عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع وشرط الخ.** (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۸۵)

المعجم الأوسط، للطبراني، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲۱۱، رقم: ۴۳۶۱۔

(۶) **ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ، وفیہ نفع لأحدھما.** (درمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، زکریا دیوبند ۷/ ۲۸۱-۲۸۲، کراچی ۵/ ۸۴-۸۵)

وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعة لأحد المتعاقدین أو لمعقود علیہ وھو من أھل الاستحقاق یفسدہ. (ھدایة، باب البیع الفاسد، اشرفیہ دیوبند ۳/ ۵۹)

مجمع الأنھر، باب البیع الفاسد، بیروت ۳/ ۹۰۔

النھرالفائق، باب البیع الفاسد، زکریا دیوبند ۳/ ۴۳۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مبیع کے معلوم ہو جانے کی شرط اور اس کی توضیح

سوال (۱۷۲۰): قدیم ۳/ ۹۰ - زید کپڑے کی بند گٹھری خریدتا ہے، گٹھری میں جس قدر کپڑا ہے اسکا نمونہ اور مقدار سب بتادی گئی ہے مگر مقدار کل بتائی گئی ہے یہ نہیں معلوم کہ پارچہ اور ٹکڑا کتنے کتنے گز کا ہے، بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مبیع کا معلوم ہونا شرط ہے خواہ بیان تقدیر سے یا اشارہ سے، اول تو یہاں مقدار بھی بتلادی ہے، اور اگر اس کو معتبر نہ سمجھا جاوے تو مشار الیہ تو ضروری ہے، لہٰذا یہ بیع جائز ہے (۱)۔

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۱)

---

(۱) **ومنها: أن يكون المبيع معلوما، والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة الخ.** (البحرالرائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٦، كوئٹه ٥/ ٢٦٠)

وكذا في الهندية، كتاب البيوع، زكريا ديوبند قديم ٣/ ٣، جديد زكريا ٣/ ٦۔

يشترط أن يكون المبيع معلوما عند المشتري؛ لأن المجهول بيع فاسد ...... ولهذا لو كان المبيع غير مشار إليه لزم جنسه ونوعه وقدره ووصفه بما يرفع الجهالة. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٩٧، رقم: ٢٠٠)

وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٧/ ٤٨، كراچی ٤/ ٥٢٩)

ولابد من معرفة قدر ووصف ثمن غير مشار لا مشار أي لا يحتاج إلى معرفة القدر والوصف في المشار إليه من الثمن أو المبيع؛ لأن الإشارة أبلغ أسباب التعريف، وفي هامشه: والحاصل أن الأعواض إذا كانت غير مشار إليها سواء كان ثمنا أومثمنا يشترط فيها معرفة المقدار في المبيع الخ. (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب البيوع، زكريا ٤/ ٢٨٠)

والأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كناية في التعريف وجهالة في الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة الخ. (هداية، كتاب البيوع، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٠-٢١)

البحرالرائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٥/ ٤٥٤-٤٥٦، كوئٹه ٥/ ٢٧٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایسی جائیداد جس پر قبضہ نہ کرا سکے اسکی بیع

سوال (١٧٢١): قدیم ٣/ ٩٠ - ایک شخص نے اپنی جائداد مقبوضہ غیر منقولہ کے شامل اس جائیداد غیر مقبوضہ غیر منقولہ (جو مکان و زمین کاشت ہے) کو بھی بیع کر دیا جو بعد ممات مورث کے بائع کے قبضہ میں وراثت آئی، بلکہ ہنوز دوسرے یکے از وارثان کے قبضہ وتصرف میں ہے، اور زرثمن اس کا اس طور سے ہوا کہ جو جائیداد مقبوضہ بیع ہوئی، اس کا زرثمن تو ایک مقدار میں مشتری سے بائع نے وصول پایا، مگر جائداد غیر مقبوضہ جو شامل اس کے بیع کی گئی ہے اس کے زرثمن کی نسبت فیما بین بائع و مشتری یہ معاہدہ قرار پایا کہ اس دخل وقبضہ کرنے میں مشتری قبل از بیع جو کچھ خرچ کر چکا ہے، اور پھر بعد تکمیل بیع خرچ کرے گا، وہ سب مجرا دے کر جو کچھ زرِ ثمن میں سے باقی رہے گا اس میں سے صرف نصف حصہ بائع کو مشتری ادا کرے گا اور نصف حصہ مشتری ہضم کرے گا، اور اگر مشتری قبضہ دخل میں ناکامیاب رہا تو اس صورت میں مشتری بائع کو کچھ اس زرثمن میں سے نہیں دے گا، اور جو کچھ مشتری قبضہ کرنے میں جائداد مذکور کے خرچ کر چکا ہے اس کی زیر باری صرف مشتری کے ذمّہ رہے گی بائع سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا، ایسا ہی شرط کی وجہ سے ہنوز تقابض البدلین نہیں ہوا ہے، یعنی مشتری کو بیع نامہ نہیں ملا ہے پس ایسی شرطیہ بیع جائز ہے یا ناجائز، اور مشتری کو دعویٰ کرنے کا حق ہے یا نہیں، اور یہ سب جائداد ہے، مکان و زمین وکاشت ہے، اور وہ تکراری شے مبیعہ جو یکے از وارثان کے قبضہ میں ہے ہنوز غیر منقسم ہے؟

الجواب: في الهداية: و كذا لو أرسله (اى الطير) من يده؛ لأنه غير مقدور التسليم (١) و فيها: ومن جمع بين حر و عبد، أو شاة ذكية و ميتة فبطل البيع فيهما، ومن جمع بين عبد و مدبر، أو بين عبده وعبد غيره صح البيع بحصة من الثمن (٢) وفيها كل شرط لا يقتضيه العقد و فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده (٣) وفيها بخلاف ما إذا لم يسم ثمن كل واحد؛ لأنه مجهول (٤)۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

---

(١) هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٥١ ۔

(٢) هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٢ ۔

(٣) هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٥٩ ۔

(٤) هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٢ ۔

ان روایات سے یہ امور ثابت ہوئے:

(١) اول عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جائیداد غیر مقبوضہ کا اس وارث قابض کے ہاتھ سے چھڑانا امر مشکوک ہے، پس اگر ایسا ہے تو بوجہ غیر مقدور التسلیم ہونے کے اس کی بیع صحیح نہیں ہوئی۔

(٢) جو جائیداد مقبوضہ بیع کی گئی ہے اس کی بیع درست ہوگئی۔

(٣) جائیداد غیر مقبوض اگر مقدور التسلیم بھی ہو تب بھی بوجہ غیر متعین ہونے ثمن کے اس کی بیع درست نہیں ہوئی۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جائیداد مقبوضہ کی بیع درست ہوگئی اور غیر مقبوضہ کی بیع دو وجہ سے درست نہیں ہوئی: بوجہ عدم قدرت علی التسلیم (١) اور عدم تعیین ثمن۔ واللہ اعلم

٣؍صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ٢٢)

بیع میں للہ خرچ کی شرط

سوال (١٧٢٢): قدیم ٣/٩٠- زید نے خالد کے ہاتھ کوئی شے فروخت کی، بایں

---

(١) **وبيع طير في الهواء لا يرجع بعد إرساله من يده أشار إلى أنه مملوك له، ولكن علة الفساد كونه غير مقدور التسليم.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٥٠، كراچی ٥/ ٦١)

وبطل بيع ما ليس بمال كالدم والميتة والحر والبيع به، وما في حكمه كأم الولد والمكاتب والمدبر المطلق، فإن بيع هولاء باطل ...... بخلاف بيع قن ضم إلى مدبر، فإنه يصح أي فيصح في القن بحصته قلت: ومعنى البيع بالحصة بقاء أنه لما خرج المدبر صار القن مبيعا بحصته مع الثمن الخ. (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٣٥-٢٤٣، كراچی ٥/ ٥١-٥٦)

ولا بيع بشرط يعنى الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع هو من أهل الاستحقاق. (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٨١-٢٨٢، كراچی ٥/ ٨٤-٨٥)

مجمع الأنهر مع الدر المنتقى، باب البيع الفاسد، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه ٣/ ٧٧-٧٨-٧٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الفاظ کہ میں نے یہ صندوق مثلاً تمہارے ہاتھ فروخت کیا اس شرط پر کہ ہر سیکڑے پر ایک یا دو پیسہ للہ کے خرچ کے واسطے ہم کو دو ورنہ میں نہیں دوں گا، اس قسم کی بیع وشراء شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو دینے والے کا ثواب زیادہ ہے یا خرچ کرنے والے کا؟ اور درصورت جائز ہونے کے یہ بھی علی التفصیل بیان فرمائیے کہ یہ لینا دینا کسی خاص قوم کے ساتھ ہے یا عام ہے کہ ہنود ہو یا مسلمان ہو یا کوئی کتابی ہو؟ مفصل بیان سے ممنون ومشکور فرمائیے اور اس مال کے مصارف مسجد وگورستان ومدرسہ ہو سکتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو کس کس مقام میں صرف ہو سکتے ہیں؟

الجواب: چونکہ بیع میں بعد طے ہو جانے ثمن کے بھی ثمن میں زیادت درست ہے اس لئے یہ صورت اس تاویل سے جائز ہو سکتی ہے(۱)۔ مگر اس تاویل کی بنا پر یہ ایک پیسہ یا دو پیسہ اس بائع کی ملک ہوں گے، اس کو اختیار ہوگا خواہ اس مصرف میں صرف کرے یا صرف نہ کرے، اس پر کسی کا جبر نہ ہو سکے گا، اور جب اس کی ملک ہے تو ثواب اس کے صَرف کا صرف بائع کو ہوگا مشتری کو نہ ہوگا، اور جب ملک ہے تو یہ اختیار بائع کو ہے کہ جہاں چاہے صرف کرے بشرط یہ کہ معصیت نہ ہو۔

۱۸/شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۶)

---

(۱) **ویجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن، ویجوز للبائع أن یزید للمشتري في المبیع، ویجوز أن یحط عن الثمن، ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلک، فالزیادة والحط یلتحقان بأصل العقد عندنا.** (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة، اشرفیه دیوبند ۳/ ۷۶)

وصح التصرف في الثمن قبل قبضه والحط منه والزیادة، أي صح الزیادة في الثمن حال قیام المبیع إن قبل في المجلس لا بعد هلاکه. (مجمع الأنهر، کتاب البیوع، فصل في بیان البیع قبل قبض المبیع، بیروت ۳/ ۱۱٦)

وصح الزیادة فیه ولو من غیر جنسه في المجلس أو بعده من المشتري أو وارثه أو من أجنبي إن قبل البائع في المجلس، وکان المبیع قائما. (درمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب المرابحة، زکریا دیوبند ۷/ ۳۷۸، کراچی ۵/ ۱۵۳-۱۵٤)

البحرالرائق، کتاب البیوع، باب المرابحة، زکریا دیوبند ٦/ ۳۰۰، کوئٹه ٦/ ۱۱۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خوراک خریدنے کے لئے پیشگی قیمت دے دینا جمع بین العمل والصنع

سوال (۱۷۲۳): قدیم ۳/ ۹۲- مدرسہ میں طلبہ سے خورا کی جو لی جاتی ہے یہ کس عقد میں داخل ہے، آیا بیع ہے؟ تو پیشگی معاوضہ لینا کراہت سے خالی نہ ہوگا، یا کہ یہ استصناع ہے کسی اور عقد میں تو داخل ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، نیز گھڑی بنوانا ۔۔۔۔ یا چار پائی بنوانا جن میں بیع اور عمل دونوں شامل ہیں ،آیا ان کے جواز کی گنجائش ہے کہ استصناع داخل کر کے جائز کہہ دیا جاوے، اور بلانکیر سب کا کرنا تعامل سمجھا جاوے گا یا عقد فی عقد کے سبب سے منع کیا جاوے آج کل بکثرت ایسے معاملات ہیں جن میں عقد فی عقد یا کہ بیع اور عمل دونوں شامل ہوتے ہیں؟

الجواب: طلبہ کی خورا کی بیع استجرار میں داخل ہے، شامی نے اس کے جواز میں مبسوط بحث لکھی ہے اور فقہاء نے بیع اور عمل کے جمع کرنے کی بعض صورتیں متعارف لکھ کر اجازت دی ہے یہ بھی اسی میں داخل ہے (۱) جیسے خیاط کہ عمل اور تاگا دونوں اس کے ذمّہ ہوں، یا صباغ کہ عمل

---

(۱) ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانا (درمختار) وفي الشامية: ذكر في البحر: أن من شرائط المعقود عليه أن يكون موجودا فلم ينعقد بيع المعدوم، ثم قال: ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية: الأشياء التي تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس، والملح، والزيت ونحوها، ثم اشتراها بعد ما انعدمت صح، فيجوز بيع المعدوم هنا، وقال بعض الفضلاء: ليس هذا بيع معدوم إنما هو من باب ضمان المتلفات بإذن مالكها عرفا تسهيلا للأمر ودفعا للحرج كما هو العادة. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٧/ ٣٠-٣١، كراچی ٤/ ٥١٦)

البحرالرائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٤، كوئٹه ٥/ ٢٥٩۔

ويصح أيضا ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى، وصورته: أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المبتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن أو أن يدفع المشتري الثمن للبائع، ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح. (شرح المجلة، الفصل الأول: فيما يتعلق بركن البيع، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٨٠، رقم: ١٧٥)

دفع دراهم إلى خباز، فقال: اشتريت منك مائة من خبز وجعل يأخذ كل يوم ←

اور صبغ دونوں اس کے ذمّہ ہوں (۱)۔

۱۷/ جمادی الاولیٰ (حوادث اول وثانی ص ۲۳)

اگر بیع میں یہ شرط کی جاوے کہ قیمت کا اتنا حصہ واپس کرنا پڑے گا تو بیع فاسد ہے اور بیع فاسد کا بحکم سُود ہونا

سوال (۱۷۲۴): قدیم ۳/ ۹۲ - حضور یہاں ایک اصول ہے جس پر مجھ کو سود ہونے کا شبہ ہے، بلکہ یہاں ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا، لیکن انہوں نے فرمایا کہ سود تو نہیں ہے لیکن بیع کے خلاف ہے، ان کے فرمانے سے میری طبیعت کو اطمینان نہیں ہوا، وہ اصول یہ ہے کہ مثلاً سو روپے (۱۰۰) کا مال فروخت کیا پندرہ یوم کی میعاد پر، یعنی سو روپے کا مال پندرہ یوم کے لئے قرض دیا، اب اگر لینے والا پندرہ ہی یوم میں دے گا تو اس کو دو روپے دیں گے کٹوتی کے، اگر اس نے پندرہ یوم میں نہ دیئے ایک ماہ میں دیئے تو اس کو بجائے دو روپے کے ایک روپیہ دیں گے، اگر اس نے ایک ماہ میں بھی نہ دیئے تو اس کو نہیں دیتے، الغرض دو روپے سیکڑہ کٹوتی ہے پندرہ یوم تک؟

الجواب: عرف کے سبب یہ شرط ہے اور فاسد ہے، اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے (۲) اور

← **خمسة أمناء فالبيع فاسد وما أكل فهو مكروه** ...... **ولو أعطاه الدراهم وجعل يأخذ من كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء اشتريت منك يجوز، وهذا حلال.** (شامي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ۷/ ۳۱، كراچی ۴/ ۵۱۶)

(۱) **من اشترى نعلا على أن يحذوها البائع قال أو يشركها فالبيع فاسد، قال**: **ما ذكره جواب القياس، وفي الاستحسان يجوز للتعامل فيه فصار كصبغ الثوب** ...... **جوز للتعامل.** (هداية مع الفتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد زكريا ۶/ ۴۱۴، كوئٹه ۶/ ۸۷)

(۲) **وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو لمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده.** (هداية، باب البيع الفاسد، اشرفيه ديوبند ۳/ ۵۹)

ولا بيع بشرط يعنى الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع هو من أهل الاستحقاق. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ۷/ ۲۸۱-۲۸۲، كراچی ۵/ ۸۴-۸۵) ←

بیع فاسد بتصریح فقہاء ربوا یعنی معاملہ سود میں داخل ہے(۱)۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۴)

روئی کا مبادلہ کتے ہوئے سوت کے ساتھ ناجائز ہے

سوال (۱۷۲۵): قدیم ۳/ ۹۳- اکثر عورتیں چرخہ چلانے لگی ہیں، اور سوت کو روئی سے بدلتی ہیں اس طور سے کہ سیر بھر سوت دے کر ڈیڑھ سیر روئی اس کے بدلہ میں لیتی ہیں، اور فاضل روئی

← **ليس كل شرط يفسد البيع بل لابد أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين وللمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق ولم يرد الشرع بجوازه الخ.** (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٤)

(۱) **ولو كان البيع بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أي البائع والمشتري أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدميا فهو أي هذا البيع فاسد لما فيه من زيادة عن عوض فيكون ربا، وكل عقد شرط فيه الربا يكون فاسدا.** (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد، بيروت ٣/ ٩٠-٩١)

ومن الشروط الفاسدة التي تفسد العقد: كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة للبائع -إلى قوله- فالبيع في كل هذه الصور فاسد؛ لأن زيادة المنفعة المشروطة في البيع تكون ربا؛ لأنها زيادة لا يقابلها عوض في عقد البيع، والبيع الذي فيه ربا فاسد، وكذا ما فيه شبهة الربا، فإنها مفسدة لبيع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٠٢)

والبيوع الفاسدة فكلها من الربوا فيجب رد عين الربا لو قائما لا رد ضمانه؛ لأنه يملكه بالقبض. (الدرالمنتقى على مجمع الأنهر ٣/ ١١٩)

الدرالمختار مع الشامي، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٣٩٩، کراچی ٥/ ١٦٩۔

قال الحنفية: اشتراط الربا في البيع مفسد للبيع -إلى قوله- والبيع الربوي عند الحنفية من البيوع الفاسدة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٦٠)

وفي القنية عن البردوي من جملة صور البيع الفاسد جملة العقود الربوية يملك فيها بالقبض الخ. (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا زكريا ديوبند ٣/ ٤٦٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان کو جو آدھ سیر بدلہ میں ملتی ہے وہ اپنی مزدوری سمجھتی ہیں اور جو اس طور کا معاملہ کرتے ہیں وہ بخوشی ادلا بدلا کرتے ہیں، اس طور کے ادلے بدلے میں سود تو نہیں ہوتا، اور اگر سود ہوتا ہے تو پھر کون سی صورت اس سے بچنے کی اختیار کریں، اور اپنی محنت کس طور سے وصول کریں؟ اس کی کوئی صورت بچنے کی سہل بتلائی جاوے تاکہ ان کو مسئلہ سے آگاہ کر دیا جاوے، چونکہ اس طرف اس طور سے سوت کو روئی سے بدلنے کا رواج ہے، اس لئے چرخہ جو چلاتی ہیں ایسا ہی کرتی ہیں، ان میں ان کو نفع ہوتا ہے؟

الجواب: **في الهداية: واختلفوا في القطن بغزله، قال العيني: أي في بيع القطن لغزل القطن متساويا وزنا، قال بعضهم: يجوز؛ لأن أصلهما واحد، وكلاهما موزون، وقال بعضهم: لا يجوز، وإليه ذهب صاحب خلاصة الفتاوى؛ لأن القطن ينقص إذا غزل فصار كالحنطة مع الدقيق.** اھ(۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئول عنہا جائز نہیں صرف ایک حیلہ جواز کا ہوسکتا ہے کہ سوت اور روئی کا مبادلہ نہ کریں بلکہ سوت کو داموں کے عوض بیچیں پھر ان داموں کے عوض روئی لے لیں یا روئی کو داموں کے عوض بیچیں پھر ان داموں کے عوض سوت لے لیں۔

۱۸؍ رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۵)

---

(۱) البناية شرح هداية، كتاب البيوع، باب الربا أشرفيه ديوبند ٨/ ٢٩٣۔

واختلفوا في جواز بيع القطن بغزله متساويا، فقيل: لايجوز؛ لأن القطن ينقص بالغزل فهو نظير الحنطة بالدقيق، وقيل: يجوز؛ لأن أصلهما واحد فكلاهما موزون. (عنايه على الفتح، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٣٤، كوئٹه ٦/ ١٧٣)

حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤/ ٤٦١۔

لو باع القطن بغزله فإنه يجوز كيف ماكان لا ختلاف الجنس وهو قول محمد رحمه الله، وقال أبويوسف: لايجوز إلا مستاويا، وقول محمد أظهر، وفي الحاوي وهو الأصح. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، بيروت ٣/ ١٢٣)

النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٣/ ٤٧٦۔

امام محمدؒ کے قول کے اعتبار سے یہ معاملہ جائز ہے اور اسی کو قول راجح قرار دیا گیا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کپڑے کی بیع بعوض نقد اور سوت کے

سوال (۱۷۲۶): قدیم ۳/۹۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین امور مستفسرہ ذیل میں قصبہ مؤ میں کپڑے کے خریدار اس قسم کے زیادہ ہیں جو مال کی قیمت میں نصف سوت اور نصف زر نقد دیا کرتے ہیں، اگر اسامی یعنی بائع چاہے کہ مال کی قیمت بلا سوت کے کل زر نقد ملے تو خریدار مال خریدنے سے باز رہے گا، لیکن کل زر نقد دے کر مال خریدنا قبول نہیں کرے گا اور اسامی یعنی بائع کا حرج ہونے لگے گا اس صورت میں اسامی اپنا مال نصف سوت اور نصف زر نقد پر فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے یا ناجائز، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سو (۱۰۰) روپے کا مال فروخت ہوگا تو پچاس روپے کا سوت اور پچاس روپے زر نقد سے مال کی قیمت ادا کی جائے گی لیکن اس امر کا ذکر بائع اور مشتری کے درمیان خرید وفروخت کے وقت نہیں کیا جاتا ہے، مال کی قیمت طے کر لیتے ہیں کہ چالیس روپے کا ہوا یا پچاس روپے کا ہوا اور سوت کا نرخ بعض وقت قبل سے معلوم رہتا ہے اور بعض وقت مال فروخت ہو جانے کے بعد طے ہوتا ہے، اس معاملہ میں بائع اور مشتری دونوں رضامند ہو جاتے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے اس کا جواب بہت جلد عطا ہو (اتم السوال)

پھر یہاں سے اس پر یہ تنقیح کی گئی!

یہ دست بدست ہوتا ہے یا اول قیمت دی جاتی ہے، پھر ایک میعاد کے بعد مال یا اس کا عکس اور میعاد معین ہوتی ہے یا نہیں، (تم التنقیح)

اس تنقیح کا یہ جواب آیا

واضح ہو کہ بائع جس وقت مال اپنا فروخت کرتا ہے، اس کے مال کی قیمت میں کبھی اسی وقت دست بدست نصف سوت اور نصف زر نقد سے دام مل جاتے ہیں، لیکن اکثر خریدار دام دینے میں تاخیر کرتے ہیں، اور تاخیر کی میعاد ایک ہفتہ سے چار ہفتہ تک ٹھہرائی گئی ہے، یعنی ایک ہفتہ یا چار ہفتہ میں اس کے مال کی قیمت میں نصف سوت اور نصف زر نقد سے دام ملے گا، لیکن مال کی قیمت میں بائع کو جو سوت ملتا ہے، وہ اصلی نرخ سے کسی قدر گراں پڑتا ہے، یعنی فی بنڈل دو آنہ یعنی اگر اصلی نرخ بازار کے آٹھ روپے بنڈل

ہوگی، تو مال کی قیمت میں جب سوت دیں گے تو دو آنہ اوپر آٹھ روپے بنڈل کا نرخ کر کے دیں گے، اس طرح پر کہ سولہ روپے مال کی قیمت ہوگی تو آٹھ روپے دو آنے کا ایک بنڈل سوت دیں گے اور سات روپے چودہ آنے نقد دیں گے، اس طرح پر بیع وشرا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

اس کا جواب حسبِ ذیل دیا گیا ہے

الجواب: باقتضائے "المعروف کالمشروط" یہ تو یقینی ہوگیا کہ ثمن دو چیزوں کا مجموعہ ہے، نقد اور سوت، پس یہ کہنا کہ سولہ روپے قیمت ہے، مثلاً اس کے معنی مصطلح بقاعدہ بالا یہ ہیں کہ اس کی قیمت آٹھ روپے نقد اور آٹھ روپے کا سوت ہے، مثلاً سو اگر مجلس ہی میں تقابض ہوجاوے یعنی خریدار نے کپڑے پر قبضہ کرلیا، اور بائع نے ثمن، یعنی نقد اور سوت پر، تب تو بلا تکلف یہ بیع جائز ہے، اور اگر کل ثمن مجلس میں نہیں دیا گیا یا سوت نہیں دیا تو اس صورت میں بیع کے جائز ہونے کی یہ شرط ہے: کہ عقد کے وقت سوت کا نرخ اور یہ کہ کتنا سوت دینا ہوگا تصریحاً مقرر ہوجاوے؛ کیونکہ یہاں سوت جزوِ ثمن ہے، اور ثمن کا معلوم ہونا صحتِ بیع کی شرط ہے۔

أما نفس الجواز، فلما في الدرالمختار جاز بيع كرباس بقطن وغزل مطلقاً، كيفما كان لاختلا فهما جنساً اھ. **قلت و يستثنى منه ثوب يمكن نقضه فيعود غزلاً، فإنه يشترط فيه التقابض (١) كما في ردالمحتار ج ۴ ص ٢٨٥، ٢٨٦۔**

١٥/ ذی الحجہ ١٣٣٩ھ (تتمہ خامسہ ص ٢٠٢)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤١٥-٤١٦، كراچی ٥/ ١٨٠-١٨١۔

ويجوز بيع الكرباس بالقطن، وكذا بالغزل كيف ما كان لاختلافهما جنسا؛ لأن الثوب لا ينقض ليعود غزلا أو قطنا الخ. (مجمع الأنهر، باب الربا، بيروت ٣/ ١٢٣)

وصح أيضا بيع الكرباس بالقطن لاختلافهما فهما جنسان؛ لأن الثوب لا ينقض فيعود قطنا؛ لأنه موزون والثوب غير ذلك، وأنهم كلامه جواز بيعه بالغزل بالأولى. (النهرالفائق، باب الربا، زكريا ٣/ ٤٧٦، زيلعي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤/ ٤٦١)

البحرالرائق، باب الربا، زكريا ٦/ ٢٢٠، كوئٹه ٦/ ١٣٢۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عدم جواز بیع معدوم

سوال (۱۷۲۷): قدیم ۳/ ۹۵- چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے بقیمت دو آنہ چیزے خریدہ یک روپیہ بدست بائع داد وفلوس ہشت آنہ مشتری را دادہ گفت کہ مابقی شش آنہ بعد چند ساعت بگیر یدو نیز بائع از ہنود ست اکنوں ایں بیع وگرفتن فلوس مابقی شرعاً روا باشد یا نہ بینوا بالکتاب توجروا عند الملک الوہاب۔

الجواب: فلوس مبیع است وبیع معدوم شرعاً جائز نیست (۱) الا السلم بشرائط، البتہ اگر فلوس موجود باشد گوقبض موخر باشد جائز ست لاکن عوام رعایت ایں شرط نمی کنند لہٰذا منع از اں مطلقاً اصلح است وہذا کلہ ظاہر۔

۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۸)

سوال نمبر: [۱۷۲۷] کا ترجمہ: علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دو آنہ کی ایک چیز خریدی اس نے ایک روپیہ بائع کو دیا اور بائع نے آٹھ آنہ مشتری کو دیئے، بائع نے کہا باقی چھ آنہ کچھ دیر کے بعد لوں گا اور بائع غیر مسلم ہے، اب یہ بیچنا اور مابقیہ پیسوں کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب نمبر: [۱۷۲۷] کا ترجمہ: فلوس مبیع ہیں اور بیع معدوم (جو چیز موجود نہ ہو اس کا فروخت کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، مگر بیع سلم میں چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے؛ البتہ اگر فلوس موجود ہوں گو قبضہ بعد میں ہو تو جائز ہے؛ لیکن عوام ان شرطوں کی رعایت نہیں کرتے؛ لہٰذا اس کو سرے سے منع کرنا زیادہ اچھا ہے۔

(۱) **عن حكيم بن حزام –رضي الله عنه– قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي.** (سنن ترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

وبيع ما ليس ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم، وفي الشامية قوله: لبطلان بيع المعدوم إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩) ←

پھلوں اور پھولوں کی بیع

آم کے پھول (کہر) کی بیع کافر کے ہاتھ

سوال (۱۷۲۸): قدیم ۳/ ۹۵ - اگر آم کا مول (یعنی پھول) کسی کافر نے مسلمان مالک باغ سے خرید کیا تو اس کافر سے اور مسلمانوں کو آم لینے جائز ہیں یا نہیں اور ان کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: جائز نہیں (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۶)

← **وأما المعدوم فلا يحتمل العقد أصلا؛ لأنه ليس بشيء فلا يوصف العقد المضاف إليه بالفساد ليتعدى إلى غيره بل لم تصح الإضافة إليه الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٤/ ٣٦٤)

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کا یہ مسئلہ اگلے والے مسئلہ کے خلاف ہے، جب کسی غیر مسلم نے مسلمان مالک باغ سے مول (پھول) خرید کیا ہے یہ معاملہ بیع فاسد میں داخل ہونے کی وجہ سے مسلمان پر لازم تھا کہ عقد کو واپس کر لیتا، مگر جب بیع فاسد میں مشتری اول نے دوسروں کے ہاتھ عقد صحیح کے شرائط کے ساتھ فروخت کر دیا ہے تو مشتری ثانی کے لئے عقد بھی صحیح ہو جاتا ہے اور خریدی ہوئی شئ بھی بلاتردد حلال اور جائز ہو جاتی ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؛ لہٰذا باغات کی بیع میں عقد اول تو فاسد ہو جاتا ہے؛ لیکن اس کے بعد مشتری اول نے جب آڑتھیوں کے ہاتھ پھل فروخت کر دیا ہے یا انفرادی طور پر کسی کے بھی ہاتھ پھل فروخت کر دیا ہے، تو خریداروں کے لئے پھل بلاتردد اور بلاشبہ جائز اور حلال ہو جاتا ہے، اس کی صراحت کتب فقہ میں واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اس کو ''بدائع'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وبيان ذلك في مسائل المشتري شراء فاسدا إذا باع المشتري أو وهبه أو تصدق به بطل حق الفسخ، وعلى المشتري القيمة أو المثل؛ لأنه تصرف في محل مملوك له، فنفذ تصرفه ولا سبيل للبائع على بعضه؛ لأنه حصل عن تسليط منه، ويطيب للمشتري الثاني؛ لأنه ملكه بعقد صحيح بخلاف المشتري الأول الخ. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، بيان ما يبطل به حق الفسخ، مكتبه ديوبند ٤/ ٥٨٥)

اس کو ''ہدایہ'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه وسقط حق الاسترداد ←

دارالحرب میں کافر مالک باغ سے درختوں کا پھول (کہر) خریدنا

سوال (۱۷۲۹): قدیم ۳/ ۹٦- اگر کسی کافر مالک باغ سے مسلمانوں نے مول خرید کیا تو ان مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو خرید کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱٦٦)

بائع ومشتری دونوں غیر مسلم ہوں اور وہ کہر کی بیع کریں تو مسلمانوں کا اس پھل کو خریدنا

سوال (۱۷۳۰): قدیم ۳/ ۹٦- اگر مالک باغ بھی کافر ہے اور خریدنے والا مول کا بھی کافر ہے تو ان سے اور مسلمانوں کو آم لے کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۲)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱٦٦)

← **لتعلق حق العبد بالثاني ونقض الأول لحق الشرع وحق العبد مقدم لحاجته، ولأن الأول مشروع بأصله دون وصفه، والثاني مشروع بأصله ووصفه فلا يعارضه مجرد الوصف الخ.**

(هداية، كتاب البيوع، بيع الفاسد، فصل: في أحكامه، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٤)

(۱) اس لئے جائز ہے کہ عقد اول ہی صرف فاسد ہوا ہے اور عقد ثانی چونکہ اپنی شرائط کے ساتھ صحیح ہوا ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ اس لئے مشتری ثانی کے لئے پھلوں کا استعمال کرنا اور کھانا بلاشبہ جائز اور حلال ہے، جیسا کہ بدائع کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ويطيب للمشتري الثاني؛ لأنه ملكه بعقد صحيح بخلاف المشتري الأول؛ لأنه لا يطيب له؛ لأنه ملكه بعقد فاسد الخ. (بدائع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٨٦)

اس کو "البحر الرائق" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ثم اعلم أن المشتري فسادا لا يطيب للمشتري ويطيب لمن انتقل الملك عنه إليه لكون الثاني ملكه بعقد صحيح بخلاف المشتري الأول، فإنه يحل له التصرف ولا يطيب له؛ لأنه ملكه بعقد فاسد الخ. (البحرالرائق، جديد مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٥٧، قديم كوئٹه ٦/ ٩٥)

(۲) اس لئے جائز ہے کہ غیر مسلموں کو احکام شرعیہ کے فروعی مسائل کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے، ذیل کی عبارات ملاحظہ ہوں:

إن بلالا قال لعمر بن الخطابؓ إن عمالک يأخذون الخمر والخنازير في الخراج، ←

بیع ثمار بعض شروط مروّجہ

سوال (۱۷۳۱): قدیم ۳/۹۶- باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کرکے بیچ دیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا باقی پرداخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: وأن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع حاوى، وقيل: (قائله محمد) لا يفسد إذا تناهت الثمرة المتعارف، فكان شرطا يقتضيه العقد، وبه يفتى بحر عن الاسراء الخ. وفي ردالمحتار قبل القول المذكور تحت قوله: وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج أكثر بعد بحث طويل قلت لكن يخفى تحقق الضرورة في زماننا، ولا سيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار إلىٰ اٰخر ما قال وأطال (۱).** (ج ۴ ص ۵۹)

← **فقال: لا تأخذوها منهم، ولكن ولّوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن.** (إعلاء السنن، باب حرمة بيع الخمر والميتة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۱۳۴، کراچی ۱۴/ ۱۱۱)

وروى عن سيدنا عمر بن الخطابؓ كتب إلى عشاره بالشام أن ولوهم ببيعها وخذوا العشر من أثمانها ...... ونحن أمرنا بتركهم وما يدينون. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم عظم الخنزير والآدمي، زكريا ديوبند ۴/ ۳۳۴، کراچی ۵/ ۱۴۳)

وأما الكفارة ففي كونهم مخاطبين بالفروع خلاف مشهور، وإذا وكل المسلم الذمي بيع الخمر لم يوجد البيع من المسلم أصلا، وإنما وجد منه التوكيل ولا يلزم منه كون المؤكل بائعا؛ لأن الوكيل بالبيع كالعاقد لنفسه عنه لتعلق حقوق العقد به دون المؤكل.

(إعلاء السنن، باب حرمة بيع الخمر والميتة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۱۳۴، کراچی ۱۴/ ۱۱۱)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة ببيع الخمر والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانها.

(إعلاء السنن، باب حرمة بيع الخمر والميتة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۱۳۵، کراچی ۱۴/ ۱۱۲)

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ۷/ ۸۵-۸۶-۸۷، کراچی ۴/ ۵۵۵-۵۵۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي الدرالمختار: ولا بيع بشرط -إلىٰ قوله- ولم يجر العرف به الخ، وفيه أوجرى العرف به -إلى قوله- استحاناً للتعامل بلا نكير، وفي ردالمحتار بعد كلام طويل: ومقتضى هذا أنه لوحدث عرف في شرط غير الشرط في النعل أو الثوب والقبقاب أن يكون معتبرا إذا لم يؤد إلىٰ المنازعة (١) الخ. (ص ١٨٦تا ص ١٩٠)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٨١-٢٨٦، كراچی ٥/ ٨٤-٨٨۔

وإن شرط المشتري القطع على البائع أو تركها على الشجر ورضي به فسد البيع، ولو بعد تناهى عظمها عند الشيخين وهو القياس ...... لأنه شرط لا يقتضيه العقد، وفيه نفع للمشتري خلافا لمحمد، فإنه استحسن صحة البيع في المتناهية للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد، وبه يفتى كما في تنوير الأبصار وعزاه مصنفه في منحه للبحر عن الاسرار الخ.

(الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٢٧)

وان شرط تركها على النخل فسد البيع سواء تناهى عظمها أو لا، ولا خلاف في الثاني وفي الأول خلاف محمدؒ جوزه استحسانا، قيل: والثاني معه وجه قولهما في الصورتين أنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير ...... ووجه قول محمد في الأول أنهم تعارفوا ذلك فيه فكان شرطا يقتضيه العقد وجعل في الاسرار الفتوى على قول محمد، وفي التحفة: الصحيح قولهما. (النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٣/ ٣٦٠)

البحرالرائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٥/ ٥٠٧، كوئٹه ٥/ ٣٠٢۔

زيلعي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٤/ ٢٩٥، إمداديه ملتان ٤/ ١٢۔

كل شرط لايقتضيه العقد هو غير ملائم له ولم يرد الشرع بجوازه ولم يجر التعامل فيه وفيه منفعة لأهل الاستحقاق مفسد لما روينا: فإن شرط فيه ما يقتضيه العقد ...... أو شرط فيه الملائم للعقد ...... جاز أو شرط فيه ما ورد الشرع بجوازه كالخيار أو شرط فيه ما جرى التعامل بيان الناس كشراء النعل ...... لا يفسد البيع لورود الشرع به أو التعامل أو لكونه ملائما -إلى قوله- وصح بيع نعل ...... وجه الاستحسان أن الناس تعاملوه وبمثله يترك القياس الخ. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ٤/ ٣٨٩-٣٩٣)

النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان روایات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہو جاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں۔

۲۸؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۹)

بیع ثمار قبل ظہور

سوال (۱۷۳۲): قدیم ۳/ ۹۷- اگر قرض دار کو باغ کا پھل دو تین سال پانچ سو (۵۰۰) روپے میں لکھ دیئے جاویں جو پیداوار ہو کیسا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: أما قبل الظهور فلا يصح اتفاقا، وفي رد المحتار عن الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر (۱) الخ. (جلد ۴ ص ۵۸)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ مطلقاً ناجائز ہے۔

۲۸؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۹)

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصود، زكريا ۷/ ۸۴-۸۵، كراچی ۴/ ۵۵۵۔

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقا. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الثاني: في بيع الثمار، قديم زكريا ۳/ ۱۰۶، جديد زكريا ۳/ ۱۰۷)

ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لا صح إذ لا خلاف في عدم جواز بيعها قبل أن يظهر وقد يؤخذ هذا القيد من قوله: ثمرة؛ لأنها قبل الظهور لا تسمى بذلك. (النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۹)

أن تباع الثمار قبل ظهورها وهذا لم يقل بجوازه أحد سواء جرى به التعامل أو لا الخ. (تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها أشرفيه ۱/ ۳۹۳)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ۳/ ۲۶۔

شرح المجلة، الفصل الثاني: فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار جنس (پھل) کی مقرر کرنا

سوال (۱۷۳۳): قدیم ۳/ ۹۷- جناب کے بہشتی زیور میں میں نے یہ مسئلہ دیکھا ہے کہ اگر بہار باغ بیع کی جاوے تو نقد قیمت کے ہمراہ کچھ مقدار آم کی بطور جنس لینے کے طے کر لی جاوے تو جائز ہے، اور پیشتر سے مجھ کو یہ علم تھا کہ قیمت کے ہمراہ جنس ناجائز ہے لہٰذا مثلاً کسی شخص نے اپنا باغ بیع کیا مبلغ سو روپے کو، یعنی مشتری سے یہ کہا کہ کل بہار کے سو (۱۰۰) روپے لوں گا اور دس من آم بھی اسی باغ کے تم سے بغیر قیمت کے لوں گا، گویا بالکل قیمت سو روپے نقد اور دس من آم ہوئے تو یہ جنس علاوہ نقد جائز ہوگی یا نہیں، امید کہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے، بینوا توجروا، فقط؟

الجواب: میں نے یہ مسئلہ ایک تاویل سے لکھا تھا کہ گویا یہ مقدار بیع سے مستثنیٰ ہوگئی اور استثناء مبیع سے مقدار معلوم ومعیّن کا جائز ہے اور اس کو لکھ کر ایک محقق عالم صاحب الفتاویٰ کو بھی دکھلا لیا تھا، انہوں نے بھی موافقت فرمائی، مگر بعد چندے ایک دوسرے گزشتہ بزرگ کا فتویٰ اس کی ممانعت کا مجھ سے ایک ثقہ نے نقل کیا، اور وہ ممانعت بھی ایک قاعدہ پر مبنی معلوم ہوئی، وہ یہ کہ یہ کیا معلوم کہ پھل اتنا ہاتھ آجاویگا کہ اس میں سے اس قدر دے سکے گا تب سے اس مسئلہ میں تردد ہوگیا، بہتر یہی ہے کہ یہی سوال وجواب دیوبند و سہارنپور بھیج کر مسئلہ کی تنقیح کر لی جاوے اس وقت تو یوں سمجھ میں آرہا ہے کہ اگر یہ مقدار اس قدر ہو کہ یقیناً مل جاوے گی اور کوئی نزاع نہ ہوگا تو کچھ حرج نہ ہوگا ورنہ منع کیا جاوے (۱)۔

۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۰)

---

(۱) ولو باع ثمرة واستثنى منها أرطالا معلومة صح البيع، والظابط أن كل ما جاز إيراد العقد عليه بانفراده جاز استثناؤه ومالا فلا فيصح استثناء قفيز من صبرة وشاة معينة من قطيع وثمر شجر معين من بستان كما يجوز إيراد العقد عليها. (الدر المنتقى على مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ۳/ ۲۹)

ولو استثنى منها أي من الثمرة المبيعة أرطالا معلومة أو رطلا صح البيع في قياس ظاهر الرواية؛ لأن كل ماجاز إيراد العقد عليه بانفراده جاز استثناؤه وما لا فلا، وروى الحسن عن الإمام أنه لا يجوز واختاره الطحاوي ...... بخلاف ما لو استثنى نخلا معينا؛ لأنه معلوم بالمشاهدة والجهالة لا تفضي إلى المنازعة الخ. (النهر الفائق، كتاب البيوع زكريا ۳/ ۳۶۰) ←

پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار جنس (پھل) مقرر کرنا

سوال (۱۷۳۴): قدیم ۳/ ۹۷- کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا باغ پھل ظاہر ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ قیمت لیں گے اور اس قدر یعنی ہزار پانسو انبہ ہم لیں گے، خریدار سمجھوتہ بابتہ قیمت کر کے خرید لیتا ہے، اور انبہ دینے پر بھی راضی ہو جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ انبہ لینے جائز ہیں یا نہیں اگر ناجائز تو صورتِ جواز کیا، اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے انبہ کی تعیین کرے، اکثر باغ والے اس صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود کھا نہیں سکتے اس صورت سے کھا بھی لیتے ہیں اور فروخت بھی کر دیتے ہیں، دیوبند کو لکھا تھا، مفتی صاحب نے لکھا کہ تعداد انبہ ہزار پانچسو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے، درمختار میں ہے، حسب اتفاق مراد آباد کے نوجوان علماء یہاں ایک تقریب میں آئے اُن کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا ناجائز ہے، بیع مجہول ہے، صفقہ فی صفقتین ہے، اس سے خلجان ہو گیا، لہٰذا گذارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرماویں تاکہ کسی امر کا وثوق ہو جاوے، فقط؟

الجواب: اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سو اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انبہ معہودہ کو بدل قرار دیا جاوے، یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے، ایک اتنا روپیہ دوسرا اتنا انبہ، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے، دوسرا احتمال یہ کہ اتنی تعداد کے انبہ بیع سے مستثنیٰ سمجھے جاویں سو اس میں بھی یہ خدشہ ہے کہ اول تو انبہ مقدار میں متفاوت کوئی چھوٹا کوئی بڑا، اس میں نزاع کا احتمال دوسرے ممکن ہے کہ کل انبہ اتنے ہی پیدا ہوں تو استثنا کہاں صحیح ہوگا تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو غیر مبیع ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن تعامل عام کے سبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب عادۃً نزاع نہ ہو اور غالباً انبہ زیادہ ہوں تو جائز کہہ دیں گے اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کر لیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں (۱)۔

۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۸)

← **ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنى منها أرطا لا معلومة ...... بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة.** (هداية، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، أشرفيه ديوبند ۳/ ۲۷)

(۱) **فصح استثناء قفيز من صبرة، وشاة معينة من قطيع، وأرطال معلومة من بيع** ←

پھلوں کی بیع میں بعض پھل کی شرط کا جواز

سوال (۱۷۳۵): قدیم ۳/ ۹۸- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بہار باغ سو روپے میں فروخت کی، مشتری نے پچاس روپے نقد وقت بیع کے دے دیئے اور پچاس روپے کا اختتام بہار پر وعدہ کیا، یہ روپیہ جو اختتام بہار پر دیا جائے گا اس پر بائع مشتری سے روپیہ سیکڑہ ڈالی کے آم لے گا یہ آم لینے جائز ہیں یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کل روپیہ بوقت بیع لے لیا، اس پر بھی کسی قدر آم مشتری سے لئے جاتے ہیں لیکن اس صورت میں روپیہ سیکڑہ نہیں لیا جاتا ہے، بلکہ اس سے کم جو طے ہو جائے یہ جائز ہے یا نہیں، ڈالی کے قائم کرنے نہ کرنے میں ثمن کی کمی بیشی بھی ہوتی ہے؟

الجواب: یہ اس تاویل سے جائز ہو سکتا ہے کہ جتنے انبہ مقرر ہوئے ہیں گویا یہ بیع سے مستثنیٰ ہیں اور اس استثناء میں مستثنیٰ اس طرح معلوم ہونا چاہیئے، کہ متبایعین میں نزاع نہ ہو، اگر ایسی ہی تعیین ہو جاوے تو گنجائش ہے (۱)۔ اور ہر چند کہ آم ذوات القیم ہیں، لیکن بضرورت تعامل ان کے اشجار کی تعیین سے جو تقارب ان کے احاد میں ہے اس سے وہ ملحق بذوات الامثال ہو سکتا ہے۔

۲۹/ رجب ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۰۸)

← **تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها، ولو الثمر على رؤس النخل على الظاهر الخ.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، فصل: فيما يدخل في المبيع تبعا ومالا يدخل فيه، زكريا ديوبند ٧/ ٩٠، كراچی ٤/ ٥٥٨)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنى منها أرطالا معلومة خلافا لمالكؒ؛ لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٧)

أجازه قياسا على استثناء شجرة معينة قلنا: قياس مع الفارق؛ لأن الباقي بعد إخراج المستثنى غير مشار إليه معلوم الكيل المخصوص، فكان مجهولا بخلاف الباقي بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم مفرز بالإشارة. (فتح القدير، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٩، كوئٹه ٥/ ٤٩٢)

(۱) **ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنى منها أرطالا معلومة خلافا لمالكؒ؛ لأن** ←

جو پھل ظہور سے پہلے فروخت کئے گئے ہوں مالک اصلی کو ان کی خریداری حلال ہے

سوال (١٧٣٦): قدیم ٣/ ٩٩- میرے والد کے پاس گاؤں میں کچھ باغ جن کا ٹھیکہ تین چار سال ہوئے کہ والد صاحب نے دس سال کے واسطے رجسٹری کرادیا ہے، اور اس ٹھیکہ دار سے علاوہ زر مقررہ کے کچھ آم بھی بطور ڈالی کے ٹھہر گئے ہیں، اب یہ فرمادیجئے کہ یہ ڈالی کے آم جب گھر آویں تو میں اپنے صرف میں لاسکتا ہوں یا نہیں، علاوہ اس کے اس گاؤں میں کچھ جزو میرا بھی ہے مگر غیر تقسیم شدہ اور وہ بالکل والد کے قبضہ میں ہے، اور میرا اس وجہ سے ہے کہ مجھے میراث میں ملا ہے، فقط

الجواب: بیع باطل تھی (١) اور آم سب مالک اصلی کی مِلک ہیں، پس اس میں سے جو آم ڈالی میں

← **الباقي بعد الاستثناء مجهول بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة.** (هداية، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٧)

أجازه قياسا على استثناء شجرة معينة قلنا: قياس مع الفارق؛ لأن الباقي بعد إخراج المستثنى غير مشار إليه معلوم الكيل المخصوص، فكان مجهولا بخلاف الباقي بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم مفرز بالإشارة. (فتح القدير، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٩، كوئٹه ٥/ ٤٩٢)

فصح استثناء قفيز من صبرة، وشاة معينة من قطيع، وأرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها، ولو الثمر على رؤس النخل على الظاهر. قوله: وأرطال معلومة، أفاد أن محل الاختلاف الآتي ما إذا استثنى معينا، فإن استثنى جزءا كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقا. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، فصل: فيما يدخل في المبيع تبعا ومالا يدخل فيه، زكريا ديوبند ٧/ ٩٠، كراچی ٤/ ٥٥٨)

(١) أما قبل الظهور فلا يصح اتفاقا، وفي الشامية: عن الفتح لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ديوبند ٧/ ٨٥، كراچی ٤/ ٥٥٥)

بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلا. (شرح المجلة، الفصل الثاني: فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، اتحاد ديوبند ١/ ٩٨، رقم المادة: ٢٠٥) ←

آویں گے وہ بھی مالک ہی کی ملک ہیں (١)؛ اس لئے حلال ہیں؛ لیکن جس جگہ عوام اس دقیقہ کو نہ سمجھ سکیں تو ایسے شخص کو نہ کھانا چاہئے جس سے عوام پر اثر پہنچے۔

۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (حوادث اول و دوم ص ۱۴۳)

پھلوں اور پھولوں کی بیع سلم کی شکل

سوال (۱۷۳۷): قدیم ۳/ ۹۹- **في الدر المختار: (ومن باع ثمرة بارزة أما قبل الظهور فلا يصح اتفاقا (ظهر صلاحها او لا صح فی الاصح) ولو برز بعضها**

← **أن تباع الثمار قبل ظهورها وهذا لم يقل بجوازه أحد سواء جرى به التعامل أو لا الخ.** (تکمله فتح الملهم، کتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها أشرفيه ١/ ٣٩٣)

هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الثاني: في بيع الثمار، قديم زكريا ديوبند ٣/ ١٠٦، جديد زكريا ٣/ ١٠٧-

(١) **والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إياه إذا قبضه.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٩)

قبض المشتري المبيع بيعا باطلا بإذن بائعه لا يملكه لانعدام الركن وهو مبادلة المال بالمال، والمبيع الباطل لا يعد مالا الخ. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد بيروت ٣/ ٩٤)

حكم البيع الباطل أنه لا يترتب عليه أي أثر من آثار البيع حتى أن المشتري لا يملك المبيع وإن قبضه. (فقه البيوع، مكتبه نعيميه ديوبند ٢/ ٩٥١)

لاينعقد البيع الباطل أصلا وليس له وجود معتبر شرعا، وإذا قبض المشتري المبيع فلا يكون ملكا له الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٣٥)

العقد الباطل في اصطلاح الحنفية لا وجود له إلا من حيث الصورة فليس له وجود شرعي، ومن ثم فهو عدم والعدم لا ينتج أثرا ...... ولا يملك بالعقد الباطل ما يملك بغيره، وإذا حدث فيه تسليم يجب الرد ففي البيع الباطل لاينتقل الملك بالقبض، ولذا يجب الرد الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/ ١١٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دون بعض لا) يصح (في ظاهر المذهب) وصححه السرخسي، وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج أكثر زيلعى (ويقطعها المشترى في الحال) جبراً عليه (وإن شرط تركها على الأشجار فسد) البيع كشرط القطع على البائع حاوى. (وقيل) قائله محمد (لا) يفسد (إذا تناهت) الثمرة للتعارف، فكان شرطاً يقتضيه العقد (وبه يفتى) بحر عن الاسرار. لكن في القهستاني عن المضمرات: أنه على قولهما الفتوىٰ فتنبه. قيد باشتراط الترک؛ لأنه لوشراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الزيادة، وإن بغير إذنه تصدق بما زاد في ذاتها وإن بعد ماتناهت لم يتصدق بشئ، وإن استاجر الشجر إلىٰ وقت الإدراک بطلت الإجارة، و طابت الزيادة لبقاء الإذن ولو استأجر الأرض لترک الزرع فسدت لجهالة المدة ولم تطب الزيادة. ملتقى الأبحر لفساد الإذن بفساد الإجارة بخلاف الباطل كما حررناه في شرحه مطلب فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن، والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزء من ألف جزء، وأن يشترى أصول الرطبة كالباذنجان، وأشجار البطيخ، والخيار؛ لكون الحادث للمشتري، وفي الذرع والحشيش يشترى الموجود ببعض الثمن، ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم فيها الإدراک بباقى الثمن، وفي الأشجار الموجود، ويحل له البائع ما يوجد، فإن خاف أن يرجع يقول: على أنى متى رجعت في الإذن تكون ماذوناً في الترک شمنى ملخصاً، وفي رد المحتار تحت قوله: ظهر صلاحها أو لامانصه، وعندنا إن كان بحال لاينتفع به في الأكل ولا في علف الدواب فيه خلاف بين المشائخ، قيل لا يجوز، ونسبه قاضي خان لعامة مشائخنا، والصحيح أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به في ثاني الحال إن لم يكن منتفعا به في الحال، والحيلة في جوازه باتفاق المشائخ أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر، فيجوز فيها تبعا للأوراق كأنه ورق كله، وإن كان بحيث ينتفع به، ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب إذا باع بشرط القطع أو مطلقا. اھ

وفيه قوله: وأفتىٰ الحلواني بالجواز، وزعم أنه مروي عن أصحابنا، وكذا حكى عن الإمام الفضلي، وقال استحسن فيه لتعامل الناس، وفي نزع الناس عن عادتهم حرج قال في الفتح: وقد رأيت رواية في نحو هذا عن محمد في بيع الورد على الأشجار، فإن الورد متلاحق، وجوز البيع في الكل، وهوقول مالک اھ. وفيه بعد أسطر قلت لكن

لايخفى تحقق الضرورة في زماننا، ولا سيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار، فإنه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس لا يمكن بالنسبة إلى عامتهم، وفي نزعهم من عادتهم حرج كما علمت، و يلزم تحريم أكل الثمار في هذه البلدان إذ لا تباع إلا كذلك والنبى ﷺ إنما رخص في السلم للضرورة مع أنه بيع المعدوم فحيث تحققت الضرورة هنا أيضاً أمكن إلحاقهٔ بالسلم بطريق الدلالة فلم يكن مصادماً للنص، فلذا جعلوه من الاستحسان؛ لأن القياس عدم الجواز، والظاهر كلام الفتح الميل إلى الجواز، ولذا أورد له الرواية عن محمد بل تقدم أن الحلواني رواه عن أصحابنا، وما ضاق الأمر إلا اتسع، ولا يخفى أن هذا مسموع للعدول عن ظاهر الرواية كما يعلم من رسالتنا المسماة نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف، فراجعها قوله: ولو الخارج أكثر ذكر في البحر عن الفتح أن ما نقله شمس الائمة عن الإمام الفضلي لم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد أكثر بل قال عنه أجعل الموجود أصلا، وما يحدث بعد ذلك تبعاً قوله جبراً عليه مفاده أنه لا خيار للمشترى في إبطال البيع إذا امتنع البائع عن إبقاء الثمار على الأشجار فيه بحث لصاحب البحر والنهر سيذكره الشارح اٰخر الباب (ونصه في اٰخر الباب هكذا) قال في النهر: ولا فرق يظهر بين المشتري والبائع، في رد المحتار: أصله لصاحب البحر وحاصل البحث أنه ينبغي على قياس هذا أنه لو باع ثمرة بدون الشجر ولم يرض البائع بإعارة الشجر أن يتخير المشتري أيضا إن شاء أبطل البيع أو قطعها؛ لأن في القطع إتلاف المال، وفيه ضرر عليه الخ. قوله: فتنبه أشار به إلى اختلاف التصحيح، وتخيير المفتى في الإفتاء بأيهما شاء لكن حيث كان قول محمد هو الاستحسان يترجح على قولهما تامل، وفيه تحت قوله كما حررناه في شرحه ما نصه، وحاصل الفرق كما في الفتح وغيره: أن الفاسد له وجود؛ لأنه فائت الوصف دون الأصل، فكان الإذن ثابتا في ضمنه فيفسد بخلاف الباطل، فإنه لا وجود له أصلا فلم يوجد إلا الإذن، قوله: وأن يشترى الخ، هذه حيلة ثانية، وبيانها أن المشترى إما أن يكون مما يوجد شيئًا فشيئًا

وقد وجد بعضه أو لم يوجد منه شئی، كالباذنجان، والبطيخ، والخيار أو يوجد كله لكنه لم يدرک كالزرع والحشيش، أو يكون وجد بعضه دون بعض كثمر الأشجار المختلفة الأنواع، ففي الأول يشترى الأصول ببعض الثمن، ويستأجر الأرض مدة معلومة بباقي الثمن لئلا يأمره البائع بالقلع قبل خروج الباقي أو قبل الإدراک، وفي الثاني: يشترى الموجود من الحشيش والزرع، ويستأجر الأرض كما قلنا، وفي الثالث يشترى الموجود من الثمر بكل الثمن، ويحل له البائع ما سيوجد؛ لأن استئجار الأرض لا يتأتی هنا؛ لأن الأشجار باقية على ملک البائع، وقيامها على الأرض مانع من صحة استئجار الأرض (۱)۔ (ج صفحہ ۴ ۵۸ تا ۶۱)

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، فصل: فيما يدخل في البيع تبعا وما لايدخل زكريا ديوبند ۷/ ۸۴-۱۰۱، كراچی ۴/ ۵۴۴-۵۶۵۔

ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لم يبد صح؛ لأنه مال متقوم إما لكونه منتفعا به في الحال أو في المآل، وقيل: لا يجوز قبل بدو الصلاح وهو قول الأئمة الثلاثة، وإنما قيد بقوله ببدا صلاحها؛ لأن بيعها قبل البدو لا يصح اتفاقا، وإما بشرط الترک ففيه اختلاف سيأتي فصار محل الخلاف البيع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا، أي بلا شرط القطع ولا بشرط الترک، فعند الأئمة الثلاثة لا يجوز، وعندنا يجوز، ولكن اختلفوا فيما إذا كان غير منتفع به الآن أكلا وعلفا للدواب، فقيل: بعدم الجواز، ونسبه قاضيخان لعامة مشايخنا، والصحيح الجواز كما في البحر، وفي الفتح: والحيلة في جوازه باتفاق المشايخ أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع الأوراق فيجوز فيها تبعا للأوراق كأنه ورق كله، وإن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب إذا باع بشرط القطع لو مطلقا، وفي الشمني: وإنما الخلاف في تفسير بدو صلاحها، وعندنا على ما فى المبسوط هو أن يأمن العاهة والفساد ...... وفي الدر المنتقى: أما قبل الظهور فلايصح، واختلف فيها إذا ظهر البعض وظاهر المذهب لا يجوز، وأفتى ابن الفضل والحلواني بالجواز، ويجعل المعدوم تبعا كذا في النهر، قلت: ونقله القهستاني لكن بزيادة قيد كون الموجود أكثر من المعدوم قال ...... اشترى الموجود ببعض الثمن، وآخر البيع في الباقي إلى وقت وجوده، قال: ولو بيع ورد الكمثرى مع أوراقه جاز تبعا اتفاقا، وإن شرط تركها أي الثمرة على الشجرة، ورضي به فسد البيع، ولو بعد تناهى عظمها عند الشيخين وهو القياس؛ لأنه شرط لا يقتضيه العقد خلافا لمحمد، فإنه استحسن صحة ←

روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) پھل جب تک نکل نہ آوے اس کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، اور حیلہ سلم کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے۔

(۲) پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً۔

(۳) اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس کو امام فضلی نے جائز کہا ہے۔

(۴) بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر رہنے دینے کی اجازت دیدی صراحۃً یا دلالۃً تو پھل حلال رہے گا۔

(۵) اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔

(۶) جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہونے کے بعد بیع درست ہے۔

(۷) اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہوجانا کافی ہے، اور اگرچہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، مگر ابتلائے عام میں گنجائش ہے۔

زمین مع باغ انبہ ٹھیکہ پر ہو تو اس کا پھل کھانا

سوال (۱۷۳۸): قدیم ۳/ ۱۰۲- اگر کسی باغ کا ٹھیکہ مع زمین کے کاشت پر ہوا اور اس

← **البيع في المتناهية للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد، وبه يفتى كما في تنوير الأبصار وعزاه مصنفه في منحه للحبر عن الأسرار ...... وإن تركها أي الثمرة الغير متناهية على الشجر بإذن البائع بلا اشتراط تركها حالة العقد طاب له أي للمشتري الزيادة الحاصلة في ذوات الثمرة بالترك؛ لأنه حصل بطريق مباح، وإن تركها بغير إذنه تصدق المشتري بما زاد الترك في ذاتها لحصوله بطريق محظور هي غصب الأرض والشجر -إلى قوله- والقول في قدر الحادث للمشتري.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٢٥-٢٩)

النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٨-٣٦٠۔

البحرالرائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٥/ ٥٠١-٥٠٥، كوئٹه ٥٥۔

زيلعي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٤/ ٢٩٥-٢٩٦، إمداديه ملتان ٤/ ١٢۔

فتح القدير مع الهداية، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٦/ ٢٦٦، كوئٹه ٥/ ٤٨٨-٤٩٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کے ساتھ بہار رباغ انبہ کا بھی ٹھیکہ ہو تو اس باغ کے آم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں(۱)۔

ضمیمہ مضمون بالا

ان ثمار کے متعلق ہمارے اضلاع میں ایک رسم ہے کہ بائع ثمار مشتری سے ثمن کے علاوہ ایک مقدار خاص سے کچھ ثمر لینا بھی ٹھہرا لیتا ہے، مثلاً پختگی پر ہم اتنے وزن سے ثمر کنار یا اتنی تعداد سے ثمر انبہ بھی تم سے لیں گے، اور وہ اس کو منظور کر لیتا ہے، اور وقت پر دیدیتا ہے کبھی یکبارگی اور کبھی متفرق کر کے، اور اس میں نزاع واختلاف بھی اکثر نہیں ہوتا، اور کبھی پھل کی پیداوار میں کمی ہوتی ہے تو بعض بائعین اس مقدار میں بھی کمی کر دیتے ہیں، اور اس کو اصطلاح میں جنس کہتے ہیں، پس یہ مسئلہ بھی قابل بحث ہے، سو ایک توجیہ تو اس کے جواز کی اس کو استثناء میں داخل کرنے سے محتمل ہے مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ اس تقدیر پر مشتری فی الفور بائع سے مطالبہ کر سکتا ہے، کہ اپنا پھل غیر مبیع میرے مبیع پھل سے تقسیم کر کے متمیز کر دو اور وہ انکار نہیں کر سکتا اور بائع اس کو ایک وقت خاص تک اس کی حفاظت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ عرف اور شرط اور مقصود کے خلاف ہے۔

اور ایک توجیہ یہ محتمل ہے کہ ثمن دو چیزوں کو کہا جاوے، ایک تو روپے کی رقم، دوسرا اتنا پھل، لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ ایک تو خود مبیع کے ایک جزو کو ثمن ٹھہرانا جائز نہیں، دوسرے اس صورت میں ثمن وقت بیع کے مقدور التسلیم نہیں، پس یہ دونوں توجیہیں قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں، مگر اس میں ابتلاء عام ہے، اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے اس کو کسی کلیہ پر منطبق کرنے کی، سو احقر کے خیال میں یہ توجیہ آتی ہے کہ فقہاء نے

---

(۱) **بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقا.** (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيه وما لايجوز، الفصل الثاني: في بيع الثمار، قديم زكريا ٣ / ١٠٦، جديد زكريا ٣ / ١٠٧)

بيع المعدوم باطل فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلا. (شرح المجلة، الفصل الثاني: فيما يجوز بيعه ومالا يجوز اتحاد ديوبند ١ / ٩٨، رقم المادة: ٢٠٥)

أن تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه سواء جرى به التعامل أولا. (تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، أشرفيه ١ / ٣٩٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تصریح کی ہے کہ بعد تکمیل بیع کے بھی تراضی متعاقدین سے ثمن میں بھی اور مبیع میں بھی زیادت جائز ہے، اور حط یعنی کمی بھی جائز ہے (۱) جیسا زیادہ کے خریدار کو کمیشن واپس کرنا جس کی حقیقت حط ثمن ہے عام طور سے رائج ہے، اسی طرح اس کو حط مبیع میں داخل کہا جاوے، یعنی بیع تو ہوگئی کل کی، مگر بیع میں یہ شرط ٹھہر گئی کہ مشتری اس قدر مبیع پھر بائع کو فلاں وقت واپس کردے گا، اور ہر چند کہ وقت کی شرط قواعد سے اس پر لازم نہیں، مگر فقہ میں اس کی بھی تصریح ہے، کہ جو وعدہ ضمنِ عقد میں ہو وہ لازم ہوجاتا ہے اس لئے اس کو لازم بھی کہا جاویگا، اب صرف اس میں دو شبہے رہ گئے، ایک یہ کہ شاید اتنا پیدا نہ ہو، دوسرے اگر پیدا بھی ہو تو اس کے آحاد متفاوت ہوتے ہیں تعیین کیسے ہوگی، جواب اس کا یہ ہے کہ ہم اس کا التزام کرلیں گے کہ یہ مقدار جنس کی اتنی ہونی چاہئے (۲) کہ اس میں یہ شبہہ نہ رہے، اور تفاوت کا تدارک یہ ہے کہ مؤدی کا وصف بیان کردیا جاوے کہ بڑا ہوگا یا چھوٹا، یا مخلوط، جس میں نزاع نہ ہو، اور جہالت یسیرہ کا بہت جگہ تحمل کرلیا گیا ہے۔ فقط۔

اشرف علی یکم صفر ۱۳۳۴ھ

---

(۱) **ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلكالخ.** (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، اشرفيه ديوبند ٣/ ٧٥)

وصح التصرف في الثمن ببيع وهبة وإجارة قبل قبضه، والحط منه أي صح حط البائع بعض الثمن، ولو بعض هلاک المبيع من المشتري والزيادة فيه حال قيام المبيع. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع والتصرف في الثمن، بيروت ٣/ ١١٥)

(۲) **فصح استثناء قفيز من صبرة، وشاة معينة من قطيع، وأرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها، ولو الثمر على رؤس النخل على الظاهر. قوله: وأرطال معلومة، أفاد أن محل الاختلاف الآتي ما إذا استثنى معينا، فإن استثنى جزء كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقا.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، فصل: فيما يدخل في المبيع تبعا ومالا يدخل فيه، زكريا ديوبند ٧/ ٩٠، كراچی ٤/ ٥٥٨)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنى منها أرطالا معلومة ...... بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها في البيع، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مضمون مذکور پر یہ سوالات کئے گئے جو مع اجوبہ ذیل میں منقول ہیں

سوال:- عبارت بالا کے شروع میں ہے: ”أفتى الحلواني بالجواز لو الخارج أكثر“، اوراس کے بعد یہ ہے ”ان عبارات سے معلوم ہوا ہے کہ: قول بالجواز مشروط بخروج الأكثر ہے، لیکن امراز امور مستفادہ میں یہ قید رہ گئی ہے اس سے اطلاق مفہوم ہوتا ہے؟

الجواب: حلوانی کی اس قید کے خلاف امام فضلی سے منقول ہوا ہے جو اوپر کی اس عبارت میں مذکور ہوا ہے: ذكر في البحر عن الفتح أن مانقله شمس الائمة عن الإمام الفضلي الخ.

تتمہ سوال: (١) نیز اس کے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ صورت آیا ایک ہی درخت کے ساتھ مخصوص ہے یا ایک باغ میں بھی جاری ہوگی، جب کہ اس کے اکثر درختوں میں پھل آ گیا ہو اور بعض میں بالکل نہ آیا ہو۔ والظاهر هو الأول.

الجواب: نعم الظاهر هو الأول عند من اعتبر هذا القيد وقد علمت الكلام فيه،

سوال: (٢) لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا ولا سيما في دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار، فإنه لغلبة الحيل على الناس لايمكن إلزامهم بالتخصص بأحد الطرق المشهورة الخ وغیرہ عبارات منقولہ سے دوامر مستفاد ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ عموم بلویٰ بھی قیاس کو چھوڑ دینے کے لئے کافی ہے، اوراس کا اثر صرف نجاست وطہارت تک محدود نہیں بلکہ تحلیل وتحریم پر بھی اس کا اثر ہے؛ کیونکہ تعامل مذکور فی العبارات المنقولۃ تعامل مصطلح تو ہے نہیں؛ اس لئے کہ اول تو تعامل مصطلح اجماع کی قسم ہے، اوراجماع مجتہدین کا معتبر ہے، نہ کہ عام علماء وفقہاء کا، پھر اگر ہو بھی تو نہ تمام علماء کا عملاً اس کے جواز پر اتفاق ہوا ہے نہ قولاً تو لامحالہ تعامل مذکور بمعنی تعارف ہوگا۔

ويدل عليه أيضا نص السلم إذ لا إجماع في زمن النبي ﷺ بل هناك الابتلاء العام وضرورة الناس والحرج فقط.

بلکہ اگر غور کیا جاوے تو تعامل قسم اجماع کوئی مستقل دلیل جواز نہیں بلکہ اصل وجہ تعامل وتعارف ناس ہے، پس جب کہ مجتہدین نے ابتلائے عام دیکھا اور ممانعت کو مفضی الی الحرج سمجھا جو کہ دلیل ہے جواز کی، اس لئے انہوں نے عملاً وقولاً اوسکوتاً عوام سے اتفاق کیا، پس اصل دلیل جواز تعاملِ ناس ہوا جو کہ سند اجماع

ہے، دوسرے یہ کہ ترک قیاس کے لئے کسی خاص خطہ میں وہاں کے عوام کا ابتلائے عام جس کا انسداد مفضی الی الحرج اور قریب قریب ناممکن ہو کافی ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ ابتلاء تمام عالم میں ہو **كما يدل عليه قوله لاسيما في دمشق الشام الخ** اس کا ایک جواب سمجھ میں آیا تھا وہ یہ کہ اگر اصحابِ مذہب میں سے کسی سے کوئی غیر ظاہر روایات بھی منقول ہو تو اس وقت عموم بلویٰ کا لحاظ کر کے اس پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، لیکن جب کہ کوئی روایت ہی نہ ہو تو ایسا نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس روایت غیر ظاہرہ کے لئے کوئی اور وجہ علاوہ عموم بلویٰ اور ضرورت ناس کے ہو؛ لیکن اگر ضرورتِ ناس اور حرج ہی اس کا سبب بھی ہو تو پھر وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے، پھر عبارت: ''**والنبي ﷺ إنما رخص في السلم للضرورة مع أنه بيع المعدوم فحيث تحقق الضرورة ههنا أيضاً أمكن إلحاقه بالسّلم بالدلالة فلم يكن مصادما للنص**'' اس تاویل و توجیہ سے آئی ہے، کیونکہ جب یہ اصول مقرر ہو گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی کہ کوئی روایت اصحاب مذہب سے صریحاً منقول ہو کہ فلاں امر جائز ہے، کیونکہ صراحۃً و نصاً موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے زمانہ میں ایسی صورت ہی پیش نہ آئی ہو یا پیش آئی ہو اور ضرورت ناس نہ ہو، اس لئے مطابق قیاس حکم کیا گیا ہو اور تقدیراً تو مذکور ہے ہی، کیونکہ کلیہ ''**كل ما تحققت الضرورة فيه فهو جائز عند نا بدلالة نص السلم**'' موجود ہے، پس اس کبریٰ کے ساتھ صغریٰ ''**سهلة الحصول هذا ماتحقق فيه الضرورة**'' ملانے سے ''**هذا جائز عندنا بدلالة نص السلم**'' نتیجہ صریح ہے، اگر کہا جاوے کہ ضرورت کی تشخیص و تقدیر کے لئے ضرورت ہے اجتہاد کی، تو یہ کچھ دل کو نہیں لگتا کیونکہ ابتلائے عام اور حرج مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے لئے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ **وأيضا لايساعده نص السلم.** پس اس اصول کی بنا پر بہت سے مسائل کے جواز کا حکم کرنا پڑے گا جیسے باغوں کا پھل آنے سے پہلے بیچنا وغیرہ؟

الجواب: خود ضرورت عامہ دلیل مستقل نہیں، جب تک کسی کلیہ شرعیہ میں وہ صورت داخل نہ ہو جیسا عبارات مذکورۂ سوال میں صرف ضرورت کو جواز کے لئے کافی نہیں سمجھا؛ بلکہ ضروت کو داعی قرار دیا کسی کلیہ میں داخل کرنے کا مثل الحاق بالسلم وغیرہ کے، اور بیع قبل ظہور الثمار میں یہ الحاق ہو نہیں سکتا، اسی طرح کوئی دوسرا کلیہ بھی نہیں چلتا۔ **فلا يقاس أحدهما على الآخر** . اور سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اگر ''**اشتراط وجود مسلم فيه من وقت العقد إلى حلول الأجل**'' سے قطع نظر

کر کے شافعی کا مذہب بھی لے لیا جاوے کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت الحلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ اولاً مقدار شمار کی متعین نہیں، ثانیاً کوئی اجل معیّن نہیں، ثالثاً اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ بائع اول ہی سے اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے، اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہو جاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر ہو اور خواہ نہ ہو، رابعاً اکثر شمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں، خامساً اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہوسکتا(۱)۔

سوال (۳) تحریر فرمایا گیا ہے کہ احقر کے خیال میں یہ توجیہ آتی ہے الخ۔ اس میں شبہ یہ ہے کہ حط وزیادۃ فی الثمن اوفی المبیع اگرچہ بعد تمامی بیع ہوتا ہم اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں، یعنی پہلا ثمن اور مبیع ثمن ومبیع نہیں رہتے، بلکہ حاصل بعد الزیادۃ والحط اصل ثمن ومبیع قرار پاتے ہیں، پس جب کہ یہ قاعدہ مسلّم ہے تو اگر اصل عقد ہی میں حط مبیع متحقق ہو گیا، تو گو عمل درآمد اور قبض کسی وقت ہو؛ لیکن یہ حط استثناء ہی سمجھا جاوے گا۔ ''لأن الاستثناء هو إخراج الداخل، وكذلك الحط'' اور اگر اس طرح شرط کی گئی ہے کہ اس وقت تو ہم کل تمہارے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں، لیکن وقت معہود پر تم کو اس قدر واپس کرنا ہوگا تو

---

(۱) **السلم هو بيع آجل وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال ...... ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره كمكيل وموزون وعددي متقارب كجوز وبيض وفلس ...... لايصح في عددي متفاوت كبطيخ وقرع ...... ومنقطع لا يوجد في الأسواق من وقت العقد إلى وقت الاستحقاق، ولو انقطع في إقليم دون آخر لم يجز في المنقطع ...... وشرطه أي شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة: بيان جنس، وبيان نوع، وصفة، وقدر، وأجل ...... وبيان قدر رأس المال في مكيل وموزون وعددي غير متفاوت.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٤ تا ٤٦٢، كراچی ٥/ ٢٠٩ تا ٢١٥)

ما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره صح المسلم فيه؛ لأنه لا يقضى وما لا فلا يصح السلم فيه؛ لأنه دين وهو لا يعرف إلا بالوصف، فيصح السلم في المكيل كالحنطة والشعير، والموزون كالعسل والزيت غير المثمن والعددي المتقارب عددا وهو الذي لا يتفاوت يفضى إلى المنازعة كالجوز والبيض، وشرط جوازه بيان الجنس، والنوع، والصفة، والقدر، والأجل، وأقله شهر وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود الخ. (النهرالفائق، باب السلم، زكريا ديوبند ٣/ ٤٩٦ تا ٥٠٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضی عقد کے خلاف بھی ہے۔ لأن مقتضاه هو استبداد المشتري بالتصرف فيه كيف شاء. اوراس میں احد المتعاقدین کا نفع بھی ہے۔ پس شرط مذکور مفسد بیع ہوگی۔

رہا بعد تمام البیع حط کا جائز ہونا، سو یہ مستلزم اس کے جواز اشتراط کو نہیں، چنانچہ بائع کا بعد قبض ثمن برضا مندی مشتری مبیع کو کچھ عرصہ تک اپنے پاس رکھنا اوراس سے منتفع ہونا جائز ہے، مگر شرط جائز نہیں، اور حط فی نفس العقد استثناء ہے۔ فحيث ما يجوز الاستثناء يجوز الحط واينما لافلا؟

الجواب: یہ شبہ صحیح ہے، لیکن بیع بشرط الوفاء میں ایسے ہی اشتراط کو جائز کہا گیا ہے(١) اگرچہ مقتضی عقد کے خلاف تھا، اور چونکہ بائع کا بعد قبض ثمن برضا مندی مشتری مبیع کو اپنے پاس رکھنا اس میں ابتلاء نہیں ہے، اس لئے اس میں کسی تاویل کی کوشش کی ضرورت نہیں، اگر ابتلاء ہوتا اور کوئی تاویل چل بھی جاتی تو اس میں بھی ایسا حکم کردیا جاتا اور صرف ضرورت بدون تمشیہ کسی تاویل کے کافی نہیں۔ كما مرّ في الجواب عن ثاني الثاني. فقط

اشرف علی ١٤ر صفر ١٣٣٤ھ (ترجیح ثالث ص ٢٢٥)

گنا پیدا ہونے سے قبل بیع سلم کے معاملہ کا جواز

سوال (١٧٣٩): قدیم ٣/١٠٦- آج کل یہ دستور ہوگیا ہے کہ پیداوار ایکھ یعنی رس کا معاملہ خرید ایسے وقت ہوجاتا ہے کہ کہیں ایکھ بوئی بھی نہیں جاتی ہے، کہیں کچھ کچھ بوئی جاتی ہے، اگر نہیں خریدی جاتی تو عین وقت پر جب کہ رس تیار ہوملتی ہی نہیں ہے، اس صورت میں خریداری کھنڈسال کی اجازت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر اجازت نہ ہوتو غالباً کھنڈسال ہی نہ ہو یا بہت ہی زائد قیمت دینے پر شاید مِلے؟

الجواب: عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے۔ اگر یہ شرط نہ

---

(١) إن ذكر الفسخ فيه أي شرطاه فيه أو قبله أو زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جاز مقتضاه أنه بيع صحيح ...... والظاهر أنه مبنى على قولهما بأن ذكر الشرط الفاسد بعد العقد لا يفسد العقد ...... وفي الظهيرية: لو ذكر الشرط بعد العقد يلتحق بالعقد عند أبي حنيفة الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ٧/ ٥٤٦-٥٤٧، كراچی ٥/ ٢٧٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے۔ کذا فی الہدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کرلیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے (۱)۔

۲۷/ رجب ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۱)

---

(۱) ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل أو على العكس، أو منقطعا فيما بين ذلك لا يجوز، وقال الشافعيؒ: يجوز إذا كان موجودا وقت المحل لوجود القدرة على التسليم حال وجوبه الخ. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفيه ديوبند ٣/ ٩٣)

لا يجوز السلم في الشيء المنقطع؛ لأن شرط جوازه أن يكون موجودا من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل أو بالعكس، أو منقطعا فيما بين ذلك لا يجوز ...... وقال الشافعيؒ: يجوز في المنقطع إذا كان موجودا عند المحل لوجود القدرة عند وجوبه الخ. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ٤/ ٥٠٤)

الشرط الخامس: أن يكون المسلم فيه مقدور التسليم عند محله ومقتضى هذا الشرط أن يكون المسلم فيه مما يغلب وجوده عند حلول الأجل، وهذا شرط متفق عليه لصحة السلم بين الفقهاء ...... أما وجود المسلم فيه عند العقد فليس شرطا لصحة السلم عند جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة، فيجوز السلم في المعدوم وقت العقد، وفيما ينقطع من أيدي الناس قبل حلول الأجل ...... وخالف في ذلك الحنفية والثوري والأوزاعي، وقالوا: بعدم صحة السلم إلا فيما هو موجود في الأسواق من وقت العقد إلى محل الأجل دون انقطاع الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية، سلم ٢٥/ ٢١٥-٢١٦)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم، بيروت ٣/ ١٤٠-١٤١۔

درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٨، كراچی ٥/ ٢١٢۔

وقال المالكية والشافعية والحنابلة: يشترط أن يكون المسلم فيه عام الوجود مامون الانقطاع وقت حلول الأجل فقط سواء وجد عند العقد أم لم يوجد، لأن المهم هو القدرة على التسليم فيعتبر وقت وجوب التسليم الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٣٦٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/باب: بیع الوفاء

بعض صورتیں جو بیع بالوفا کے مشابہ ہیں ناجائز ہیں

سوال (۱۷۴۰): قدیم ۳/۱۰۶- زید اپنی جائداد غیر منقولہ عمرو کے ہاتھ چند شروط پر بیع کرتا ہے اولاً جائداد مذکورہ ایک مقررہ مدّت تک (مثلاً دس یا پندرہ سال تک) موافق بیع کے عمرو کی کہلائے گی۔ ثانیاً: اس کے کل منافع مدت معینہ تک عمرو ہی کے ہوں گے، ثالثاً تاریخ مشروط کے اختتام پر بائع ثمن معطی مشتری کو واپس دے کر مبیع لے لیگا۔ رابعاً: بائع نے اگر تاریخ معینہ میں ثمن نہ دیا یا نہ دے سکا تو مبیع مشتری کی ہو جائے گی، یہ بیع صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کون سی قسم میں داخل ہے، اور مدّت مقرر کر کے واپس لینا کیسا ہے، جمیع عرصہ کے کل منافع مشتری کے لئے جائز ہوں گے یا ربوا؟ ثمن وقت معینہ میں نہ ادا کرنے کی صورت میں پکّے طور پر مبیع مشتری کی ہو جاتی ہے، اس کے پیشتر معاملہ مذبذب رہتا ہے، ایسا معاملہ کیسا ہے۔

الجواب: یہ شرائط موجب فساد بیع ہیں (۱) اس لئے یہ عقد حرام ہے، آگے سب بناء الفاسد علی الفاسد یہ صورت بگاڑی ہوئی بیع بشرط الوفا کی ہے، مگر اس کا طریق دوسرا ہے پھر وہ بھی اصل مذہب میں جائز نہیں۔

۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۳۹)

---

(۱) اس میں یہ جو شرط لگائی گئی ہے کہ مدت معینہ میں بائع نے اگر ثمن واپس نہیں کیا تو مبیع مشتری کی ہو جائے گی، بنیادی فساد اس کی وجہ سے ہے اور یہ بیع الوفاء میں اسی شرط کی وجہ سے داخل نہیں ہو سکتی، ہاں البتہ یہ رہن میں داخل ہے، مال رہن سے فائدہ اٹھانا مرتہن کے لئے جائز نہیں۔

ولو بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق فهو فاسد. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت ۳/ ۹۰)

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، باب البيع الفاسد، أشرفيه ديوبند ۳/ ۵۹)

درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ۷/ ۲۸۱-۲۸۲، كراچی ۵/ ۸۴-۸۵۔

النهر الفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ۳/ ۴۳۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حکم بیع بالوفاء

سوال (۱۷۴۱): قدیم ۳/ ۱۰۷- ایک شخص زید اپنا گاؤں فروخت کرتا ہے، لیکن اس شرط پر کہ ایک میعاد معین کے اندر اگر زرِ ثمن واپس کر دے، تو گاؤں مبیعہ واپس لے لے ایسا معاملہ اور استفادہ اس گاؤں سے مشتری کو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص اپنے گاؤں کو واسطے اطمینان قرضہ کے دائن کے قبضہ میں دیتا ہے، اور یہ معاہدہ ہوتا ہے فریقین میں، کہ تا ادائیگی قرضہ کے وہ اس گاؤں پر قابض اور متصرف رہے اور اس کا انتظام اور حفاظت اور سرکاری مطالبہ اور جملہ نفع ونقصان جو کچھ بھی ہو وہ ذمّہ دائن کے ہوگا، مدیون کو نفع ونقصان سے کچھ سروکار نہ ہوگا، اور حال یہ ہے کہ ایسی صورت میں بظاہر اکثر فائدہ اور گاہے نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً خشک سالی ہو جاوے، مزارعان فرار ہوجائیں، سرکاری مطالبہ دینا پڑے۔ لہٰذا ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مندرجہ سوال اول ظاہراً بیع وقصداً رہن ہے، اور صورت مندرجہ سوال ثانی صریح رہن ہے، سو رہن صریح میں تو اگر انتفاع مرتہن کا مشروط یا معروف ہو بلا اختلاف حرام ہے۔

في الدر المختار: ثم نقل عن التهذيب أنه يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن، وإن أذن له الراهن قال المصنف: وعليه يحمل ما عن محمد بن أسلمؒ من أنه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالإذن؛ لأنه ربوا، قلت: وتعليله يفيد أنها تحريمية فتامله (۱) اھ۔ قلت: هذا في المشروط، وقد تقرر أن المعروف كالمشروط (۲)۔

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن والجناية عليه، زكريا ديوبند ۱۰/ ۱٤۸، كراچی ٦/ ۵۲۲۔

(۲) درمختار مع الشامی، کتاب الرہن، زکریا دیوبند ۱۰/ ۸۳، کراچی ٦/ ۴۸۲ پر اس طرح عبارت ہے:

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن ...... إذا كان مشروطا صار قرضا ...... وما في الأشباه من الكراهة على المشروط؛ لأن المعروف كالمشروط الخ.

أن المرتهن لا يجوز له الانتفاع بالرهن أصلا. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، فصل: وأما حكم الرهن، زكريا ٥/ ۲۱۰)

ليس للمرتهن الانتفاع بالرهن باستخدام ولا للسكنى. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، بيروت ٤/ ۲۷۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور رہن قصداً وبیع ظاہراً کو بیع الوفاء کہتے ہیں سو اصل قواعد مذہب کی رو سے یہ بھی رہن (۱) ہے، اور انتفاع اس سے حرام ہے اور اگر وہ بیع ہے تو بوجہ مشروط ہونے کے بیع فاسد ہے (۲) تب بھی حرام ہے، لیکن بعض متاخرین نے اجازت دی ہے (۳) پس بلا اضطرار شدید تو اس کا ارتکاب نہ کرے، اور اضطرار شدید میں بائع کو اختیار ہے کہ فتویٰ متاخرین پر عمل کرے، اگر چہ مشتری کو کوئی اضطرار نہیں۔ والتفصيل في الدر المختار قبيل كتاب الكفالة. فقط واللہ اعلم

یکم ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ (امداد ج ۳ ص ۸۸)

---

(۱) وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح. (درمختار مع الشامي، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، زكريا ديوبند ٧/ ٥٤٥، كراچی ٥/ ٢٧٦)

(۲) ولو بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق فهو فاسد. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت ٣/ ٩٠)

ولا بيع بشرط يعنى الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لايقتضيه العقد، ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو فيه نفع لمبيع الخ. (درمختار مع الشامي، باب البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٨١-٢٨٢، كراچی ٥/ ٨٤-٨٥)

(۳) ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه منهم الإمام نجم الدين النسفي فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه وهو الانتفاع به دون البعض وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه، والقواعد قد تترك بالتعامل، وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، زيلعي كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، جديد زكريا ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ و بخارى توسعة. (الأشباه و النظائر، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٣٥-٢٣٦)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وسموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد الخ. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٤٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٦٧)

تفصیل کے لئے دیکھئے ”فتاوی قاسمیہ“ ۱۹/ ۶۶۱-۷۰۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیع الوفاء میں عقد سے قبل ذکر کی گئی شرط کا اعتبار

سوال (۱۷۴۲): قدیم ۳/ ۱۰۸- ’’فتاویٰ قاضی خاں‘‘ ج:۲، ص:۳۴۸، مطبوعہ نول کشور میں ہے:

واختلفوا في بيع الوفاء أو البيع الجائز إلى أن قال: وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة لحاجة الناس اھ (۱)۔

اس عبارت کا مطلب کیا ہے آیا یہ بھی جائز ہے کہ بائع سے مشتری کہہ دے کہ تم بیع تو ہمارے ساتھ بلا شرط کردو، مگر ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اتنی مدت میں اگر تم چاہو گے تو ہم تمہاری شے اسی قیمت میں واپس کردیں گے یا اس قدر نفع کے ساتھ تمہارے ہاتھ بیچ ڈالیں گے اس پر بائع رضامند ہو جاوے، اور کہہ دے کہ میں نے بلا شرط تمہارے ہاتھ فلاں شے اتنی قیمت میں بیچی، مشتری قبول کرے اور وعدہ کی پختگی کے لئے دستاویز لکھدے یا صرف یہی جائز ہے کہ بیع بلا شرط بلا کسی قرار داد کے ہو اور بعد البیع مشتری بائع کی درخواست پر یا بلا درخواست واپس کردینے کا وعدہ کرے، صرف دوسری صورت کے جواز سے حاجتِ ناس مندفع نہیں ہوتی، کیونکہ اول تو بائع کا واپسی کی درخواست کرنا ہی مستبعد ہے جبکہ وہ بلا توقع واپسی کے بیع کرچکا ہے، دوسرے مشتری کا ایسی درخواست کو مان لینا یا اپنی طرف سے وعدہ میں پیش قدمی کرنا اور بھی مستبعد ہے، اس سے حاجتِ ناس مندفع نہیں ہوتی؟

الجواب: آپ کا شبہ صحیح ہے، واقعی بدون اس کے کہ عقد کے قبل یا عقد کے ساتھ شرط وفا کا ذکر کیا جاوے، حاجت مندفع نہیں ہوتی، اور ان دونوں صورتوں میں اصل مذہب فسادِ عقد ہے۔

كما في الدرالمختار: ثم إن ذكرا الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غيرلازم كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جائز، ولزم الوفاء به الخ.

اور بعض کے نزدیک عقد کے قبل ذکر کی ہوئی شرط کا اعتبار ہی نہیں اور عقد فاسد نہ ہوگا، لیکن وہ بیع بشرط الوفا نہ ہوگی۔

---

(۱) خانية على هامش الهندية، كتاب البيوع، فصل: في الشروط المفسدة، قديم زكريا ديوبند قديم ٢/ ١٦٥، جديد زكريا ٢/ ٩٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

كما في الدرالمختار: لو تواضعا على الوفاء قبل العقد، ثم عقدا خاليا عن شرط الوفاء، فالعقد جائز، ولا عبرة للمواضعة (١)۔ (ج ۴ ص ۳۸۱)

لیکن کثیر من المتاخرین کا فتویٰ ہے کہ قبل عقد ذکر کی ہوئی شرط بھی معتبر اور عقد جائز ہے، لضرورة الناس وفي رد المحتار: وقد سئل الخير الرملي عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده وعقد البيع خاليا عن الشرط فأجاب بأنه صرح في الخلاصة والفيض والتتارخانية وغيرها بأنه يكون على ماتواضعا (٢)۔ (ج ۴ ص ۸۷) فقط

۱۷؍رمضان ۱۳۳۳ھ

سوال: پہلے سوال کے جواب کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے، لیکن کثیر من المتاخرین کا فتویٰ ہے کہ قبل ذکر کی ہوئی شرط معتبر اور عقد جائز ہے۔

لضرورة الناس، وفي رد المحتار: وقد سئل خير الرملى عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده وعقد البيع خاليا عن الشرط، فأجاب بأنه صرح في الخلاصة والفيض والتتارخانية وغيرها بأنه يكون على ما تواضعا. (ج ۴ ص ۱۸۷) انتهیٰ۔

اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر رملی کے جواب سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں نہ تو اس بیع کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ عدم جواز ہی کیونکہ یکون علی ما تواضعا سے صرف اس قدر ظاہر ہوا کہ مواضعت

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء، زكريا ديوبند ٧/ ٥٤٥-٥٤٦، كراچی ٥/ ٢٧٥-٢٧٧۔

إن ذكرا شرط الفسخ في المبيع فسد البيع، وإن لم يذكرا ذلك في البيع وتلفظا بلفظ البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز، وعندهما هذا البيع عبارة عن بيع غير لازم، فكذلك وإن ذكرا البيع من غير شرط ثم ذكرا الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزم الوفاء بالوعد. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون: في البياعات المكروهة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٩، جديد زكريا ٣/ ١٩٦)

زيلعي، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧۔

(٢) شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٨٢، كراچی ٥/ ٨٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پیشین غیر معتبر نہیں ہوگی کما زعمہ البعض بلکہ معتبر ہوگی اور عقد صورۃً مطلق عن الشرط ہوگا و معنیً مقید بہ مگر یہ نہ ظاہر ہوا کہ یہ عقد جو صورۃً مطلق عن الشرط و معنیً مقید بالشرط ہے بناءً علی اصل المذہب فاسد ہے یا لضرورۃ الناس جائز، ایسی حالت میں اس کے نقل کرنے سے جو مقصد ہے وہ معلوم نہ ہوا؟

الجواب: واقعی یہ عبارت جواز عقد سے ساکت ہے، مقصود زیادۃ اس کے نقل کرنے سے شرط کے معتبر ہونے پر استدلال ہے، بمقابلہ زعم بعض کے، اور جواز عقل کی دلیل لضرورۃ الناس ہے اور نقلی دلیل اس کی دوسری روایات فقہیہ ہیں جن کی طرف لضرورۃ الناس میں اشارہ ہوگیا، مثلاً درمختار میں ہے۔

فيها القول السادس في بيع الوفاء أنه صحيح لحاجة الناس فرارا من الربوا، وقالوا ما ضاق على الناس أمر إلا اتسع حكمه، وفي رد المحتار: قوله: فيها أي في البزازية: وهو من كلام الأشباه (١)۔ (ج ۴ ص ٣٨٦)

۲۹ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۸)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، زكريا ديوبند ٧/ ٥١١، كراچی ٥/ ٢٨٠۔

القول السادس: ما اختاره الإمام الزاهد أن الشرط إذا لم يذكر في البيع كان بيعا صحيحا -إلى قوله- فجعلناه كذلک لحاجة الناس إليه فرارا من الربا ...... وما ضاق على الناس أمر إلا اتسع حكمه. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، زكريا ٧/ ١٢، كوئٹه ٦/ ٨)

فتاوى البزازية، كتاب البيوع، نوع: فيما يتصل بالبيع الفاسد، زكريا ديوبند جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٦۔

بیع الوفاء سے متعلق مفصل مضمون

''فتاوی قاسمیہ'' میں بیع الوفاء سے متعلق تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک مضمون ہے، مزید افادہ کے لئے یہاں حاشیہ میں درج کردیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو اور کسی کو فائدہ ہوگا، ملاحظہ ہو: ←

. . . .

بیع الوفاء کی شرعی حیثیت

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، أما بعد:

اس مضمون کو اس طریقہ سے پیش کرتے ہیں، اولاً بیع الوفاء کی وجہ تسمیہ اور اس کے اسماء، اس کے بعد بیع الوفاء کی حقیقت اور جواز کا خلاصہ اور مختصر نوٹ جو معتدل حکم تک ہے، پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث سات اقوال کے ساتھ پیش کی گئی ہے، پھر آخر میں مبیع کے بارے میں چند احکام پر مضمون ختم کیا گیا ہے۔

بیع الوفاء کے اسماء

اس عقد کو حسبِ ذیل ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے:

(١) بیع الوفاء (٢) بیع الامانت (٣) بیع الاطاعت (٤) بیع المعاملہ (٥) البیع الجائز (٦) بیع الرہن۔

(١) **بیع الوفاء**: اس کو بیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان اس عقد میں وفاداری کا معاہدہ ہوتا ہے کہ جس وقت بائع ثمن کو لاکر واپس کردے گا تو مشتری معاہدہ کے موافق ایفائے وعدہ کے طور پر مبیع کو واپس کردے گا، اور اس عقد کے ناموں میں سے مشہور ترین نام یہی ہے۔

(٢) **بیع الأمانة**: اس کا نام مصر وغیرہ میں بیع الامانۃ کے نام سے مشہور ہے، اور اس کو بیع الامانۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطور امانت رہتی ہے۔

(٣) **بیع الإطاعة**: ملک شام وغیرہ میں یہ بیع بیع الاطاعت کے نام سے موسوم اور مشہور ہے؛ اس لئے کہ اس عقد کے اندر اطاعت اور وفاداری پائی جاتی ہے کہ مشتری مبیع کے حق میں بائع کی اطاعت کرتا ہے اور بائع ثمن کے حق میں مشتری کی اطاعت کرتا ہے۔

(٤) **بیع المعاملہ**: بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس بیع کے اندر مشتری درپردہ اپنے قرض سے فائدہ اٹھاتا ہے؛ اس لئے کہ مشتری درحقیقت دائن اور قرض دینے والا ہے، اور اس قرض کے مقابلہ میں وہ مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے۔ ←

....

← (۵) **البیع الجائز:** بعض فقہاء نے اس کا نام ''البیع الجائز'' رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو ربا اور سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز قرار دیا گیا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع کا نفع کھانے اور استعمال کرنے کی گنجائش دی ہے۔

(٦) **بیع الرھن:** اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع مشتری کے پاس ایسی محفوظ رہتی ہے کہ جس طرح مرتہن مالِ رہن کو فروخت نہیں کرسکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، اسی طرح بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو بیچ نہیں سکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا۔ علماء شوافع نے اس کا نام ''بیع رہن'' اور ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

یہ چھ نام ہمارے سامنے ہیں، حضراتِ فقہاء نے ان مختلف وجوہات کی بناء پر اپنے اپنے طور پر اس عقد کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے اور ان ناموں کی وجہِ تسمیہ وہی ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

عربی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَبَيْعُ الْوَفَاءِ صُوْرَتُهُ أَنْ يَّبِيْعَهُ الْعَيْنَ بِأَلْفٍ عَلٰى الدَّيْنِ وَهٰذَا يَشْتَرِيْهِ أَنَّهُ إِذَا رَدَّ عَلَيْهِ الثَّمَنَ رَدَّ عَلَيْهِ الْعَيْنَ وَسَمَّاهُ الشَّافِعِيَّةُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ وَيُسَمّٰى بِمِصْرَ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَبِالشَّامِ بَيْعَ الإِطَاعَةِ (وَتَحْتَهُ فِیْ الشَّامِيَةِ) وَوَجْهُ تَسْمِيَتِهِ بَيْعَ الْوَفَاءِ أَنَّ فِيْهِ عَهْداً بِالْوَفَاءِ مِنَ الْمُشْتَرِیْ بِأَنْ يَّرُدَّ الْمَبِيْعَ عَلَى الْبَائِعِ حِيْنَ رَدَّ الثَّمَنَ، وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ يُسَمِّيْهِ الْبَيْعَ الْجَائِزَ وَلَعَلَّهُ مَبْنِیٌّ عَلٰى أَنَّهُ بَيْعٌ صَحِيْحٌ

اور بیع الوفاء اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کے ہاتھ عینِ مبیع کو بیچے مثلاً ایک ہزار کے عوض میں اس شرط کے ساتھ کہ جب ثمن واپس کردے گا تو عینِ مبیع بھی واپس کردے گا، اور شافعیہ نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے، اہل مصر نے اس کا نام ''بیع الامانۃ'' رکھا ہے، اور اہل شام نے اس کا نام ''بیع الا طاعۃ'' رکھا ہے، اس کے نیچے شامی میں ہے کہ اس کا ''بیع الوفاء'' نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں مشتری سے وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مشتری مبیع کو واپس کردے گا جس وقت بائع ثمن واپس کردے گا، اور بعض فقہاء نے اس کا نام ''البیع الجائز'' اور ''البیع الصحیح'' رکھا ہے، اور شاید ←

....

← لِحَاجَةِ التَّخَلُّصِ مِنَ الرِّبَا حَتّٰى يَسُوغَ لِلْمُشْتَرِيْ أَكْلُ رِيعِهٖ وَبَعْضُهُمْ يُسَمِّيهِ بَيْعَ الْمُعَامَلَةِ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْمُعَامَلَةَ رِبْحُ الدَّيْنِ لِيَنْتَفِعَ بِهٖ بِمُقَابَلَةِ دَيْنِهٖ (وَقَوْلُهُ) بَيْعُ الْأَمَانَةِ وَجْهُهُ أَنَّهُ أَمَانَةٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ (وَقَوْلُهُ) وَفِيْ بَعْضِهَا بَيْعُ الطَّاعَةِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ الْآنَ فِيْ بِلَادِنَا. (الدر المختار مع الشامی زکریا ٥٤٥/٧، کراچی ٢٧٦/٥)

اس کا مدار اس بات پر ہے کہ یہ عقد بیع ربا سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز ہے، یہاں تک کہ مشتری کے لئے اس کا نفع کھانے کی گنجائش ہے اور بعض فقہاء نے اس کا نام ''بیع المعاملہ'' رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دین سے نفع اٹھانے کا معاملہ پایا گیا اور یہ اس طور پر ہے کہ قرض دینے والے نے مبیع کو خریدا ہے؛ تاکہ اپنے دین کے مقابلہ میں اس مبیع سے نفع اٹھائے، اور ''بیع الامانۃ'' اس کا نام اس لئے ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطورِ امانت رہتی ہے اور بعض نسخوں میں ''بیع الطاعۃ'' ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں اس وقت یہی مشہور ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ مَشَائِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباہ والنظائر قدیم ١٣٠، جدید زکریا دیوبند ٢٣٥-٢٣٦)

اور اسی قبیل سے ہے، بیع الامانۃ جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی کو دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بیع الوفاء کی حقیقت

کوئی شخص صاحبِ ضرورت ہے اس کو روپیہ کی ضرورت ہے، اور کہیں سے ادھار بھی نہیں ملتا، اور اس کے پاس مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ موجود ہے، اور اس کو رہن میں رکھ کر روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر رہن میں رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے کوئی شخص ←

. . . .

← رہن رکھ کر بھی قرض دینے پر تیار نہیں، اور صاحبِ جائداد اس ضرورت کی وجہ سے اپنی ہمیشہ کی جائیداد کو بالکلیہ فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا، تو اس طرح حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فقہاء نے عقد کی ایک نئی شکل نکالی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ صاحبِ ضرورت شخص اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائیداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثل امانت کے ہوگی، کہ مشتری اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا۔ اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک بائع لی ہوئی رقم واپس نہ کردے، اور جب بائع رقم واپس کردے گا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لے کر جائیداد واپس کردے جتنی میں بائع نے مشتری کو دی تھی۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ تبیین الحقائق میں اس عقد کی نوعیت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وَصُورَتُهُ أَنْ يَّقُولَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَكَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّي مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِي أَوْ يَقُولَ الْبَائِعُ بِعْتُ هٰذَا بِكَذَا عَلٰى أَنِّي مَتٰى دَفَعْتُ الثَّمَنَ تَدْفَعُ الْعَيْنَ إِلَيَّ الخ.

(البحر الرائق کوئٹہ ٦/ ١١، تبيين الحقائق إمدادیہ ملتان ٥/ ١٨٣، زکریا ٦/ ٢٣٧، البناية أشرفيه ١١/ ٤٥، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ٤١، مصري قديم ٢/ ٤٣٠، ایضاح النوادر ٦٩/١)

اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہہ دے کہ میں تیرے ہاتھ یہ شئ اس قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر لازم ہے، اس شرط پر کہ جب میں قرض ادا کردوں گا تو وہ شئ میری ہوجائے گی، یا یوں کہہ دے کہ یہ شئ اتنے میں اس شرط کے ساتھ تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ جب میں ثمن واپس دے دوں گا تو وہ شئ مجھ کو واپس کردے گا۔

بیع الوفاء کا جواز

اس عقد کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاءِ متأخرین میں دو فریق ہوگئے: ←

....

← فریقِ اول:

حضرت امام ظہیر الدین اور صدر الشہید اور تاج الاسلام وغیرہؒ نے شرطِ فاسد کی وجہ سے اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابوشجاعؒ، امام علی سغدیؒ اور قاضی ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ نے اس عقد کو رہن کی طرح اور رہن کے حکم میں قرار دیا ہے، اور مرتہن کے لئے رہن سے انتفاع جائز نہیں ہے، اور بیع الوفاء میں مشتری مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے یہ عقدان کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ زیلعیؒ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

مِنْهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيدُ تَاجُ الإِسْلَامِ -إلى- فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ (إلىٰ قَوْلِهِ) وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ رَهْناً مِنْهُمْ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ وَالإِمَامُ عَلِي السُّغْدِيُ وَالإِمَامُ الْقَاضِي أَبُوْ الْحَسَنِ الْمَاتُرِيْدِيُ قَالُوْا: لَمَّا شُرِطَ عَلَيْهِ أَخْذُهُ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ أَتىٰ بِمَعْنَى الرَّهْنِ (إِلىٰ قَوْلِهِ) فَإِذَا كَانَ رَهْناً لا يَمْلِكُهُ وَلَا يَنْتَفِعُ بِهِ. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

فقہاء میں سے امام ظہیر الدین، صدر الشہید امام حسام الدینؒ اور صدر السعید تاج الاسلامؒ نے اس کو فسخ کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد قرار دیا ہے۔ (زیلعیؒ فرماتے ہیں) اور فقہاء میں سے جن لوگوں نے اس کو رہن قرار دیا ہے ان میں سید امام ابوشجاعؒ اور امام علی سغدیؒ اور امام ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ شامل ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ جب قضاء دین کے وقت واپسی کی شرط لگائی ہے تو یہ عقد رہن کا معنی ادا کرتا ہے۔ پس جب رہن ثابت ہوگا تو مرتہن اس کا مالک نہ ہوگا، اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا۔

فریقِ ثانی:

مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے مفلسین اور حاجت مندوں کی ضرورت کو ←

....

← پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے، اور امام نجم الدین نسفیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے تمام مشائخ نے متفق ہوکر اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے احکامِ بیع کے لئے مفید ثابت کیا ہے۔

اور صاحبِ نہایہ نے اس کے جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیون کی کثرت کے زمانہ میں بیع الوفاء کی صحت و جواز پر فتویٰ کا حکم فرمایا ہے۔

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعًا جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهٖ وَمِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهٖ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ دُوْنَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ، وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (تبيين الحقائق إمداديه ملتان ١٨٣/٥، زكريا ٢٣٧/٦، ايضاح النوادر ٧١/١)

اور مشائخ سمرقند میں سے وہ مشائخ بھی ہیں جو اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جو بعض احکامِ بیع کے لئے مفید ہے، اور ان میں سے امام نجم الدین نسفیؒ نے کہا کہ اس زمانہ کے مشائخ اس عقد کے جواز پر متفق ہیں، یہ عقد بعض احکام کو مفید ہے، مثلاً مبیع سے انتفاع حاصل کرنا اور بعض کو مفید نہیں (مثلاً فروختگی کے عدمِ جواز) اور یہ عقد لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا ہے کہ اس کے جواز ہی پر فتویٰ ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ الأشباہ میں اس کے جواز کو ان الفاظ میں بھی نقل فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ١٣٠، جديد زكريا ديوبند ٢٣٥/١-٢٣٦)

اور اسی قبیل میں سے بیع الامانت ہے، جس کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے، اس کو مشائخ بلخ و مشائخ بخاریٰ نے لوگوں کے لئے وسعت دیتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ ←

....

← وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَسَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ.

(الأشباه والنظائر قديم ١٤٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٦٧، أنوار رحمت ٢١٥-٢١٩)

اوران میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ ہے، جب اہلِ بخاریٰ پر دیون کا سلسلہ زیادہ ہو گیا تھا، اوراسی طرح مصر میں بھی جواز کا فتویٰ ہے اور اس کو بیع الامانۃ کہا جاتا ہےاور شافعیہ نے اس کا نام ’’رہنِ معاد رکھا ہے۔

مناسب ومعتدل حکم

اب معلوم ہوا کہ بیع الوفاء کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء متأخرین اور اساطینِ امت کے مابین اختلاف واقع ہو چکا ہے، اور دونوں طرف ایسے ایسے فقہاء ہیں جن کے قول ورائے کو دلیل شرعی مانا جاتا ہے، اورلوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس جواز کے قائلین کے موافق ہے۔ اور تعاملِ ناس اورعرف کوشرعی طور پر ’’اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ‘‘ (عقود رسم المفتی ٩٤) کے قاعدہ سے حجتِ شرعیہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔اور حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں فریقِ اول کے دلائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے، اور بوقتِ ضرورت فریقِ ثانی کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٣/ ١٠٧)

اور حضرت مولانا حافظ مفتی عبد اللطیف صاحب محدث سہارن پوریؒ نے فتاویٰ خلیلیہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ شکل پیش فرمائی ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور مبیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے؛ تاکہ فقہاء متأخرین کے دونوں فریقوں کے قول پر عمل ثابت ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ١/ ٣٩٥، ایضاح النوادر ١/ ٧٣)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد حضرت فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جب بغیر نفع لئے کوئی شخص رہن لینے پر رضا مند نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ربا سے بچنے کے لئے بیع الوفاء کا معاملہ جائز اور درست ہے، اگر مدت کی قید لگائی ہے تو ایسی ←

. . . .

← صورت میں مدت پوری ہو جانے کے بعد بائع یعنی راہن کا حق اسی وقت ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد بھی اس کو لینے کا حق باقی رہے گا؛ البتہ اس مدت کے بعد مشتری کو مرتہن کی طرح یہ اختیار رہے گا کہ بائع کے نہ لینے کی صورت میں جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔ ملاحظہ ہو عکس احمد (سوانح حیات فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم خامس دار العلوم دیوبند، ص:۴۵۲، مکتبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے قابل اعتماد عالم اور فقیہ تھے، نظام حیدر آباد نے آپ کو وہاں کے مسند افتاء کی صدارت بھی عطا کی تھی، اس زمانہ میں جو فتاوی لکھے گئے ہیں ان میں سے حضرت والا کے اہم ترین چھپن فتاوی جو انتہائی مدلل ہیں عکس احمد میں ص:۳۷۶ سے ۴۶۳ تک میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں مذکورہ فتوی تقریباً دو صفحہ پر مدلل طور پر موجود ہے۔

اس لئے ضرورت اور حاجتِ ناس کی وجہ سے مشائخِ سمرقند اور مشائخِ بلخ اور مشائخِ بخاری اور امام نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبِ نہایہ وغیرہم کے فتویٰ کے مطابق اس زمانہ میں بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ دینا اولیٰ اور انسب ہوگا۔

بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء

بیع الوفاء کو فقہی نقطۂ نظر سے کس اصول اور ضابطہ کے دائرہ میں داخل کیا جائے؟ آیا اسے بیعِ صحیح کے دائرہ میں داخل کیا جائے یا بیعِ فاسد کے دائرہ میں یا رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں شمار کیا جائے یا بیع مکرہ کے ضابطہ میں داخل کیا جائے، یا اسے بیع اور رہن سے مرکب ایک الگ عقد قرار دیا جائے یا بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب ہو کر ایک مستقل عقد قرار دیا جائے؟ تو اس سلسلہ میں فقہاءِ متأخرین کے مختلف نظریات اور مختلف اقوال پر غور کرنے کے بعد حضراتِ فقہاء کے سات فریق اور سات اقوال وآراء ہمارے سامنے ہیں، جن کو ترتیب وار یہاں پر درج کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

فریقِ اول بیع صحیح کے قائلین

مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ جاری فرمایا ہے اور مشائخ سمرقند میں سے امام نجم الدین نسفیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کو لوگوں کی ضرورت اور اس میں تعامل کی وجہ سے ←

....

← بیع صحیح کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کر کے صحیح قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ زمانہ کے تمام مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو جائز ہے اور بہت سے احکامِ بیع کو محیط اور مفید ہے، اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا ہے، اور امام زیلعیؒ نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ میں بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے اور اس کی صحت پر فتویٰ نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ حضراتِ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ مِنْهُمُ الْإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ دُوْنَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ وَجُوِّزَ الْاِسْتِصْنَاعُ لِذٰلِكَ وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ.

(تبيين الحقائق إمداديه ملتان ١٨٣/٥، ١٨٤، زكريا ٢٣٧/٦)

اور مشائخ سمرقند میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کو بیع صحیح اور بیع جائز کے دائرہ میں داخل کیا ہے، جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، انہیں مشائخ میں سے امام نجم الدین نسفیؒ ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مشائخ نے متفق ہو کر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جو عقد بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اور وہ اس بیع کے بعض منافع سے فائدہ اٹھانا ہے، بعض سے نہیں (جیسا کہ مشتری اس کو بیچ نہیں سکتا) اور لوگوں کو اس بیع کی ضرورت ہونے کی وجہ سے اور لوگوں کے اس میں تعامل ہونے کی وجہ سے اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور کبھی تعاملِ ناس کی وجہ سے قواعد وضوابط کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بیعِ استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا کہ اس کے بیعِ صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بیع صحیح ہونے کو زیلعی کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے: ←

. . . .

← أَنَّـهُ بَيْـعٌ صَـحِيْـحٌ يُفِيْدُ لِبَعْضِ أَحْكَامِهِ مِنْ حِلِّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَـمْـلِكُ بَيْـعَـهُ، قَـالَ الـزَّيْلَعِيُ فِي الْإِكْرَاهِ وَعَلَيْهِ الْفَتوىٰ. (شامی زکریا ٥٤٦/٧، کراچی ٢٧٧/٥، وھکذا فی البحر الرائق کوئٹہ ٧/٦، زکریا ١٢/٦)

بے شک یہ بیع صحیح ہے جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اس کے ذریعہ نفع کے حلال ہونے کی وجہ سے مگر یہ کہ مشتری اس کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا، زیلعی نے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

الاشباہ والنظائر میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَمِـنْ هٰـذَا الْـقَبِيْـلِ بَيْـعُ الْأَمَـانَةِ الْـمُـسَـمّٰـى بَيْـعُ الْـوَفَـاءِ جَـوَّزَهُ مَشَـايِـخُ بَلْـخٍ وَبُـخَـارىٰ تَوْسِعَةً. (الأشباہ والنظائر قدیم ١٣٠)

اور اسی قبیل سے بیع الأمانۃ ہے جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں دوسری جگہ صاف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمِـنْهَـا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُـرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِـمِـصْـرَ وَقَـدْ سَـمُّـوْهُ بَيْـعَ الْأَمَـانَةِ وَالشَّـافِـعِيَّةُ يُسَـمُّـوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الأشباہ والنظائر قدیم ١٤٩، جدید زکریا دیوبند ٢٦٧/١)

اسی قبیل میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ جاری کرنا ہے جس وقت اہل بخاریٰ پر دیون کی کثرت ہوگئی تھی اور ایسا ہی مصر میں ہوا ہے اور یقیناً اس کا نام مشائخ مصر نے بیع الأمانۃ رکھا ہے اور شوافع نے اس کا نام ''الرہن المعاذ'' رکھا ہے۔

فریقِ ثانی بیع فاسد کے قائلین

امام ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد البخاری اور امام شہاب الدین احمد الچلپی وغیرہ فرماتے ہیں ←

....

← کہ بیع الوفاء میں مقتضائے عقد کے خلاف شرطِ فاسد پائی جاتی ہے اس لئے بیع الوفاء کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کیا جائے گا اور بائع کے ثمن اور دین کی واپسی کے موقع پر مبیع کی واپسی کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے مطابق واجب الاسترداد قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کے حکم کی طرح ہوگا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ فَلَوْ تَبَايَعَا ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا چون سیم آریم بیع بمن بازده فَقَالَ نَعَمْ لَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ، أَمَّا لَوْ شَرَطَاهُ فِي الْبَيْعِ يَفْسُدُ. (بزازية زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٧)

اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا ہے بایں طور پر کہ یہ بیع فاسد ہے؛ لہٰذا اگر طرفین نے عقد کرلیا ہے پھر ان میں سے ایک نے کہا جب میں ثمن لاکر کے واپس کردوں گا تو میری مبیع مجھے واپس کردینا، دوسرے نے کہا جی ہاں! تو بیع فاسد نہیں ہوگی، بہرحال اگر دونوں نے عقد بیع میں اس کی شرط لگادی ہے تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

وَالأَصَحُّ عِنْدِيْ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ يُوْجِبُ الْمِلْكَ بَعْدَ الْقَبْضِ وَحُكْمُهُ حُكْمُ سَائِرِ الْبِيَاعَاتِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ بَيْعٌ بِشَرْطٍ لَا يَقْتَضِيْهِ الْعَقْدُ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ الخ. (حاشيه شلبى على تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٨)

اور زیادہ صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ بیع الوفاء بیع فاسد ہے جو قبضہ کے بعد ملکیت کو لازم کرتی ہے اور اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کی طرح ہے؛ اس لئے کہ یہ بیع ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

فریقِ ثالث بیع صحیح یا بیعِ فاسد کے قائلین

امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی وغیرہ نے فرمایا کہ بیع الوفاء رہن کے دائرہ میں داخل ←

. . . .

← نہیں ہوسکتی؛ بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ عقدِ بیع ہی کے دائرہ میں داخل ہوگی؛ لہٰذا اگر صلبِ عقد میں اس بات کی شرط لگائی ہے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع بھی واپس ہوجائے گی تو صلبِ عقد میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی وجہ سے بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی، اس لئے حضراتِ صاحبین فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہے، اور اگر صلبِ عقد میں شرط نہیں لگائی ہے؛ بلکہ اولاً بغیر شرط کے عقد بیع وجود میں آجائے پھر اس کے بعد آپس کی تراضی سے اس بات کی شرط لگا دی جائے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہوجائے گی تو ایسی صورت میں چوں کہ صلبِ عقد میں شرطِ فاسد نہیں پائی گئی ہے، اس لئے یہ عقدِ بیع صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگا، اور وعدہ کے مطابق ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہوجائے گا، جیسا کہ فقہاء کی حسبِ ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْعَقْدَ الَّذِي جَرىٰ بَيْنَهُمَا إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الْبَيْعِ لا يَكُوْنُ رَهْناً ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ ذَكَرَا شَرْطَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا ذٰلِكَ فِي الْبَيْعِ وَتَلَفَّظَا بِلَفْظِ الْبَيْعِ بِشَرْطِ الْوَفَاءِ أَوْ تَلَفَّظَا بِالْبَيْعِ الْجَائِزِ وَعِنْدَهُمَا هٰذَا الْبَيْعُ عِبَارَةٌ عَنْ عقد غَيْرِ لَازِمٍ فَكَذٰلِكَ وَلَفْظَةُ صَاحِبِ الْبَحْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَإِنْ ذَكَرَا الْبَيْعَ بِلا شَرْطٍ ثُمَّ شَرَطَاهُ عَلىٰ وَجْهِ الْمُوَاعِدَةِ جَازَ الْبَيْعُ وَلَزِمَ الْوَفَاءُ وَقَدْ يَلْزَمُ الْوَعْدُ لِحَاجَةِ النَّاسِ فِرَاراً مِنَ الرِّبَا. (قاضي خان زكريا جديد ٢/ ٩٩،

اور صحیح یہی ہے کہ بے شک وہ ایسا عقد ہے جو متعاقدین کے درمیان میں جاری ہوا ہے، اگر لفظ بیع کے ساتھ عقد ہوا ہے تو وہ رہن نہیں ہوسکتا، پھر دیکھا جائے کہ اگر صلب عقد میں فسخ کی شرط کا ذکر کیا ہے تو بیع فاسد ہوجائے گی، اور اگر صلب عقد میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے اور دونوں نے لفظ بیع کا تلفظ وفا کی شرط کے ساتھ کیا ہے یا دونوں نے بیع جائز کے ساتھ تلفظ کیا ہے اور ایسی بیع کا نام حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک بیع غیر لازم ہے، تو بھی ایسا ہی حکم ہوگا اور صاحب بحر کے الفاظ یہ ہیں کہ ایسی صورت میں بیع فاسد ہوجائے گی اور اگر بغیر شرط کے دونوں نے عقد میں لفظ بیع کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد معاہدہ کے طور پر وفا کی شرط لگائی ہے ←

....

← وعلی هامش الهندية ٢/ ١٦٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٧، بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلی هامش الهندية ٤/ ٤٠٦، البحر الرائق، كوئٹه ٦/ ٨، زكريا ٦/ ١٢)

تو بیع جائز اور صحیح ہوجائے گی اور وفا بھی لازم ہوجائے گی، اور کبھی سود سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے وعدہ کا پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

فریقِ رابع رہن کے حکم کے قائلین

امام سید ابوشجاع اور امام ابوالحسن علی السغدی اور امام قاضی ابوالحسن الماتریدی اور ائمہ خوارزم اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ وغیرہ بیع الوفاء کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں، اور اس کو رہن ہی تسلیم کرتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ ائمہ خوارزم بعض شرائط کے ساتھ رہن تسلیم کرتے ہیں اور امام سیف الدین عصبہ علی الاطلاق اس کو رہن تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام ابوشجاع اور قاضی ابوالحسن علی سغدی بھی بیع الوفاء کو علی الاطلاق رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرکے اس کے اوپر رہن کے حکم کی طرح حکم لگاتے ہیں، چناں چہ ان کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور مبیع سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا مشتری کے لئے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ رہن کی طرح مالک کی اجازت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوسکتا ہے، اور رہن کی طرح مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے دین بھی ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ائمہ خوارزم اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ مشروط کرتے ہیں:

(۱) بوقتِ عقد بیع مطلق رکھی جائے اور بوقتِ واپسی جب بائع ثمن لے کر حاضر ہوجائے گا تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے۔

(۲) بیعِ مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لے کر آئے گا تو خود بخود بیع فسخ ہوجائے گی۔

(۳) عقد کے بعد مشتری اصل مال پر نفع کی شرط لگادے تو ان تینوں صورتوں میں ائمہ خوارزم بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔

اور یہ حضرات بیع الوفاء کو رہن کے حکم میں قرار دینے میں حسبِ ذیل نظائر پیش کرتے ہیں: ←

. . . .

← (۱) اس بیع میں مشتری کو مبیع کی فروختگی کا حق نہیں۔

(۲) مبیع کو دوسرے کے ہاتھ رہن میں رکھنے کا حق نہیں۔

(۳) مبیع اگر باغ ہے تو اس کے درختوں کو کاٹنے کا حق نہیں۔

(۴) مبیع اگر عمارت ہے تو منہدم کرنے کا حق نہیں۔

(۵) مشتری کے ہاتھ میں اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن اور دین ساقط ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(٦) اگر مبیع میں نقصان اور کمی آجائے تو رہن کی طرح ثمن اور دین طرفین کے درمیان نقصان کے تناسب سے تقسیم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: بزازیہ زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی ہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۹)

(۷) جس طرح معاملہ رہن میں مرتہن کے مالِ رہن کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینے پر راہن کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیع باطل کر کے مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لے لے، اسی طرح بیع الوفاء میں بھی مشتری جب مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے گا تو مالک کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیعِ ثانی کو باطل کر کے مشتری ثانی سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لے لے، ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ مرتہن کو اپنے قرض کے وصول ہونے تک لوٹ کر مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے، اسی طرح بیع الوفاء میں بھی مالک کے قبضہ میں پہنچ جانے کے بعد مشتری اول کو اپنے ثمن کے وصول ہونے تک مالک سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے۔ (بزازیہ زکریا جدید ۱/ ۲۵۱، وعلی ہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۶، شامی زکریا ۷/ ۵۴۸، کراچی ۵/ ۲۷۸)

ان تمام نظائر کی وجہ سے ان حضرات نے اس کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے، اور ان لوگوں کی رائے کے مطابق مشتری بائع کی اجازت کے بغیر مالِ مبیع سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ جو حسبِ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ وَالْقَاضِي الإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ عَلِي السُّغْدِيُّ، حُكْمُهُ

اکثر مشائخ نے کہا جن میں سید امام ابوشجاع اور قاضی امام ابوالحسن علی السغدی وغیرہ ہیں کہ اس بیع کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے، اس میں مشتری ←

. . . .

← حُكْمُ الرَّهْنِ لَا يَمْلِكُهُ الْمُشْتَرِيْ وَيَضْمَنُهُ الْمُشْتَرِيْ بِالْأَكْلِ مِنْ ثَمَرِهٖ وَلَا يُبَاحُ لَهُ الْإِنْتِفَاعُ وَلَا الْأَكْلُ إِلَّا بِإِبَاحَةِ الْمَالِكِ وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِهَلَاكِهٖ إِذَا كَانَ بِهٖ وَفَاءً بِالدَّيْنِ وَلَا يَضْمَنُ الزِّيَادَةَ إِذَا هَلَكَ لَا بِصُنْعِهٖ وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَّسْتَرِدَّ إِذَا قَضَى الدَّيْنَ. (فتاویٰ قاضي خان جديد زكريا ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ٢/ ١٦٥، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے پھل کھانے کی وجہ سے مشتری اس کا ضامن ہو جائے گا، اور مشتری کے لئے مبیع سے انتفاع مباح نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے، مگر مالک کی اجازت سے جائز ہے اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے دین ساقط ہو جائے گا، جب مبیع دین کے برابر ہو، اور زیادہ کا تاوان لازم نہیں ہوگا، جب مشتری کی تعدی اور لاپرواہی کے بغیر ہلاک ہو جائے اور بائع کو مبیع واپس لینے کا حق ہوگا جب دین ادا کر دے۔

اور الجامع الوجیز میں حافظ الدین بزازیؒ نے ائمہ خوارزم کی رائے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وَاخْتَارَهُ أَئِمَّةُ خَوَارِزْمَ أَنَّهُ إِذَا أَطْلَقَ الْبَيْعَ لٰكِنْ وَكَّلَ الْمُشْتَرِيْ وَكِيْلاً بِفَسْخِ الْبَيْعِ إِذَا أَحْضَرَ الْبَائِعُ الثَّمَنَ أَوْ عَهِدَ عَلٰى أَنَّهُ إِذَا أَوْفَاهُ فَسَخَ الْبَيْعُ وَالثَّمَنُ لَا يُعَادِلُ الْمَبِيْعَ وَفِيْهِ غَبْنٌ فَاحِشٌ أَوْ وَضَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى أَصْلِ الْمَالِ رِبْحاً بِأَنْ وَضَعَ عَلٰى مِائَةٍ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً فَرَهْنٌ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَاخْتَارَ خَاتَمُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَوْلَانَا سَيْفُ الدِّيْنِ الْعَصَبَةُ أَنَّهُ رَهْنٌ.

جس کو ائمہ خوارزم نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب بیع کو مطلق رکھا جائے؛ لیکن جب بائع ثمن لے کر کے حاضر ہو جائے تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنا دے یا بیع مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہو جائے کہ جب بائع ثمن لا کر پیش کر دے گا تو عقد بیع خود بخود فسخ ہو جائے گا اور ثمن مبیع کے برابر نہ ہو اور اس میں غبن فاحش ہو یا مشتری عقد کے بعد اصل مال پر نفع کی شرط لگا دے مثلاً ہر سو دینار پر بیس دینار نفع کا رہے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ عقد رہن کے حکم میں ہوگا، ←

. . . .

← (بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، على هامش الهندية ٤/٤٠٧)

اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ وہ رہن ہی ہوگا۔

فریقِ خامس بیع المکرہ کے حکم کے قائلین

مشائخ بخاریٰ میں سے امام صدر الشہید حسام الدین اور امام صدر السعید تاج الدین امام علاء الدین بدر اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی اور اس کو بیع فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ظہیر الدین بخاریؒ نے اس کو بیع فاسد بھی تسلیم کیا اور بیع مکرہ کے درجہ میں بھی قرار دیا جو کہ درست نہیں ہے؛ بلکہ بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرنا زیادہ صحیح ہے، امام زیلعیؒ نے تبیین الحقائق میں امام ظہیر الدین بخاریؒ کو بیع مکرہ کے قائلین کی فہرست میں شمار فرمایا ہے، حالاں کہ وہ بیع فاسد کے قائلین کی فہرست میں شامل ہیں، اسی وجہ سے بزازیہ میں اس بات کو صاف واضح کردیا گیا ہے کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے بیع الوفاء بیع مکرہ کی طرح ہوگی۔

اور بیع فاسد کے اصول وضوابط میں داخل نہیں ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع فاسد کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع مکرہ کی طرح ہوگا اور امام ظہیر الدین بخاری نے دونوں کو مخلوط کردیا ہے، اور امام علاء الدین بدرؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے دونوں کو مخلوط کردیا ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ دونوں کے شرائط وضوابط الگ الگ ہیں؛ لہٰذا بیع الوفاء واجب الاسترداد ہونے میں بیع مکرہ کی طرح ہوگی، بیع فاسد کی طرح نہیں۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنْ مَشَايِخِ بُخَارىٰ مَنْ جَعَلَ بَيْعَ الْوَفَاءِ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ مِنهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الإِسْلَامِ وَصُوْرَتُهُ أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِىْ

مشائخ بخاریٰ میں سے جنہوں نے بیع الوفاء کو بیع مکرہ کی طرح قرار دیا ہے ان میں سے امام ظہیر الدینؒ اور صدر الشہید حسام الدینؒ اور امام صدر السعید تاج الاسلامؒ (وغیرہ) ہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ یہ چیز میں ←

. . . .

← بِعْتُ مِنْکَ هٰذَا الْعَیْنَ بِدَیْنٍ لَکَ عَلَیَّ عَلٰی أَنِّیْ مَتٰی قَضَیْتُ الدَّیْنَ فَهُوَ لِیْ فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ عَلٰی إِیْفَاءِ الدَّیْنِ یُفِیْدُ الْمِلْکَ وَعِنْدَ اتِّصَالِ الْقَبْضِ بِهٖ وَیَنْقُضُ بَیْعُ الْمُشْتَرِیْ کَبَیْعِ الْمُکْرَهِ لِأَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ عَدَمِ الرِّضَا فَکَانَ حُکْمُهٗ حُکْمَ بَیْعِ الْمُکْرَهِ فِیْ جَمِیْعِ مَا ذَکَرْنَا. (تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ١٨٣/٥، زکریا ٦/ ٢٣٧)

نے تمہارے ہاتھ تمہارے دین کے بدلہ میں بیچ دی ہے اس شرط پر کہ جب میں تمہارا قرض ادا کردوں گا تو وہ چیز میری ہو جائے گی، تو ان حضرات نے اس عقد کو دین کی ادائیگی پر قدرت کے وقت فسخ عقد کی شرط کا اعتبار کرتے ہوئے عقد فاسد قرار دیا ہے، جو اتصالِ قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ مشتری کی بیع ٹوٹ جایا کرے گی جیسا کہ مکرہ کی بیع ٹوٹ جاتی ہے؛ اس لئے کہ عدمِ رضا کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع مکرہ کے حکم میں ہوگا، ان تمام امور میں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

اور اس حکم کو امام حافظ الدین بزازی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

أَجَابَ عَلَاءُ الدِّیْنِ بَدْرٌ أَنَّهٗ لَا یَصِحُّ وَعَلٰی هٰذَا اخْتِیَارُ صَاحِبُ الْهِدَایَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَائِخُ زَمَانِنَا وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی أَعْنِیْ لَا یَمْلِکُ الْمُشْتَرِیْ الْبَیْعَ مِنَ الْغَیْرِ کَمَا فِیْ بَیْعِ الْمُکْرَهِ لَا الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بَعْدَ الْقَبْضِ. (بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥١، وعلی هامش الهندیة ٤٠٨/٤)

امام علاء الدین بدر نے اس طرح سے جواب دیا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور ہمارے زمانہ کے مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی مشتری دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بیع مکرہ میں ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔

←

. . . .

← فریقِ سادس بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین

امام فخر الدین زاہد وغیرہ نے اس عقد کو من وجہٍ بیع صحیح اور من وجہٍ رہن تسلیم کیا ہے، یعنی صلب عقد میں جب شرط کا ذکر نہ ہو تو مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اور مبیع کی آمدنی کا مشتری مالک ہوا کرے گا اور بائع کے حق میں یہ عقد رہن ہوگا اس لئے مشتری مبیع کے قبضہ اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، نہ دوسرے کو بطورِ ہدیہ دے سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو فروخت کرسکتا ہے، اور نہ ہی دوسرے کے ہاتھ میں رہن کے طور پر رکھ سکتا ہے اور جب بائع ثمن واپس کردے گا تو مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء من وجہٍ بیع صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی اور من وجہٍ رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی ،اور اس عقد کو زرافہ کی طرح دو چیزوں سے مرکب مانا جائے گا جیسا کہ زرافہ گردن کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہے اور پیروں کے اعتبار سے گائے اور بیل کی طرح ہے، اسی طرح اس عقد کا حال ہے کہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجاتا ہے اور مشتری مبیع سے ہر طرح کا نفع اٹھاسکتا ہے، تو اس اعتبار سے بیع صحیح ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں قبضہ کو منتقل نہیں کرسکتا اور دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا، اور ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہوجاتی ہے تو اس اعتبار سے یہ عقد رہن کی طرح ہے۔ فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

اَلْقَوْلُ السَّادِسُ مَا اخْتَارَهُ الْبَعْضُ وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ الزَّاهِدُ أَنَّ الشَّرْطَ إِذَا لَمْ يُذْكَرْ فِي الْبَيْعِ نَجْعَلُهُ صَحِيْحاً فِيْ حَقِّ الْمُشْتَرِيْ حَتّٰى مَلَكَ الْأَنْزَالَ وَرَهْناً فِيْ حَقِّ الْبَائِعِ فَلَمْ يَمْلِكِ الْمُشْتَرِيْ تَحْوِيْلَ يَدِهٖ وَمِلْكَهٗ إِلٰى غَيْرِهٖ وَأُجْبِرَ عَلَى الرَّدِّ إِذَا أَحْضَرَ الدَّيْنَ لِأَنَّهٗ كَالزِّرَافَةِ

قولِ سادس وہ ہے جس کو بعض فقہاء نے اختیار فرمایا ہے اسی کو فخر الدین زاہد نے پسند فرمایا ہے بایں طور پر کہ جب عقد بیع کے اندر شرط کا ذکر نہ کیا ہو تو اس کو مشتری کے حق میں بیع صحیح قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجائے اور بائع کے حق میں رہن قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع پر قبضہ کرکے مبیع کی ملکیت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا مالک نہ ہوجائے اور مشتری کو مبیع ←

. . . .

← مُـرَكَّـبٌ مِـنَ الْبَيْعِ وَالـرَّهْنِ.
(فتاوی بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥١، وعلی هامش الهندية ٤/ ٤٠٨)

کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا جب بائع دین ثمن لاکر پیش کردے؛ اس لئے کہ یہ عقد زرافہ کی طرح بیع اور رہن سے مرکب ہے۔

فریقِ سابع بیعِ صحیح اور بیعِ فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین

امام حافظ الدین بزازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کے اندر تین صفتیں موجود ہیں:

(۱) یہ بیع بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، بیع تلجئہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے اوپر بیع صحیح کا حکم لگادیا جائے گا؛ لہٰذا مشتری اس عقد کی مبیع سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اور حضراتِ صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے بعض احکام کے اعتبار سے اس کے اوپر بیع فاسد کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اسی طرح اس عقد کے اندر بھی واپسی کی شرط بیع فاسد کے اصول کے مطابق شرط فاسد ہے، اور ان لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے بیع الوفاء کو رہن کی طرح قرار دیا ہے اس کے اوپر رہن کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مرتہن کو مالِ رہن دوسرے کے قبضہ میں دینے اور دوسرے کو مالک بنانے کا حق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اس عقد کے اندر مشتری کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے اوپر معاملہ رہن کا حکم لگادیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء تین قسم کے عقود سے مرکب ہے، بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن ان تینوں سے مرکب ہے، جیسا کہ ایک جانور جس کا نام زرافہ ہے تین قسم کے جانوروں کی صفتوں کے ساتھ وہ جانور متصف ہے کہ گردن کو دیکھا جائے تو اس کے اندر اونٹ کی صفت ہے اور پیروں کو دیکھا جائے تو اس کے اندر گائے اور بیل کی صفت ہے اور رنگ کو دیکھا جائے تو اس کے اندر چیتے کی صفت ہے تو جس طرح ایک جانور تین قسم کے جانوروں کی صفات کے ساتھ متصف ہوکر وجود میں آیا ہے اور اس طرح کا جانور وجود میں آنا صحیح اور درست ہے، اسی طرح بیع الوفاء بھی تین قسم کے عقود کی صفتوں کے ساتھ متصف ہوکر وجود میں آئی ہے۔ اور وجود میں آنا درست ہے اور اسی وجہ سے اس کو عقد صحیح اور عقد جائز ہی قرار دیا جائے گا اور جب اس عقد کے اندر یہ تینوں صفتیں موجود ہیں تو ان تینوں میں ←

. . . .

← سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو بزازیہ میں ہے کہ بیع صحیح کے پہلو کو ترجیح دینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے؛ اس لئے کہ اس کو بیع صحیح قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینا ثابت ہوتا ہے، اور صاحب مذہب کے قول کو ترجیح دینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوا کرتا ہے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قُلْتُ هٰذَا الْعَقْدُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْعُقُودِ الثَّلَاثَةِ كَالزِّرَافَةِ فِيْهَا صِفَةُ الْبَعِيْرِ وَالْبَقَرِ وَالنَّمِرِ جوِّزَ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ بِشَرْطِ سَلَامَةِ الْبَدَلَيْنِ لِصَاحِبِهِمَا (إِلٰى قَوْلِهِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بَيْعَ التَّلْجِئَةِ وَإِنَّهُ صَحِيْحٌ عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا فَأُعْطِيَ لَهُ حُكْمُ الصَّحِيْحِ عَمَلاً بِقَوْلِهِ وَحُكْمُ الْفَاسِدِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِهِمَا وَحُكْمُ الرَّهْنِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِ النَّاسِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ فِيْمَا تَقَدَّمَ وَإِذَا وَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيْ إِلْحَاقِهِ بِالْفَاسِدِ أَوِ الصَّحِيْحِ فَإِلْحَاقُهُ بِالصَّحِيْحِ أَوْلٰى تَقْلِيْلاً لِلْفَسَادِ وَتَرْجِيْحاً لِقَوْلِ الْإِمَامِ فَيُعْتَبَرُ الْمَذْكُوْرُ ثَمَناً لَا الْمَأْخُوْذُ. (فتاویٰ بزازیة، زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی هامش الهندیة ۴/ ۴۱۰، البحر الرائق کوئٹه ۶/ ۱۲)

میں کہتا ہوں یہ عقد عقودِ ثلاثہ سے مرکب ہے جیسا کہ زرافہ اس میں اونٹ، بیل اور چیتے کی صفت ہوتی ہے، اس کی طرف لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز قرار دیا گیا ہے، متعاقدین کے لئے بدل کی سلامتی کی شرط کے ساتھ اور مصنف کا قول اس لئے کہ یہ عقد بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، اور بے شک بیع تلجئہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں؛ لہٰذا امام صاحب کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بیع صحیح کا حکم دیا جائے گا اور صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں بیع فاسد کا حکم دیا جائے گا اور دوسرے لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں رہن کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ ماقبل میں دوسرے کا قول ہم نے ذکر کردیا ہے اور جب اس کو بیع فاسد یا بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنے میں تردد واقع ہوگیا تو اس کو بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہوگا فساد کی کمی کو ثابت کرنے کے لئے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینے کے لئے؛ لہٰذا ذکر کی گئی چیز کو ثمن قرار دیا جائے گا نہ کہ ماخوذ اور مقبوض کو۔ ←

. . . .

← مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم

بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ بات خوب ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف واقع ہوچکا ہے، جس کو ہم نے اس مقالہ کے اندر واضح کردیا ہے کہ بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع فاسد کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع مکرہ کے درجہ میں قرار دیا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان تمام صورتوں میں مشتری کی ملکیت نہیں ہوسکتی، اسی کی جانب علاء الدین حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کا رجحان ہے۔

اور اس کے برخلاف بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن سے مرکب عقد قرار دیا ہے، اور ساتھ میں یہ فرمایا ہے کہ مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اسی لئے مشتری مبیع کی آمدنی اور پیداوار کا مالک ہوجائے گا اور بائع کے حق میں رہن ہے اس لئے مشتری مبیع کو بیچنے اور دوسرے کے ہاتھ رہن رکھنے کا مجاز نہ ہوگا، اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن اور بیع فاسد تینوں سے مرکب زَرافہ کی طرح الگ سے ایک عقد تسلیم کیا ہے، اور بعض فقہاء نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے، ان تمام فقہاء کے قول کے مطابق بیع الوفاء صحیح اور جائز عقد ہے؛ لہٰذا ان سب حضرات کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع سے فائدہ اٹھانے اور مبیع کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنے کا حق ہے اور آمدنی کا ایک ذریعہ اجارہ اور کرایہ پر دینا بھی ہے، اس لئے ان تمام فقہاء کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع کو بائع کے ہاتھ یا کسی دوسرے کے ہاتھ کرایہ پر دینا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کھیتی کی زمین ہے تو مشتری اس زمین کو خود بائع کے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ یا بٹائی پر دے کر نفع حاصل کرسکتا ہے، اور اگر عمارت ہے اس کو بھی کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کرسکتا ہے، اور متأخرین کا فتویٰ اسی پر جاری ہوچکا ہے کہ آمدنی مشتری کی ملکیت ہوگی؛ لہٰذا راجح یہی ہوگا کہ مبیع کو کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کرنا مشتری کے لئے اس وقت تک جائز ہوگا جب تک بائع ثمن دے کر مبیع کو واپس نہ لے گا، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے: ←

. . . .

←وَإِنْ آجَرَ الْمَبِيْعَ وَفَاءً مِنَ الْبَائِعِ مِمَّنْ جَعَلَهُ فَاسِداً قَالَ لا تَصِحُّ الإِجَارَةُ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَمَنْ جَعَلَهُ رَهْناً كَذٰلِكَ لَمْ يَلْزَمِ الْبَائِعَ الْأَجْرُ، وَمَنْ أَجَازَهُ جَوَّزَ الإِجَارَةَ مِنَ الْبَائِعِ وَغَيْرِهٖ وَأَوْجَبَ الْأَجْرَ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، علی الهندیة ۴۱۳/٤، شامی زکریا ۷/۵٤۸، کراچی ۵/۲۷۸)

اور اگر مبیع کو بیع الوفاء میں بائع کے ہاتھ اجرت پر دیا ہے تو جن لوگوں نے اس کو بیع فاسد قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور جنہوں نے رہن قرار دیا ہے ان کے نزدیک ایسے ہی اجارہ صحیح نہ ہوگا اور بائع پر اجرت لازم نہ ہوگی اور جن لوگوں نے بیع الوفاء کو بیع صحیح قرار دیا ہے ان لوگوں نے مبیع کو بائع کے ہاتھ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ پر دینے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور اجرت بھی لازم ہو جائے گی۔

(وَقَوْلُهُ) وَذُكِرَ فِي الإِيْضَاحِ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ بَيْعُهُ قَبْلَ قَبْضِهٖ تَجُوْزُ إِجَارَتُهُ وَمَا لَا فَلَا وَبَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ فَكَذٰلِكَ إِجَارَتُهُ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/۴۱۳)

اور ایضاح میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہر وہ شئ جس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے اور جس کو قبل القبض بیچنا صحیح نہیں اس کو اجارہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہے اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے؛ لہٰذا اس کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہو جائے گا۔

بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟

جب لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس کی وجہ سے بیع الوفاء کو جائز قرار دیا گیا ہے تو مشتری کے لئے مبیع کی واپسی تک اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور مبیع سے جو آمدنی پیدا ہوگی وہ آمدنی بھی مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر مبیع کے ذریعہ سے کچھ آمدنی حاصل ہو جائے یا مبیع عقار ہے اور کھیتی کی زمین ہے اس میں سے پیداوار حاصل ہو جائے تو وہ ساری کی ساری مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ ←

. . . .

← لہٰذا اگر آمدنی اور پیداوار ضائع ہوجائے یا مشتری نے ضائع کردیا ہے تو اس کا تاوان بائع کے لئے مشتری پر لازم نہیں ہوگا، یہی فقہاء کا آخری قول ہے اور صاحبِ ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ اسی پر جاری ہوچکا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

اَلَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی صَاحِبِ الْهِدَایَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَایِخِ الْعَهْدِ أَنَّ الْمِلْکَ یَثْبُتُ لِلْمُشْتَرِیْ فِیْ زَوَائِدِهٖ وَلَا یَضْمَنُهٗ بِالْإِتْلَافِ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥٢، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٠)

جس کے اوپر صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ مسلسل جاری ہوچکا ہے وہ یہی ہے کہ بیع الوفاء میں مبیع کی پیداوار اور آمدنی میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور آمدنی کو ضائع اور ہلاک کردینے سے مشتری بائع کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی

اگر بیع الوفاء میں مشتری کے یہاں مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن کی ادائیگی ساقط ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر مبیع ہلاک تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں نقصان آجائے تو اس نقصان کی تلافی کی کیا شکل ہے؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ مبیع میں جتنا نقصان ہوا، دینِ ثمن میں سے اتنا مجریٰ ہوکر ساقط ہوجائے گا، مثال کے طور پر ایک ہزار روپیہ لے کر کے مبیع مشتری کے قبضہ میں دی گئی ہے اور مبیع کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے اور مبیع میں پانچ سو روپیہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو ثمن میں سے پانچ سو روپیہ کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی الْأَئِمَّةِ وَالْأَسَاتِذَةِ فِیْ مَسْئَلَةِ نُقْصَانِ الْمَبِیْعِ وَفَاءً سُقُوْطُ حِصَّةِ النُّقْصَانِ مِنْ مَالِ الْوَفَاءِ وَهُوَ الثَّمَنُ وَیُقَسَّمُ مَالُ الْوَفَاءِ

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کے مسئلہ میں اساتذہ اور ائمہ کا فتویٰ اس بات پر جاری ہوچکا ہے کہ مالِ وفاء یعنی ثمن میں سے نقصان کا حصہ ساقط ہوجائے گا اور ثمن وفاء مبیع کی باقی قیمت پر اور مبیع کے ←

....

← عَلٰی قِیمَةِ الْبَاقِیْ وَالْهَالِکِ فَیَسْقُطُ قِسْطُ الْهَالِکِ وَیَبْقٰی حِصَّةُ الْبَاقِیْ بَیَانُهٗ اشْتَرٰی دَاراً بِالْوَفَاءِ قِیمَتُهَا تُسَاوِیْ أَلْفاً بِمِائَةٍ فَخَرِبَتْ الدَّارُ حَتّٰی صَارَتِ الْقِیمَةُ خَمْسَ مِائَةٍ تَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ خَمْسُوْنَ.

(فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥٣، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٢)

ہلاک شدہ پر تقسیم ہو جائے گا؛ لہٰذا ہلاک شدہ کا حصہ بائع کے اوپر سے ادا کرنا ساقط ہو جائے گا اور باقی کا حصہ باقی رہے گا، اس کی وضاحت یوں ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر ایک مکان خریدا ہو جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ کے برابر ہے اس کو سو روپیہ میں خریدا ہے پھر مکان منہدم ہو جائے یہاں تک کہ اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ جائے تو ثمن میں سے پچاس روپیہ ساقط ہو جائیں گے۔

بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مشتری کے قبضہ میں مبیع ہوتی ہے اور بائع کے قبضہ میں ثمن ہوتا ہے اور مبیع چوں کہ مالِ نمو نہیں ہوتی ہے، اس لئے مبیع کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؛ لیکن ثمن مالِ نمو ہوتا ہے، اسی لئے اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ مال فی الحال بائع کے قبضہ اور ملکیت میں ہے، اس اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بائع کے اوپر لازم ہوگا اور مشتری کے اوپر اس لئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے ثمن کے بدل پر قبضہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ثمن در پردہ اس کی ملکیت ہے اس لئے مشتری پر بھی اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہو جائے گا، اور چوں کہ عقود وفسوخ میں یعنی عقد کے منعقد ہونے میں اور عقد کے فسخ ہو جانے میں نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک مالِ متعین کی زکوٰۃ دو آدمیوں پر لازم آرہی ہے؛ بلکہ لاعلی التعیین اتنے مال کی زکوٰۃ بائع کے اوپر بھی لازم ہے اور مشتری کے اوپر بھی لازم ہے جو فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وَزَکوٰةُ مَالِ الْوَفَاءِ عَلَی الْبَائِعِ؛ لِأَنَّهٗ مِلْکُهٗ بِالْقَبْضِ وَعَلَی الْمُشْتَرِیْ أَیْضاً

بیع الوفاء کے مال ثمن کی زکوٰۃ بائع کے اوپر اس وجہ سے لازم ہوگی کہ قبضہ کی وجہ سے بائع اس کا ←

• •

← لِأَنَّهُ يُعَدُّ مَالاً لَهُ مَوْضُوعاً عِنْدَ الْبَائِعِ لَيْسَ فِيْهِ زَكوٰةُ مَالٍ عَلٰى رَجُلَيْنِ؛ لِأَنَّ النُّقُوْدَ لَا تَتَعَيَّنُ فِي الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ وَعَلَيْهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَالْإِمَامُ الْبَزْدَوِيُّ. (فتاویٰ بزازيه، زكريا جديد ١ / ٢٥٣، وعلى هامش الهندية ٤ / ٤١٢)

مالک ہوچکا ہے اور مشتری کے اوپر بھی اس لئے واجب ہے کہ وہ مشتری ہی کا مال شمار ہوتا ہے جو بائع کے یہاں رکھا ہوا ہے اور اس میں ایک متعین مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا دوآدمیوں پر اس لئے لازم نہیں آتا ہے کہ عقود وفسوخ میں نقود یعنی ثمن متعین نہیں ہوا کرتا ہے، یہی صاحب ہدایہ اور امام بزدوی کی رائے ہے۔

بائع اور مشتری کا اختلاف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح اختلاف ہوجائے کہ دونوں میں سے ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی ہوچکی ہے واپسی اور استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور دوسرا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی نہیں ہوئی؛ بلکہ بیع الوفاء کے طور پر عقد ہوا ہے؛ لہٰذا ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ اور گواہ پیش کردئے ہیں تو ایسی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اس سلسلہ میں صاحبِ درمختار فرماتے ہیں کہ استحساناً بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے؛ لیکن اس کے نیچے شامی نے ملتقط کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اولاً متأخرین نے بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کو ترجیح دینے پر فتویٰ دیا ہے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دیا ہے، اور اس کے اوپر استحسان کا نشان لگایا ہے، اس کے بعد یہ وضاحت نقل فرمائی ہے کہ اگر مشتری نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا ہے کہ بیع مکمل ہوچکی ہے اب استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور بائع دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں اگر دونوں نے بینہ پیش کیا ہے تو بائع کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی اور اگر بینہ پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ دونوں کا محض دعویٰ ہے تو ایسی صورت میں بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے گی، ہاں البتہ اگر مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی کمی پر واضح دلیل اور قرینہ موجود ہو تو ایسی صورت میں بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے ←

....

← قول کو ترجیح ہوگی؛ تاکہ بائع غبن فاحش کے نقصان کا شکار نہ ہو تو حاصل یہ نکلا کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر بیع الوفاء کا قرینہ موجود ہو مثلاً مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی مقدار کم ہے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کر کے بیع الوفاء کا حکم صادر کر دیا جائے گا اور دونوں کو اس کا پابند بنایا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور ثمن اور مبیع کے درمیان تناسب میں تفاوت نہیں ہے اور نہ ہی غبنِ فاحش لازم آ سکتا ہے تو ایسی صورت میں مشتری کے قول کا اعتبار کر کے بیعِ قطعی کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

إِنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْوَفَاءِ اِسْتِحْسَاناً، وَلَوْ قَالَ الْبَائِعُ: بِعْتُكَ بَيْعاً بَاتًّا فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا أَنْ يَّدُلَّ عَلَى الْوَفَاءِ بِنُقْصَانِ الثَّمَنِ كَثِيراً (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ) قَوْلُهُ: هُنَّ اسْتِحْسَاناً يَقْتَضِيْ تَرْجِيحَ مُدَّعِي الْوَفَاءِ فَيَنْبَغِيْ تَقْيِيدُهُ بِقِيَامِ الْقَرِيْنَةِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَإِنْ ادَّعٰى أَحَدُهُمَا بَيْعاً بَاتًّا وَالآخَرُ بَيْعَ الْوَفَاءِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ كَانُوْا يُفْتُوْنَ أَنَّ الْبَاتَّ أَوْلٰى ثُمَّ أَفْتَوْا أَنَّ بَيْعَ الْوَفَاءِ أَوْلٰى وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَلَوْ قَالَ الْمُشْتَرِيْ اشْتَرَيْتُهُ بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بِعْتُهُ بَيْعَ الْوَفَاءِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) أَنَّ الْاِسْتِحْسَانَ فِي الْاِخْتِلَافِ فِي الْبَيِّنَةِ تَرْجِيحُ بَيِّنَةِ الْوَفَاءِ وَفِي الاخْتِلَافِ فِي الْقَوْلِ تَرْجِيحُ قَوْلِ مُدَّعِي

بے شک استحسانا بیع الوفاء کے مدعی کا قول معتبر ہوگا اور اگر بائع نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ بیع قطعی کے طور پر بیچا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا؛ لیکن اگر بیع الوفاء پر ثمن کے کثیر نقصان کی وجہ سے دلالت کرنے والی کوئی دلیل ہو تو بیع الوفاء کا اعتبار ہوگا اس کے نیچے شامی میں ہے کہ یہاں استحسانا کا لفظ بیع الوفاء کے مدعی کے دعویٰ کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کو قیامِ قرینہ کے ساتھ مقید کرنا زیادہ مناسب ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے بیع الوفاء کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فقہاء متأخرین اس بات پر فتویٰ دیتے تھے کہ بیع قطعی کی ترجیح کو اولیٰ قرار دیا جائے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کی ترجیح کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دینے لگے اور بیع الوفاء کو ترجیح دینا مستحسن ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں بینہ کے ساتھ میں اختلاف کی صورت میں مستحسن یہی ہے کہ بیع الوفاء کے ←

....

الْبَتَاتِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُوَ كَوْنُ الْقَوْلِ لِمُدَّعِي الْبَتَاتِ بِمَا إِذَا لَمْ تَقُمِ الْقَرِيْنَةُ عَلٰى خِلَافِهٖ. (الدر المختار مع الشامی زکریا ۷/ ۵۵۰، شامی کراچی ۲۷۹/۵)

بینہ کو ترجیح دی جائے اور بغیر بینہ کے قول میں اختلاف کی صورت میں بیع قطعی کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے اور بیع قطعی کے مدعی کے قول کی ترجیح اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ جب اس کے خلاف پر کوئی قرینہ قائم نہ ہو۔

اور الاشباہ والنظائر کے حاشیہ حموی میں صاف الفاظ کے ساتھ بائع کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ جب مشتری اور بائع کے درمیان اس طرح کا اختلاف ہو جائے کہ مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرے اور بائع بیع الوفاء کا دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کر کے اس معاملہ کو بیع الوفاء قرار دیا جائے گا؛ اس لئے کہ بیع قطعی ہونے کی صورت میں مشتری کا فائدہ ہے اور بائع کا نقصان ہے اور بیع الوفاء ہونے کی صورت میں کسی کا نقصان نہیں؛ کیوں کہ مشتری کو اپنا ثمن واپس مل جاتا ہے اور بائع کو اپنی مبیع واپس مل جاتی ہے۔

وَفِي الْفُصُوْلِ الْعِمَادِيَةِ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فَقَالَ الْمُشْتَرِيْ اشْتَرَيْتُهٗ شِرَاءً بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بَيْعَ الْوَفَاءِ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ يَدَّعِي زَوَالَ عَيْنِهٖ بِالْبَتَاتِ وَمُدَّعِي الْوَفَاءِ يُنْكِرُ الزَّوَالَ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلَهٗ. (حاشیه الحموی علی الأشباه قدیم ۱۳۰، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۲۳۶)

فصولِ عمادیہ میں ہے کہ جب متبائعین میں اختلاف ہو جائے تو مشتری کہتا ہے کہ میں نے عقد لازم اور عقد قطعی کے طور پر خریدا ہے اور بائع کہتا ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر میں نے بیچا (اور تم نے خریدا ہے) تو بائع کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی؛ اس لئے کہ مشتری معاملہ قطعی کے ذریعہ سے عین مبیع کے زوال کا دعویٰ کرتا ہے اور بیع الوفاء کا مدعی زوال کا انکار کرتا ہے؛ لہٰذا اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔

شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی)

۷/ باب: جائز وناجائز یا مکروہ معاملاتِ بیع

آلات معاصی ومزامیر یا آلات سینما وغیرہ کی بیع

سوال (۱۷۴۳): قدیم ۳/۱۱۰- اشیاء بجنے والی مثل گھونگرو ٹالی وغیرہ واشیاء مستعملہ موسیقی مثل تار لوہا وپیتل وغیرہ واشیاء مستعملہ ہنود مثل بُندے وستارے وغیرہ کسی مسلمان یا کافر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو مسلمان یا کافر گانے ناچنے کا پیشہ کرتے ہیں ان کے ہاتھ کوئی سودا بیچنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) ایسے معاملات میں کافر اور مسلم برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟

(۴) کفار مشرک اگر اپنی عبادت گاہ کی تعمیر کے واسطے یا بتوں کی پرستش کے لئے کوئی چیز کسی مسلمان سے خریدیں یا کسی مسلمان کو اجرت پر رکھیں تو اس چیز کا ان کے ہاتھ فروخت کرنا یا اجرت لینا جائز یا نہیں؟

(۵) بتوں پر چڑھی ہوئی چیز مثل میوہ جات یا کوئی اور شیئ پھر خرید کر اس کی تجارت کرنا یا اس کو خود کھانا اور استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: گھونگرو ٹالی وغیرہ کا استعمال اگر بغرض اظہار شان وشوکت ہو تو ناجائز ہے، اور اگر اس کے باندھنے سے جانور کو چلنے میں نشاط اور آسانی ہوتی ہو یا راہ چلنے والوں کی اطلاع کی غرض سے کہ وہ سامنے سے ہٹ جاویں باندھا جاوے تو جائز ہے۔

في العالمگيرية، الباب السابع عشر من الكراهية: قال محمد في السير: فأما إن كان في دار الإسلام، وفيه منفعة لصاحب الراحلة، فلا بأس به قال: وفي الجرس منفعة جمة (۱) الخ.

اور اشیاء مستعملہ موسیقی کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے اور بندے وستارے وغیرہ کا استعمال عورتوں اور لڑکیوں کے لئے جائز ہے گو پیتل وغیرہ کی ہوں، ان چیزوں کی صرف انگوٹھی ناجائز ہے۔

---

(۱) هندية، كاب الكراهية، جديد زكريا ٥/ ٤٠٩، قديم ٥/ ٣٥٤-

في الدرالمختار قبيل النظر والمس من كتاب الكراهية: ولا تتختم إلا بالفضة فيحرم بغيرها كحجر، وذهب، وحديد، وصفر، ورصاص وغيرها لما مر، فإذا ثبت كراهية لبسها للتختم يثبت كراهية بيعها وصيغها لما فيه من الإعانة على مالا يجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز لا يجوز اھ. **قلت: ويستثنى الذهب أيضا للنساء، ويبقى الباقي على العموم. وفي ردالمحتار تحت قوله: فيحرم لغيرها عن الجوهرة والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال والنساء (١)** اھ. **قلت: وتخصيص التختم يبيح لبسها لا للتختم للنساء.**

جب وجوہ استعمال میں جائز وناجائز کی تعیین ہوگئی تو اب حکم بیع کا جاننا چاہیئے، سواس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کی عین سے معصیت قائم ہو اس کا بیع کرنا ممنوع ہے، اور جس چیز میں تغیر وتبدل کے بعد معصیت کا آلہ بنایا جاوے اس کی بیع جائز ہے، گو خلاف اولیٰ ہے۔

في الدر المختار، فصل في البيع من كتاب الكراهية: وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أن يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية بخلاف بيع أمرد ممن يلوط به، وبيع سلاح من أهل الفتنة؛ لأن المعصية

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في اللبس، زكريا ٩/ ٥١٧-٥١٨، كراچی ٦/ ٣٥٩-٣٦٠۔

ويكره للرجال التختم بما سوى الفضة والتختم بالذهب حرام في الصحيح، وفي الخجندي: التختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال والنساء جميعا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر: في استعمال الذهب والفضة، قديم زكريا ٥/ ٣٣٥، جديد ٥/ ٣٨٨)

وفي الجامع الصغير: لا يتختم إلا بالفضة هذا اللفظ بظاهره يقتضي أن التختم بالذهب والحديد والصفر حرم على الرجال ...... وأما التختم بالحديد، والرصاص، والصفر فهو حرام على الرجال والنساء جميعا. (فتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، فصل في استعمال الذهب والفضة ١٨/ ١٢٤-١٢٥، رقم: ٢٨٢٤٦-٢٨٢٤٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تـقـوم بـعينه. وفي ردالمحتار في تفصيل هذه العبارة: وعلم من هذا أنه لايكره بيع مالم تـقم المعصية به كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والحمامة الطيارة، والعصير، والخشب ممن يتخذ منه المعازف (۱) اھ۔

پس صورت مسئولہ میں گھونگر وٹالی جب کہ تفاخر کے لئے مستعمل نہ ہوں، اور بندے ستارہ مطلقاً اور تاروغیرہ جو آلات موسیقی میں کام آویں خلاف اولیٰ فروخت کرنا جائز ہیں اور جواز وعدم جواز بیع میں مسلمان کافر کا ایک حکم ہے۔

في رد الـمـحـتـار في المقام المذكور: والأصح خطابهم وعليه فيكون إعانته على المعصية، فلا فرق بين المسلم والكافر في بيع العصير منهما (۲) اھ۔

(**جواب سوال دوم**) جائز نہیں جب کہ ظاہراسی آمدنی سے دام دیں۔

في الـدر الـمـخـتـار. فـصـل البيع من الكراهية: وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خـمـر لـصـحة بيـعـه بـخـلاف دين على المسلم لبطلانه (۳) اھ. **أقـول: علل الجواز بالصحة وحرمة الرقص والغناء عام فلا يثبت الجواز.**

---

(۱) درمـخـتـار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، فصل: في البيع، زكريا ديوبند ۹/ ٥٦٠-٥٦١، كراچی ٦/ ۳۹۱۔

وجـاز بيـع الـعـصيـر مـن خـمار؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره بخلاف بيع السـلاح مـن أهـل الـفتـنة؛ لأن الـمـعصية تقوم بعينه فيكون إعانة لهم وتسببا، وقد نهينا عن التعـاون عـلـى الـعـدوان والـمـعصية؛ ولأن العصير يصلح الأشياء كلها جائز شرعا، فيكون الفساد إلى اختياره. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، زكريا ۷/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ۲۹)

ويـجـوز بيـع الـعـصير ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بنفس العصير بـل بـعد تغيره فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه بخلاف بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأن المعصية تقوم بعينه. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، بيروت ٤/ ۲۱٤)

(۲) شـامـي، كـتـاب الـحـظـر والإبـاحة، بـاب الاستبراء فصل في البيع، زكريا ديوبند ۹/ ٥٦١، كراچی ٦/ ۳۹۱۔

(۳) درمـخـتـار مـع الـشـامـي، كـتـاب الـحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ديوبند ۹/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ۳۸٥۔ ←

(**جواب سوال سوم**) برابر ہیں جیسا گذر چکا۔

(**جواب سوال چهارم**) امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے، لہٰذا احتیاط بہتر ہے، اور جو کوئی غریب مبتلا ہو اس پر دارو گیر نہ کرے۔

في الدر المختار بعد مسئلة العصير: وجاز تعمير كنيسة، وحمل خمر ذمي بنفسه أودابته بأجر لا عصرها لقيام المعصية بعينه. في رد المحتار: قوله: وحمل خمر ذمي قال الزيلعي: وهذا عنده، وقالا: هو مكروه (١) آه.

(**جواب سوال پنجم**) جائز نہیں۔ **لحرمة لعموم قوله تعالىٰ: وما أهل به لغير الله (٢)۔ والله أعلم.**

۲۰ / ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۸)

تحقیق حدیث مصرّاۃ

سوال (۱۷۴۴): قدیم ۳/ ۱۱۲ - **انا ندعی أن حدیث المصراة مخالف**

← **لو باع مسلم خمرا وأوفى دينه من ثمنها كره لرب الدين أخذه يعنى كان للمسلم دين على مسلم فباع الذي عليه دين خمرا وأوفى دينه من ثمنها كره لرب الدين أخذه ...... وإن كان المديون ذميا لا يكره، والفرق أن البيع في الوجه الأول باطل؛ لأن الخمر ليس بمال متقوم في حق المسلم، فبقي الثمن على ملك المشتري فلا يحل أخذه، وفي الوجه الثاني أن البيع صحيح؛ لأنه مال متقوم في حق الكافر فيملكه البائع، فيحل الأخذ منه.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل: في البيع بيروت ٤ / ٢١٤)

(١) درالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩١-٣٩٢۔

زيلعي، كتاب الكراهية فصل في البيع، زكريا ٧/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩۔

(٢) سورة البقرة، آيت: ١٧٣۔

سوال [۱۷۴۴] کا ترجمہ: ہمارا یہ دعوی ہے کہ حدیث مصرات ہر اعتبار سے قیاس صحیح کے مخالف ہے اور اس جیسی روایت کو جب کوئی غیر فقیہ راوی روایت کرے تو ترک کر دیا جاتا ہے اور فقہاء نے اس کی ←

للقياس الصحيح من كل وجه، ومثل هذا إذا روى غير الفقية يرد وبنوا عليه ما بنوا لكن هذا الحديث قد رواه صاحب الصحيح في ص ٢٨٨ عن ابن مسعودؓ موقوفا، ولما كان هذا الحكم غير مدرك بالرأي كما ندعى فالموقوف له حكم الرفع أيضاً والراوي لهذا فقيه فلا بد أن يترك القياس؛ لأن الراوي فقيه فما المناص عن هذا؟

الجواب: ما قالوا في حديث المصرّاة لم يلصق بقلبي قط، وإنما الذي أرى فيه حمل هذا الحديث على ما إذا اشترط الخيار في العقد وقرينة هذا الحمل ماورد في رواية من اشترى مصرّاة فهو منها بالخيار ثلاثة أيام إن شاء أمسكها، وإن شاء ردّها ومعها صاعاً من تمر لا سمراء (١) رواه الجماعة إلا البخاري كذا في نيل الأوطار، ج ٥ ص ٧٧، ٧٨ وأما تخصيص الصاع من التمر فمحمول على الصلح والمشورة فلم يخالف القياس.

١٠/ربیع الآخر ١٣٣٤ھ (تتمہ رابعہ ص ٢٣)

← جو بھی بنیاد بنائی ہو؛ لیکن اس حدیث کو صاحب الصحیح نے ص: ٢٨٨ پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے، جب یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے، جیسا کہ ہمارا دعوی ہے تو یہ حدیث موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی اور اس روایت کا راوی فقیہ ہے؛ لہٰذا قیاس کو چھوڑ دینا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ راوی فقیہ ہے تو اس کا حل کیا ہوگا؟

جواب [١٧٤٤] کا ترجمہ: حدیث مصرات کے بارے میں فقہاء کی تاویلات میرے دل کو کبھی نہیں لگتی اور میری رائے یہ ہے کہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے جب کہ معاملہ مشروط بالخیار ہو اور اس بات کا قرینہ وہ الفاظ ہیں جو روایت ''من اشترى مصرّاة فهو منها بالخيار ثلاثة أيام'' الخ میں آئے ہیں اور رہ گیا ایک صاع تمر کو خاص کرنا تو وہ مصالحت اور مشورہ پر محمول ہے؛ لہٰذا روایت قیاس کے مخالف نہ رہی۔

(١) نيل الأوطار، باب ما جاء في المصراة، دارالحديث القاهرة ٥/ ٢٢٣، بيت الأفكار، رقم: ٢٢٧٧۔

بخاري شريف، باب إن شاء رد المصراة الخ، النسخة الهندية ١/ ٢٨٨، رقم: ٢١٠٤، بيت الأفكار، رقم: ٢١٤٨-٢١٥١۔

مسلم شريف، باب حكم بيع المصراة، النسخة الهندية ٢/ ٤، بيت الأفكار، رقم: ١٥٢٤۔

ترمذي شريف، باب ماجاء في المصراة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، دارالسلام، رقم: ١٢٥١-١٢٥٢۔ ←

اسٹامپ کی بیع

سوال (١٧٤٥): قدیم ٣/١١٢- اگر کوئی شخص کاغذات اسٹامپ عدالت دیوانی کمیشن مقررہ لے کر فروخت کرے جن پر اکثر آدمی سود کا دعویٰ وغیرہ دائر کرتے ہیں ان کا فروخت کرنا کیسا ہے، اور کاغذات اسٹامپ عدالت فوجداری کے جن پر اکثر سود ولین دین کے دعوے لکھے جاتے ہیں ان کا فروخت کرنا کیسا ہے، مفصل حال سے اطلاع بخشیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب: کاغذات اسٹامپ میں دو مقام میں کلام ہے، ایک یہ کہ فی نفسہ لائسنس دار کو ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرے یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جو ان پر سودی مضمون لکھے گا، آپ نے امر ثانی کو پوچھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بیع ناجائز نہیں ہوتی ہے (١) اور چونکہ لکھنا باختیار کاتب ہوگا اس لئے کاغذ بیچنے والا معین نہ کہا جاوے گا (٢)۔

٢/ ذی الحجہ ١٣٢٨ھ (تتمہ اولیٰ ص ١٥٧)

← أبو داؤد شريف، بـاب من اشترى مـصراة فكرهها، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٨، دارالسلام، رقم: ٣٤٤٣-٣٤٤٥۔

ابن ماجة، باب بيع المصراة، النسخة الهندية ٢/ ١٦٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٣٩۔

نسائي شريف، النهي عن المصراة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٨، دارالسلام، رقم: ٤٤٩٢-٤٤٩٣۔

(١) **البيع مبادلة مال أي تمليك المال والمراد بالمال عين يجرى فيه التنافس والابتذال ...... وحينئذ فالمال يثبت بالتمول أي بادخار كل الناس أو بعضهم، فإن أبيح الانتفاع به شرعا فمتقوم ...... فإن عدم التمول والانتفاع فليس بمال ...... بمال أى تمليك شيء مرغوب فيه بشيء مرغوب فيه الخ.** (الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب البيوع، بيروت ٣/ ٤-٥)

(٢) **وجاز بيع العصير من خمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، ولأن العصير يصلح الأشياء كلها جائز شرعا فيكون الفساد إلى اختياره.** (زيلعي، كتاب الكراهية، زكريا ديوبند ٧/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو ←

اسٹامپ کو اس کی مقررہ قیمت سے زائد پر فروخت کرنا

سوال (١٧٤٦): قدیم ٣/ ١١٣- لیسنس دار جو اسٹامپ خزانہ سے بیچنے کے لئے لاتے ہیں تو ان کو ایک روپے تین پیسے کمیشن کے طور پر دیئے جاتے ہیں یعنی ایک روپے کا اسٹامپ سوا پندرہ آنہ پر ملتا ہے، اور لیسنس داروں کو یہ ہدایت قانوناً ہوتی ہے کہ وہ ایک روپیہ سے زائد میں اس اسٹامپ کو نہ بیچیں، اب قابل دریافت یہ بات ہے کہ اگر یہ شخص ایک روپے والے اسٹامپ کو مثلاً ایک روپے یا سترہ آنے میں فروخت کرے تو شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز؟

الجواب: حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے، بلکہ معاملات کے طے کرنے کے لئے جو عملہ درکار ہے اس عملہ کے مصارف اہل معاملات سے بدیں صورت لئے جاتے ہیں کہ انہی کے نفع کے لئے اس عملہ کی ضرورت پڑی اس لئے اس کے مصارف کا ذمہ دار انہی کو بنانا چاہیئے اور لیسنس دار بھی مصارف پیشگی داخل کر کے اہل معاملہ سے وصول کرنے کی اجازت حاصل کر لیتا ہے، اور اس تعجیل ایفاء کے صلہ میں اس کو کمیشن ملتا ہے، پس یہ شخص عدالت کا وکیل ہے، مبیع کا ثمن لینے والا نہیں، اس لئے مؤکل کے خلاف کر کے زائد وصول کرنا حرام ہوگا (١)۔ فقط۔

٢٤ ر جمادی الاولیٰ ١٣٢٩ھ (تتمہ اولیٰ ص ١٥٩)

← **مختار فينقطع نسبته عنه الخ.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٢٩٢)

الأمور بمقاصدها، وتحته: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم، وإن قصد به لأجل التخمير حرم. (الأشباه والنظائر، قديم ٥٣)

(١) **وأما الوكيل بالبيع فالتوكيل بالبيع لا يخلو إما أن يكون مطلقا وإما أن يكون مقيدا، فإن كان مقيدا يراعى فيه القيد بالإجماع.** (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، زكريا ٥/ ٢٦)

وجملة الأمر أن كل ما قيد به الموكل إن مقيدا من كل وجه يلزم رعايته أكده بالنفي أولا، وإن كان مقيدا من وجه يجب مراعاته إن أكده بالنفي، وإن لم يوكده به لا يجب الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٩، كراچی ٥/ ٥٢٣) ←

ملازمین حکومت کے لئے سرکاری درختوں کو نیلام میں خریدنے کا حکم

سوال (۱۷۴۷): قدیم ۳/ ۱۱۴- سرکاری درخت جو سڑک کے کناروں پر کھڑے ہوتے ہیں جس وقت خشک ہو جاتے ہیں نیلام کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی قیمت بحق سرکار داخل خزانہ ہو جاتی ہے، ایسے درخت یا عام طور پر کل سرکاری چیزوں کے لئے قانوناً ممانعت ہے کہ کوئی سرکاری ملازم خواہ کسی مرتبہ اور حیثیت کا ہو نیلام میں نہ خریدے، اگر کسی افسر نیلام کنندہ نے بلا رعایت ایک درخت کو نیلام کیا اور جلسہ عام میں جتنی قیمت اس کی بولی میں آسکتی تھی وہ بولی گئی اور پھر اس نے اخیر قیمت پر کچھ اضافہ کر کے دوسرے کے نام سے بولی بلوائی اور خود خرید لیا یعنی اتنی قیمت پر خریدا کہ پھر اس سے زیادہ کسی نے نہیں قیمت بڑھائی تو کیا اس نیلام کنندہ کا یہ فعل شرعی طور پر جائز ہوگا یا نہیں، اور اگر وہ ایسا کر چکا ہے تو اس درخت خرید شدہ کے ساتھ اب اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: جب ممانعت ہے تو خریدنا جائز نہیں (۱) البتہ یہ درست ہے کہ کوئی اور خریدے، پھر یہ ملازم اس سے خریدے مگر اس خریدار کے ساتھ رعایت درست نہیں، کہ درحقیقت مقصود اپنے نفس کے ساتھ رعایت ہے فقط۔

۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۰)

← **ولو أمره ببيعه بألف فباعه بعرض قيمته ألف صار مخالفا، ولو وكله بالبيع بألف ثم زاد المشتري في الثمن خمس مائة فالزيادة للآمر.** (تاتارخانية، كتاب الوكالة، فصل في التوكيل بالبيع ١٢/ ٣٧٧، رقم: ١٧٨٠٢)

الوكيل يتصرف بتفويض المؤكل فيملك قدر ما فوّض إليه. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، زكريا ديوبند ٥/ ٢٤)

(۱) **إن المسلمين يجب عليه أن يطيع أميره في الأمور المباحة، فإن أمر الأمير بفعل مباح وجبت مباشرته، وإن نهى عن أمر مباح حرم ارتكابه، ومن هنا صرح الفقهاء بأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة.** (تكملة فتح الملهم، باب وجوب طاعة الأمراء، أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٢٣)

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض. (درمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام، زكريا ديوبند ٦/ ٤١٦، كراچی ٤/ ٢٦٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مندروں کے اوقاف خریدنا

سوال (۱۷۴۸): قدیم ۳/ ۱۱۴- چونکہ کفار کا مندروں وغیرہ پر وقف کرنا موقوف شئے کو ملک واقف سے خارج نہیں کرتا ہے پس اس صورت میں اس قسم کی کوئی زمین وغیرہ واقف سے خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

مندروں کے وقف کو اس کے متولی سے خریدنا

سوال (۱۷۴۹): قدیم ۳/ ۱۱۴- درصورت جواز کسی زمین کا جو کسی کافر نے اپنے اعتقاد کے مطابق کسی مندر پر وقف کر کے کسی دوسرے کافر کو اس زمین موقوف کا متولّی بنا دیا ہو مگر وہ زمین بنجر ہونے کی وجہ سے مذکور متولی اس زمین کو فروخت کر کے مبلغ مذکور مندر کے لئے کسی دوسرے ذریعہ آمدنی میں

---

(۱) اس لئے خرید وفروخت جائز ہے کہ ان کا وقف ان کی عبادت گاہوں پر شرعاً صحیح نہیں ہوتا۔

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس بخلاف الوقف على بيعة، فإنه قربة عندهم فقط، أو على حج أو عمرة، فإنه قربة عندنا فقط، فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط. (شامي، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ديوبند ٦/ ٥٢٤، كراچی ٥/ ٣٤١)

وقف المجوسي على بيت النار واليهودي والنصراني على البيعة والكنيسة باطل. (البحرالرائق، كتاب الوقف، زكريا ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٨٩)

ولو وقف الذمي داره على بيعة أو كنيسة أو بيت نار فهو باطل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل: في وقف الكفار، زكريا ديوبند ٨/ ٢٠١، رقم: ١١٦٣٥)

ومنها: أن يكون قربة في ذاته وعند التصرف فلا يصح وقف المسلم أو الذمي على البيعة والكنيسة أو على فقراء أهل الحرب، ولو وقف الذمي داره على بيعة أو كنيسة أو بيت نار فهو باطل. (هندية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه الخ، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٢، جديد زكريا ٢/ ٣٤٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

داخل کر دینا چاہتا ہے، چوں کہ یہ زمین آئندہ درست ہونے کی امید ہے بالفعل جو قیمت دی جائے گی اس سے بہت زیادہ قیمتی ہونے کی امید ہے، پس اس زمین کو کسی مسلمان کا متولّی سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) درصورت جواز بصورتیکہ واقف کا کوئی وارث موجود ہو اور وہ اپنے اعتقاد کے موافق موقوف ملک خود کو کوئی حق نہیں خیال کرتا ہو متولی غیر وارث کے پاس سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: متولی مالک نہیں اس لئے اس سے خریدنا بدون اذن اصل مالک کے جائز نہیں (۱)۔

(۲) اس سے اوپر جواز گذر چکا (۲)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

---

(۱) **لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامنا.** (شرح المجلة، مکتبه اتحاد دیوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه أشرفي ص: ۱۱۰)

والثاني: أن یکون المبیع ملک البائع فیما یبیعه لنفسه فلا ینعقد بیع مالیس مملوکا. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹/ ۱۵)

ومنها: أن یکون مملوکا؛ لأن البیع تملیک فلا ینعقد فیما لیس بمملوک. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، أرض الموات، زکریا دیوبند ۴/ ۳۳۹)

وبیع ما لیس في ملکه لبطلان بیع المعدوم، وفي الشامیة: إذ من شرط المعقود علیه أن یکون موجودا مالا متقوما مملوکا في نفسه، وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه الخ. (درمختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، زکریا ۷/ ۲۴۶، کراچی ۵/ ۵۸-۵۹)

(۲) **شرط وقف الذمي أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس بخلاف الوقف علی بیعة، فإنه قربة عندهم فقط، أو علی حج أو عمرة، فإنه قربة عندنا فقط، فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط.** (شامي، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا دیوبند ۶/ ۵۲۴، کراچی ۵/ ۳۴۱)

ومنها: أن یکون قربة في ذاته وعند التصرف فلا یصح وقف المسلم أو الذمي علی البیعة والکنیسة أو علی فقراء أهل الحرب، ولو وقف الذمي داره علی بیعة أو کنیسة أو بیت نار فهو باطل. (هندیة، کتاب الوقف، الباب الأول في تعریفه ورکنه الخ، قدیم زکریا دیوبند ۲/ ۳۵۲، جدید زکریا ۲/ ۳۴۷) ←

کافر نے جو برتن کسی مسلم سے اصل اور سود کے عوض خریدے ہوں دوسرے مسلم کو اس کی خریداری

سوال (۱۷۵۰): قدیم ۳/۱۱۴- زید مسلم نے کسی ہندو مہاجن کے یہاں اپنا برتن رکھ کر کچھ قرض سودی لیا، زید نے کچھ مدت تک قرض ادا نہ کر سکنے کے بعد مہاجن سے کہدیا، یا اس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ اب تم میرے برتنوں کو اصل مع سود کے معاوضہ میں لے لو، کیونکہ حساب لگانے سے اصل مع سود قیمت برتن سے کہیں زیادہ ہوگیا ہے، چنانچہ مہاجن نے اپنی رقم وصول کرنے کے لئے برتنوں کو خالد مسلم کے ہاتھ فروخت کرڈالا، اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ خالد مسلم کو ایسے برتنوں کا خریدنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۱)۔

سوال ضمیمہ سوال بالا: دوسرے یہ کہ اگر راہن غیر مسلم ہو تو مسئلہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: ضمیمہ جواب بالا، باقی واقعہ اگر یہی ہے تو یہی حکم ہے(۲)۔

← **وقف المجوسي على بيت النار واليهودي والنصراني على البيعة والكنيسة باطل.** (البحرالرائق، كتاب الوقف، زكريا ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٨٩)

ولو وقف الذمي داره على بيعة أو كنيسة أو بيت نار فهو باطل. (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، فصل: في وقف الكفار، مكتبه بيروت ٩/ ١٥٦، رقم: ١١٤٥٨)

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک.** (بيضاوي، مكتبه رشيديه دهلى ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم: ١١٩٢)

إن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المالك والملك، زكريا ٧/ ١٠، كراچى ٤/ ٥٠٢)

(۲) **المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته.** (بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل في بيان مايبطل به الخيار، زكريا ٣/ ٦٣٨، كراچى ٢/ ٣٢٧)

الملک ما من شأنه أن يتصرف يه بوصف الاختصاص. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٤/ ٢٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال ضمیمہ سوال بالا: یا اگر زید نے اپنے برتنوں کی نسبت مہاجن سے کچھ نہ کہا ہو تو خالد کا مہاجن سے ان برتنوں کا خرید نا جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب: ضمیمہ بالا نہیں (۱)۔

۷/ربیع الاول ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۴۱)

مریض کی فرمائش پر دوا تیار کرنا اور لاگت سے زائد قیمت لینا

سوال (۱۷۵۱): قدیم ۳/۱۱۵- میرے پاس نسخہ آتشک کا نہایت مجرب ہے، ایک مدّت سے میں نے سیکڑوں آدمیوں کو بنا دیا قریب قریب سب اچھے ہوگئے، طریقہ بنانے کا میں یہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا ہوں کہ اصل قیمت سے زیادہ دام مریض سے لے لیا گیا، اور لے لیتا ہوں۔ اور باقی دام اپنے صرف میں لایا گیا اور لاتا ہوں اب تک اس طرف اس کے جائز اور ناجائز ہونے کا خیال نہ تھا، اب خود بخود یہ خیال ہے کہ اس طرح سے قیمت لے لینا جائز ہے یا ناجائز ہے، طبیعت کو کچھ کراہت سی محسوس ہوتی ہے، اگر ناجائز ہے تو آئندہ کے لئے تدارک ممکن ہے، مگر گزشتہ کے لئے جس کی تعداد سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی ہے کیا تدارک ہوسکتا ہے، اور خدا جانے کہاں کہاں کے آدمی آئے اور دوا لے گئے، اطلاعاً گذارش ہے، جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جاوے؟

الجواب: اگر صاحب فرمائش کو اس امر کی اطلاع اور اطلاع کے بعد اذن ورضا ہو تب تو بچی ہوئی

---

(۱) **ومنها: أن یکون مملوکا؛ لأن البیع تملیک فلا ینعقد فیما لیس بمملوک.** (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، أرض الموات، زکریا ٤/ ٣٣٩)

والثاني: أن یکون المبیع ملک البائع فیما یبیعه لنفسه فلا ینعقد بیع ما لیس مملوکا. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٩/ ١٥)

لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة أو ولایة علیه. (شرح المجلة، مکتبه اتحاد دیوبند ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

لا یجوز التصرف في مال غیر بلا إذنه. (درمختار مع الشامي، کتاب الغصب، زکریا دیوبند ٩/ ٢٩١، کراچی ٦/ ٢٠٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رقم صرف میں لانا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے(١) کیونکہ یہ معاملہ بیع نہیں تھا کہ دیئے ہوئے داموں کو ثمن کہا جاوے، کیونکہ بیع معدوم ہے، سلم واستصناع بھی نہیں، کیونکہ اس کے شرائط مفقود ہیں، اجارہ بھی نہیں کہ اجرت مجہول ہے، محض توکیل ہے اور وکیل محض امین ہے، پس بچی ہوئی رقم اصل صاحبِ فرمائش کی مِلک ہے، اس لئے اس میں تصرف کرنا مشروط باذن ہے(٢) باقی یہ کہ اہل حقوق غیر معلوم ہیں اور حقوق کی مقدار بھی مجہول، سو جہاں تک یاد آوے ادایا طلب ابراء ضروری ہے، اور جو یاد نہ آوے تخمینہ کر کے مالکوں کی طرف سے ان داموں کا تصدق کیا جاوے(٣)۔

٢٠/ذی الحجہ ١٣٣٩ھ (تتمہ خامسہ ص ٢١٠)

---

(١) **عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرى للبيهقي دارالفكر بيروت ٨/ ١٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه. (درمختار مع الشامي، كتاب الغصب، زكريا ديوبند ٩/ ٢٩١، كراچی ٦/ ٢٠٠)

الأصل أنه لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا إذنه، فإن أذن وترتب على الفعل المأذون به ضرر انتفى الضمان لكن ذلك مشروط بأن يكون الشيء المأذون باتلافه مملوكا للآذن أوله ولاية عليه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦)

(٢) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، أشرفی ديوبند ص: ١١٠، الأشباه و النظائر، كتاب الغصب، كراچی ٢/ ٩٨)

(٣) **إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك -إلى قوله- لايمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه يحيى سهارنفور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٦٠، تحت رقم الحديث: ٥٩)

وإذا مات الرجل وكسبه خبيث فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر: في الكسب، جديد ٥/ ٤٠٤، قديم ٥/ ٣٤٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آبِ زمزم کی تجارت کا جواز

سوال (۱۷۵۲): قدیم ۳/۱۱۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکہ معظّمہ سے آب زمزم تجارت کے واسطے لا سکتے ہیں یا نہیں؟ وہاں سے بھر بھر کر لائیں یہاں اس کی تجارت کریں اور مقصود یہ ہے کہ نفع بھی ہو اور ثواب بھی مِلے، تو یہ صورت اس متبرک پانی کی تجارت کرنے کی جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہونے کی صورت میں ہندو کافر کے ہاتھ بھی بیچ سکتے ہیں یا نہیں، مفصل جواب لکھیں۔

الجواب: بظاہر اس تجارت سے کوئی امر مانع جواز نہیں، متقوم بھی ہے، احراز سے ملک میں بھی داخل ہوجاتا ہے، اور بلانکیر زمزمیاں بیچنے کا تعامل بھی ہے، جس میں دونوں جز ومبیع ہوتے ہیں (۱) اور متبرک ہونا بھی مانع نہیں ہوسکتا، قرآن مجید سب سے زیادہ متبرک ہے، اور اس کی بیع وشراء سب جائز ہے،

---

(۱) **عن ابن جريج فيما قرئ عليه عن عطاء قال قلت له: بيع الماء في القرب؟ قال: لا بأس به هو يستقيه هو يحمله ليس كفضل الماء الذي يذهب في الأرض.** (مصنف ابن أبي شيبة، البيوع والأقضية في بيع الماء وشرائه ١١/ ٥٨، رقم: ٢١٣٣٧)

وروى بشر بن الوليد عن أبي يوسف إذا هيأ الرجل مصنعه واستقى الماء بالأوعية حتى جمع فيها ماء كثيرا ثم باعه جاز البيع. (فتاوى تاتارخانية، كتاب البيوع، فصل في الماء والجمد ٨/ ٣٦٧، رقم: ١٢٢٠٩)

عن أبي بكر بن عبدالله بن مريم عن المشيخة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الماء إلا ما حمل منه، وقال: وعلى هذا مضت العادة في الأمصار ببيع الماء في الروايا والحطب والكلاء من غير نكير. (إعلاء السنن، باب بيع الماء والكلاء، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٤/ ١٦٦)

فإذا أخذه وجعله في جرة أو ما أشبهها من الأوعية فقد أحرزه فصار أحق به فيجوز بيعه والتصرف فيه. (المحيط البرهاني، كتاب البيوع، نوع آخر في بيع الماء، المجلس العلمي بيروت ٩/ ٣٤٩، رقم: ١٢٠٣٣)

هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل السابع: في بيع الماء والجمد، قديم زكريا ديوبند ٣/ ١٢١، جديد ٣/ ١٢٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اورمشتری کا کافر ہونا بھی بظاہر مانع صحت بیع نہیں، ہاں احتمالاً مخل احترام ہونے کی بناء پر خلاف اولیٰ یا مکروہ کہا جاسکتا ہے، باقی ثواب ہونا محتاج نقل ہے۔ ولم أجد النقل.

۲۲ ربیع ثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ۲۳۶)

مردار جانوروں یا مخلوط جانوروں کی چربی خریدنا

سوال (۱۷۵۳): قدیم ۳/۱۱۶- چربی کی تجارت کا دستور ہے، اوراس میں مرے ہوئے حلال جانوروں کی بھی چربی اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کی بھی چربی ملا جلا کر خرید وفروخت کی جاتی ہے، یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں، اور فقط مرے ہوئے حلال جانور کی چربی کی تجارت کا کیا حکم ہے، جائز ہے یا حرام؟

الجواب: مخلوط کا خریدنا اوراس سے انتفاع غیر اکل میں جائز ہے، جب کہ خالص حلال کی نہ ملتی ہو لیکن بیچنا جائز نہیں، اور صرف مرے ہوئے حلال جانور کی چربی کی بیع اوراس سے انتفاع ہر قسم کا حرام ہے، اوراگر حلال جانور کی چربی بدون قصد خلط بالنجس کے اتفاقاً نجس ہوجاوے تو اس کی بیع بھی جائز ہے، اور انتفاع بھی غیر اکل میں۔

في الدر المختار: وشعر الخنزير -إلى قوله- حتى لو لم يوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورة، وكره البيع فلا يطيب ثمنه، وفيه ونجيز بيع الدهن المتنجس والانتفاع به في غير الأكل بخلاف الودک، وفي ردالمحتار: أي دهن الميتة (۱) الخ. (ج۵، ص ۱۷۵، ۱۷۶)

۹ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (حوادث اول وثانی ص ۶۲)

---

(۱) دهن الميتة لأنه جزوها فلا يكون مالا -ابن ملک- فلا يجوز بيعه اتفاقا، وكذا الانتفاع به لحديث البخاري: إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، قيل: يارسول الله! أرأيت شحوم الميتة فإنه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس، قال: لا هو حرام. الحديث (شامي، زكريا ۷/ ۲۶۶، بخاري شريف ۱/ ۲۹۸، رقم: ۲۱۸۴، ف: ۲۲۳۶)

درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ۷/ ۲۶۴-۲۶۶، كراچی ۵/ ۷۱-۷۳۔ ←

غیر طبیب کو دوائیں بیچنے کا حکم

سوال (۱۷۵۴): قدیم ۳/ ۱۱۶- باوجود حکیم وطبیب باقاعدہ نہ ہونے کے اور باوجود تشخیص مرض وغیرہ کر کے علاج نہ کرنے کے کتب طب سے ادویہ مرکبہ وکشتہ جات کے نسخے دیکھ کر ان کا تیار کرنا اوران کے اوصاف واثرات کا اشتہار دیکر ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: نفع مشروط کو غیر مشروط بنانا حرام ہے، اس لئے یہ تجارت ناجائز ہے(۱)۔

(النور، ربیع الثانی ۵۶ھ ص ۱۰)

← **وفرقوا بين الدهن المتنجس وبين دهن الميتة، فإن هذا نجس؛ لأنه جزوها فلا يكون مالا فلايجوز بيعه اتفاقا كما لايجوز الانتفاع به الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۵۱)

وأما الجمهور ومنهم الحنفية فعلى أن شحم الميتة لايجوز بيعه ولا الانتفاع به أصلا، فكأنهم جعلوا الضمير راجعا إلى الانتفاع بالطريق المذكورة ويؤيد الجمهور لفظ ابن ماجة لاهن حرام -إلى قوله- ولعل الفرق على مذهب الحنفية بين شحم الميتة والزيت النجس ان حرمة الانتفاع بشحم الميتة منصوصة في هذا الحديث لزيادة التنفير عنها ولم يرد نص على حرمة الانتفاع بما تنجس بأسباب خارجية، ولا ينبغي أن يقاس على شحم الميتة؛ لأن الشريعة بالغت في التنفير عن الخمر والخنزير والميتة فجعلت عينها نجسا، وليس الأمر كذلک في المتنجسات الأخرى الخ. (تكملة فتح الملهم ۱/ ۵۶۱)

(۱) **يمنع مفتٍ ماجن وطبيب جاهل بأن يسقيهم دواء مهلكا، وإذا قوى عليهم لا يقدر على إزالة ضرره.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، كراچی ٦/ ۱۴۷، زكريا ۹/ ۲۱۴)

يحجر على المفتي الماجن والطبيب الجاهل وهو الذي يسقى الناس في أمراضهم دواء مخالفا لعدم علمه. (مجمع الأنهر، كتاب الحجر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۵٦)

قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: لايحجر القاضي على الحر العاقل البالغ إلا من يتعدى ضرره إلى العامة وهم ثلاثة: الطبيب الجاهل الذي يسقى الناس ما يضرهم ويهلكم، وعنده أنه شفاء ودواء. (هندية، كتاب الحجر، الباب الأول في تفسيره، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۵۴، جديد زكريا ۵/ ٦۵) ←

حکم بیع ٹکلی جس کے جلانے سے سانپ کی تصویر بن جاتی ہے

سوال (۱۷۵۵): قدیم ۳/۱۱۶- انگریزی دوا سے ایک ٹکلی تیار کی جاتی ہے اس کو ماچس سے جب جلایا جاتا ہے تو جل جل کر مثل زرد سانپ کے نکلنا شروع ہوتا ہے اور دیکھنے میں وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بل سے سانپ نکلتا آرہا ہے، حالانکہ وہ جلی ہوئی راکھ ہوتی ہے ایسی ٹکلیاں بنا کر فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: کیا یہ ٹکلی بجز سانپ بنانے کے اور کسی کام میں آسکتی ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے، آگے تصویر بنانے کے کام میں لانا یہ فاعل مختار کا فعل ہے، سبب کی طرف اس کی نسبت نہ ہوگی (۱) اگرچہ خلاف تقویٰ اس صورت میں بھی ہے، اور اگر صرف اسی کام میں آتی ہے تو اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے فروخت کرنا حرام ہے (۲) اور وہ معصیت سانپ کی تصویر بنانا ہے، اور تصویر کا سامان کرنا بحکم تصویر ہی ہے، جیسا فوٹو سے تصویر بنانے کا حکم ہے کہ تصویر خود اتر آتی ہے، مگر سامان مہیّا کرتا ہے فوٹو گرافر۔

۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الثانی ۵۶ھ ص ۱۰)

← **جواز الحجر على البالغ العاقل الحر عند أبي حنيفة في ثلاث: المفتي الماجن، والطبيب الجاهل، والمكاري المفلس دفعا للضرر العام.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۴۳، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۶)

(۱) **وجاز بيع عصير عنب ممن يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية.** (درمختار مع الشامي، كراچی ۶/ ۳۹۱، زكريا ۹/ ۵۶۱)

(۲) **قوله تعالىٰ: ولا تعاونوا على الإثم والعدوان.** [المائدة: ۲]

ولو استأجر مصورا فلا أجر له؛ لأن عمله معصية. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، زكريا ۲/ ۴۲۰، كراچی ۱/ ۶۵۰)

أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۱، كراچی ۶/ ۳۹۱)

الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع بيروت ۴/ ۲۱۲۔

ويجوز بيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بنفس العصير بل بعد تغيره فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع بيروت ۴/ ۲۱۴) ←

بیع مرہون برضاء مرتہن

سوال (۱۷۵۶): قدیم ۳/۱۱۷- ایک ہندو کے دو بسوہ مسمیٰ غلام جیلانی خاں کے پاس پچاس سال کے واسطے رہن دخلی تھے، مسمیٰ زید نے اسی ہندو سے ان بسووں کا بیعنامہ لکھالیا، اور غلام جیلانی خاں کے روپے کی دہانید کرالی، اور اس خیال سے کہ شریعت محمدؐیہ میں شے مرہون سے نفع اٹھانا ناجائز ہے غلام جیلانی خاں کو آمادہ کر کے اقرارنامہ لکھالیا کہ ازروئے شریعت کے پنچ جو فیصلہ کر دیں گے فریقین کو قبول ومنظور ہوگا، زید نے بعد اس کے عدالت سے یہ فیصلہ بھی حاصل کرلیا کہ مشتری یعنی زید بحیثیت مالک ہونے کے اور غلام جیلانی خاں بحیثیت مرتہن ہونے کے تحصیل وصول کر سکتے ہیں، اور جبکہ زید تحصیل وصول کرے تو غلام جیلانی خاں ازروئے کاغذات پٹواری زید سے کل آمدنی سال بسال لے لیا کریں، فریقین میں اس کی بابت مدت تک نزاع رہا، پھر زید نے عمرو سے کچھ معاملہ تجارت کا کیا، اس کی بابت زید کے ذمّہ کچھ روپیہ عمرو کا ہوگیا اس کی ادائیگی میں زید کو دشواری ہوئی، اس لئے انہیں دو بسووں کا بیعنامہ زید نے عمرو کے نام کر دیا، اور وعدہ کیا کہ دو بسووں کی تحصیل وصول کر کے میں تم کو ادا کر دیا کروں گا، اتفاق سے غلام جیلانی غصّہ ہوا اور زید کو تحصیل وصول دشوار ہوئی، عمرو نے زید سے کہا کہ ہمارا روپیہ تو بالکل معرضِ تلف میں آیا چاہتا ہے، اس لئے ہمارے روپے کی کچھ سبیل ہونا چاہیئے زید نے عمرو کے روپیہ کا یہ انتظام کیا کہ ایک دوسرے کھیت کا عمرو کے نام بیعنامہ کر دیا، یہ کھیت دو بسووں سے علیحدہ ہے اور یہ اقرار کیا کہ مبلغ ایک سو باسٹھ روپے جو فاضل رہتے ہیں ان کو ادا کروں گا، اس کھیت کے بیعنامہ کے وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کھیت ایک کایستھ کے پاس ایک روپیہ ماہواری سود پر رہن ہے، چنانچہ یہ روپیہ کایستھ کا مع سود کے عمرو کو دینا پڑا اب یہ ارشاد ہو کہ یہ تینوں بیعنامے ازروئے شریعت محمدیہ جائز ہوئے یانہیں؟ فقط

← **وعلم من هذا أنه لايكره بيع ما لم تقم المعصية به.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١)

وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه. (طحطاوي على الدر، كوئٹه ٤/ ١٩٤)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بیع اول جو کہ درمیان ہندو اور زید کے ہوئی وہ بحالت مرہون ہونے اس زمین کے ہوئی ہے، اور چونکہ غلام جیلانی مرتہن اس بیع پر رضا مند ہے لہٰذا وہ بیع صحیح اور نافذ ہوگی (۱) وہو الشرط فی صحۃ بیع المرہون، اور زرِ رہن غلام جیلانی کا بذمہ ہندو کے چاہئے اور زرِ ثمن ہندو کا بذمہ زید چاہیئے، اور زید نے جو زرِ رہن کا دینا اپنے ذمہ رکھ لیا یہ حوالہ ہے اور چونکہ زید اور غلام جیلانی و ہندو سب اس حوالے پر راضی ہیں۔ لہٰذا یہ حوالہ بھی صحیح ہوگیا (۲) **وهو الشرط في صحة الحوالة.**

اور غلام جیلانی نے جو کچھ روپیہ اس رہن سے وصول کیا ہے، اس کا حکم چونکہ پوچھا نہیں گیا لہٰذا قلم

---

(۱) **توقف بيع الراهن رهنه على إجازة مرتهنه أو قضاء دينه، فإن وجد أحدهما نفذ، وكذا توقف على إجازة الراهن بيع المرتهن، فإن أجازه جاز وإلا فلا.** (درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن والجناية عليه، زكريا ١٠/ ١٢٥، كراچی ٦/ ٥٠٨)

بيع الراهن الرهن موقوف على إجازة المرتهن أو قضاء دينه ...... لتعلق حق المرتهن به، فيتوقف على إجازته كما أن بيع المرتهن الراهن موقوف على إجازة الراهن، فإن أجاز جاز وإلا لا. (مجمع الأنهر مع الدر المنتقى، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن وجنايته، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٩٤)

وإذا باع الراهن الرهن بغير إذن المرتهن فالبيع موقوف لتعلق حق الغير به وهو المرتهن، فيتوقف على إجازته، فإن أجاز المرتهن جاز؛ لأن التوقف لحقه وقد رضي بسقوطه. (هداية، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن والجناية عليه، أشرفيه ٤/ ٥٤١)

(۲) **والحوالة شرط لصحتها رضا الكل بلا خلاف.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحوالة، زكريا ديوبند ٨/ ٥، كراچی ٥/ ٣٤١)

وتصح الحوالة برضاء المحيل والمحتال، والمحتال عليه. (هداية، كتاب الحوالة، أشرفی ديوبند ٣/ ١٢٩)

وتصح الحوالة في الدين لا في العين برضى المحتال؛ لأن الدين حقه والمحتال عليه؛ لأن الدين يلزمه فلابد من التزامه ...... وقيل: لابد من رضى المحيل أيضا كما لابد من رضى المحتال عليه الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الحوالة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٠٤-٢٠٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

انداز کیا جاتا ہے، اور چونکہ اس بیع پر رضاء المرتہن سے رہن ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا غلام جیلانی مرتہن نہیں رہا (١) لہٰذا یہ فیصلہ عدالت کا شرعاً جائز نہیں۔ البتہ حوالہ کی وجہ سے غلام جیلانی زید سے اپنے زرِ رہن کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور جس طرح بن پڑے وصول کرسکتا ہے (٢) یہ کلام تھا بیع اول میں، اور بیع ثانی جو کہ درمیان زید کے اور عمرو کے ہوئی اس کی صحت بالکل ظاہر ہے اور یہ وعدہ کہ بسووں کی تحصیل کر کے الخ محض لغو ہے، بلکہ اگر یہ شرط داخلِ عقد ہوتی تو بیع کو فاسد کردیتی، مگر سوال میں یہ امر مجمل اور مبہم رہ گیا کہ زید کے ذمہ جو روپیہ عمرو کا تھا ان دو بسووں کا بیعنامہ اس روپے کے عوض میں برابر سرابر ہوا یا اس سے زائد روپیہ کے عوض میں ٹھہرا یا اس سے کم روپے کے عوض میں ٹھہرا برابری اور بیشی کی صورت میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کھیت کا بیعنامہ کر کے بیع اول کا اقالہ کیا گیا یا نہیں، اور کمی کی صورت میں آیا وہ کمی اس کھیت کی بیع سے پوری ہوئی یا نہیں، اگر ہوگئی تو فاضل روپے کے کیا معنی، اس ابہام کے سبب بیع ثالث پر مفصل کلام نہیں ہوسکتا، مجملاً اس قدر لکھا جاتا ہے، اگر یہ کایستھ اس بیع پر راضی تھا تو بیع صحیح ہوگئی اور رہن فسخ ہوگیا، اور کایستھ کا دین عمرو کے ذمّہ نہیں تھا، اور اگر یہ اس ادا میں مجبور تھا تو جس قدر روپیہ کایستھ کو دیا ہے وہ زید سے وصول کرسکتا ہے۔ واللہ اعلم

٩/ ذیقعدہ ١٣٢٥ھ (امداد ثالث ص ٢٤)

---

(١) وإن كان للمرهون بدل كالبيع ففيه تفصيل، فإن كان الإذن مطلقا والدين مؤجلا صح البيع، وبطل الرهن لخروج المرهون من ملك الراهن بإذن المرتهن. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ١٨٥)

وعن أبي يوسفؒ أن المرتهن إن شرط أن يكون الثمن رهنا عند الإجازة كان رهنا وإلا فلا؛ لأنه بالإجازة نفذ البيع وملك الراهن الثمن، وأنه مال آخر ملكه بسبب جديد فلا يصير رهنا إلا بالشرط. (زيلعي، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن والجناية عليه، زكريا ٧/ ١٨٠)

(٢) قال الحموي في شرح الكنز نقلا عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق. (شامي، كتاب الحجر، مطلب: تصرفات المحجور بالدين كالمريض، زكريا ديوبند ٩/ ٢٢١، كراچی ٦/ ١٥١)

حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر كوئٹه ٤/ ٨٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مرتہن کا ثمار مرہونہ کو فروخت کرنا

سوال (١٧٥٧): قدیم ٣/ ١١٨- باغ مرہون کے پھل مشتری کو جائز ہیں یا نہیں، اگر ناجائز ہیں تو کیوں، اس لئے کہ مرتہن تو مامور ہے کہ اثمار فروخت کر کے قیمت جمع رکھے اور شے مرہون کے ساتھ واپس کرے، پھر اس کا خریدنا اور کھانا کیوں ممنوع ہے، رہا فساد عقد سو مشتری بہ بیع فاسد کا ہدیہ جائز ہے؟

الجواب: مرتہن کے مامور بالبیع ہونے میں راہن کا وہ اذن معتبر ہے، جو بہ نیت تملک باطل مرتہن کے نہ ہو ورنہ وہ ربوا ہے، اور وہ اذن غیر معتبر ہے، لہٰذا وہ تصرف شے غیر مملوک میں ہوگا (١) جس طرح متعارف سود میں ماہوار بنام نہاد سود جو دیا جاوے حالانکہ بروئے حساب اصل میں شمار کیا

---

(١) **ليس للمرتهن بيع ثمرة الرهن وإن خاف تلفها؛ لأن له ولاية الحبس لا البيع، ويمكن دفعه إلى القاضي.** (درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، باب مايجوز ارتهانه وما لايجوز، زكريا ديوبند ١٠/ ١١٧)

وليس للمرتهن أن يبيعه إلا برضاء الراهن؛ لأنه ملكه وما رضي ببيعه. (هداية، كتاب الرهن، باب الرهن الذي يوضع على يد العادل، أشرفي ديوبند ٤/ ٥٣٧)

ولا بيع الراهن ولا المرتهن الرهن بلا رضى الآخر لتعلق حق كل منهما. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، باب الرهن الذى يوضع على يد العادل، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٩١)

لا يحل للمرتهن أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفى دينه كمالا فتبقى له المنفعة فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. (درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، زكريا ديوبند ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢)

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس الخ. (هداية، كتاب الرهن، أشرفي ديوبند ٤/ ٥٢٢)

ليس للمرتهن الانتفاع بالرهن باستخدام ولا بسكنى ولا بلبس إلا بإذن المالك؛ لأن حق المرتهن الحبس إلى أن يستوفى دينه دون الانتفاع الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣، مصري قديم ٢/ ٥٨٧)

إن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، زكريا ديوبند ٥/ ٢١٠، كراچی ٦/ ١٤٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جانا واجب ہے، مگر پھر بھی جب تک اس نام سے لیا جاوے گا محرم الاستعمال ہے، بخلاف مقیس علیہ کے کہ وہ تصرف اپنی ملک میں ہے، اس لئے مقیس میں مشتری کے لئے بھی ناجائز ہے، اور مقیس علیہ میں ہدیہ لینا مثلاً جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۹۱)

کارخانوں کے نام فروخت کرنا

سوال (۱۷۵۸): قدیم ۱۱۹/۳- برخوردار فلاں سلمہ کی خواہش ہے کہ مجھ کو کلکتہ کی دُکان کا نام علیحدہ علیحدہ علاوہ اپنے بھائیوں کے دیدیا جاوے، اور مطبع فلاں سلمہ کو دیا جاوے مال کی برابری تقسیم چاہتے ہیں اس میں شرعاً جیسا کہ میں نے بذریعہ بیعنامہ تینوں لڑکوں کو برابر دیا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں چاہیئے، نہ میں دے سکتا ہوں، وہ کام اپنا علیحدہ کرنا چاہتے ہیں اس تقسیم میں صرف نام ان کو دینا شرعاً گناہ نہ ہوگا؟ اگر شرعاً کوئی گناہ نہ ہوا تو سوچوں گا کہ تقسیم کر دینا اچھا ہے، قانوناً نام تنہا ان کو دینے میں کچھ معاوضہ زر نقد ان کو دینا ہوگا، اور میں منجانب دیگر بھائیوں نابالغ بحیثیت پدر وولی ہونے کے معاوضہ تجویز کرسکتا ہوں اور مال تقسیم تو غالباً برابر کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا؟

الجواب: نام ایک حق محض ہے جو شرعاً متقوم نہیں اور اس کا عوض لینا بھی جائز نہیں کحق الشفعۃ۔ لیکن علامہ شامی نے حموی سے بعض حقوق کے عوض لینے کے جواز کی بعض فروع سے تائید کی ہے۔

حیث قال لکن قال الحموي: وقد استخرج شیخ مشایخنا نورالدین علی المقدسي صحة الاعتیاض عن ذلک في شرحه علی نظم الکنز من فرع في مبسوط السرخسي وھو أن العبد الموصی برقبته لشخص، وبخدمته لآخر -الی قوله- ولکنه اسقاط لحقه به کما لو صالح موصی له بالرقبة علی مال دفعه للموصی له بالخدمة لیسلم العبد له اھ. قال فربما یشھد ھذا النزول عن الوظائف بمال اھ۔

اس کے بعد حق شفعہ میں اور اس میں کچھ فرق کیا ہے:

حیث قال ولقائل أن یقول ھذا حق جعله الشرع لدفع الضرر، وذلکَ حق فیه صلة ولا جامع بینھما فافترقا وھو الذي یظھر -الیٰ قوله- وھٰذا کلام وجیه لا

یخفی علی نبیه ثم –الیٰ قوله– أن عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علی إطلاقه (۱)۔ (ج۴ص۲۱،۲۲)

اور نام کارخانہ بھی مشابہ حق وظائف کے ہے کہ ثابت علیٰ وجہ الاصالۃ ہے نہ کہ دفع ضرر کے لئے اور دونوں بالفعل امور اضافیہ سے ہیں، اور مستقبل میں دونوں ذریعہ ہیں تحصیل مال کے پس اس بناء پر اس کے عوض دینے میں گنجائش معلوم ہوتی ہے گو لینے والے کیلئے خلاف تقویٰ ہے، مگر ضرورت میں اس کو بھی اجازت ہوجاوے گی (۲)۔

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۹)

---

(۱) شامي، کتاب البیوع، مطلب في العرف الخاص و العام، زکریا دیوبند ۷/ ۳۵، ۳۶-۳۷، کراچی ٤/ ٥١٩-٥٢٠۔

(۲) **فإنهم قالوا: یجوز أخذ العوض علی وجه الاسقاط للحق لاریب أن الفارغ یستحق المنزل به –إلی قوله– وإن عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علی إطلاقه، ورأیت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي السعود أنه أفتی بجواز أخذ العوض فی حق القرار والتصرف الخ.** (شامي، کراچی ٤/ ٥٢٠، زکریا دیوبند ۷/ ۳٦-۳۷)

وکذا أقول علی اعتبار العرف الخاص قد تعارف الفقهاء بالقاهرة النزول عن الوظائف بمال یعطی لصاحبها وتعارفوا ذلک فینبغي الجواز وأنه لو نزل له وقبض منه المبلغ ثم أراد الرجوع علیه لا یملک ذلک الخ. (الأشباه جدید زکریا دیوبند ۲۹۱-۲۹۲، قدیم ۱٦۲-۱٦٤)

وذکر الشمس الرملي في شرح المنهاج عن والده أنه أفتی بحل النزول عن الوظائف بالمال؛ لأنه من أقسام الجعالة فیستحقه النازل ویسقط حقه الخ. (الحموي تحت الأشباه، جدید زکریا ۲۹۲، قدیم ۱٦٥)

تفصیل دیکھئے (فتاویٰ قاسمیہ ۲۳/ ۱۷۲-۱۸۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

٨/باب: حوادث الفتاویٰ

جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام

تجارتی کارخانوں کے ٹکٹ کی سلسلہ وار خرید وفروخت

سوال (١٧٥٩): قدیم ٣/١٢٠- آج کل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں، اور اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں، جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپے پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کر ڈالتا ہے، اور ان اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیج دیتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے اور ان چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیج دیتا ہے، جس میں ویسے چار ٹکٹ بھی ہوتے ہیں جس کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ کو پھر بیچ ڈالتے ہیں، جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام روپیہ اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کئے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیج دیتا ہے، اور ایک ایک کاغذ ویسا ہی جن کے نام انہوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں صاحب کمپنی بھیج دیتا ہے، پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں، اور اسی طرح اجراء رہتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھاوے گا تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلاواسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بواسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اتنے خریدار پیدا کر لو تو اس روپے مرسلہ کے عوض ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کر دی ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کر لیں گے، سو اس میں دونوں شرطیں فاسد اور باطل ہیں، دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر پر فروخت کرنا بھی کہ وہ تنجیز بیع کے وقت (مقرون بشرط فاسد مخالف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد بحکم ربوا ہے، اور تعلیق کے وقت (تعلیق الملک علی الخطر ہونے کی وجہ سے) قمار ہے اور ربوا اور قمار دونوں حرام ہیں، اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار نہ پیدا کرنے کی تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی

کہ صریح اکل بالباطل ہے، اور یہ تاویل ہرگز مقبول نہیں ہوسکتی کہ روپیہ کے عوض ٹکٹ دیا ہے کیونکہ ٹکٹ یقیناً مبیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہوجاتا ہے ٹکٹ فروخت کرکے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہیں ہوتا، جیسا تمام عقود میں یہی ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ مبیع نہیں ہے، بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد اور باطل ہونا ثابت ہوگیا تو ایسا معاملہ بھی بالیقین حرام اور متضمن ربوا اور قمار واکل بالباطل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز گنجائش نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا (۱)۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ: انما الخمر والمیسر -الیٰ قولہ- رجس من عمل الشیطان الآیۃ (۲)۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الاٰیۃ (۳)۔

وقال ﷺ کل شرط لیس في کتاب اللّٰہ فھو باطل (۴)۔ ونھیٰ عن بیع وشرط (۵) في جمیع الکتب الفقھیۃ صرحوا بعدم جواز بیع مشروط بما لایقتضیہ العقد ولا یلا یمہ وفیہ نفع لأحدھما (۶) کما لا یخفیٰ علی من طالعھا. واللّٰہ اعلم

(حوادث اول وثانی ص۸۲)

---

(۱) سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۲۷۵۔

(۲) سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ: ۹۰۔

(۳) سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ: ۱۸۸۔

(۴) سنن ابن ماجۃ، باب المکاتب، النسخۃ الھندیۃ، ص: ۱۸۱، دارالسلام، رقم: ۲۵۲۱۔

عن ابن عباس أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل شرط لیس في کتاب اللہ فھو باطل. (مجمع الزوائد، باب فیما یجوز من الشروط ومالا یجوز، دارالکتب العلمیۃ بیروت ٤/ ٨٦)

(۵) **عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع وشرط.** (المعجم الأوسط للطبراني، دارالکتب العلمیۃ بیروت ٣/ ٢١١، رقم: ٤٣٦١)

مجمع الزوائد، باب ماجاء في الصفقتین في صفقۃ أو الشرط في البیع، دارالکتب العلمیۃ بیروت ٤/ ٨٥۔

(۶) **وکل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیہ وھو من أھل الاستحقاق یفسدہ.** (ھدایۃ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد أشرفی ٣/ ٥٩) ←

جواز خرید نیلام

سوال (١٧٦٠): قدیم ٣/ ١٢١- نیلام سرکاری خریدنا جائز ہے یا نہیں، وجہ شبہہ یہ ہے کہ بائع اور، اور مبیع اور کی؟

الجواب: في الدرالمختار فصل الحبس: وأبد حبس الموسر، لأنه جزاء الظلم قلت: وسيجئ في الحجر أنه يباع ماله لدينه عندهما، وبه يفتى، وحينئذ فلا يتأبد (١) حبسه قنية، ثم قال في كتاب الحجر: لا يبيع القاضي عرضه ولا عقاره للدَين خلافا لهما، وبه أي بقولهما ببيعهما للدين يفتى، اختيار، وصححه في تصحيح القدوری(٢)۔

پس کسی حق واجب کے استیفاء کے لئے کسی کا مال نیلام کردینا حاکم کو بقول صاحبین کے جائز ہے، اوراس کے مفتی بہ ہونے کے سبب اسی پر عمل ہے۔(تتمہ اولیٰ ص ١٥١)

← ولا بيع بشرط يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لايقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع هو من أهل الاستحقاق الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٨١-٢٨٢، كراچی ٥/ ٨٤-٨٥)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٩٠۔

(١) درمختار مع الشامي، كتاب القضاء، فصل: في الحبس، زكريا ديوبند ٨/ ٧٣، كراچی ٥/ ٣٨٩۔

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، زكريا ديوبند ٩/ ٢٢١، كراچی ٦/ ١٥٠-١٥١۔

وأبد حبس الموسر جزاء لظلمه، وهذا ظاهر على قول الإمام أما على قولهما من جواز الحجر على المديون، وبيع ماله لوفاء ديونه فلا معنى لتأبيد حبسه. (النهرالفائق، كتاب القضاء، فصل: في الحبس، زكريا ديوبند ٣/ ٦١٧)

ولم يبع عرضه وعقاره وهذا عند الإمام وهو بإطلاقه صادق بحال الحياة والموت، قال في الجوهرة: ويبيع القاضي عرضه وعقاره بعد الموت بالإجماع، وعندهما يبيع القاضي ذلک وعليه الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، زكريا ٨/ ١٥١، كوئٹه ٨/ ٨٣)

ولم يبع عرضه وعقاره أي لا يبيع القاضي عرض المديون وعقاره، وهذا عند ←

حکم نیلام حاکم

سوال (١٧٦١): قدیم ٣/١٢٢- جو چیز کہ نیلام ہوتی ہے تو وہ غیر کی ہوتی ہے، اور کم دام میں فروخت ہوتی ہے، تو اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں، مسجد یا غیر کے لئے یا اپنے لئے بینوا توجروا؟

الجواب: خریدنا جائز ہے۔

أما إذا كان برضاء المالك فظاهر، وإذا كان بغير رضاه فإن كان البائع حاكمًا مسلمًا فلما في الدرالمختار لا يبيع القاضي عرضه ولا عقاره للدين خلافا لهمَا، به يفتى اختيار، و صححه في تصحيح القدوري. وفى رد المحتار: ومثله في الملتقى (١)۔ (ج ٤، ص ١٤٥)

← أبي حنيفةؒ، وعندهما يبيع قد بيناه ثم عندهما يبدأ القاضي ببيع النقود؛ لأنها معدة للتقلب ولا ينتفع لعينها فيكون بيعها أهون المديون، فإن فضل شيء من الدين با ع العروض؛ لأنها قد تعد للتقلب والاسترباح فلا يلحقه كبير ضرر بيعها، فإن لم يف ثمنها بالدين با ع العقار؛ لأن العقار يعد للاقتناء فيلحقه ضرر ببيعه فلا يبيعه إلا عند الضرورة الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الحجر، زكريا ديوبند ٦/ ٢٧٠، إمداديه ملتان ٥/ ٢٠٠)

ويباع في الدين النقود ثم العروض ثم العقار يبدأ بالأيسر فالأيسر لما فيه من المسارعة، وقيل: دستان وهو اختيار إلى قضاء الدين مع مراعاة جانب المديون الخ. (هداية، كتاب الحجر، باب الحجر بسبب الدين، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٥٩)

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، زكريا ديوبند ٩/ ٢٢١، كراچی ٦/ ١٥٠، ١٥١۔

ويبيع الحاكم ماله مطلقا ولو عرضا أو عقارا إن امتنع ويقسمه بين غرمائه بالحصص -إلى قوله- والفتوى على قولهما في بيع ماله لامتناعه اختاره في الاختيار، وصححه في تصحيح القدوري وعليه التنوير. (ملتقى الأبحر مع الدر المنتقى، كتاب الحجر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٧-٥٨)

ولم يبع عرضه وعقاره وهذا عند الإمام وهو بإطلاقه صادق بحال الحياة والموت، قال في الجوهرة: ويبيع القاضي عرضه وعقاره بعد الموت بالإجماع، وعندهما يبيع القاضي ذلک وعليه الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، زكريا ٨/ ١٥١، كوئٹه ٨/ ٨٣)

وإن كانَ حاكما غير مسلم فلو لنفسه فالجواز للاستيلاء؛ لأنه به يتملك فيبيع ملك نفسه، ولو لغيره فالجواز للضرورة كما في رد المحتار في نفاذ قضاء المرتشي مانصه، وينبغي اعتماده للضرورة في هذا الزمان وإلا بطلت جميع القضايا الواقعة الآن –إلىٰ قوله– فيلزم تعطيل الأحكام، وفيه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء، فكذا يقال ههنا (ا)۔ (ج ٤ ص ٤٧١)

قلت: فكما حكم بالنفاذ مع قيام المانع ههنا يحكم فيما نحن فيه كذلك. فقط

۸ رشعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ۱۴۴)

درزیوں کی مشین قسطوں پر خریدنا

سوال (۱۷۶۲): قدیم ۳/ ۱۲۲- خیاطوں میں یہ طریقہ بکثرت مروج ہے کہ کمپنی سے کپڑے سینے کی مشین قسط پر لیتے ہیں، یعنی مشین کمپنی سے لیتے وقت کمپنی کو ایک کرایہ نامہ تحریر کردیتے ہیں، اور پانچ روپے ماہوار ادا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قیمت مشین کی اصلی قیمت سے کچھ بڑھ جاتی ہے، مگر چونکہ یک مشت ڈیڑھ سو روپیہ گراں دینا معلوم ہوتا ہے، اور یہ ماہواری قسط پونے دوسو روپے کچھ معلوم نہیں دیتا، جب کہ پورا روپیہ ہو جاتا ہے تو بیع نامہ ہو جاتا ہے اور اگر پانچ روپے بھی باقی رہ جاتے ہیں تو کمپنی مشین زبردستی اٹھالیتی ہے، تو اب یہ صورت اس طرح پر قسط وار روپیہ ادا کر کے جو کہ نقدی قیمت سے تیس چالیس روپیہ زیادہ ہوتا ہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: معاملہ مذکورہ ناجائز ہے، مگر ناجائز ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ادھار میں قیمت زیادہ لے لی، کیونکہ نسیہ میں بہ نسبت نقد کے زیادہ قیمت لے لینا جب کہ مجلس عقد میں نقد یا ادھار ہونا متعین ہو جاوے جائز ہے، بلکہ ناجائز ہونے کی وجہ دوسری ہے وہ یہ کہ یہ معاملہ بیع ہے یا اجارہ؟ اگر بیع ہے تو یہ شرط فاسد ہے

(ا) درمختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ديوبند ٨/ ٣٦، كراچی ٥/ ٣٦٣۔

والفاسق أهل للقضاء ...... أقول: لو اعتبر هذا لانسد باب القضاء خصوصا في زماننا.

(النهر الفائق، كتاب القضاء، زكريا ديوبند ٣/ ٥٩٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ ادنیٰ جزو قیمت رہ جانے پر واپس کرلیں گے، اور اداشدہ رقم کو کالعدم سمجھا جاوے گا (۱) اور اگر اجارہ ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ زرِکرایہ کے عوض میں بیع کردیں گے (۲) اور ایسا کوئی معاملہ شریعت میں نہیں کہ ایک صورت میں بیع ہو اور ایک صورت میں اجارہ۔

۱۰/ رجب ۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۶۸)

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع و شرط. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الرأية ٤/ ٤٣، المعجم الأوسط دارالفكر ٣/ ٢١١، رقم: ٤٣٦١)

كل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد أشرفي ٣/ ٥٩)

ولا بيع بشرط يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط لايقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو فيه نفع لمبيع هو من أهل الاستحقاق. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٧/ ٢٨١-٢٨٢، كراچى ٥/ ٨٤-٨٥)

ولو كان البيع بشرط لايقتضيه العقد وفي نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق النفع فهو أي هذا البيع فاسد. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه ٣/ ٩٠)

النهرالفائق، باب البيع الفاسد، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٤۔

(۲) وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها.

(درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٦٤، كراچى ٦/ ٤٦)

يفسد الإجارة الشروط أي شرط مخالف لموجب العقد؛ لأنها بمنزلة البيع ألا ترى أنها تقال وتفسخ فتفسدها الشروط التي لا يقتضيها العقد كالبيع أي فكل ما أفسد البيع أفسدها. (زيلعي مع شبلي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٦/ ١٠٩، إمداديه ٥/ ١٢١)

يفسد الإجارة الشرط قال في المحيط: كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة، وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة.

(البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ديوبند ٨/ ٢٩، كوئٹه ٨/ ١٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خرچہ عدالت وصول کرنا اور حکومت کے نیلام کی صحت

سوال (۱۷۶۳): قدیم ۳/۱۲۳- عدالت جو خرچہ قانون (یا کبھی احیاناً رقم حرجہ) فریق ناکام سے کامیاب کو دلاتی ہے، شرعاً لینا جائز ہے یا نہیں، اگرچہ کل مصارف مقدمہ کا صرف قانونی خرچہ ملتا ہے، اور اکثر خرچہ نہیں ملتا، ہمارے مقدمہ کی جو صورت ہے کہ مجبوراً اپنے حق کی حفاظت کے لئے نالش کرنا پڑی، اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے ہم کو مصارف برداشت کرنے پڑے، یہ کل مصارف ان کے اس واقعی شرعی حق سے جو بعد کامیابی ہم کو ادا کرنا چاہیئے اگر ہم منہا کرلیں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ نیز یہ کہ مکان متنازعہ بدون ہماری کسی قسم کی کوشش کے (صما) کو مثلاً نیلام ہوگیا (ممکن ہے کہ خریدار نے کم بولی پر چھڑالیا ہو) لیکن آٹھ روز تک بولی ہوئی، ایک دن خود مکان پر عندالموقع ہوئی، لیکن اس سے زائد قیمت نہ لگی مدیون نے عذرداری کی کہ مالیت دو ہزار کی ہے کم پر دیدی گئی۔ مگر عدالت نے یہ عذر تسلیم نہ کیا خارج کردیا۔ پھر عذرداری کی کہ ہم سے رقم مطالبہ اب لے لی جائے، اور نیلام جو کہ کم کو ہوگیا ہے منسوخ کیا جائے، وہ بھی خارج ہوئی گویا عدالت نے قطعاً (صما) ہی کا مکان قرار دیا، اگر ہماری طرف سے مقدمہ نہ لڑایا جائے تو اتنی ہی رقم میں غیر کے ہاتھ قطعی بیع ہو چکا ہے، ایک حبّہ بھی مدیون کو زائد نہ ملے گا، تو ہماری کامیابی کی صورت میں ہم اسی قدر قیمت مکان میں سے فریق مخالف کا حق شرعی ادا کرنے کے پابند ہوں گے یا اس کی قیمت مطلوبہ کے؟

الجواب: جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے بمجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنہم مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے(۱) یا اگر کسی حساب

---

(۱) ثم حاصل ما ذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن ولو بلا حق، فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية البتة يضمن، وإن كان قد يغرم وقد لا يغرم لا يضمن، والفتوى على قول محمدؒ من ضمان الساعي بغير حق مطلقا ويعزر. (شامي، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي، زكريا ديوبند ٦/ ١٤٨، كراچی ٤/ ٨٩)

ولو غرم السلطان بمثل هذه السعاية ضمن، وكذا يضمن لو سعى بغير حق ←

میں منہا ہوسکیں تو ان علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہوگا اور عدالت کا نیلام گو بلا رضائے مدیون ہو جاوے نافذ ہے(۱)۔ پس سب حسابوں میں اسی قیمت کا اعتبار ہوگا، جس پر وہ بحکم عدالت نیلام ہوا ہے۔

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۲۰)

گذشتہ اور آئندہ کے نان ونفقہ کے لئے نافرمان بیوی کا شوہر پر مقدمہ دائر کرنے کا حکم اور شوہر کا رخصتی اور مقدمہ کے خرچہ کے لئے بیوی پر دعویٰ دائر کرنے کا حکم

سوال (۱۷۶۴): قدیم ۳/ ۱۲۳- حامداً ومصلّیاً ومسلماً امابعد! کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ: ایک زن وشوہر میں بعد نکاح تخمیناً پندرہ سال تک اتفاق واتحاد

← **عند محمد زجرا له أي للساعي، وبه يفتى.** (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب السرقة، مکتبه عربیه کوئٹه ٢/ ٤٢١)

وإن كانت عادته أي السلطان أن يغرم البتة ضمن الساعي لوجود التسبيب، وكذا ضمن الساعي لو سعى بغير حق عند محمد زجرا له، وبه أي بقول محمدؒ يفتى لكثرة السعاة في زماننا. (مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٩٩)

(۱) **ويبيع الحاكم ماله مطلقا ولو عرضا أو عقارا إن امتنع ويقسمه بين غرمائه بالحصص -إلى قوله- والفتوى على قولهما في بيع ماله لامتناعه اختاره في الاختيار، وصححه في تصحيح القدوري وعليه التنوير.** (ملتقى الأبحر مع الدر المنتقى، كتاب الحجر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٧-٥٨)

لا يبيع القاضي عرضه ولا عقاره للدين خلافا لهما، وبه أي بقولهما ببيعهما للدين يفتى اختيار. (درمختار مع الشامي، كتاب الحجر زكريا ٩/ ٢٢١، کراچی ٦/ ١٥٠-١٥١)

ولم يبع عرضه وعقاره وهذا عند الإمام وهو بإطلاقه صادق بحال الحياة والموت، قال في الجوهرة: ويبيع القاضي عرضه وعقاره بعد الموت بالإجماع، وعندهما يبيع القاضي ذلك وعليه الفتوى. (البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، زكريا ٨/ ١٥١، کوئٹه ٨/ ٨٣)

تبيين الحقائق، كتاب الحجر، زكريا ديوبند ٦/ ٢٧٠، إمداديه ملتان ٥/ ٢٠٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قائم رہا اور اب عرصہ تخمیناً نو سال سے نزاع قائم ہے، اور زن مذکورہ نے اپنے والدین کے مکان پر رہ کر اپنے شوہر سے مہر معجّل بھی وصول کرلیا، دین مہر وصول کر لینے سے پہلے اور بعد شوہر مذکور اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر بلانے کی ہر کوشش کرتا رہا تاکہ وہ حقوق زوجیت ادا کرے مگر زوجہ مذکورہ چند شرائط کے ساتھ آنا چاہتی ہے، یعنی یہ کہ میں نے جتنی مدّت تک اپنے والدین کے گھر رہ کر کھایا ہے، اور پیا ہے، وہ ادا کردے، اور آئندہ خورد ونوش کے ایسے انتظام پر مصر ہے کہ شوہر اپنی جائیداد میرے نام منتقل کردے یا مکفول کردے تاکہ بروقت ضرورت میں جہاں چاہوں رہ کر وصول کرتی رہوں، حالانکہ یہ امر شوہر کے اختیار میں نہیں رہا تھا، کیونکہ شوہر مذکور اپنی تمام جائیداد وقف علی الاولاد کرچکا ہے، اور وقف نامہ کے ذریعہ سے زوجہ مذکورہ کے نان ونفقہ کا انتظام بھی اس کے حصہ شرعی کے موافق اس طرح کردیا، کہ وہ شوہر کے گھر رہ کر نان ونفقہ وصول کرتی رہے، مگر اس انتظام کو زوجہ مذکورہ نے قبول نہیں کیا، نوبت بانیجا رسید کہ فریقین نے اپنا اپنا دعویٰ عدالت مجاز میں دائر کردیا، شوہر کا یہ دعویٰ ہے کہ زوجہ دلائی جائے اور خرچہ مقدمہ کا دلایا جاوے، اور زوجہ کا دعویٰ ہے کہ گذشتہ نان ونفقہ جو اپنے والدین کے گھر رہ کر کھایا ہے دلایا جاوے۔ اور آئندہ نان ونفقہ کا انتظام اس طرح پر شوہر کی جائیداد سے کرایا جاوے کہ میں جہاں چاہوں رہ کر وصول کرتی رہوں، اب فریقین نے اپنے معاملات مذکورہ عدالت سے اٹھا کر سپرد ثالثی کردیئے ہیں، جو ثالث صاحب مقبولہ فریقین مقرر ہوئے ہیں، اور فریقین چاہتے ہیں کہ معاملات مذکورہ بروئے شرع محمدی طے ہوجاویں معاملات مذکورہ بالا میں شرع محمدی ﷺ کا کیا حکم ہے؟ اور کیا فیصلہ بروئے شرع ہونا چاہئے؟

الجواب: زوج کا دعویٰ صحیح ہے، زوجہ دلائے جانے کا تو بالاتفاق، اور خرچہ دلائے جانے کا علی الاختلاف بین العلماء اور زوجہ کا دعویٰ باطل ہے، کیونکہ ناشزہ ہے (*) اور ناشزہ کا نفقہ زمانِ نشوز کا

(*) في العقود الدررية ص: ۸۱، جلد أول: والناشزة هي التي تخرج من منزل الزوج بغير إذنه، فهذه تسقط نفقتها وكسوتها كذا أفتى قاري الهداية وأفتى أيضا بأن لها أن تمنع من النقلة معه لبيته لصداقها الحال أما المنجم أو الكسوة فليس لها الامتناع بسببها، فإن امتنعت بسببها فهي ناشزة لا نفقة لها ولا كسوة ما دامت على ذلك، في البحر: والمراد بالخروج كونها في غير منزله بغير إذنه، فيشمل ما إذا امتنعت عن المجيء إلى منزله ابتداء بعد إيفاء معجل مهرها، ومثله في النهر. ۱۲منہ.

النہرالفائق، کتاب الطلاق، باب النفقۃ زکریا ۲/ ۵۰۷۔

واجب نہیں، البتہ مہر معجّل ملنے سے پہلے کا نان ونفقہ واجب تھا، کیونکہ ہمبستری سے انکار کرنے کا حق امام صاحب کے نزدیک بعد تمکین کے بھی عورت کو حاصل ہے، اسی طرح مرد کے گھر آنے سے انکار کرنے کا بھی، اور نفقہ واجب رہے گا، لیکن جو زمانہ گذر جاتا ہے، اس کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے، البتہ اگر بحکم حاکم یا برضامندی جانبین کوئی مقدار نفقہ کی متعین ہوجاوے تو درصورت وجوب نفقہ زمانہ گذشتہ کا بھی دلایا جاتا ہے۔

في العالمگيرية: وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلىٰ منزله، والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه (أى بغير حق) ثم بعد أسطر: وإن كانت سلمت نفسها ثم امتنعت لاستيفاء المهر لم تكن ناشزة في قول أبي حنيفة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. ثم بعد أسطر: إذا تغيبت المرأة عن زوجها أو أبت أن تتحول معه حيث يريد من البلدان وقد أوفاها مهرها، فلا نفقة لها عليه، وإن لم يعطها مهرها وباقي المسئلة بحالها فلها النفقة، هذا إذا لم يدخل بها، وإن دخل بها فكذلک الجواب في قول أبي حنيفة (١) وفي الهداية: إذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذلک فلا

---

(١) عن الشعبي قال: ليس للعاصية نفقة يقول: إذا عصت زوجها فخرجت بغير إذنه. (مصنف عبدالرزاق، الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمي ٧/ ٩٥، رقم: ١٢٣٥٢)

هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر: في النفقات، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٥٤٥، جديد زكريا ٢/ ٥٩٥-٥٩٦۔

والناشزة لا نفقة لها، وهي التي خرجت عن منزل الزوج بغير إذنه بغير حق، فإن كانت لم تسلم نفسها ومنعت نفسها لاستيفاء المهر إن كان المهر مؤجلا أو وهبت مهرها، ثم منعت نفسها كانت ناشزة، وإن كانت سلمت نفسها، ثم منعت لاستيفاء المهر، لم تكن ناشزة في قول أبي حنيفةؒ. (قاضي خان، كتاب النكاح، باب النفقة، جديد زكريا ١/ ٢٥٥، وعلى هامش الهندية ١/ ٤٢٦-٤٢٧)

لا نفقة لأحد عشر ...... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود. (درمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٥-٢٨٦، كراچى ٣/ ٥٧٦)

ولا نفقة لناشزة أي عاصية مادامت على تلك الحالة، ثم وصفها خرجت من ←

شيء لها إلا أن يكون القاضي فرض لها النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضى لها بنفقة ما مضى. (۱) اھ

یہ تفصیل تو عورت کے پہلے مطالبہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہر مل جانے کے بعد کے زمانہ کا نفقہ تو واجب ہی نہیں، اور مہر لینے سے پہلے کا نفقہ واجب تھا، لیکن اگر اس کی کوئی مقدار پہلے سے عدالت یا رضا سے معین تھی، تو یہ واجب دلایا جاوے گا، ورنہ حاکم یا ثالث نہ دلاوے گا، آخرت کا مواخذہ باقی رہے گا، اور دوسرا مطالبہ عورت کا وہ محض باطل ہے عورت کا نفقہ آناًفاناً واجب ہوتا ہے اس کے عوض جائیداد لکھ دینا شوہر پر واجب نہیں۔

لعشرین من ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۸)

ایک غیر مسلم شخص متوفی کا ترکہ اور ورثاء

سوال (۱۷۶۵): قدیم ۳/ ۱۲۵- ایک غیر مسلم شخص مرا اور اس کا ترکہ اس کی بیویوں کو پہنچا اس کے مرنے کے سات سال بعد ایک بیوی کے لڑکی ہوئی جس کو ڈاکٹروں نے اسی کا حمل بتلایا اور گورنمنٹ نے اس کو جائیداد دلوادی، پھر اس لڑکی کے ایک لڑکا ہوا اور اس لڑکے کو اس کی نانی نے متبنیٰ کرلیا

← **بيته بغير حق ...... وفي القهستاني: فمن النواشز ما إذا منعت لاستيفاء المهر بعد ما سلمتها كما قالا وليست بناشزة عنده الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه عباس أحمد الباز مكه مكرمه جديد ۲/ ۱۷۹-۱۸۰)

(۱) هداية، كتاب الطلاق، باب النفقة، أشرفی ديوبند ۲/ ٤٤٠۔

ولا تجب النفقة مضت يعني دينا في الذمة إلا بالقضاء أو الرضى بينهما بأن يصالحها الزوج على مقدار منها، والحاصل أن نفقتها لا تثبت دينا في ذمته إلا بقضاء القاضي بفرض أو اصطلاحها على مقدار، والمراد به الماضية، فإذا اصطلحا في الماضي على مقدار معين صار دينا في ذمته الخ. (النهرالفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ۳/ ۵۱۲)

البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، جديد زكريا ديوبند ٤/ ۳۱٦، قديم كوئٹه ٤/ ۱۸٦-۱۸۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس لئے وہ قابض جائیداد کا رہا پھر اس مرنے والے کے ایک دور کے رشتہ دار نے جائیداد کا دعویٰ کیا اور وکیلوں کی معرفت ان ورثہ سے مقدمہ کیا اور محنتانہ وکلاء کا یہ ٹھہرا کہ اگر کامیابی ہوگئی تو کل جائیداد میں سے ۹/۱۶ حصّہ وکیلوں کو دیں گے اور اس کا ایک معاہدہ لکھا گیا اتفاق سے اس وقت جائیداد کا مقدمہ خارج ہو گیا اور زبانی وکیلوں سے معاہدہ فسخ کر دیا گیا۔ مگر اس عہد نامہ کی واپسی یا رسید وغیرہ نہیں لی گئی کچھ دن کے بعد دعویدار نے اپیل کیا اور اس میں اُس کو کامیابی ہوگئی تو اس رجسٹری شدہ عہد نامہ کی بناء پر وکیلوں نے اس سے ۹/۱۶ حصہ زمین کا لے لیا، اس زمین کو مسلمان مزارع پہلے سے کاشت کرتے چلے آئے ہیں اور بوجہ موروثی ہونے کے لگان بہت کم ہے۔ اب حسب ذیل سوالات ہیں:

(۱) صورت بالا میں یہ وکیل مالک زمین کے ہوگئے یا نہیں۔

(۲) اگر موروثی کاشتکار زمین پر قبضہ رکھے تو جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہونے کی تقدیر پر آمدنی اس کی موروثی کاشتکار کے لئے جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اگر یہ کاشتکار زمیندار سے زمین خرید نا چاہے اور بوجہ اپنی موروثیت کے کم دام میں زمین خرید لے تو اس میں گنہگار تو نہ ہوگا اور زمین کا مالک ہو جاوے گا یا نہیں

(۴) اور حکومت کے قانون میں موروثی اور مالک اگر مل کر زمین کو فروخت کریں تو روپیہ نصفا نصف مِلتا ہے تو کیا یہ روپیہ موروثی کو لینا جائز ہے۔

(۵) قبضہ حرام ہونے کی تقدیر پر گذشتہ قبضہ سے توبہ کا کیا طریق ہے۔

الجواب: من المولوی عبدالکریم الکمتھلوی، یہ وکیل اس زمین کے مالک ہوگئے ہیں خواہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ اس معاہدہ کا زبانی فسخ قانوناً معتبر نہیں اور اس عہد نامہ کے مطابق جو زمین لی گئی ہے وہ قانون کے مطابق ہے۔

(۲)۔ موروثی قبضہ کا رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ جو آمدنی حاصل ہو چکی وہ جائز ہے بوجہ استیلاء کے لیکن اب اس زمین کا واپس کر دینا لازم ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس کو کم داموں پر خریدنا جائز نہیں ہے اور ان کا قول احوط واسلم ہے، البتہ امام محمدؒ کے قول پر یہ صورت جائز ہے، پس اگر کوئی اُن کے قول پر عمل کرے تو اس کی گنجائش ہے مگر ہے خلاف احتیاط۔

تنبیہ: اس پر معاملہ سود کو قیاس نہ کیا جاوے۔

(۴) اس کا حکم بھی مثل ۳ کے ہے۔

(۵) فقط قبضہ اٹھالینا کافی ہے ونیز توبہ کرنا باقی رہا تدارک قبضۂ گذشتہ کا سواس کی ضرورت نہیں ہے فقط۔

والدلائل هٰذہ

(۱) فی شرح السیر الکبیر ج۴،ص۳۴: وعلیٰ هٰذا لو غصب بعضهم مالا، ثم اسلموا واختصموا في ذلک، فإن القاضي ينظر في حكمهم قبل أن يسلموا، فإن علم ان من حكمهم أن الغاصب يملک المغصوب لم يامر الغاصب برد شئی الخ.

اس سے معلوم ہوا کہ اہل حرب جو کچھ موافق قانون غصب وغیرہ کریں سب موجب تملک ہے۔

(۲) منافع کا استیلاء کی وجہ سے مالک ہو جانا تو بالکل ظاہر ہی ہے اور زمین پر قبضہ کا جائز نہ ہونا اس واسطے ہے کہ مجرد قبضہ کی وجہ سے استیلاء تو ثابت نہیں ہوا جب کہ قانوناً اصل مالک کو مالک قرار دیا جاتا ہے اور عقد اجارہ ختم ہو چکا پس یہ قبضہ نہ کسی عقد شرعی کے تحت میں ہے نہ استیلاء کا تحقق ہوا اس واسطے ناجائز ہے۔

۳،۴ فی شرح السیر ایضاً ج۴،ص۲۹: وكذٰلک لو ادعى المسلم المستامن عبدا في يد بعضهم باطلا، أي عندهم وأقام بينة، فأخذه ملكهم من الحربي و دفعه إليه ثم أسلم فهو له لتمام إحرازه بحكم ملكهم، ولكن ينبغي له أن يرده على صاحبه؛ لأن هذا غدر منه بمنزله ما لو أخذ مال بعضهم سرافا خرجه، وهناک يفتى بالرد؛ لأنه إنما غدر بأمان نفسه فهذا مثله اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر استیلاء کی وہ صورت اختیار کی جاوے جو قانون سلطان حرب کے خلاف نہ ہو تو پھر امام محمدؒ کے نزدیک واپسی کا فتویٰ بھی نہ دیا جاوے گا (گو شرعاً وہ صورت ممنوع ہو کیونکہ یہ جزئیہ مذکورہ غصب کے جزئیہ کے بعد ہے)

اور امام ابو یوسفؒ کا قول مجھے نہیں ملا مگر ''امدادالاحکام'' میں مورخہ: ۱۸؍صفر ۴۷ھ یہ عبارت ہے:

''وأما على قول أبی يوسفؒ فلا يجوز للمسلم في دار الحرب مالا يجوز في دار الإسلام''

اور ربوا میں جو اختلاف ہے وہ اس کا موید بھی ہے۔ واللہ اعلم

(۵) هذا كله ظاهر. التصديق الجواب الذي كتبه المولوى عبد الكريم صحيح.

اشرف علی ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

الجواب :متعلق جواب بالا: قاضی دریں ملک چنانچہ فرمودند مفقود ست لاکن حاکم وقت علاقہ ما بعض وقت اسٹنٹ وتحصیلدار وجج کسے نہ کسے مسلمان می باشد اما اوشان چنیں فیصلہ قضا یعنی فسخ نکاح ہرگز ہرگز نمی کنند واگر تقدیراً کنند ونخواہند کرد مگر علمایان ایں طرف نیم علم خطرۂ ایمان بالکل بے علم وکم فہم ومتعصب اند ایں حاکمان را حکم کفر در پردہ وعاملان را کفر ظاہر خواہند داد وعلی ہذا القیاس قاضی حنفی مقرر سرکار وعوام مردم کہ در ضلع دیگر باشد از خوف خلاف مذہب قطعاً حکم فسخ نکاح مفقود الزوج نخواہد کرد آرے دریں جا شہرے قاضی حنفی بود اہل حدیث شدہ است لاکن بر فیصلہ ہا اجرت بے اندازہ می گیرد اگر جائز باشد وفتویٰ گرفتن مفقود الزوج از حکم گیرد ودیگر عالم اہل حدیث ہم است چیزے نخواہد گرفت وقریب است اگر جائز باشد از وحکم گیریم واگر جائے ایں چنیں قاضی لایق فتویٰ معلوم باشد اطلاع فرمایند تا از و رجوع کردہ شود؟

الجواب: اگر قاضی عرفیست شرعاً قاضی نیست واگر قاضی شرعیست کہ برائے فصل خصوصیات مقرر کردہ شد قضایش نافذ می شود اگرچہ اجرت گرفتن اورا جائز نباشد۔

وفي رد المحتار: وأما إذا ارتشى –إلى قوله– فعلى ما في الحمادية فيه ثلثة أقوال قيل إن قضاءه نافذ فيما ارتشى فيه، وفي غيره، والأوّل اختار البزدوي واستحسنه في الفتح إلى إن قال: وينبغي اعتماده للضرورة في هذا الزمان (١)اھ۔ **مختصراً لكن محض فتوے گرفتن از کسے کا في نیست كما نقله المفتي سعد الله المرحوم الرامفوري في فتاواه، وعبارته هكذا، قال البزازي في فتاواه: قال السرخسي: هذا شرط أخر وهو أن يصير حادثة، فيجزى بين يدى القاضي من خصم على خصم حتى لو فات هذا الشرط لا ينفذ القضاء؛ لأنه فتوى.** اھ۔

۷؍شعبان ۱۳۲۱ھ

---

(١) شامي، كتاب القضاء، مطلب: في الكلام على الرشوة، زكريا ديوبند ٨/ ٣٥-٣٦، کراچی ٥/ ٣٦٣۔

ولو كان القاضي عدلا ففسق بأخذ الرشوة لا ينعزل فيه إيماء إلى أن قضاءه نافذ فيما ارتشى فيه، وهذا أحد أقوال ثلاثة ...... والأول اختاره البزدوي واستحسنه في الفتح الخ.

(النهرالفائق، كتاب القضاء، زكريا ديوبند ٣/ ٥٩٧)

وحكي في الفصول في نفاذ قضاء القاضي فيما ارتشى فيه ثلاثة أقوال: لا ينفذ ←

کسی کی اشیاء کو روپیہ دے کر قرقی سے بچالیا تو یہ چیزیں روپیہ دینے والے کی مِلک نہ ہوں گی

سوال (١٧٦٦): قدیم ٣/ ١٢٨- زید وعمرو باہم معاشرت کرتے رہے زید نے چند درخت نصب کئے، عمرو کا ایک مکان تھا، اتفاقاً عمرو نے کسی کوری کے پانی کو روک دیا، کوری نے مقدمہ دائر کیا، اس کی ڈگری ہوگئی، اس کے بعد کوری نے اپنے کھیت کے نقصان میں عمرو کی چیزوں کو قرق کرادیا، اس میں درخت ومکان مذکور سب قرق ہوگئے، اس کے بعد زید نے ایک جگہ سے روپیہ قرض لاکر دیا اور سب چیزوں کو قرقی سے بچالیا، اور قرض مذکور کو زید نے ادا کیا، عمرو کاروبار سے معذور تھا، اب وہ سب چیزیں زید کی ہوں گی یا عمرو کی؟

الجواب: چونکہ کوئی سبب اسباب تملک سے نہیں پایا گیا، لہٰذا یہ چیزیں زید کی ملک نہیں (١) ہوئیں،

← **فيما ارتشى فيه، وينفذ فيما سواه، وهو اختيار شمس الأئمة لاينفذ فيهما، ينفذ فيهما وهو ماذكر البزدوي وهو حسن الخ.** (فتح القدير، كتاب أدب القاضي، زكريا ٧/ ٢٣٦، كوئٹه ٦/ ٣٥٨)

القاضي إذا ارتشى وحكم ذكر البزدوي أنه ينفذ فيما ارتشى أيضا الخ. (فتاوى بزازية، كتاب أدب القاضي، الفصل الأول، نوع آخر، تعليق عزل القاضي، جديد زكريا ٢/ ٧١، على هامش الهندية ٥/ ١٣٨)

البحرالرائق، كتاب القضاء، زكريا ٦/ ٤٤٠، كوئٹه ٦/ ٢٦١-

حاشية الشيخ الشلبي على الزيلعي، كتاب القضاء، زكريا ٥/ ٨٢، إمداديه ملتان ٤/ ١٧٥-

(١) ہاں البتہ عمرو اگر اخلاقی طور پر زید کی ادا ہوئی رقم زید کو دے دے تو بہت بہتر ہے، ورنہ قانوناً زید کو نہیں ملے گا؛ اس لئے کہ زید نے رقم ادا کرنے سے قبل عمرو سے اس سلسلہ میں معاملہ طے نہیں کیا ہے۔

للملك أسبابه التي تؤدي إلى تحقيقه ذكر ابن نجيم في الأشباه أن أسباب الملك هي: المعاوضات المالية والأمهار والخلع والميراث والهبات والصدقات والوصايا والوقف والغنيمة والاستيلاء على المباح، والإحياء، وتملك اللقطة بشرطه ودية القتيل يملكها أولا، ثم تنتقل إلى الورثة، ومنها: الغرة يملكها الجنين فتورث عنه والغاصب إذا بالمغصوب شيئا أزال به اسمه وعظم منافعه ملكه ...... وذكر الحصكفي: أن أسباب الملك ثلاثة ناقل كبيع وهبة وخلافة كإرث وأصالة وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد أو حكما بالتهيئة كنصب شبكة لصيد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٩/ ٣٨) ←

البتہ اگر یہ قرض زید نے عمرو کے کہنے سے ادا کیا ہے تو اپنی رقم کا مطالبہ عمرو سے کرسکتا ہے اور اگر بدون اس کے کہے ادا کردیا تو مطالبہ رقم کا بھی نہیں ہوسکتا(۱) اور چیزیں ہر حال میں عمرو کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۱)

ضمانت کمیشن پر ایجنٹ بنانا

سوال (۱۷۶۷): قدیم ۳/ ۱۲۹- زید غیر مسلم ساکن ملک امریکہ نے عمرو مسلم ساکن ہند سے کہا کہ اگر تم مجھے دو ہزار روپیہ بطور ضمانت دیدو تو میں تم کو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے ایجنٹ مقرر کردوں گا اور فی عدد ایک آنہ کمیشن دوں گا، عمرو نے منظور کر کے دو ہزار روپیہ زید کو دیدیا، اور دو ہزار روپے سے دو چندسہ چند مال فروخت کے واسطے دینے کا وعدہ کر کے دیتا ہے، اور عمرو اس کو فروخت کرتا ہے، یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

← **أسباب التملك ثلاثة: الأول: الناقل للملك من مالك إلى مالك آخر كالبيع والهبة، والثاني: أن يخلف واحد الآخر كالإرث، والثالث: إحراز شيء مباح لا مالك له، وهذا إما حقيقي وهو وضع اليد حقيقة على شيء، وأما حكمي وذلك بتهيئة سببه كوضع إناء لجمع ماء المطر أو نصب شبكة لأجل الصيد.** (شرح المجلة، الفصل الثاني: في كيفية استملاك الأشياء المباحة، اتحاد ديوبند ۱/ ٦٧٩، رقم المادة: ۱۲٤٨)

درمختار مع الشامي، كتاب الصيد، زكريا ديوبند ۱۰/ ٤٧، كراچی ٦/ ٤٦٣۔

(۱) **فإن كفل بأمره رجع بما أدي عليه؛ لأنه قضى دينه بأمره، وإن كفل بغير أمره لم يرجع بما يؤديه؛ لأنه متبرع بأدائه.** (هداية، كتاب الكفالة، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۱۸)

واعلم أن الأمر الموجب للرجوع كما يكون حقيقيا يكون حكميا إذا كفل الأب عن ابنه الصغير مهر امرأته، ثم مات الأب وأخذ من تركته كان للورثة الرجوع في نصيب الابن؛ لأنه كفالة بأمر الصبي حكما لثبوت الولاية فلو أدى بنفسه، فإن أشهد رجع وإلا لا. (النهرالفائق، كتاب الكفالة، زكريا ديوبند ۳/ ٥٦۳)

فإن كفل بلا أمره لا يرجع عليه بما أدى عنه؛ لأنه متبرع بأدائه بغير رجوع ...... وإن كفل بأمره رجع عليه بما أدى عنه؛ لأنه قضى دينه بأمره. (مجمع الأنهر، كتاب الكفالة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۸٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جائز ہے(۱) مگر شرط یہ ہے کہ اس غیر مسلم کو جو روپیہ بطور ضمانت دیا ہے، اس میں دینے والے کی یہ اجازت نہ ہو کہ اس سے تجارت وغیرہ کر کے منتفع ہو، اگر وہ بدون اس کی اجازت کے ایسا کرے گا تو اس کا بار خود اس کے ذمّہ ہوگا (۲)۔

۱۶؍ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۲)

---

(۱) **عن الحكم وحماد عن إبراهيم وابن سيرين قالوا: لا بأس بأجر السمسار إذا اشترى يدا بيد.** (المصنف لابن أبي شيبة، في أجر السمسار، مؤسسة علوم القرآن ۱۱/ ۳۳۹، رقم: ۲۲۵۰۰)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب: في أجرة الدلال، زكريا ۹/ ۸۷، كراچى ٦/ ٦۳)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (هندية، الباب السادس عشر: في مسائل الشيوع، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٥۰، جديد ٤/ ٤٨٧)

إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة، ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ديوبند ۹/ ٦٤، كراچى ٦/ ٤٧)

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۱۲۱)

المعروف بين التجارة كالمشروط بينهم. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۱۲۵)

(۲) **لا يحل للمرتهن أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه.** (درمختار مع الشامي، كتاب الرهن، زكريا ۱۰/ ۸۳، كراچى ٦/ ٤٨٢)

ليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس. (هداية، كتاب الرهن، أشرفي ديوبند ٤/ ٥٢٢)

ليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ...... إلا بإذن المالك. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۷۳، مصري قديم ۲/ ٥٨٧)

أن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، زكريا ديوبند ٥/ ۲۱۰، كراچى ٦/ ۱٤٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تجارت پیشہ ہندو مسلمانوں میں یہ طے ہونا کہ کوئی جزو مساجد اور مندروں میں خرچ کیا جاویگا

سوال (۱۷۶۸): قدیم ۱۲۹/۳- ایک بازار میں یہ رواج قدیم مابین ہندو و مسلمان مقرر ہے کہ ہندو و مسلمان گاڑیبان جب اپنا مال یعنی قند سیاہ باہر سے لاکر وہاں کے تجارت پیشہ ہندو و مسلمان کارخانہ چینی والے کے ہاتھ بیچتے ہیں تو کل قیمت اپنی لیکر اس میں سے ایک آنہ حسب رواج وہاں کے بغرض مصارفِ مدرس و امام مسجد و پوجاری شوالہ بخوشی دیتے ہیں، جس کو امام مسجد و پوجاری لیکر اپنے تصرف میں لاتے ہیں، خواہ وہ خریدار مال ہندو ہو یا مسلمان ہو، اس رقم کو اپنے پاس امانتاً رکھتا ہے، اور کل رقم وصول شدہ اپنے اپنے موقع پر یعنی بوقت طلب پوجاری و امام کو دیتا ہے، نہ ہندو کارخانہ والوں کو مسلمان مدرس و امام کے دینے میں عذر ہے نہ مسلمان کارخانہ والوں کو ہندو پوجاری کے دینے میں رقم معلومہ کے کوئی حجت پیش ہوتی ہے، اسی طرح سے ایک زمانۂ دراز سے سلسلۂ انتظام قائم ہے، اب اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ تردد پیش ہے کہ اس طرح کی رقم امانت کا ہندو و مسلمان کو اپنے پاس رکھنا اور ان کے پوجاری کو یا مدرس و امام مسجد کو دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور ایسی مشارکت دینی کاموں میں روا ہے یا نہیں؟

الجواب: درست نہیں (۱) سب مل کر اس انتظام کو اس طرح بدل دیں کہ ہندو صرف ہندوؤں سے لیا کریں اور مساجد میں خرچ نہ کریں، اور مسلمان صرف مسلمانوں سے لیا کریں اور پوجاریوں پر خرچ نہ

---

(۱) **وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر أو أوصى ببنائه أو ترميمه إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني ولا سياسي -إلى قوله- أو بذلوا لذلك مالا لم يقبل منهم؛ لأنهم يطمعون في الاستيلاء على هذا المسجد فربما جعلوا ذريعة ذلك لا دعاء حق لهم فيه.** (تفسير مراغي، مكتبه تجارية ٤/ ٧٤، بحواله فتاوى محموديه ميرٹھ ٢٢/ ١٢٦)

قال الله تعالى: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض﴾ فنهى في هذه الآية من موالاة الكفار وإكرامهم ...... ونهى عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العز وعلو اليد. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البراءة، مطلب في تمييز الطبقات، دارالكتاب العربي بيروت ٣/ ٩٩)

درء المفاسد أولى من جلب المنافع، أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٣٢، رقم المادة: ٣٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کریں، اور جب تک ایسا انتظام مقرر نہ ہو تو مسلمان ایسا کریں کہ اگر ہندوؤں سے ان کو لینے کا موقع آوے تو نہ لیں کہ اختیاری بات ہے اور جب نہیں لیں گے تو ان سے کوئی پوجاری بھی نہیں مانگ سکتا، اور مانگے تو یہ جواب دے سکتا ہے کہ ہم نے خود ہی ہندوؤں سے نہیں لیا ہے تو ہم تم کو کیسے دیں، اور اگر ہندوؤں کو وہ ایک آنہ دینے کا موقع پڑے اور وہ مجبور کر کے لینا چاہیں تو یوں کرے کہ دام پورے وصول کر کے ایک آنہ واپس نہ دے بلکہ اس سے یوں کہے کہ مجھ کو ایک آنہ قیمت مجوزہ میں کم دیدو، اور نیت یہ رکھے کہ میں ایک آنہ اس کو معاف کرتا ہوں، اور مسلمان سے لینا بھی جب درست ہے کہ وہ خوشی سے دے، اور جو شخص کہ محض اس رسم کی پابندی سے دیتا ہو اس سے لینا جائز نہیں (۱)۔

۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ۱۵۲)

کپڑا اور روئی اور ٹرام ریلوے کے حصص خریدنا

سوال (۱۷۶۹): قدیم ۳/ ۱۳۰- کپڑے اور روئی بنانے کے ملوں کے شیئر یعنی حصص کمپنی مذکورہ کے خریدنا درست وجائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور ٹرام ریلوے کے حصص خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱-۲) اگر حصہ صرف نقد روپیہ تھا تب تو اس کے خریدنے کے لئے برابر سرابر ہونا شرط ہے (۲)

---

(۱) **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا إنه لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه.** (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

(۲) **عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلا بمثل. الحديث** (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ٢/ ٢٤، بيت الأفكار، رقم: ١٥٨٤)

بخاري شريف، كتاب البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، بيت الأفكار، رقم: ٢١٧٧۔ ←

اور اگر حصہ میں آلات کا جزو بھی ہے تو بدون اس شرط کے بھی درست ہے(۱)۔

۱۴؍جمادی الاخری ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۵۵)

حصص کمپنی

سوال (۱۷۷۰): قدیم ۳/۱۳۰- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہوکر کمپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں، ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں، جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کردیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصوں کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خریدنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

← **النقود الورقية لايجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا.** (فقه البيوع، الصرف، نعيميه ديوبند ٢/ ١١٧٥-١١٧٦)

لا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة. (تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، أشرفيه ديوبند ١/ ٥٩٠)

(۱) **وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنسأ، لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة، وإذا وجدا حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة، وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ.** (هداية، كتاب البيوع، باب الربا أشرفي ٣/ ٧٩)

وعلته: أي علة تحريم الزيادة القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النسأ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٧/ ٤٠٣، كراچی ٥/ ١٧٢)

فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا أي الفضل والنسأ، وإن وجد أحدهما فقط حل التفاضل لا النسأ. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: تجارتی کمپنی میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اور سودی معاملات بھی ہوتے ہیں اور جس کے حصّے فروخت ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے، اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اس لئے ایسی کمپنی میں شرکت ناجائز ہے (۱) اسی طرح حصص خریدنا چونکہ (*) یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور دست بدست نہیں اس لئے جائز نہیں (۲) اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی۔

(النور ربیع الاول ۵۴ھ ص ۱۰)

(*) کمپنیوں کے حصص بصورت عروض تجارت یا مشینری ہوتے ہیں؛ اس لئے روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے نہیں؛ بلکہ عروض سے ہے جو کہ نسیئہ بھی جائز ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری عفی عنہ

---

(۱) **اتفق الفقهاء على عدم جواز التوكيل في المعاصي كالجنايات مثل: القتل، والسرقة، والغصب، والقذف ونحو ذلک؛ لأن هذه الأفعال محرمة فلا يصح فعلها من الموكل ولا من الوكيل الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ٣١)

أن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

ويكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالا مضاربة ...... وهذا لأن المباشر للتصرف هنا النصراني وهو لا يتحرز عن الزيادة ...... وكذلک يتصرف في الخمر والخنزير، ويكره للمسلم أن ينيب غيره منابه في التصرف فيها. (مبسوط سرخسي، باب مضاربة أهل الكفر، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/ ١٢٥)

(۲) **النقود الورقية لايجوز مبادلتها بالتفاضل أو النسيئة في جنس واحد فلا يجوز بيع روبية واحدة بروبيتين أو بيع روبية بروبية مؤجلة، فإنه ربا.** (فقه البيوع، الصرف، نعيميه ديوبند ٢/ ١١٧٥-١١٧٦)

أن بيع النقود الورقية يأخذ حكم النقدين (الذهب والفضة) فلا يحل بيع النقود مع التأجيل بسعر مماثل أو بسعر أكثر. (الفقه الإسلامي وأدلته هدى انٹرنيشل ديوبند ٤/ ٤١٤-٤١٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ کو قرضہ دینے کا حکم

سوال (۱۷۷۱): قدیم ۳/ ۱۳۱- اکثر گورنمنٹ یہ اعلان کرتی ہے کہ ہمیں اس قدر قرضہ کی ضرورت ہے، اوراتنی مدت میں یہ قرضہ ادا کیا جائے گا۔ جب تک قرضہ ادا ہوگا اس قدر فی صدی سود دیا جائے گا، یہ سود جائز ہے یا ناجائز، بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ گورنمنٹ سے سود لینا جائز ہے یا نہیں، میرے خیال میں گورنمنٹی بنک میں روپیہ رکھ کر سود لینے میں اور مندرجہ بالا صورت میں فرق ہے، جو خاص فرق میرے خیال میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ گورنمنٹی بنک میں پبلک کے اور لوگ بھی حصہ دار ہوتے ہیں مسلمان بھی اس کے حصہ دار ہوتے ہیں، ایک دو مثال میرے ذہن میں بھی ہیں، یہ ضرور ہے کہ اور لوگوں کا حصہ نسبتاً بہت قلیل ہوتا ہے، ہندوستان میں کوئی بنک ایسا نہیں ہے جس کی مالک خالص گورنمنٹ ہو، گورنمنٹ کو سود پر قرضہ دینے میں اس سے یہ خاص فرق ہے کہ ایسی صورت میں جو سود آئے گا وہ قطعاً گورنمنٹ کے خزانہ سے آئے گا، گورنمنٹ نے ہمارا لگان خلاف معاہدہ کم کردیا، اور حسب قانون ساختہ خود مالگذاری اسی نسبت سے کم نہیں کی، تو کیا گورنمنٹ سے ہم سود بھی نہیں لے سکتے، میں نہیں کہہ سکتا کہ مندرجہ بالا دلیل کچھ اہمیت شرعاً رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: گورنمنٹی بنک جس میں پبلک کے اور لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، گو اوروں کا حصہ قلیل ہوتا ہے، اس کی حقیقت بھی مثل صورتِ بالا کے ہے اور حکم بھی مثل حکم بالا کے (۱)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ [سورة البقرة: ٢٧٥]

عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢) ←

خاص گورنمنٹ کوقرض دینا، جس میں سود خاص گورنمنٹی خزانہ سے آتا ہے یہ مسئلہ اس میں داخل ہے کہ غیر مسلم غیر ذمی سے سود لیا گیا، یہی مسئلہ ہے جو علماء میں مختلف فیہ ہے(۱) جس میں اجتناب تورع ہے، اور ارتکاب توسع ہے(۲)۔ واللہ اعلم

۲/ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ص ۱۰)

ریل پر آئے ہوئے مال کو نیلام پر خریدنا

سوال (۲۱۷۷): قدیم ۳/ ۱۳۱- قانون ریلوے میں ایک مدت مقرر ہے، کہ اگر اس عرصہ میں مالک مال مِل گیا تب تو اس کو مال دیدیا جاتا ہے، ورنہ بعد گذرنے مدت کے اگر پھل وغیرہ ہوتے ہیں تو تیسرے دن نیلام کردیئے جاتے ہیں، سو اس مال کا خریدنا قاعدہ شرعیہ سے جائز ہے یا نہیں؟

← **عن علي مرفوعا: كل قرض جر منفعة فهو ربا.** (إعلاء السنن، كراچى ١٤/ ٤٩٨، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٥٦٦)

كل قرض جر نفعا حرام، أي إذا كان مشروطا. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع باب المرابحة، مطلب: كل قرض جر نفعا، زكريا ديوبند ٧/ ٣٩٥، كراچى ٥/ ١٦٦)

(۱) **عن مكحول أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ربوا بين أهل الحرب وبين أهل الإسلام، أو لا ربوا بين المسلمين وبين أهل دارالحرب في دارالحرب.** (إعلاء السنن، كراچى ١٤/ ٣٣٣، بيروت ١٤/ ٣٨٦)

لا ربوا بين المولى وعبده ولا بين المسلم والحربي في دارالحرب خلافا لأبي يوسف والشافعي. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ديوبند ٣/ ٨٦)

ولا ربا بين المسلم والحربي في دارالحرب عند الطرفين خلافا لأبي يوسف والشافعي. (مجمع الأنهر، باب الربا بيروت ٣/ ١٢٧)

(۲) **ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند فلا ريب أن جانب الاحتياط والتوقى عنه أولى وأحرى.** (إعلاء السنن، أبواب الربا، كراچى ١٤/ ٣٦٨، بيروت ١٤/ ٤٢٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دام مالک کو دیئے جاتے ہیں تو خریدنا جائز ہے، والا لا (۱)۔

(تتمہ اولیٰ ص ۱۵۹)

بلاطلب کوئی اخبار یا رسالہ بھیجنے سے بیع نہ ہونا!

سوال (۱۷۷۳): قدیم ۳/ ۱۳۱- عرصہ ایک سال کا ہوا کہ ایک ہندو نے میرے پاس ایک رسالہ بھیجا جس میں وید کی قدامت لکھی تھی، اور کچھ نسخہ جات بھی تھے، میں نے اس کو رکھ لیا اور وہ رسالہ ماہوار آتا رہا، اور میں نے انکار نہیں کیا سال گذرنے پر ایک پرچہ ویلو دو روپیہ کا آیا میں نے اس کو واپس کر دیا، اور لکھ دیا کہ چونکہ آپ بلاطلب پرچے بھیجتے تھے، اس لئے میں انکار کرتا ہوں، انہوں نے بطور ہدایت یہ بھی لکھا تھا جو کہ پہلے پرچہ کے بھیجنے پر انکار نہ کریں گے ان کے نام پرچہ جاری رہے گا، تو اب یہ پوچھتا ہوں کہ قیمت میرے ذمہ واجب عندالشرع ہے یا نہیں؟

---

(۱) کیوں کہ اگر مالک کو دام دئے جانے کی بات معلوم ہے تو مال غصب کا خریدنا لازم نہیں آئے گا اور اگر مالک کو نہ دئے جانے کی بات معلوم ہے تو غصب کا مال خریدنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے:

وإنما يجوز إذا تقدم سبب ملكه على بيعه حتى أن الغاصب لو باع المغصوب ثم ضمنه المالک جاز بيعه، أما لو شراه الغاصب من مالكه أو وهبه له أو ورثه منه لاينفذ بيعه قبله، ولو غصب شيئا وباعه فإن ضمنه المالک قيمته يوم الغصب جاز بيعه لا لو ضمنه قيمته يوم البيع الخ. (شامي، كتاب البيوع، في فصل الفضولي، مكتبه زكريا ٧/ ٣١٥، كراچی ٥/ ١٠٩)

وإن باع المغصوب فضمنه المالک نفذ بيعه، وإن حرره ثم ضمنه لا، أى لو باع الغاصب المغصوب واعتقه ثم ضمنه المالک قيمته نفذ بيعه ولا ينفذ عتقه الخ. (البحرالرائق، كتاب الغصب، جديد زكريا ديوبند ٨/ ٢١٨، کوئٹه ٨/ ١٢٠-١٢١)

ثم إذا ضمن المالک الغاصب قيمة المغصوب وقت الغصب أو وقت البيع والتسليم جاز البيع؛ لأنه تبين أنه باع ملک نفسه والثمن له؛ لأنه بدل ملكه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٣٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : آپ کو انکار کر دینا واجب تھا، خواہ خط بھیج کر خواہ پرچہ واپس کر کے اب قیمت تو واجب نہیں ہوئی لیکن سب پرچوں کا واپس کر دینا واجب ہے(۱) وہ آپ کی مِلک نہیں۔

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

عقد مرابحہ میں ثمن کی مثلیت کی شرط

سوال (۱۷۷۴): قدیم ۳/ ۱۳۲- اس طرف یہ رواج ہے کہ لوگ کپڑا دو طریقہ سے خریدتے ہیں ایک یہ کہ اس کی قیمت میں نقد روپیہ دیتے ہیں، تو جس صورت میں کہ صرف روپیہ دیتے ہیں تو ایک تھان مثلاً چودہ آنے کو لیتے ہیں اور اگر روپیہ وسوت دونوں دیتے ہیں تو ساڑھے چودہ آنے کو لیتے ہیں تو کیا حکم ہے، پس جس شخص نے کپڑا و سوت دونوں دے کر خریدا ہے اس سے اگر کوئی کپڑا فی تھان مثلاً ایک آنہ منافع دے کر خریدے تو وہ منافع چودہ آنے پر لے گا یا ساڑھے چودہ آنے پر، اور اصل قیمت کون معتبر ہو گی؟

الجواب : یہ بیع مرابحت ہے، یہ اسی وقت صحیح ہے جب تمام ثمن نقد یا مثلی ہو، اور دوسرا مشتری وہی دیتا ہو، پس جس صورت میں کچھ نقد اور کچھ سوت کی عوض تھان لیتا ہے، اور دوسرا مشتری سب نقد دیتا ہے، نفع پر بیچنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۵ر محرم ۱۳۲۴ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۲)

---

(۱) **صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق -إلى قوله- المال الحاصل له حرام عليه إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك الخ.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

(۲) **أن يكون رأس المال من المثليات كالمكيلات والموزونات والعدديات المتقاربة، وهذا شرط في المرابحة والتولية ...... فإن كان مما لا مثل له كالعروض لايجوز بيعه مرابحة، ولا تولية ممن ليس العرض في ملكه؛ لأن المرابحة والتولية بيع بمثل الثمن الأول مع زيادة ربح عليه في المرابحة.** (الفقه الإسلامي وأدلته، شرائط المرابحة، مكتبه هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٤٩٣) ←

قیمت پیشگی ادا کرنا

سوال (۱۷۷۵): قدیم ۳/ ۱۳۲- بعض اہل مطابع اشتہار دیتے ہیں کہ فلاں کتاب کے طبع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے، جو صاحب اس قدر قیمت پیشگی بھیج دیں گے وہ اس رعایت کے مستحق ہوں گے یہ معاملہ کیسا ہے؟

الجواب: متاخرین نے جائز رکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرار میں صاحب ردالمحتار نے ذکر کی ہے۔ ج:۴،ص۱۸۔ وبعض عبارته (۱) هذا وهذا: (أي دفع دراهم إلى الخباز والأخذ كل

← **ومنها: أن يكون رأس المال من ذوات الأمثال وهو شرط جواز المرابحة على الإطلاق ...... وبيان ذلك أن رأس المال لايخلو إما أن يكون مما له مثل كالمكيلات والموزونات والعدديات المتقاربة، وإما أن يكون ممالا مثل له من الزرعيات والمعدودات المتفاوتة فإن كان مما له مثل يجوز بيعه مرابحة على الثمن الأول ...... وإن كان مما لا مثل له من العروض لا يجوز بيعه مرابحة ولا تولية ممن ليس ذلك العرض في ملكه.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، شروط بيع المرابحة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٦٢)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب المرابحة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠٦ ـ

(۱) شامی میں مکمل عبارت اس طرح ہے:

دفع دراهم إلى خباز فقال: اشتريت منك مائة منّ من خبز –إلى قوله– ولو أعطاه الدرهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء اشتريت منك يجوز، وهذا حلال، وإن كان نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحا، قلت: ووجهه أن ثمن الخبز معلوم، فإذا انعقد بيعا بالتعاطي وقت الأخذ مع دفع الثمن قبله، فكذا إذا تأخر دفع الثمن بالأولى، وهذا ظاهر فيما كان ثمنه معلوما وقت الأخذ مثل الخبز واللحم، أما إذا كان ثمنه مجهولا فإنه وقت الأخذ لا ينعقد بيعا بالتعاطي لجهالة الثمن. (شامي، كتاب البيوع، مطلب: البيع بالتعاطي، زكريا ديوبند ٧/ ٣١، كراچی ٤/ ٥١٦)

الفتاوى الولوالجية، كتاب البيوع، الفصل الأول، زكريا ديوبند ٣/ ١٤٩ ـ

البحرالرائق، زكريا ديوبند ٥/ ٤٥٨، كوئٹه ٥/ ٢٧٤ ـ ←

یوم خمسة أمناء) حلال، وإن كان نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطى والأن المبيع معلوم، فينعقد البيع صحيحاً اھ
قلت: كذا يقال في هذا أن المبيع لما وجد انعقد البيع فلم يلزم بيع المعدوم.

۴ر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۷)

اخبار غیر معلوم مدت کے لئے کسی مقرر قیمت کے بدلہ میں جاری کرنا جائز نہیں

سوال (۱۷۷۶): قدیم ۳/ ۱۳۳- بعض مالک اخبار کی جانب سے اشتہار ہوتا ہے کہ اس قدر روپیہ داخل کردینے سے تمام عمر کے واسطے اخبار جاری کردیا جاوے گا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں کیونکہ مبیع مجہول ہے(۱)۔

۴ر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۷)

← ومثلها في الحكم: أن يدفع الإنسان إلى البياع الدراهم دون أن يقول له اشتريت وجعل يأخذ كل يوم خمسة أرطال مع العلم بثمنها هذا البيع جائز، وما أكله حلال؛ لأنه وإن كانت نيته الشراء وقت الدفع إلا أنه لا ينعقد بيعا بمجرد النية، وإنما انعقد بيعا الآن بالتعاطي والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ٤٤)

(۱) أن يكون معلوما لكل من العاقدين، وهذا الشرط عند الحنفية شرط صحة ...... ويحصل العلم بكل مايميز المبيع عن غيره ويمنع المنازعة فبيع المجهول جهالة تفضي إلى المنازعة غير صحيح كبيع شاة من القطيع. (الموسوعة الفقهية الكويتية، شروط المبيع ۹/ ۱٥)

الشرط السادس المتعلق بالمبيع أن يكون متعينا معلوما، وهذا شرط لصحة البيع لا لانعقاده فيفسد بيع المجهول جهالة مفضية إلى المنازعة؛ لأنه داخل في بيع الغرر ...... والجهالة قد تكون في جنس المبيع وقد تكون في تعيينه ...... الجهالة في قدر المبيع: أما معرفة مقدار المبيع فشرط لصحة البيع إن كان البيع بمقدار بأن يقع البيع كيلا أو وزنا أو عددا فيجب أن يعرف مقدار المبيع. الخ (فقه البيوع، نعيميه ديوبند ۱/ ۳٦۹-۳۷۱)

يشترط أن يكون المبيع معلوما عند المشتري؛ لأن بيع المجهول فاسد، وذلك لأن جهالة المبيع تفضي إلى النزاع الخ. (شرح المجلة، الباب الثاني بيان المسائل المتعلقة بالمبيع، الفصل الأول: في شروط المبيع وأوصافه، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۹۷، رقم المادة: ۲۰۰) ←

نقلی چیزوں کو نقلی ظاہر کر کے فروخت کرنا

سوال (۱۷۷۷): قدیم ۳/ ۱۳۳- گھی، عنبر، مشک وغیرہ مصنوعی تیار کیا جاوے اور یہ کہہ کر یہ اصلی نہیں مصنوعی ہے کم قیمت پر اس کو فروخت کیا جاوے کیا یہ بھی دھوکہ وخداع ونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ دھوکہ نہیں ہے جائز ہے(۱) البتہ ورع کے خلاف اس لئے ہے کہ مشتری سے خداع کا احتمال ہے، اور اس کی بیع ایک درجہ میں اس کا سبب ہے۔ (حوادث اول وثانی ص ۲۱)

اشتہاری کتابوں کو قیمت مندرجہ اشتہار سے زائد پر فروخت کرنا

سوال (۱۷۷۸): قدیم ۳/ ۱۳۳- کسی کتاب کا رعایتی اشتہار شائع کر دینے کے بعد

← **وشرط لصحته معرفة قدر مبيع، وفي الشامية: فخرج ما لو كان قدر المبيع مجهولا أي جهالة فاحشة، فإنه لا يصح.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب: ما يبطل الإيجاب سبعة، زكريا ديوبند ۷/ ۴۸، كراچی ۴/ ۵۲۹)

ومنها: أن يكون المبيع معلوما ...... فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح كبيع شاة من هذا القطيع. (هندية، كتاب البيوع، الباب الأول: في تعريف البيع، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۳، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۶)

(۱) **عن حكيم بن حزام عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، فإن صدقا وبينا بورك لهما. الحديث (الصحيح لمسلم) قال العلامة النوويؒ: أي بين كل واحد لصاحبه ما يحتاج إلى بيانه من عيب ونحوه في السلعة والثمن وصدق في ذلك.** (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار الملجس للمتبايعين، النسخة الهندية ۲/ ۶)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، فإن صدقا أي في صفة المبيع والثمن وما يتعلق بهما وبينا أي عيب الثمن والمبيع بورك أي كثر النفع لهما في بيعهما أي وشرائهما أو المراد في عقدهما، وإن كتما وكذبا محقت أي ازيلت وذهبت بركة بيعهما. (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الأول، إمداديه ملتان ۶/ ۵۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایسے شخص سے جس کو وہ اشتہار نہیں ملا اور بدیں وجہ وہ سابق پوری قیمت پر کتاب کی فرمائش کرتا ہے، پوری قیمت لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا اشتہار ایک وعدۂ عام ہے، جس میں کسی کی اطلاع وعدم اطلاع برابر ہے پس جو حکم اشتہار دیکھنے والے کا ہے وہی نہ دیکھنے والے کا یعنی دونوں صورتوں میں بیع حلال ہے(۱) اور خلف وعدہ کی کراہت لازم ہے(۲)۔ (حوادث اول وثانی ص۲۱)

خرید غلہ کے وقت نرخ طے نہ کرنا

سوال (۱۷۷۹): قدیم ۳/ ۱۳۳۳- اکثر دیہات میں یہ قاعدہ ہوگیا ہے کہ غلہ خواہ بغرض تجارت یا بغرض خرچ یومیہ کاشتکار سے خرید کروہ نرخ جس وقت اکتیج کا نرخ مقرر ہو اس وقت طے کرتے ہیں، بغیر طے ہونے خرچ اکتیج کے کاشتکار ہرگز نرخ طے نہیں کرتے ہیں، میں نے کچھ غلہ امسال خریدا باوجودیہ کہ میں زمیندار ہوں مگر کاشتکاروں نے نرخ طے نہیں کیا، اور غلّہ دیتے رہے، جب اکتیج گردنواح میں طے ہوگئی تب کہا کہ اکتیج کے بھاؤ دیں گے، میں نے انکار کیا یعنی علیحدہ نرخ اب طے کروں گا، غرض کہ اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا، ایسے موقع پر اکتیج کا نرخ جائز ہوسکتا ہے، اب تو عام رواج یہی ہوگیا ہے؟

---

(۱) **البيع هو مبادلة المال بالمال بالتراضي ...... ويلزم بإيجاب وقبول.** (النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ۳/ ۳۳٤-۳۳۷)

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول...... وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۸-۲۰)

البيع مبادلة مال بمال وينعقد بإيجاب وقبول ...... وإذا وجد الإيجاب والقبول لزم البيع. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤-۱۰)

(۲) **عن عبدالله -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له والذي نفسي بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه.** (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۰/ ۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳)

المرأ مؤاخذ بإقراره المرأ يعامل في حق نفسه كما أقر به ولا يصدق على إبطال حق الغير ولا بإلزام الغير حقا المسلمون عند شروطهم. (قواعد أشرفي ديوبند ص: ۱۲۰-۱۲۱)

الجواب: لفظ ''اکتیج'' سمجھ میں نہیں آتا، بہرحال دوسرے وقت پر اس کا رکھنا اور بیع کے وقت طے نہ کرنا حرام ہے(۱)۔

۱۹/شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۱۴)

اس کی تحقیق کہ اگر پارسل شکستہ ہو جاوے تو یہ نقصان بائع کے ذمہ ہے یا مشتری کے

سوال (۱۷۸۰): قدیم ۳/۱۳۴- میں نے ایک دوافروش سے کچھ ادویات مرکب منگائیں تھیں، اس پارسل کی ادویات مجھ کو ٹوٹ پھوٹ کر وصول ہوئیں، چونکہ بذریعہ ویلو پارسل بھیجی گئی تھیں یہ نقصان کس کا ہوگا؟

الجواب: آپ کا ہوا (۲) اگر مرسل نے پارسل بنانے میں متعارف احتیاط کی تھی۔

۲۴/جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۹۸)

---

(۱) **وأما شرائط الصحة فأنواع: منها أن يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة، فإن كان أحدهما مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة فسد البيع الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، شروط صحة البيع، زكريا ٤/ ٣٥٥، كراچی ٥/ ١٥٦)

وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن ...... وخرج أيضا ما لو كان الثمن مجهولا كالبيع بقيمته أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل ما اشتراه فلان الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب: ما يبطل الإيجاب سبعة، زكريا ديوبند ٧/ ٤٨-٤٩، كراچی ٤/ ٥٢٩)

أما شرائط الصحة ...... منها: أن يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح. (هندية، كتاب البيوع، الباب الأول: في تعريف البيع وركن وشرطه، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣، جديد زكريا ٣/ ٦)

(۲) **وإن هلک المشترى في يد الوكيل قبل الحبس هلک على الموكل من غير ضمان على الوكيل.** (هندية، كتاب الوكالة، الباب الثاني: في التوكيل بالشراء، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٥٨٧، جديد زكريا ٣/ ٤٩٨)

إن هلک المشترى في يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله يهلک على مال المؤكل لا الوكيل. (مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣١٩) ←

ریاست سے سوختہ خریدنا

سوال (۱۷۸۱): قدیم ۳/ ۱۳۴- تمام ریاستوں میں خواہ وہ ہندو کی ریاست ہو یا مسلمان کی محکمہ جنگلات قائم ہیں، اور ان میں خودرو گھاس اور خودرو چھوٹے بڑے درخت کٹوا کر جمع کرائے جاتے ہیں، اور رعایا کے ہاتھ فروخت کئے جاتے ہیں، یہ لین دین شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: جب ریاست نے کٹوا کر قبضہ کرلیا وہ ریاست کی مِلک ہوگئے (۱) اب اگر رعایا کے

← **فلو هلک في يده قبل حبسه هلک من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن الوكيل في القبض عامل للمؤكل فيصير قابضا بقبض الوكيل حكما فما لم يمنعه منه لا يكون مستردا له، فإذا هلک هلک من مال الآمر فكان له أن يرجع عليه.** (زيلعي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع و الشراء، زكريا ديوبند ٥ / ٢٥٨، إمداديه ملتان ٤ / ٥٦١)

فإن هلک المبيع في يده قبل حبسه هلک من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإذا لم يحبسه يصير المؤكل قابضا بيده. (هدايه، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ٣/ ١٨٢)

وإن هلک المشترى في يد الوكيل قبل الحبس يهلک على الآمر. (خلاصة الفتاوى، كتاب الوكالة، الفصل الخامس: في الوكالة بالشراء، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤ / ١٥٨)

(۱) **وإذا غلب الترک على الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها؛ لأن الاستيلاء قد تحقق كالاستيلاء على الحطب والكلاء.** (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، أشرفی ديوبند ٢/ ٥٨٠)

إذا سبي الترک الروم وأخذوا أموالهم ملكوها؛ لأن الاستيلاء قد تحقق في مال مباح وهو السبب. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب استيلاء الكفار، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٤١)

اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل كبيع وهبة وخلافة كإرث، وإصالة وهو الاستيلاء. (درمختار مع الشامي، كتاب الصيد، زكريا ديوبند ١٠/ ٤٧، كراچی ٦/ ٤٦٣)

أسباب التملک ثلاثة: الأول الناقل للملک من مالک إلى مالک آخر كالبيع والهبة، والثاني أن يخلف واحد لآخر كالإرث، والثالث إحراز شيء مباح لا مالک له. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٧٩، رقم المادة: ١٢٤٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہاتھ فروخت کریں جائز ہے(۱)۔ ۹ رشوال ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۲۱)

جو چیز کسی دوسرے کے نام پر فرضی طور سے خریدی جاوے وہ اس کی ملک نہیں ہوتی

سوال (۱۷۸۲): قدیم ۳/ ۱۳۴- قاضی محمد یعقوب وقاضی محمد یوسف وقاضی محمد اسحاق تین بھائی تھے، قاضی محمد یعقوب نے ایک علاقہ اپنی لڑکی اور اپنے ایک بھتیجے عبدالسّلام ابن قاضی محمد اسحاق کے نام خرید کیا، اور داخل خارج بھی انہیں دونوں کے نام کر دیا، قیمت اس علاقہ کی اس طریقہ پرادا کی کہ بائع کے حق میں ایک دستاویز لکھ دی جس میں انہوں نے یہ نہیں لکھا: کہ یہ دستاویز قیمت ہے اس علاقہ کی جوان کی لڑکی اور بھتیجے کے نام خریدا گیا ہے، بلکہ یہ لکھا کہ یہ قرضہ میں اپنی ذاتی ضروریات کے لئے مثلاً ادائیگی مال گذاری وقرضہ ذاتی ودیگر ضروریات خانگی کے لئے لے رہا ہوں، اور اپنی ذاتی جائیداد وغیرہ اس قرضہ کی علت میں مکفول ومستغرق کر دیا دستاویز بیع نامہ ودستاویز قرضہ غالباً ایک ساتھ ہی لکھی گئی یا دو تین روز کا فرق ہوگا، قاضی محمد یعقوب صاحب کا انتقال ہوگیا، انہوں نے علاوہ اس علاقہ کے اور جائیداد بھی چھوڑی ہے، اب یہ سوال ایسا پیدا ہوا ہے:

(۱) آیا اس علاقہ میں جو خریدا گیا ہے ان کے ورثاء، شرع محمدی کی رُو سے حصّہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر حصہ ان کو نہیں مل سکتا تو کیا وہ قرضہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوي شريف، رشيديه دهلي ۱/ ۷)

يتصرف المالک في ملكه كيف شاء. (البناية شرح هداية، أشرفيه ۸/ ۲۱۹)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل بيان ما يبطل به الخيار، كراچی ۲/ ۳۲۷، زكريا ۲/ ۶۳۸)

أن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، زكريا ۷/ ۱۰، كراچی ۴/ ۵۰۲)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: کسی کے نام جائیداد خرید نے سے شرعاً اس کی ملک نہیں ہوتی، کیونکہ خرید نے کے قبل تو دوسرے کی ملک تھی غیر کی ملک میں تصرف ہبہ وغیرہ کا نافذ نہیں ہوتا (۱) اور بعد خرید نے کے کوئی عقد موجب انتقال پایا نہیں گیا، اس بناء پر شرعاً وہ جائیداد قاضی محمد یعقوب کی ملک ہے، اور زر ثمن بھی انہیں کے ذمّہ ہے، جس کے واسطے دستاویز قرضہ لکھ دی ہے، پس بائع کا قرضہ ادا کر کے باقی جائیداد مشتری کی سب ورثہ شرعی کو ملے گی، بقدر حصص شرعیہ۔

في الدرالمختار: بيع الفضولي قيد بالبيع؛ لأنه لو اشترى لغيره نفذ عليه.

اشرف علی ۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث ا،۲ ص ۱۲۷)

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے جو درمختار کی عبارت نقل فرمائی اس کے ذیل میں شامی نے کافی لمبی بحث کی ہے، اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

نفذ عليه أي على المشتري ولو أشهد أنه يشتريه لفلان، وقال فلان: رضيت، فالعقد للمشتري؛ لأنه إذا لم يكن وكيلا بالشراء وقع الملك له ولا اعتبار بالإجازة بعد ذلک؛ لأنها إنما تلحق الموقوف لا النافذ، فإن دفع المشتري إليه العبد وأخذ الثمن كان بيعا بالتعاطي بينهما وإن ادعى فلان أن الشراء كان بأمره وانكر المشتري فالقول لفلان؛ لأن الشراء بإقراره وقع له الخ. (شامي، كتاب البيوع، فصل: في الفضولي، مكتبه زكريا ٧/ ٣١٥، كراچی ٥/ ١٠٩)

حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس صورت میں لکھا ہے کہ جب پہلے سے جس کے نام سے خریداری ہو رہی ہے، اس کے ساتھ کوئی بات چیت طے نہ کی ہو؛ لیکن پہلے سے بات چیت طے ہو جائے اور جس کے لئے خریداری ہو رہی ہے اس نے اس کی اجازت بھی دے دی ہے تو خرید نے والا ایجاب وقبول کے لئے وکیل بن جائے گا، جیسا کہ شوہر نے بیوی کے لئے خریدا ہے اور پہلے سے بات چیت آپس میں طے ہوگئی یا باپ نے بیٹے یا بیٹی کے لئے خرید نے کے لئے پہلے سے بات چیت طے کر لی ہے اور شوہر اور باپ کو وکیل کے درجہ میں بنا دیا ہے تو شوہر یا باپ ایجاب وقبول کے لئے وکیل شمار کیا جائے گا، جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

إلا إذا كان المشتري صبيا أو محجورا عليه فيوقف هذا إذا لم يضفه الفضولي إلى غيره فلو أضافه فإن قال: بع هذا العبد لفلان، فقال البائع: بعته لفلان توقف الخ، تحته في الشامية: هذا أي نفاذ الشراء على الفضولي الغير المحجور قوله: فقال البائع بعته لفلان، أي وقال الفضولي: اشتريت لفلان كما في البزازية وغيرها؛ لأن قوله: بع أمر لا يصلح إيجاباً، ←

جو کتاب اپنے پاس نہ ہو اور فہرست میں درج کردی جائے اس کا حکم

سوال (۱۷۸۳): قدیم ۳/ ۱۳۵- کتاب موجود نہ ہو فہرست میں اس کا نام ڈال دینا کہ اہتمام کر کے فرمائش پر دیدیں گے، جائز ہے یا نا جائز؟

الجواب: یہ معاملہ اس تاویل سے صحیح ہوسکتا ہے کہ فرمائش کو ایجاب نہ کہا جاوے، کیونکہ اس وقت مبیع ملک بائع سے معدوم ہے (۱) بلکہ بائع کی روانگی کو ایجاب اور صاحب فرمائش کے وصول کو قبول کہا جاوے، البتہ اس پر یہ التزام کرنا پڑے گا کہ اگر صاحب فرمائش وصول نہ کرے بلکہ واپس کردے تو بائع اس پر جبر نہیں کرسکتا (۲)۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث ا، ۲ص ۱۳۷)

← **وفي الفتح: قال: اشتريت لأجل فلان، فقال: بعت أو قال المالك ابتداء بعته منك لأجل فلان، فقال: اشتريت لم يتوقف؛ لأنه وجد نفاذا على المشتري؛ لأنه أضيف إليه ظاهرا.** (درمختار مع الشامي، زكريا ديوبند ٧/ ٣١٥-٣١٦، كراچی ٥/ ١٠٩)

لہٰذا ایسی صورت میں جس کے نام سے خریدا ہے وہی مالک ہو جائے گا، ایجاب وقبول کرنے والا مالک نہ ہوگا۔

(۱) **عن حكيم بن حزام قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي.** (ترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم، وفي الشامية: قوله: لبطلان بيع المعدوم إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا ما لا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمي مكرم شرعا ولو كافرا، زكريا ديوبند ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩)

ومنها: أن يكون مملوكا؛ لأن البيع تمليك فلا ينعقد فيما ليس بمملوك. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، أرض الموات، زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٩، كراچی ٥/ ٤٦)

نص الفقهاء على أن من شروط انعقاد البيع أن يكون المبيع مملوكا للبائع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٨)

(۲) **إذا قال البائع، بعتك هذا بكذا، فالآخر بالخيار إن شاء قبله وإن شاء رده؛** ←

بیع مرابحہ مع توکیل اور بعض معاملات کا بحکم سود ہونا

سوال (۱۷۸۴): قدیم ۳/ ۱۳۵- زید اپنی آسامیوں سے کہہ دیتا ہے کہ قرب وجوار میں مویشیاں گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ تلاش کر کے اپنی اپنی پسند کا جانور طے کرآ ؤ، پھر ہم روپیہ لے کر چلیں گے، نقداً خرید کر کے اپنی ملک کرلیں گے، بعدہ، فورانی روپیہ ۴ نفع جوڑ کر ادھار بوعدہ ایک سال تم کو دیدیں گے، جس جانور کو جو شخص قیمتاً طے کرآوے گا، وہ جانور اسی شخص کو ادھار نفع پر دیا جاوے گا، اس طرح آسامیوں کی مدد سے خرید کر ادھار دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی چند صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ہے، ایک صورت یہ کہ زید نے آسامی کو خرید نے کا وکیل بنادیا، اور آسامی نے زید کے لئے خریدا، اس صورت میں مواشی ملک زید کی ہوگی (۱) اور زید کو

← **لأنه مخير غير مجبور.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۹)

وأما صفة الإيجاب والقبول: فهو أن أحدهما لا يكون لازما قبل وجود الآخر فأحد الشطرين بعد وجوده لا يلزم قبل وجود الشطر الآخر حتى إذا وجد أحد الشطرين من أحد المتبايعين فالآخر خيار القبول، وله خيار الرجوع قبل قبول الآخر. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، صفة الإيجاب والقبول، زكريا ديوبند ٤/ ٣١٩، كراچی ٥/ ١٣٤)

يرى بعض الفقهاء مثل الحنفية أن للموجب حق الرجوع قبل القبول. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/ ٢٠٣)

(۱) **لو قال: اشتر لي ...... أو ما يسر لک من الثياب والدواب صح.** (فتاوى هندية، كتاب الوكالة، الباب الثاني: في التوكيل بالشراء، قديم زكريا ٣/ ٥٧٣، جديد زكريا ٣/ ٤٨٧)

وإن بشراء شيء بغير عينه فالشراء للوكيل إلا إذا نواه للمؤكل وقت الشراء، وتحته في الشامية: وحاصلها: أنه إن أضاف العقد إلى مال أحدهما كان المشتري له، وإن أضافه إلى مال مطلق، فإن نواه للآمر فهو له، وإن نواه لنفسه فهو له. (درمختار مع الشامي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٢، كراچی ٥/ ٥١٨)

وفي غير المعين هو للوكيل يعني لو اشترى الوكيل بشراء شيء غير معين شيئا يكون الشراء للوكيل إذ الأصل أنه يعمل لنفسه إلا إن أضاف العقد إلى مال الموكل بأن قال: اشتريت بهذا الألف وهو مال الآمر أو أطلق العقد بأن قال: اشتريت فقط الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء بيروت ٣/ ٣٢٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کے بعد اختیار ہوگا خواہ آسامی کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے، اور اسی طرح آسامی کو اختیار ہوگا کہ خواہ زید سے خریدے یا نہ خریدے کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا، تو اس صورت میں اگر آسامی اپنی خوشی سے زید سے نفع پر خریدے تو جائز ہے (۱) اس میں سود وغیرہ کا کوئی شبہ نہیں، دوسری صورت یہ کہ زید نے آسامی کو وکیل خریدنے کا نہیں بنایا، صرف پسند کرنے کے لئے بھیج دیا، اور آسامی نے مالک مواشی سے کوئی گفتگو جس سے خریداری سمجھی جاوے نہیں کی، یہاں تک کہ مالک مواشی بھی سمجھتا ہے کہ ابھی مجھ سے نہیں خریدا ہے میں بھی بیچنے کا مختار ہوں، اور دوسرا بھی خریدنے نہ خریدنے کا مختار ہے۔ اس کے بعد زید نے آکر خود خریدا اور پھر خرید کر نفع پر آسامی کے ہاتھ ان کی خوشی سے بیچ دیا، اور مثل پہلی صورت کے یہاں بھی ہر ایک بیچنے اور خریدنے میں آزاد ہے یہ صورت بھی جائز ہے (۲) کوئی شبہ نہیں، تیسری صورت یہ ہے کہ آسامی نے اپنے طور پر جا کر مواشی کو اپنے لئے خرید لیا، اور زید نے صرف جا کر اس کی قیمت آسامیوں کے کہنے سے ادا کردی، اس صورت میں ابتداء ہی سے وہ مواشی ملک آسامی کی ہوگا۔ اور زید کو ادائے ثمن کرنا یہ گویا آسامی کو روپیہ قرض دینا ہوگا، جب قرض ہے تو ظاہر ہے کہ نفع لینا صریح سود ہے اور حرام ہے (۳)۔

۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ا، ۲ ص ۱۴۵)

---

(۱) المرابحة نقل ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح، والتولية نقل ماملكه بالعقد الأول بالثمن الأول من غير زيادة ربح، والبيعان جائزان لاستجماع شرائط الجواز. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة، أشرفيه ٣/ ٧١)

(۲) المرابحة بيع بمثل الثمن الأول وزيادة ربح -إلى قوله- والكل جائز. (فتاوى هندية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر: في المرابحة، قديم ٣/ ١٦٠، جديد زكريا ٣/ ١٥٦)

(۳) عن ابن مسعود -رضى الله عنه- عن أبيه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وشاهديه وكاتبه، وقال: هم سواء. (أبوداؤد، باب في أكل الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٣٣)

صحيح مسلم، باب الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢) ←

رشوت دے کر سرکاری مال ملازمین سرکار سے خریدنا

سوال (۱۷۸۵): قدیم ۳/ ۱۳۶- ایک شخص ملازم انگریزی رشوت دے کرٹھیکہ بنانے ظروف آہنی کا لیتا ہے اور چند روز استعمال سرکاری بعد بلا ناقص ہوئے ان ظروف کو ناقص کرا کے ارزاں نیلام کرادیتا ہے، اور وہ شخص ٹھیکہ دار خود ہی خرید کراور کچھ روغن وغیرہ سے ان کو نیا ظاہر کر کے اسی ملازم سرکاری کی معرفت پورے داموں کوفروخت کرتا ہے، اس شخص کا مال فعل حرام رشوت دھوکہ دہی سے حرام ہوگا، یامکروہ، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس کافعل حرام موجب گناہ ہے۔مگراس بیع کے ثمن میں کچھ نقصان وکراہت نہیں، اس لئے کہ عقد صحیح ہے۔اور ملازم سرکاری وکیل بیع ہے، اور وکیل بیع کو قیمت سے کم ثمن پر بیع کرنے کا اختیار ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے مال میں کراہت تحریم ہے اور شخص مذکور کے مال مذکور میں بیع جائز واجرت جائز کا بھی مال ملا ہوا ہوتو اس کی دعوت کھانی بلا کراہت تحریم جائز ہے یانہیں، اور مال مذکور میں جائز مال نہ ہوتو اس کوزکوۃ اس مال کی دینی واجب ہے یانہیں؟

الجواب: یہ فعل بھی حرام ہے اور وہ ثمن بھی حرام ہے (۱) اور یہ سمجھنا علی الاطلاق غلط ہے کہ

← **كل قرض جر نفعا حرام.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦)

(۱) **عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا.** (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

أبوداؤد شريف، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢۔

اتفق الفقهاء على أن الغش حرام سواء أ كان بالقول أم بالفعل؟ وسواء أ كان بكتمان العيب في المعقود عليه أو الثمن أم بالكذب والخديعة، وسواء أ كان في المعاملات أم في غيرها من المشورة والنصيحة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣١/ ٢١٩)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، في جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، مكتبه سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٥٩، رقم: ٥٩)

شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وکیل بالبیع کو قیمت سے کم ثمن پر بیع کرنے کا اختیار ہے، یہ اختیار تو مستفاد ہوا ہے مؤکل ہی سے، جس امر کا مؤکل نے اختیار نہ دیا ہو ہرگز اختیار نہ ہوگا (۱) اور یہاں دلیل قائم ہے اس کی کہ اس بیع بالاقل اور اسی طرح اشتراء بعد التمویہ کی اجازت مؤکل نے نہیں دی، کیونکہ اگر اس کو معلوم ہو کہ اس طور پر یہ بیع وشراء ہوتا ہے ہرگز اس کو جائز نہ رکھے گا، پس اس امر کا یقیناً معلوم ہونا دلیل ہے عدم اذن کی (۲) پس یہ مال حرام ہوگا، لیکن مملوک ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب (۳) ہوگی، اور دعوت اس وقت جائز ہے جب اس مال سے زائد حلال ہو (۴)۔

۱۵/رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ا۲ص۱۴۷)

سکّہ غالیہ کا عرف کے ساتھ مقید ہونا

سوال (۱۷۸۶): قدیم ۳/۱۳۷- مؤ میں اکثر گورکھپوری پیسہ چلتا ہے، کبھی تو ایک روپے کا بیس گنڈہ ملتا ہے، تو ایک آنے کے پانچ پیسے ہوئے، اور کبھی اکیس گنڈے تو ایک آنہ کے ۵ $\frac{1}{۲۱}$

---

(۱) **الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره.** (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۳۶۹)

الوكيل يتصرف بتفويض الموكل فيملك قدر ما فوض إليه. (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، بيان حكم التوكيل، زكريا ديوبند ۵/ ۴۸۲)

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالته أو ولايته عليه.** (شرح المجلة اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

(۳) نوٹ: ”ہر کتاب میں مال حرام پر زکوۃ واجب نہیں ہے“ لکھا ہوا ہے؛ لہٰذا اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

(۴) **أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات قديم ۵/ ۳۴۲، جديد زكريا ۵/ ۳۹۶)

ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور إلا إذا علم أن أكثر ماله من حل بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به، وفي البزازية: غالب مال المهدى إن حلالا لا بأس به بقبول هديته وأكل ماله الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب بيروت ۴/ ۱۸۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پیسے ہوئے اور مؤ کے خریداروں کا قاعدہ ہے کہ ہر صورت میں ایک آنہ کے پانچ پیسے دیں گے، اور کوڑی ہر گز نہ دیں گے، البتہ اگر تین دو کڑے سے زیادہ کوڑی ہو جاوے تو ایک پیسہ مسلّم دیں گے، اور اگر اس سے کم ہو تو کچھ نہیں دیں گے، اور یہ بات درمیان بائع اور مشتری کے پنچائتوں میں طے ہو چکی ہے، ساتھ ہی اس کے اکثر بیچنے والوں کو بوجہ کوڑی نکل جانے کے افسوس ہوتا ہے۔ بعض دفعہ تو کچھ کہہ بھی دیتے ہیں، تو آیا اس کوڑی لینے سے معاوضہ قیامت کے روز کا باقی رہے گا یا نہیں، اور یہ سلب حق الغیر ہے یا نہیں، اور "المعروف کالمشروط" کے قاعدے سے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب: اگر یہ عرف مشہور عام ہے تو المعروف کالمشروط کے قاعدے سے یہ بیع اسی طریق کے ساتھ جائز ہے اور کچھ مواخذہ نہیں (١) اور اگر مشہور عام نہیں ہے تو قبل بیع اس کا ظاہر کر دینا واجب ہے (٢)۔

٩ر شوال ١٣٣٢ھ (حوادث ا ٢ص ٥٥)

---

(١) **المعروف بالعرف كالمشروط شرطا.** (قواعد الفقه، أشرفی دیوبند ص: ١٢٥)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي قديم ص: ٣٨)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٥٢)

(٢) **اتفق الفقهاء على وجوب تسمية الثمن في عقد البيع، وأن يكون مالا ومملوكا للمشتري ومقدور التسليم ومعلوم القدر والوصف.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٦)

وإن استوى رواجها لا ماليتها بأن يكون بعضها أفضل من بعض فسد البيع للجهالة المفضية إلى النزاع ما لم يبين أنه من أي نوع، فإذا بين تندفع الجهالة المانعة من التسليم فيصح. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٤)

وإن اختلفت النقود فسد إن لم يبين وهذا إذا كان الكل في الرواج سواء وفي المالية مختلفة؛ لأن مثل هذه الجهالة مفضية إلى المنازعة فتفسد إلى أن ترفع بالبيان، فإن كانت في الرواج مختلفة ينصرف إلى غالب نقد البلد على ما بينا الخ. (زيلعي، كتاب البيوع، زكريا ديوبند ٤/ ٢٨١، كراچی ٤/ ٥)

وإن استوى رواجها لا ماليتها فسد البيع للجهالة ما لم يبين المشتري أحد النقود في المجلس ويرضى به البائع لارتفاع المفسد الخ. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع بيروت ٣/ ١٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ویلو کی حقیقت اور نقصان ہو جانے کی صورت میں ضمان اس کا کس پر ہے اس کی تحقیق

سوال (۱۷۸۷): قدیم ۳/۱۳۷- میں نے ایک فرمائش بذریعہ ویلوڈ گوارہ ضلع چھپرہ خوب لعل خیمہ فروش کے پاس روانہ کیا، مال ریل میں تین تھان نکل گیا، اس کا نقصان مجھ کو دینا ہوگا یا خوب لعل خریدار مال کو، دوسرے یہ کہ میں نے ہر خریدار سے کہہ دیا ہے کہ ریل میں جس کسی کا مال چوری جائے گا میں نہیں دونگا، مگر مذکورہ بالا خریدار سے یہ اقرار نہیں ہے، شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عرف تجار سے خصوص اس امر سے کہ ویلو کے ضائع ہونے کے وقت اہل ڈاک سے مطالبہ مال بھیجنے والا ہی کرتا ہے منگانے والا نہیں کرتا، یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ڈاک وکیل بائع کے ہیں مشتری کے نہیں، جب یہ لوگ مشتری کو دیتے ہیں اس وقت بیع ہوتی ہے، تو اس کے قبل چونکہ وہ مال بائع کا ہے اس لئے جو نقصان ہوگا اسی بھیجنے والے کا ہوگا (۱)۔

۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲ص ۱۶۲)

---

(۱) المسألة الثانية: هل يعتبر البريد وكيلا للبائع أو وكيلا للمشتري؟ والظاهر أن هذا الأمر موقوف على ما يتفق عليه الطرفان والمتصور من هذه الجهة ثلاثة صور -إلى قوله- الصورة الثالثة: أن لا يكون في التعاقد بينهما تصريح وطلب المشتري من البائع أن يبعث إليه المبيع عن طريق البريد ولم يصرح أحدهما بتحديد مسئولية البائع هل هي بقدر إيصاله إلى البريد فقط أو بإيصاله إلى المشتري؟ وفي هذه الصورة أفتى جمع من العلماء بأن البريد وكيل للبائع -إلى قوله- وأما في الصورة الثالثة: فقد أفتى الإمام الشيخ أشرف علي التهانوي والمفتي الأكبر الشيخ عزيز الرحمن العثمانيؒ بأن البائع هو الضامن بناء على أن البريد وكيل للبائع، والذي يظهر لي أن الحكم عند عدم تصريح العاقدين يرجع إلى العرف، فإن كان عرف التجار أن البريد وكيل للبائع فالحكم كما ذكره الشيخانؒ من كونه ضامنا -إلى قوله- والظاهر أن العرف في الإرسال عن طريق البريد هو ما ذكره الشيخان فلا ينتقل به ضمان المبيع إلى المشتري الخ. (فقه البيوع، المبحث الحادي عشر: في أحكام الإيراد والاستيراد، نعيميه ديوبند ۲/ ۱۰۷۷-۱۰۷۹) ←

ماہواری رسالہ یا اخبار ڈاکخانہ سے ضائع ہوجاوے تو مکرر لینا جائز ہے

سوال (۱۷۸۸): قدیم ۳/ ۱۳۸- رسائل ماہواری جو رسال ہوا کرتے ہیں وہ اگر ڈاک میں ضائع ہوجاویں تو مشتری بائع سے دوبارہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، شرعی حکم اس باب میں کیا ہے؟

الجواب: پورا شرح صدر تو ہے نہیں لیکن قواعد سے رجحان اس طرف ہے کہ دوبارہ طلب کرسکتا ہے (۱)۔

← **وإن هلك المشترى في يد الوكيل قبل الحبس هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل.** (فتاوى هندية، كتاب الوكالة، الباب الثاني: في التوكيل بالشراء، قديم ٣/ ٥٨٧، جديد زكريا ٣/ ٤٩٨)

إن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله يهلك على مال المؤكل لا الوكيل. (مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع و الشراء، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣١٩)

فلو هلك في يده قبل حبسه هلك من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن الوكيل في القبض عامل للموكل فيصير قابضا بقبض الوكيل حكما فما لم يمنعه منه لا يكون مستردا له، فإذا هلك هلك من مال الآمر فكان له أن يرجع عليه. (زيلعي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع و الشراء، زكريا ٥/ ٢٥٨، إمداديه ملتان ٤/ ٥٦١)

فإن هلك المبيع في يده قبل حبسه هلك من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإن لم يحبسه يصير المؤكل قابضا بيده. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، اشرفي ديوبند ٣/ ١٨٢)

وإن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل الحبس يهلك على الآمر. (خلاصة الفتاوى، كتاب الوكالة، الفصل الخامس: في الوكالة بالشراء، أشرفى ٤/ ١٥٨)

(۱) **المسألة الثانية: هل يعتبر البريد وكيلا للبائع أو وكيلا للمشتري؟ والظاهر أن هذا الأمر موقوف على ما يتفق عليه الطرفان والمتصور من هذه الجهة ثلاثة صور -إلى قوله- الصورة الثالثة: أن لا يكون في التعاقد بينهما تصريح وطلب المشتري من البائع أن يبعث إليه المبيع عن طريق البريد ولم يصرح أحدهما بتحديد مسئولية البائع هل هي بقدر إيصاله إلى البريد فقط أو بإيصاله إلى المشتري؟ وفي هذه الصورة أفتى جمع من** ←

لأن الظاهر أن عملة البوسطة وكلاء للبائع لا للمشترى، فلير اجع إلى العلماء الآخرين. فقط۔ ١٤ رمحرم ١٣٣٣ھ (حوادث خامسہ ص ٢٤)

← العلماء بأن البريد وكيل للبائع -إلى قوله- وأما في الصورة الثالثة: فقد أفتى الإمام الشيخ أشرف علي التهانوي والمفتي الأكبر الشيخ عزيز الرحمن العثمانيّ بأن البائع هو الضامن بناء على أن البريد وكيل للبائع، والذي يظهر لي أن الحكم عند عدم تصريح العاقدين يرجع إلى العرف ، فإن كان عرف التجار أن البريد وكيل للبائع فالحكم كما ذكره الشيخانِّ من كونه ضامنا -إلى قوله- والظاهر أن العرف في الإرسال عن طريق البريد هو ما ذكره الشيخان فلا ينتقل به ضمان المبيع إلى المشتري الخ. (فقه البيوع، المبحث الحادي عشر: في أحكام الإيراد والاستيراد، نعيميه ديوبند ٢/ ١٠٧٧-١٠٧٩)

وإن هلک المشتریٰ في يد الوكيل قبل الحبس هلک على الموكل من غير ضمان على الوكيل. (فتاوى هندية، كتاب الوكالة، الباب الثاني: في التوكيل بالشراء، قديم ٣/ ٥٨٧، جديد زكريا ٣/ ٤٩٨)

فلو هلک في يده قبل حبسه هلک من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن الوكيل في القبض عامل للموكل فيصير قابضا بقبض الوكيل حكما فما لم يمنعه منه لا يكون مستردا به، فإذا هلک هلک من مال الآمر فكان له أن يرجع عليه. (زيلعي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٥/ ٢٥٨، إمداديه ملتان ٤ / ٥٦١)

إن هلک المشتریٰ في يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله يهلک على مال المؤكل لا الوكيل. (مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣١٩)

فإن هلک المبيع في يده قبل حبسه هلک من مال المؤكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإن لم يحبسه يصير المؤكل قابضا بيده. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، اشرفي ديوبند ٣/ ١٨٢)

هلک المبيع من يده قبل حبسه هلک من مال مؤكله ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيده. (درمختار مع الشامي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٠، كراچی ٥/ ٥١٦) ←

بیع تعاطی اور پارچہ جس کے اطراف یکساں ہوں اس میں بقدر موصوف بیع کا انعقاد

سوال (١٧٨٩): قدیم ٣/ ١٣٨- پانچ آنے گز کے حساب سے تین گز کپڑا خریدا مشتری نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر مالک کو دینے کی نیت سے پھینکا، مالک گفتگو میں مشغول تھا، مشتری نے باقی چار پیسے مانگے، مالک نے نوکر سے واپسی کے پیسے کا عدد دریافت کر کے مشتری کو دیا، مشتری نے وہ پیسے لئے اور کپڑا اٹھالیا، بیع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بیع تعاطی ہے گو زبان سے ایجاب وقبول نہیں ہوا مگر بیع صحیح ہوگئی (١)۔ فقط

یکم محرم روز جمعہ ١٣٣٣ھ (تتمہ ثالثہ ص ١٢٦)

← **وإن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل الحبس يهلك على الآمر.** (خلاصة الفتاوى، كتاب الوكالة، الفصل الخامس: في الوكالة بالشراء، أشرفى ٤/ ١٥٨)

(١) **وينعقد أيضا بالتعاطي؛ لأن جوازه باعتبار الرضىٰ وقد وجد وحقيقته وضع الثمن وأخذ المثمن عن تراضي منهما في المجلس كما قالوا: وهو يفيد أنه لابد من إعطاء من الجانبين وعليه الأكثر، وأفتى به الحلواني، وفي البزازية: أنه المختار لكن في التنوير ويكتفى بالإعطاء من أحد الجانبين على الأصح إذا لم يصرح مع التعاطي بعدم الرضا، ونص محمد على أن بيع التعاطي يثبت بقبض أحد البدلين، وبهذا ينتظم المبيع والثمن، وفي القاموس وغيره: التعاطى التناول وهو إنما يتقضى الإعطاء من جانب والأخذ من جانب لا الإعطاء من الجانبين الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٧-٨)

وينعقد البيع بالتعاطي وهو التناول في المجلس ولو من جانب به يفتي كما في القبض الخ . (الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٧-٨)

ويلزم أيضا بتعاط وهو التناول كما في القاموس؛ لأن جواز البيع باعتبار الرضى لا بصورة اللفظ وقد وجد فى التعاطي الخ . (النهرالفائق، كتاب البيوع، زكريا ٣/ ٣٤٠)

وقد يكون البيع بالأخذ والإعطاء من غير لفظ ويسمى هذا البيع بيع التعاطي ...... والشرط في بيع التعاطي الإعطاء من الجانبين عند شمس الأئمة الحلواني كذا في الكفاية وعليه أكثر المشايخ الخ. (فتاوى هندية، كتاب البيوع، الباب الثاني: فيما يرجع إلى انعقاد البيع، قديم زكريا ٣/ ٩، جديد زكريا ٣/ ١٢) ←

حکم مرمت گراموفون

سوال (۱۷۹۰): قدیم ۳/ ۱۳۸- خاکسار کا پیشہ گھڑی سازی ہے اس کے علاوہ گراموفون باجہ کی بھی مرمت کیا کرتا تھا، مگر میرے ایک مکرم دوست نے کہا کہ گراموفون کی مرمت کرنا ازروئے شرع شریف ناجائز وممنوع ہے، باجہ مذکور میں مندرجہ ذیل مرمت کی جاتی ہے۔

(۱) اسپرنگ ٹوٹ جائے تو اسے جوڑ دینا یا نیا اسپرنگ لگا دینا۔

(۲) باجے کے چکروں کے دانتوں میں یا چولوں میں کچھ خرابی ہو تو درست کردینا یا نیا چکر لگا دینا۔

(۳) باجے میں گھڑ گھڑاہٹ کی آواز پیدا ہوجائے جس سے ریکارڈ کی آواز میں خلل پیدا ہوتا ہے تو اسے مٹا دینا، الخلاصہ کیا اس آلۂ لہو ولعب کی مرمت کرنے سے راقم الحروف کا شمار بھی لہو ولعب میں مشغول رہنے والوں کی مدد کرنے والوں میں محسوب ہوگا، اور گناہوں میں برابر کا شریک، نامشروعیت کی یہی دلیل میرے دوست نے بیان کی ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں جو حکم ازروئے شرع شریف ہو بیان فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں؟

الجواب: في الهداية: ومن كسر لمسلم بربطا او طبلاً أو مزماراً -إلىٰ قوله- فهو ضامن، وبيع هذه الأشياء جائز، وهذا عند أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا يضمن، ولا يجوز بيعها -إلىٰ قوله- ولأبي حنيفة أنها أموال لصلاحيتها لما يحل من وجوه الانتفاع، وإن صلحت لما لا يحل فصار كالأمة المغنية، وهذا لأن الفساد بفعل

← وأما الفعل فالتعاطي وهو التناول، وفي الشامية: وهو إنما يقتضي الإعطاء من جانب والأخذ من جانب لا الإعطاء من الجانبين كما فهم الطرطوسي أي حيث قال: إن حقيقة التعاطي وضع الثمن وأخذ المثمن عن تراض منهما من غير لفظ ...... ولو التعاطي من أحد الجانبين على الأصح، وبه يفتى صورته أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المتاع ويذهب برضا صاحبه من غير دفع الثمن أو يدفع المشتري الثمن للبائع ثم يذهب من غير تسليم المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، قبيل مطلب: البيع بالتعاطي، زكريا ديوبند ۷/ ۲۷-۲۸، كراچی ۴/ ۵۱۳-۵۱۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فاعل مختار فلا يجب سقوط التقوم، وجواز البيع والتضمين مرتبان على المالية والتقوم، ثم قال: وتجب قيمتها غير صالحة للّهو كما في الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والديك المقاتل (١) الخ (آخر كتاب الغصب) وفيها من آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار –إلى قوله– أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا باس به، وهذا عند أبي حنيفةؒ، وقالا: لا ينبغي أن يكريه لشيء من ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية، وله أن الإجارة ترد على منفعة البيت، ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه (٢)۔ (فصل فی البیع)

---

(١) هداية، كتاب الغصب، فصل: في غصب مالا يتقوم، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٨٨۔

(٢) هداية، كتاب الكراهية، فصل: في البيع، أشرفي ديوبند ٣/ ٤٧٢۔

وضمن بكسر معزف آلة اللهو كبربط ومزمار ودف وطبل وطنبور، ولو لكافر، الأولى ولو لمسلم قيمته صالحا لغير اللهو، وضمن القيمة، وصح بيعها كلها؛ لأنها أموال متقومة لصلاحيتها للانتفاع بها لغير اللهو فلم تناف الضمان كالأمة المغنية ...... فجوزنا البيع، وقلنا: يضمن بالقيمة لا المثل ...... وقالا: لا يضمن ولا يصح بيعها وعليه الفتوى. الخ (درمختار مع الشامي، كتاب الغصب، زكريا ٩/ ٣٠٦-٣٠٧، كراچی ٦/ ٢١١)

لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والحمامة الطيارة، والعصير، والخشب الذي يتخذ منه المعازف. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب: في كراهية بيع ما تقوم المعصية بيعنه، زكريا ٦/ ٤٢١، كراچی ٤/ ٢٦٨)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه، وقالا: لاينبغي ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢-٥٦٣، كراچی ٦/ ٣٩٢)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦۔

البحرالرائق، كتاب الكراهية فصل في البيع، زكريا ٨/ ٣٧١، ٣٧٢، كوئٹه ٨/ ٢٠٢۔

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٧/ ٦٤، كراچی ٦/ ٢٩۔

روایات مذکورہ اپنی علّت سے صورتِ سوال کو مدلول روایات کے ساتھ ملحق کررہی ہیں، اس لئے یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے پس جس شخص کی دوسری وجہ معاش کافی ہو اس کو تو منع کے قول پر عمل کرنا چاہیئے، اور جس شخص کی دوسری وجہ معاش کافی نہ ہو، وہ جواز کے قول پر عمل کرسکتا ہے۔

۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ٦٠٦)

فونوگراف اور آلات لہولعب کی باجرت مرمت کرانا

سوال (۱۷۹۱): قدیم ۳/ ۱۳۹- فدوی آہنگری کا کام کرتا ہے، اس میں بعض لوگ اشیاء غیر مشروعہ بھی برائے مرمت لے آتے ہیں، مثل نقّارہ وفونوگراف وغیرہ تو آیا اُن کی مرمت کردینا عند الشرع جائز ہے یا نہیں، اور جو ان کی اجرت ہوگی وہ کسبِ حلال سمجھی جائے گی یا حرام؟

الجواب: ان اشیاء کی مرمت درست نہیں (۱)۔

۷/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۸۳، حوادث ص ۴۰)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. [المائدة: ٢]

ولا يجوز الاستيجار على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل ولا شيء من اللهو ولا أجر في ذلك؛ لأنها معصية، والإجارة على المعصية باطلة. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الإجارة، الفصل الأول: فيما تجوز الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت وزكريا ٣/ ٣٣٣)

فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم ثبت كراهة بيعها وصيغها لما فيه من الإعانة على ما لايجوز وكل ما أدى إلى ما لا يجوز لا يجوز. (درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ديوبند ٩/ ٥١٨-٥١٩، كراچى ٦/ ٣٦٠)

وعلى هذا يخرج الاستيجار على المعاصي أنه لا يصح؛ لأنه استيجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا كاستيجار الإنسان للعب واللهو وكاستيجار المغنية والنائحة للغناء والنوح. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على المعاصي، زكريا ديوبند ٤/ ٣٩، كراچى ٤/ ١٨٩)

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو، وعلى هذا الحداء، وقراءة الشعر وغيره لا أجر في ذلك، وهذا كله قول أبي حنيفة ←

سرکاری نرخ پر غلّہ خریدنا

سوال (١٧٩٢): قدیم ۳/ ۱۳۹- ضلع میں غلّہ کا نرخ پانچ سیر، پونے پانچ سیر کا تھا، اب اس کا نرخ منجانب گورنمنٹ چھ سوا چھ سیر سُنا جا رہا ہے، ہماری شریعت مقدسہ اس میں یہ کیا حکم فرماتی ہے اس زیادتی کے ساتھ خریدا جائے یا نہ خریدا جائے، تو ان کی نیت میں تو غلّہ خریدتے وقت یہی بات ہوتی ہے کہ گراں ہوگا تب بیچیں گے، جو ارشاد عالی ہو تعمیل کی جائے۔

الجواب: في الدر المختار: لا يسعر حاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا فيسعر بمشورة أهل الرأي، وقال مالک: على الوالى التسعير عام الغلاء، وفي

← **وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى أجمعين.** (فتاوى هندية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: في فساد الإجارة، قديم زكريا ٤/ ٤٤٩، جديد زكريا ٤/ ٤٨٦)

مذکورہ جزئیات حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کے مسئلہ کی تائید کے لئے پیش کئے گئے ہیں، مگر آج کل کے زمانہ میں بین الاقوامی سطح پر ہر مسلمان کو فوٹو کی ضرورت بہت زیادہ ہے؛ کیوں کہ فوٹو کے بغیر دنیا کا کوئی بھی ملک کسی انسان کو اپنے دائرۂ حکومت میں اپنا شہری اس وقت تک تسلیم نہیں کرتا کہ جب تک اس کے پاس فوٹو کے ساتھ نام پتہ نہ ہو۔ اور ٹرین اور جہاز کا سفر بھی اس کے بغیر نہیں ہوسکتا، کسی مدرسہ یا اسکول میں اس کے بغیر داخلہ نہیں ہوسکتا؛ اس لئے ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' (الأشباه والنظائر، قديم: ١٤٠) کے اصول سے فوٹو کی ضرورت ہے؛ لہٰذا فوٹوگراف کی مشین کی بھی ضرورت ہے؛ اس لئے اس کی مرمت کرنا اور اس کی اجرت لینا بھی بلاشبہ جائز ہوگا۔

أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر في التأشيرة، وفي البطاقات الشخصية أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصا، فإن الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة، قال الإمام محمد في السير الكبير: وان تحققت الحاجة به إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله (وقوله) إن المسلمين يتبايعون بدراهم الأعاجم فيها التماثيل بالتيجان ولا يمنع أحد عن المعاملة بذلک الخ. (تكمله فتح الملهم ٤/ ١٦٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الاختيار ثم إذا سعر وخاف البائع ضرب الإمام لو نقص لا يحل للمشتري، وفي ردالمحتار: قوله: ولا يحل للمشتري أي لا يحل له الشراء بما سعره الإمام؛ لأن البائع في معنى المكره كما ذكره الزيلعي: أقول وفيه تأمل؛ لأنه مثل ما قالوا فيمن صادره السلطان بمال ولم يعين بيع ما له، فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه؛ لأنه غير مكره على البيع، وههنا كذلك؛ لأن له أن لا يبيع أصلاً، ولذا قال في الهداية: ومن باع منهم بما قدره الإمام صح؛ لأنه غير مكره على البيع الخ؛ لأن الإمام لم يأمره بالبيع، وإنما أمره أن لا يزيد الثمن على كذا، وفرق ما بينهما فليتأمل (١) اھ(ج ٥، ص ٣٩٤، ٣٩٥)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، فصل: في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٥٧٣-٥٧٤، كراچی ٦/ ٤٠٠۔

ولا يسعر السلطان إلا أن يتعدى أرباب الطعام عن القيمة تعديا فاحشا لقوله عليه السلام: لا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرزاق؛ ولأن الثمن حق البائع فكان إليه تقديره فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين ويتعدون تعديا فاحشا وعجز السلطان عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير فلا بأس به بمشورة أهل الرأى والنظر ...... ومن باع منهم بما قدره الإمام صح؛ لأنه غير مكره على البيع هكذا ذكره صاحب الهداية، وذكر في المحيط وفي شرح المختار أن البائع إن كان يخاف إذا نقص أن يضربه الإمام لا يحل للمشتري ذلك؛ لأنه في معنى المكره الخ.
(زيلعي، كتاب الكراهية فصل في البيع زكريا ٧/ ٦٢-٦٣، إمداديه ملتان ٦/ ٢٨)

ويكره التسعير إلا إذا تعدى أرباب الطعام في القيمة تعديا فاحشا كالضعف وعجز الحاكم عن صيانة حقوقهم إلا بالتسعير فلا بأس به أي بالتسعير بمشورة أهل الخبرة، أي أهل الرأى والبصارة؛ لأن فيه صيانة حقوق المسلمين عن الضياع، فإن باع بأكثر مما سعره أجازه القاضي قيل: إذا خاف البائع أن يضربه الحاكم إن نقص من سعره لا يحل ما باعه لكونه من معنى المكره ...... لكن في الهداية وغيرها: ومن باع منهم بما قدره الإمام صح؛ لأنه غير مكره على البيع. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٤-٢١٥) ←

اس مجموعی عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جواز متردد فیہ ضرور ہے، لیکن اخذ بالجواز میں گنجائش ہے اور اگر کوئی احتیاط کرے تو اس کی ہمت ہے، خلاصہ یہ کہ فتویٰ جواز پر ہے، **وانا اختار شق الجواز لضعف همتي.** اور تقویٰ تحرز میں ہے۔ **وبعض أحبابي اختار شق التقوىٰ لقوة همة.** فقط۔ (حوادث خامسہ ص۲۳)

بعض سرکاری مجامع میں تجارت

سوال (۱۷۹۳): قدیم ۳/۱۴۰- ایک شخص رائے دیتے ہیں کہ دربار انگریزی کی نمائش میں جو بماہ جنوری آئندہ دہلی میں ہونے والا ہے، کوئی دوکان مراد آبادی برتنوں یا اور کسی مال کی کھولی جاوے، یا دربار کے کسی کام کا ٹھیکہ لیا جاوے، احقر نے جواب میں کہا کہ دربار کے کام کا ٹھیکہ اعانت مجمع کفار ہے، اور نمائش بھی ایسی ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ دربار کا ٹھیکہ اعانت ہے، نمائش ایسی نہیں، کیونکہ نمائش بعد ختم دربار ہوگی اس سے غرض دربار کی آرائش نہیں ہے بلکہ ملک کی صنعت وحرفت کی جانچ منظور ہے، جس طرح دیگر اوقات میں مختلف مقامات میں نمائشیں ہوا کرتی ہیں، اس میں حضور کا کیا ارشاد ہے، اگر شرکت ایسے مجمعوں کی ناجائز ہے تو اپنے دواخانہ کے اشتہارات تقسیم کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے، بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے ایسے مجمع کی شرکت واعانت سب حرام ہے(۱) اور جو کسی غرض مباح سے ہو جیسے مجمع مسئول عنہ

← **ولا يسعر السلطان إلا أن يتعدى أرباب الطعام عن القيمة تعديا فاحشا ...... فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا كان أرباب الطعام يحتكرون على المسلمين ويتعدون في القيمة تعديا فاحشا، وعجز السلطان عن منعه إلا بالتسعير بمشاورة أهل الرأى والنظر ...... ومن باع منهم بما قدره الإمام صح؛ لأنه غير مكره على البيع كذا في الهداية، وفي المحيط: إن كان البائع يخاف إذا زاد في الثمن على ما قدره أو نقص في البيع يضربه الإمام أو من يقوم مقامه لا يحل للمشتري ذلك؛ لأنه معنى في المكره الخ.** (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع زكريا ٨/ ٢٧٠-٢٧١، كوئٹه ٨/ ٢٠٢)

(۱) **عن أبي الأسود قال قطع على أهل المدينة بعث فاكتتبت فيه فلقيت عكرمة فأخبرته فنهاني أشد النهي، ثم قال: أخبرني ابن عباس أن اناسا من المسلمين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأتي السهم** ←

کہ محض تزاید سرور واستحکام امر حکومت کے لئے ہوگا، میرے نزدیک اس کا یہ حکم نہیں، ہاں اگر کسی مقتدا کی شرکت سے یہ احتمال ہے کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے ناجائز مجامع کو اس پر قیاس کر کے بداحتیاطی کرنے لگیں گے، وہاں اس عارض کی وجہ سے سدًّا للذرائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا (۱) اور اشتہار تقسیم کرانا تو ہر حال میں جائز ہے، اس کو تکثیر سواد سے کچھ مس نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(حوادث ا، ۲ ص ۷۵)

← **فيرمى فيصيب أحدهم فيقتله أو يضر به فيقتله، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿إن الذين توفاهم الملائكة ظالمى أنفسهم﴾** (النساء: ٩٧، بخاري شريف، باب من كره أن يكثر سواد الفتن والظلم، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤٩، رقم: ٦٨٠٦، ف: ٧٠٨٥)

وقال الحافظ تحت هذا الحديث: قوله: باب من كره أن يكثر سواد الفتن والظلم: أي أهلهما والمراد بالسواد الأشخاص، وقد جاء عن ابن مسعود مرفوعا من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به أخرجه أبو يعلى. (فتح الباری، كتاب الفتن، باب من كره أن يكثر سواد الفتن و الظلم، أشرفي ديوبند ١٣/ ٤٧، دارالريان للتراث ١٣/ ٤١)

من كثر سواد قوم فهو منهم. (كشف الخفاء دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٤٤، رقم: ٢٥٨٧)

الخروج إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلک اليوم كفر، وأكثر ما يفعل ذلک من كان أسلم منهم فيخرج في ذلک اليوم ويوافق معهم فيصير بذلک كافرا ولا يشعر به ...... وما جرت العادة في سمرقند: بنصب أمير نوروز واجتماع الناس وخروجهم إلى آب رحمة واجتماعهم فيه ثلاثة أيام ...... فلا شک أنهم إذا أرادوا تعظيم اليوم بذلک كفروا، وإن أرادو غيره فالأصوب والأوجب تركه. (فتاوى بزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرأو خطأ النوع السادس في التشبيه، جديد ٣/ ١٨٦، على هامش الهندية ٦/ ٣٣)

(۱) دعى إلى وليمة فإذا فيها شربة خمر أو عليه غناء –إلى قوله– إن مقتدى في الدين لا يحضر أصلا؛ لأنه يستدل بحضوره ثمة على جوازه ويحصل جرأة الفسقة على الفسق الخ. (فتاوى بزازية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل، جديد ٣/ ٢٠٦، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٦٤) ←

اہل ہنود سے مٹھائی خریدنا

سوال (۱۷۹۴): قدیم ۳/ ۱۴۱- اہل ہنود کی دکان سے مٹھائی وغیرہ خریدنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس طرح؟

الجواب: اگر ظاہراً کوئی نجاست نہ ہو تو جائز ہے (۱) لیکن اگر اس پر بھی اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچاوے تو زیادہ بہتر ہے (۲)۔ ۸/ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۱۱۶)

← **من دعى إلى وليمة أو طعام فوجد ثمة لعبا أو غناء -إلى قوله- هذا إذا لم يكن مقتدى، فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج، ولا يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين -إلى قوله- هذا كله بعد الحضور ولو علم قبل الحضور لا يحضر ...... ودلت المسألة على أن الملاهي كلها حرام.** (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٥٥)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ٥/ ٣٩٧۔

(۱) **كما يستفاد من هذه العبارة هذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لا يجوز أن يشرب ويأكل منها.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة قديم ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ٥/ ٤٠١)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع ولا لنفاذه ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراؤه -إلى قوله- ولنا عمومات البيع من غير فصل بين بيع العبد المسلم وبين بيعه من الكافر فهو على العموم. (بدائع الصنائع، البيوع، فصل: في شرائط ركن البيع، زكريا ٤/ ٣٢١، كراچى ٥/ ١٣٥)

بيع غير المسلمين، وكذلك لا يشترط لصحة البيع إسلام المتعاقدين فيصح البيع والشراء من غير مسلم سواء كان ذميا أم حربيا أو مستأمنا، ولا بأس بأن يبيع المسلمون من المشركين ما بدا لهم من الطعام والثياب وغير ذلك إلا السلاح والكراع الخ. (فقه البيوع، أحكام بيع غير المسلمين، نعيميه ديوبند ١/ ١٦٦-١٧٤)

(۲) **ويتعين أن لا يشترى المسلم الدقيق من طواحين أهل الكتاب ولا يطحن** ←

دندان ساز کو پیشگی قیمت واجرت لینا

سوال (۱۷۹۵): قدیم ۳/ ۱۴۱- دندان سازی میں ہمارے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ دانت بنوانے والے اصحاب سے کام شروع کرتے وقت نصف یا نصف سے کم قیمت پہلے روز پیشگی لے لیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص دانت بنوا کر لگوانے نہ آئے تو بالکل ہمارا ہی نقصان نہ ہو بلکہ کچھ یا نصف اس کا بھی ہو، کیونکہ ایک شخص کے منہ کی ناپ کے مطابق بنائے ہوئے دانت دوسرے شخص کے منہ میں کبھی نہیں آسکتے گویا یہ امر ناممکن ہے، چنانچہ ایک شخص کے دانت بنانے شروع کئے تھے، جن کی قیمت اٹھارہ روپے مقرر ہوئی تھی، اور پانچ روپے بیعانہ لے کر کام شروع کیا، اب وہ شخص مرگیا ہے، مگر دانت اس کے تیار پڑے ہیں، تو اب اس کے پانچ روپے ہم رکھ سکتے ہیں یا اس کے وارثوں کو واپس کردینے چاہئیں؟

الجواب: في الهداية، مسائل الاستصناع: والصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة والمعدوم قد يعتبر موجودا حكما -إلىٰ قوله- وهذا كله هو الصحيح (۱) في الكفاية فإن قيل لو كان بيعا لما بطل بموت الصانع أو المستصنع (۲) قلنا الخ.

← عندهم لوجوه أحدها ما تقدم من أنه يعين أهل الكفر بذلك، الثاني: أنه يترك إعانة إخوانه المسلمين الخ. (المدخل لابن أمير الحاج، باب النهي عن معاملة الكفار، مطبوعه مصر ٤/ ١٧٤، بحواله فتاوى محموديه ڈابھیل ١٦/ ٦٧، میرٹھ ٢٤/ ٧٠)

(۱) هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ٣/ ١٠٠۔

(۲) كفاية على فتح القدير كوئٹه ٦/ ٢٤٣، زكريا ٧/ ٢٩۔

واختلفوا في جوازه هل هو بيع أو عدة؟ والصحيح أنه بيع لاعدة وهو مذهب عامة مشايخنا، فإن قيل: كيف يجوز أن يكون بيعا والمعدوم لا يصلح أن يكون مبيعا أجاب بأن المعدوم قد يعتبر موجودا حكما كالناسي للتسمية عند الذبح، فإن التسمية جعلت موجودة لعذر النسيان ...... فكذلك المستصنع المعدوم جعل موجودا حكما للتعامل ...... وعورض بأنه لو كان بيعا لما بطل بموت أحد المتعاقدين لكنه يطل بموت أحدهما ذكره في جامع قاضيخان: وأجيب بأن الاستصناع شبها بالإجارة ...... وشبها بالبيع ...... فلشبهه بالإجارة قلنا يبطل بموت أحدهما الخ. (عناية مع فتح القدير، باب السلم زكريا ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢) ←

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے، اول یہ معاملہ وعدہ نہیں بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا، اور انکار کی صورت میں صانع زرِ ثمن رکھ سکتا ہے(١) دوئم یہ کہ ایک کے مرجانے پر وہ معاملہ فسخ ہوجاوے گا، اس صورت میں وصول شدہ روپے کا صانع کے ذمّہ واپس کرنا ضرور ہے(٢)۔

قرب ١٣٣٨ھ (حوادث خامس ص ٣٢)

← **اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع وهو الصحيح.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣/ ٣٢٦)

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي: أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا إجارة على العمل. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢)

صح الاستصناع بيعا لاعدة أي صح على أنه بيع لا على أنه مواعدة ...... قال في النهر: وأورد أن بطلانه بموت الصانع ينافي كونه بيعا، وأجيب بأنه إنما بطل بموته لشبهه بالإجارة. (درمختار مع الشامي، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

(١) إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة: روى عن أبي يوسفؒ إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع، ولا للمستصنع أيضا أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرار بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه وفرى جلده وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرار بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (زيلعي، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ٤/ ٥٢٨، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤)

المغني لابن قدامة بيروت ٤/ ١٦٠، رقم: ٣١٢٨۔

(٢) إذا وقع البيع الباطل وحدث فيه تسليم شيء من أحد الطرفين وجب رده؛ لأن البيع الباطل لا يفيد الملك بالقبض، ويجب على كل من الطرفين رد ما أخذه إن كان باقيا يقول ابن رشد: اتفق العلماء على أن البيوع الفاسدة حكمها الرد أي يرد البائع الثمن، ويرد المشتري المثمن. (الموسوعة الفقهية الكويتية/ ١/ ٥٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مشتری مرجائے تو رقم بیعانہ کی واپسی

سوال (۱۷۹۶): قدیم ۳/۱۴۱- اب ایک اور بات دریافت طلب ہے کہ ایک شخص دانت تیار کرنے کو کہہ گیا اور پانچ روپے پیشگی بطور بیعانہ دے گیا تھا، اور دانت تیار ہونے پر آیا اور منہ میں لگوائے، مگر دانتوں میں ایک نقص رہ گیا تھا، دانت درست کرنے کی غرض سے پھر اتار لئے گئے، چنانچہ درست شدہ دانت لینے آنے سے پہلے وہ شخص فوت ہوگیا، اب اس جگہ کیا مسئلہ ہے روپیہ وارثوں کو واپس کروں یا نہ کروں؟

الجواب: میرے نزدیک جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمائش کے تھے اور ایسی خفیف کمی جو عرف کی موافق ہو موافقت فرمائش کے خلاف نہیں ہے، تو وہ بیع کامل ہوگئی اور بنوانے والا دانت کا مالک ہوگیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے(۱) اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا۔

قرب ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۳)

---

(۱) **وقال الإمام أبو يوسفؒ: لا خيار لأحد منهما إن جاء الصانع بالمصنوع على الصفة المشروطة، قال الكاسانيؒ: وجه قول أبي يوسف أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل على الصفة المشروطة فلو كان للمستصنع الامتناع من أخذه لكان فيه إضرار بالصانع إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع ...... وقال: لا خيار لواحد منهما بل يجبر الصانع على العمل، ويجبر المستصنع على القبول ...... أما الصانع فلأنه ضمن العمل فيجبر على العمل، وأما المستصنع فلأنه لو لم يجبر على القبول يتضرر به الصانع.** (فقه البيوع، الاستصناع، نعيميه ديوبند ۱/ ۵۸۸-۵۹۲)

بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٩٥-٩٦۔

يترتب على الاستصناع ثبوت الملك للمستصنع في العين المصنوعة في الذمة، وثبوت الملك للصانع في البدل أو الثمن المتفق عليه الخ. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة أحكام الاستصناع أشرفي ديوبند ۱۱/ ۳۰۷)

أما حكم الاستصناع فهو ثبوت الملك للمستصنع في العين المبيعة في الذمة، وثبوت الملك للصانع في الثمن ملكا. (بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٩٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ کتابُ الربوا

حکم منی آرڈر وحل بعض شبہات متعلقہ منی آرڈر

سوال (۱۷۹۷): قدیم ۳/۱۴۲- زیداورعمرو میں منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں گفتگو ہے، زید کہتا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا جائز ہے، اور جواز کی دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے، عمرو کہتا ہے کہ چونکہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا کسی معاملہ شرعی کے تحت میں داخل نہیں اس لئے ناجائز ہے، زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ شرعی کے تحت میں داخل ہے، اور داخل ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی حمال سے کام لے اور اجرت پیشگی دیدے تو جائز ہے، عمرو کہتا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں اور حمال سے کام لینے میں اور پیشگی اجرت دینے میں فرق ہے، پہلی صورت کو دوسری صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ منی آرڈر میں تو شرط ہے کہ روپیہ پہنچانے کی اجرت پیشگی لے لی جاوے اور حمال کو پیشگی اجرت دینا شرط نہیں بلکہ دینے والے کا احسان ہے، اگر پیشگی اجرت نہ دے تو حمال شرعاً یا عرفاً تقاضا نہیں کرسکتا، اور منی آرڈر تو اس وقت تک روانہ ہی نہیں ہوسکتا جب تک پیشگی اجرت نہ دے، اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ عمرو ایک اور بھی بیان کرتا ہے، وہ کہتا ہے حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے، اگر حمال سے وہ بوجھ کھو جاوے تو تاوان نہ لیا جاوے گا، جیسے امین سے نہیں لیا جاتا، اور منی آرڈر کا روپیہ ڈاک خانہ والوں کے پاس سے کھو جاوے تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے، اور ڈاکخانہ سے گویا شرط ہے کہ اگر روپیہ کھو جاوے تو تاوان دے گا، اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ ایک اور بھی بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے، اور امین پر واجب ہے کہ جو چیز امانت میں دی جائے بعینہ وہی واپس کرے اور منی آرڈر میں سب جانتے ہیں کہ وہی روپیہ بعینہ نہیں ملتا بلکہ اس کے مثل دوسرا روپیہ ملتا ہے، زید کہتا ہے کہ عموم بلویٰ و دفع حرج اور تعامل علماء وصلحاء کی وجہ سے بعض ناجائز چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں اور یہ تو مباح الاصل ہے یہ کیونکر ناجائز ہوگا، مثلاً غلّہ کی بالیوں کو بَیلوں سے پامال کراتے ہیں اور بیل اس میں بول و براز کرتے ہیں۔ اس کو سب جانتے ہیں، پھر عموم بلویٰ و دفع

حرج اور تعامل علماء وصلحاء با تعامل خلائق کی وجہ سے اس کو سب حلال جانتے ہیں، اور اس غلّہ کا سب استعمال کرتے ہیں، اسی طرح اگر منی آرڈر بھی بالفرض ناجائز ہوتو جائز ہو جائے گا اب از روئے شرع شریف اس گفتگو کا فیصلہ فرمائیے، اور قول فیصل ارشاد فرمائیے تا کہ قلب کو تسکین ہو؟

الجواب: قاعدہ کلیہ ہے: **الاقراض تقضی بأمثالها** (۱) اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربوا ہے (۲) اب سمجھنا چاہیئے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں جمع کیا جاتا ہے آیا وہ امانت ہے اور اہل ڈاک اجیر، یا قرض ہے اور اہل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جاوے تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں، بلکہ قرض ہے جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس بھی نہ ہوتب بھی حسب قاعدہ کلیہ **کل قرض جر نفعا فهو ربوا** بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتجہ ہو کر مکروہ ہے۔ فی الدر المختار کتاب الحوالۃ وکراہۃ السفتجۃ (۳)۔

---

(۱) الأشباه والنظائر قديم كتاب المداينات ص: ١٤٣۔

(۲) **عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

عن علي -رضي الله عنه- مرفوعا كل قرض جر منفعة فهو ربا - وقال الموفق: كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، کراچی ١٤/ ٤٩٨، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٥٦٦)

كل قرض جر نفعا حرام أي إذا كان مشروطا. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، کراچی ٥/ ١٦٦)

(۳) **وكرهت السفتجة، وصورتها: أن يدفع إلى تاجر مالا قرضا ليدفعه إلى صديقه، وإنما يدفعه قرضا لا أمانة يستفيد به سقوط خطر الطريق ...... وفي الفتاوى الصغرى وغيرها: إن كان السفتج مشروطا في القرض فهو حرام والقرض بهذا الشرط فاسد.** (درمختار مع الشامي، كتاب الحوالة، مطلب في السفتجة زكريا ٨/ ١٧-١٨، کراچی ٥/ ٣٥٠)

اور چونکہ یہ عقد اجارہ نہیں ہے جیسا اوپر مذکور ہوا، لہٰذا مسئلہ حمّال سے اس کو کوئی مسّ نہیں، کما ہو ظاہر اور عموم بلویٰ طہارات ونجاسات میں مؤثر ہے، نہ حلّت اور حرمت میں اور تعامل اس کو نہیں کہتے، بلکہ وہ ایک قسم ہے اجماع کی، اور اس میں شرائط اجماع کا پایا جانا ضروری ہے، منجملہ اس کے یہ بھی کہ علماء عصر واحد بلانکیر اس کو قبول کرلیں، متنازع فیہ میں یہ امر مفقود ہے، اس لئے یہ تعامل نہیں ہے ایک رواج عامیانہ ہے، جو شرعاً حجت نہیں، اس سے سب نظائر مذکورہ زید کا جواب نکل آیا، واللہ اعلم البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت وروانگی فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمت تفاضل تو دفع ہوجاوے گی، مگر کراہت سفتجہ کی باقی رہے گی۔ واللہ اعلم

۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد ج ۲ ص ۲۷ وحوادث اول ص ۱۲)

حل شبہات متعلقہ منی آرڈر

سوال (۱۷۹۸): قدیم ۳/ ۱۴۴- آیا جواز منی آرڈر کی یہ تاویل ہوسکتی ہے یا نہیں کہ اس معاملہ کو اجارہ اور فیس کو روپیہ پہنچانے کی اجرت کہا جاوے، اور اس پر جو دو شبہے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچایا جاتا، دوسرے ہلاک سے ڈاک خانہ پر ضمان مشروط ہوتا ہے، ان کا آیا یہ جواب ہوسکتا ہے یا نہیں کہ روپیہ بوجہ نقد ہونے کے تعیین سے متعین نہیں ہوتا بلکہ ہر مثلی کا یہی حکم ہے، کہ اس میں تعیین نہیں ہوتی جیسے انڈا کہ خلقتاً مثلی ہے، اور چھتری کہ صنعتاً مثلی ہے اور ضمان اجیر مشترک پر ایسی صورت میں کہ ہلاک بفعل اجیر نہ ہو گو وہ ہلاک ممکن الاحتراز ہو، صاحبین کے نزدیک مشروع ہے، بینوا توجروا؟

← **ویکره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق، ولهذا نوع نفع استفيد به وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعا.** (هداية، كتاب الحوالة، أشرفي ٣/ ١٣١)

وتكره السفتجة وهي الإقراض أي أن يقرض إلى تاجر مثلا قرضا ليدفعه إلى صديقه في بلد آخر لسقوط خطر الطريق، وإنما كرهت لورود النهي عن قرض جر نفعا، وفي الدر المنتقى: لأنه أحال الخطر المتوقع على المستقرض فيكره، وإن شرطها في القرض حرم وفسد كما في الصغرى. (مجمع الأنهر مع الدر المنتقى، كتاب الحوالة بيروت ٣/ ٢٠٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٢٥-٢٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ تاویل صحیح نہیں، انہیں دوشبہوں کی وجہ سے جوسوال میں مذکور ہیں، اوران کے جو جواب دیئے گئے ہیں ان میں سے اول کا جواب تو بالا جماع صحیح نہیں، کیونکہ یہ عدم تعیین صرف عقود میں ہے، باقی امانات وغصوب میں نقود بھی متعین ہیں (۱) یہی وجہ ہے کہ کسی کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہوتواس کو بلااذن مالک کے یہ جائز نہیں کہ اس روپے کوخرچ کرے کہ دوسرااس کا عوض دے دوں گا، البتہ اگراذن سے ایسا کیا تو پھر وہ قرض ہوجائے گا، اسی طرح اگرکسی کا روپیہ غصب کرلیا، اوراس کے موجود رہتے ہوئے چاہے کہ یہ واپس نہ کروں اپنے پاس سے دوسرا دے دوں تو مالک کوانکارکر دینے کا اور بعینہٖ اپنا روپیہ لینے کا حق حاصل ہے، اوردوسرے مثلیات غیرنقود میں تو یہ حکم بہت زیادہ ظاہر ہے (۲) مثلاً کسی نے کسی کے پاس مرغ کے دس انڈے امانت رکھے، یا یہ کہ اس نے اس سے غصب کر لئے اوران کے ہوتے ہوئے وہ امین یاغاصب بدون رضائے مالک کے یہ چاہے کہ وہ انڈے نہ دوں، بلکہ دوسرے انڈے پاس سے دے دوں تواس کو یہ حق حاصل نہیں، اوراگر رضا سے ایسا ہواتو وہ ردّ امانت یاردّ مغصوب نہ رہے گا، بلکہ مبادلہ اور بیع میں داخل ہوجائے گا، اورذوات القیم میں یہ حکم اوربھی زیادہ ظاہر ہے (۳) گونظرظاہری میں کوئی چیز مثلی

---

(۱) **لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد ...... يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة، وأما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة فتتعين فيه النقود بالتعيين.** (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۱۲٤، رقم المادة: ۲٤۳)

أحكام النقد ...... ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۳۹۰)

(۲) **أما الأمانات فإنها تتعين فيها مثل الوديعة والشركة والمضاربة والوكالة، فإن هلكت النقود في هذه العقود بعد التسليم بطلت العقود كلها؛ لأنها وردت على نقود متعينة وقد هلكت...... وجب على آخذ النقود أن يرد عينها ولا يجوز له استبدالها بغيرها فلو استبدلها صار ضامنا.** (فقه البيوع، الباب الرابع في أحكام تعين النقود، نعيميه ديوبند ۱/ ٤٦۷-٤٦۸)

(۳) **وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه إجماعا هذا في الهلاك.** (درمختار مع الشامي، كتاب الغصب زكريا ۹/ ۲٦۷، كراچی ٦/ ۱۸۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

معلوم ہوتی ہے، مثلاً کسی نے کسی کے پاس کسی خاص نمبر کی چھتری امانت رکھی یا اس نے اس سے غصب کر لی۔ یہ امین یا غاصب اگر یہ چاہے کہ وہ چھتری خود رکھ کر دوسرے کسی نمبر کی دے دوں تو یہ حق اس کو حاصل نہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ متعین ہے، بہر حال امانات وغصوب میں خود نقود بھی متعین ہوتے ہیں۔ تا بغیر نقد مثلی یا قیمتی چہ رسد، فقہاء نے اس قاعدہ کی تصریح بھی کی ہے، اور الفاظ حدیث علی الید ما اخذت (۱) بھی اس پر صاف دال ہیں، پس یہ جواب مؤول کا صحیح نہیں ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب اول تو امام صاحبؒ کے قول پر صحیح نہیں، دوسرے اگر روپیہ بعینہ جاتا تو صاحبینؒ کے قول پر صحیح ہوسکتا تھا، اور جب یہ نہیں تو وہ اجارہ ہی ہیں جو ڈاک خانہ کو اجیر مشترک کہا جاوے، اس لئے صاحبین کے قول پر بھی یہ جواب نہ چلا، تیسرے اگر اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی پہلا شبہ تو ہر حال میں باقی ہے، سو اس معاملہ کے اجارہ نہ ہونے پر جو دلیلیں تھیں غایۃ مافی الباب ایک منتفی ہو جاوے گی۔ مگر جو باقی ہے وہ بھی اثبات دعویٰ کے لئے کافی ہے، کیونکہ دعوے کے لئے مطلق دلیل کی حاجت ہے، نہ کہ دلیل خاص کی، یہی وجہ ہے کہ اہل فن نے اس کی تصریح کی ہے کہ نفی دلیل خاص مستلزم نفی مدلول کو نہیں کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی، خلاصہ یہ ہے کہ جواز منی آرڈر کی وہ تاویل جو سائل نے نقل کی ہے صحیح نہیں اور یہ معاملہ اقراض اور استقراض ہی میں داخل ہے، اگرچہ متعاقدین کا یہ قصد

---

(۱) ويجب رد عين المغصوب لقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد ولقوله عليه السلا: لا يحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعبا و لا جادا، وإن أخذه فيرده عليه، وظاهره أن رد العين هو الواجب الأصلي ...... أو يجب رد مثله إن هلك وهو مثلي، وإن انقطع المثل فقيمته يوم الخصومة الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب الغصب زكريا ٩/ ٢٦٦، ٢٦٧، كراچی ٦/ ١٨٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣١/ ٢٣٤)

عن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: على اليد ما أخذت حتى تؤدي. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء أن العارية مؤداة، نسخه هندية ١/ ٢٣٩، دارالسلام، رقم: ١٢٦٦)

عن عبدالله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أو جادا فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ماجاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما نسخه هندية ٢/ ٣٩، دارالسلام، رقم: ٢١٦٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہ ہو جس طرح سے کہ امانت کے باذن صرف کر دینے سے وہ قرض ہو جاتا ہے گو اس کا قصد نہ ہو، البتہ فیس کو اجرت کتابت وروانگی فارم کی کہہ کر حرمت تفاضل کو رفع کیا جا سکتا ہے، لیکن کراہت سفتجہ کے رفع کی کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی، گو ابتلائے عام کی وجہ سے دل ضرور چاہتا ہے کہ اس کی بھی کوئی وجہ نکل آوے۔ اور اکثر غور بھی کیا جاتا ہے، اور اس کا بھی انتظار رہتا ہے کہ کوئی دوسرے صاحب علم مطلع فرماویں حتیٰ کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفتجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربع میں سے کوئی امام گئے ہیں تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا، لیکن قواعد حقہ سے خروج کی جرأت نہیں ہوتی اور حدیث **أجروهم على الفتيا أجروهم على النار** (١) سے ڈر لگتا ہے۔ کتبہ اشرف علی

۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث ۱، ۲، ص ۲۴)

تحقیق منی آرڈر

سوال (۱۷۹۹): قدیم ۳/ ۱۴۵- منی آرڈر کے ذریعہ سے جو روپیہ روانہ کیا جاتا ہے تو یہ معاملہ نہ تو اجارہ ہے، کیونکہ یہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچتا اور نہ قرض اس صورت میں منی آرڈر کرنا کیونکر درست ہوگا، اور اگر منی آرڈر کرنا درست نہ ہو تو اس میں حرج عظیم ہے کیونکہ ہنڈی اگر لکھائی جاوے تو اولاً اس کا لکھانا مکروہ ہے، اور اگر نہ بھی ہو تو وہ بٹہ سے اکثر ملتی ہے، علیٰ ہذا القیاس نوٹ اور اکثر دفعہ بٹہ پر بھی نہیں ملتی ہے، پس اس صورت میں نہایت مشکل ہے، اور اگر تھوڑی رقم مثلاً پانچ روپے سے کم روانہ کرنا ہو تو نہ اس کا نوٹ مل سکتا ہے نہ ہنڈی، اس صورت میں بجز اس کے اور کیا صورت ہوگی کہ بھیجنے والا خود روپیہ لیکر جاوے اور اس میں نہایت تنگی ہے تو اس صورت میں کیا کیا جاوے؟

الجواب: منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے (۲) اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے؛ اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے۔

۹/ شوال ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲، ص ۱۵۴)

---

(١) صحیح الفاظ اس طرح ہیں: **أجرؤكم على الفتيا أجرؤكم على النار. رواه ابن عدي عن عبدالله بن جعفر مرسلا.** (كشف الخفاء دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٤، رقم: ١١٣)

(۲) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے منی آرڈر سے متعلق تین فتاوی تحریر فرمائے ہیں، ←

تدبیر حفظ از بیع نوٹ واز اعانت گئو سالہ ہے،

سوال (۱۸۰۰): قدیم ۳/ ۱۴۶- بندہ کے یہاں نمک کی تجارت ہوتی ہے اور تین جگہ کارخانہ ہے ایک آڑھتی بہت معتبر مل گیا ہے، اس نے روپیہ بھیجنے کی سبیل یہ رکھی ہے کہ جب مال فروخت ہو جاوے تو نوٹ بھیج دیتا ہے، ایک بار میرے ذمہ اس کے روپے چاہئے تھے، بوجہ دیر میں پہنچنے روپے کے اس نے سود لگایا، تو بندہ نے اس کو سود نہیں دیا، اور یہ لکھا کہ ہمارے مذہب میں سود لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں، اس لئے ہم معاملہ سود کا ہرگز نہیں کر سکتے، اس نے لکھا ہے کہ ہم سود نہیں لیں گے اور یہ بھی معاملہ طے ہو گیا کہ سود کا لین دین کبھی نہ ہوگا، البتہ جب نوٹ بھیجتا ہے تو کمی کے ساتھ بھیجتا ہے، مثلاً فی سیکڑہ دو آنہ تین آنہ کاٹتا ہے، ان کے یہاں کٹ کی شرح مختلف اوقات میں مختلف طور سے معین ہوتی ہے، اور کچھ حصہ

← ان میں سے ایک فتوی ۱۳۲۰ھ میں دوسرا: ۱۳۳۱ھ میں ان دونوں میں عدم جواز یا جواز میں تردد ظاہر فرمایا کہ کم از کم سفتجہ کے دائرہ میں داخل ہو کر مکروہ ہے۔ اور تیسرا فتوی ۱۳۳۲ھ میں لکھا ہے، یہی آخری فتوی ہے، اس میں صاف الفاظ میں جائز تحریر فرمایا ہے؛ لہٰذا اس آخری فتوی کے ذریعہ سے پہلے دونوں سے رجوع ثابت ہو گیا اور جواز کا جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

يلجأ الناس عادة للتحويلات المحلّية بنفس العملة والخارجية بعملة أخرى عن طريق المصارفة أو الصرف، ويأخذ المصرف عادة من المحوّل مبلغا من النقود، وهذا كما تقدم عمل جائز على أساس أنه توكيل للمصرف بدفع مبلغ معين لشخص معين وهو توكيل بأجر، فإن انضم إليه صرف كان القبض حكميا وهو جائز، فيحلّ القبض الحكمي محل القبض الحقيقي، والحوالة المصرفية تختلف في إجراءاتها عن السفتجة؛ لأن التحويل المصرفي يتم بطريق القيد المصرفي بين المصرفين المتوسطين في العملية وتتم المقاصة بين المصرفين في الحوالات المقيدة لحساب كل مصرف آمر ومأمور الخ. (الموسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ١١/ ٤٧٩)

الحالة الثانية: أن تقع الوكالة في مقابلة عوض على وجه الإجارة، وذلك أن يوكله على عمل معين بأجرة معلومة أو على غير معين في زمن معين الخ. (الفقه على المذاهب الأربعة ٣/ ٢٠٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہمارے روپے میں سے گئو سالہ کے نام کا بھی کاٹتا ہے۔اور یہ ہماری ہی تخصیص نہیں، بلکہ ان کے یہاں کا قاعدہ ہر ایک سے یہی ہے،سو بندہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ امر دونوں جائز نہیں معلوم ہوتے ، اس کے بارے میں کیا کیا جاوے اگر اس سے یہ کہا جاوے کہ یہ معاملہ ہم نہیں کریں گے۔تو وہ ہرگز نہ مانے گا کیونکہ نوٹ میں کمی ان کے یہاں سود میں شمار نہیں اور گوسالہ کی نسبت بھی نہیں مان سکتا ، کیونکہ صرف ہمارے لئے قانون جدید نہیں معین کرے گا، تو اب کیا حیلہ کیا جاوے، جس سے معاملہ شریعت کے موافق رہے، اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ اگر وہ یہ معاملہ رکھے تو مجھ پر مواخذہ اخروی رہے گا یا نہیں؟ اور نوٹ میں کمی زیادتی صرف مسلمانوں کے درمیان ناجائز ہے یا جب ایک جانب مسلم ہو اور دوسری جانب کافر تو بھی جائز ہے یا نہیں، جملہ امور کو مفصلاً تحریر فرمادیجئے؟

الجواب: نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو ربوا ہے(۱)۔ البتہ اگر بلاشرط وعرف ہو تو بعض صورتوں میں تاویل صلح کی ہوسکتی ہے،مگر اب ممکن نہیں، میری سمجھ میں تو اس کی تدبیر بجز اس کے کہ روپیہ اس سے لیا جاوے اور کچھ نہیں آتی ، یا اس پر یہ بات ثابت کردی جاوے کہ یہ طریقہ ہمارے مذہب میں سود ہے یا اس کی کچھ آڑھت بڑھا کر حق ٹھہرادیا جاوے، اور یہ کہہ دیا جاوے کہ نوٹ برابر سرابر لیا جاوے گا اور تمہاری کمی اس اضافہ سے پوری کردی جاوے گی، اور یہ تدبیر غالباً سہل ہے، رہا گوسالہ کا قصہ سو اگر وہ آڑھتی آپ کا مشتری ہوتا اور آپ اس سے بائع ہوتے تب تو بتاویل حطِ ثمن کے جائز ہوسکتا تھا، گویا اپنا روپیہ وہاں دیتا ہے اور آپ کو ثمن کم دیتا ہے،لیکن آڑھتی وکیل ہوتا ہے، وہاں یہ

---

(۱) قال ابن عبد البر: وكل زيادة في سلف أو منفعة ينتفع بها المسلف فهي ربا، ولو كانت قبضة من علف وذلك حرام إن كان بشرط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ١٣٠)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورا متعارفا في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدرا معينا، ويكون رأس المال باقيا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازي تحت تفسير رقم الآية: ٢٧٥ من سورة البقرة بيروت ٧/ ٩١)

روح البيان ٢/ ٩٣۔ غرائب القرآن للنيسابوري ٢/ ٦٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تاویل ممکن نہیں، اس لئے میرے نزدیک اسے یوں سمجھا دیا جاوے، حق آڑہت اور حق گوسالہ سب مجموعہ حق آڑھت میں شمار کرنا چاہئے، پھر خواہ وہ یہی میں کسی طرح لکھے، کچھ حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔

(حوادث اول ۲، ص ۸۴)

دفع شبہ برأت سود دہندہ از گناہ

سوال (۱۸۰۱): قدیم ۳/ ۱۴۷- ایک شخص سود لیتا ہے اور لوگ اس سے سود پر قرض لیتے ہیں وہ قرض سود پر لیتے ہیں، جب اُن لوگوں کو بیچاروں کو کوئی سامان نہیں ہوتا یا کوئی دستگر داں نہیں دیتا تب وہ مجبوراً قرض سود پر روپیہ لیتا ہے تب ایسی حالت میں دونوں سود لینے والا اور دینے والا کیونکر گنہگار ہوگا وہ بیچارہ تو مجبوری کو لیتا ہے، جب کوئی سامان نہیں ہوتا ہے ورنہ نہیں لیتا، جب کوئی شخص دوسرا قرض بے سود کے دیدیوے تب کیونکر لے تب ایسی حالت میں صرف لینے والا گنہگار ہوگا دینے والا کیوں ہوگا؟

الجواب: جو لوگ سودی روپیہ لیتے ہیں جہاں تک دیکھا گیا ہے فضول کے لئے لیتے ہیں اور جو ضرورت میں بھی لیتے ہیں تو اپنے گھر کے ذخیرہ کو زیور اسباب کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی اپنے پاس رہے اور قرض سے کام چل جاوے، پس یہ بھی ضرورت میں لینا نہ ہوا، وہ ضرورت یوں بھی پوری ہوسکتی ہے کہ اول سب چیزیں اپنی بیچ ڈالیں، یا اپنی شان اور وضع محفوظ رکھنے کے واسطے مزدوری محنت کرنے کو عار سمجھتے ہیں، سو عقلاً وشرعاً یہ ضرورتیں قابل اعتبار نہیں، پھر ان سب کے بعد ایسے اضطرار کے وقت مردار کھانا بھیک مانگ لینا درست ہے، پس سود پر قرض لینے کی کسی حالت میں ضرورت نہیں ہے، اس لئے یہ گنہگار (۱) ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

۲۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۳، ص ۳۳)

---

(۱) وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرة: ۲۷۵]

عن أبي هريرة -رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال: الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربوا. الحديث (بخاري شريف، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: "إن الذين يأكلون أموال اليتامى" الخ۔ النساء: ۱۰، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲۶۸۵، ف: ۲۷۶۶) ←

سرکار ملازمین کو بنام سود جو رقم دیتی ہے وہ سود نہیں

سوال (۱۸۰۲): قدیم ۳/ ۱۴۸- چند لوگ گورنمنٹی نوکر ہیں، یعنی رسالہ میں نوکر ہوئے، کسی کو سولہ برس ہوئے اور کوئی اٹھارہ برس کا نوکر ہے اور کوئی بیس برس کا نوکر ہے۔ اور جب نوکر ہوئے تھے تو یہ قاعدہ نہ تھا، جو اَب دو چار سال سے نیا قانون جاری ہوا ہے، یعنی ہر ایک سوار کا فی ماہ پانچ روپے سرکار کاٹ لیتی ہے، تعدا داڑھائی سو روپے کی ہے، جبکہ ڈھائی سو روپیہ پورا ہو جاتا ہے، پھر نہیں کاٹا جاتا ہے، اور وہ روپیہ بینک میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور اس روپیہ کا سود ہر ماہ سرکار دیتی ہے، اور جو لوگ کہ سود لینے میں انکار کرتے ہیں تو سرکار ان سے دستخط کرا لیتی ہے، اور سود کا روپیہ بھی اصل روپیہ میں ملا دیتی ہے، اور وہ روپیہ اپنے صرف میں آتا ہے، یعنی اگر سوار کا گھوڑا مر جاتا ہے تو سوار کو سرکار اسی روپیہ سے گھوڑا خرید کر دیتی ہے، اور جس کا گھوڑا نہیں مرتا ہے تو اس کو سرکار ہر ماہ سود دیتی ہے، غرض کوئی بچنے کی صورت نہیں، کہ اس کا روزگار بھی قائم رہے اور سود سے بھی بچے مگر گھوڑا نہ مرے تو جس وقت نوکری چھوڑ کر آوے

← **عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء.** (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۹۸)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۸/ ۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن علي -رضي الله عنه- كل قرض جر منفعة فهو ربا، وقال الموفق: كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن كراچی ۱٤/ ٤۹۸، دارالكتب العلمية بيروت ۱٤/ ٥٦٦)

كل قرض جر نفعا حرام، أي إذا كان مشروطا. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ۷/ ۳۹٥، كراچی ٥/ ۱٦٦)

القرض بالشرط حرام. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل في القرض، زكريا ۷/ ۳۹٤، كراچی ٥/ ۱٦٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس وقت اس کا روپیہ جمع وسود کُل سرکار دیتی ہے اور اگر وہ چاہے کہ میں جمع لے لوں اور سود نہ لوں تو اس کی جمع کا روپیہ بھی مارا جاتا ہے اور تنخواہ مبلغ ۳۰؍ روپیہ ماہوار کی ہے؟

الجواب: خاص اس صورت میں سرکار جو سود کے نام سے دیتی ہے وہ سود نہیں ہے اس کا لینا درست ہے(۱) لیکن خدارا دوسری صورتوں کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے۔

لأن مالهم مباح برضاهم (۲) وإنما يلحق في بعض الصور إثم العقد، ولا عقد بالجبر.

لیکن اگر یہ مقدار سود مذکور کی مساکین میں صرف کردی جاوے تو خوب ہے۔ **دع مايريبك إلى مالا يريبك** (۳)۔ فقط

۲۷؍ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۳۳ وحوادث ۱۲۱، ص ۸۴)

---

(۱) **ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع إذا كانت الإجارة صحيحة.** (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، قديم ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣)

وتستحق بإحدى معاني الثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غيرها شرط أو باستيفاء المعقود عليه. (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق أشرفي ٣/ ٢٩٤)

قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن يعنى لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلك. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ٧/ ٥١١، كوئٹه ٧/ ٣٠٠)

(۲) **لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلا عذر.** (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٢٣، كراچى ٥/ ١٨٦)

لأن مالهم مباح ...... فإذا أخذه برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر. (زيلعي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٩٧)

(۳) **عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دع ما يريبك إلى مالا يريبك، فإن الصدق طمأنينة، وإن الكذب ريبة.** (ترمذي شريف، أبواب الزهد، النسخة الهندية ٢/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٢٥١٨) شبیر احمد قاسمی

محکمہ ریل میں ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جز وجو کٹ جاتا ہے اور وہ مع سود ملتا ہے اس سود کا حکم

سوال (۱۸۰۳): قدیم ۳/ ۱۴۸- محکمہ ریل میں جن ملازمین کو پندرہ روپے ماہوار یا اس سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے، ان کی تنخواہ کا بارھواں حصہ کاٹ لیا جاتا ہے، اور سرکار میں جمع رہتا ہے یعنی ایک سال میں ایک ماہ کی تنخواہ کٹ کر سرکار میں رہتی ہے، اس روپیہ پر منافع ریلوے کی آمدنی کے حساب سے ملتا ہے، بعض وقت اس رقم کے برابر بعض وقت زیادہ بھی اور بعض وقت کم، غرض کہ جس قدر منافع ہو اُس قدر ہوتا ہے یہ منافع ملازم کو ملتا نہیں، بلکہ ریلوے میں جمع رہتا ہے، ان دونوں رقموں پر سود بھی ملتا ہے تین روپے فی صدی یا چار روپے فی صدی، اس ریاست کی ریلوے میں جس قدر مسلمان ہیں اُن میں سے تمام یہ منافع لیتے ہیں، اور سود اکثر نہیں لیتے ہیں اور بعض لیتے بھی ہیں، تنخواہ کا بارھواں حصہ انہیں لوگوں کا کاٹا جاتا ہے جن کی ملازمت مستقل ہو اور پندرہ یا پندرہ سے زیادہ تنخواہ ہو، غیر مستقل اور پندرہ روپے سے کم تنخواہ والوں سے نہیں کاٹا جاتا، یہ تمام روپیہ صرف اُس وقت ملتا ہے جب ملازم ملازمت ترک کرے اور کوئی حرکت ایسی نہ کی ہو جو بدنامی کے ساتھ علیٰحدہ کیا جاوے ورنہ نہیں ملتا، ملازمت کے زمانہ میں اگر کوئی وصول کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، ملازمت گورنمنٹ میں پنشن ملتی ہے، ریلوے میں پنشن نہیں بجائے پنشن یہ روپیہ ملتا ہے، ملازم کو بہ مجبوری یہ روپیہ کٹوانا پڑتا ہے، اس کا اختیار نہیں کہ کٹوائے یا نہ کٹوائے، آپ اس منافع کی رقم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، یہ سود میں تو شمار نہیں، یہ قاعدہ ہر ایک ریلوے میں ہے؟

الجواب: لینا اس کا جائز ہے اور یہ سود نہیں ہے (۱) وجہ اس کی تحریر سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔

۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ (حوادث اول ص ۳۳، تتمہ اولیٰ ص ۱۶۸)

---

(۱) اس کو پرائیویڈنٹ فنڈ کے دائرہ میں داخل سمجھا جاتا ہے جو کہ جائز ہے۔

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، و كما يجب الأجر باستيفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع إذا كانت الإجارة صحيحة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة و ما يتعلق به من الملك وغيره، قديم ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣) ←

سوال (۱۸۰۴): قدیم ۳/ ۱۴۹- گورنمنٹ دریافت کرتی ہے کہ ہر ملازمین سرکار اپنی تنخواہ میں سے ۶½ سے ۱۲½ روپیہ صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں خزانہ سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد علیٰحدہ ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پنشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے اس وقت کل روپیہ اس کا بمعہ چار روپے فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب: جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح وضع کرا دینا اور پھر یکمشت وصول کر لینا اگر چہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے(۱) کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا پس وہ رقم زائد اس کی مملوک شے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے۔ فقط

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (حوادث اول ص ۳۴ وتتمہ اولیٰ ص ۱۷۰)

← **وتستحق بإحدى معاني الثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غيرها شرط أو باستيفاء المعقود عليه.** (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، أشرفي ۳/ ۲۹٤)

قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن يعنى لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها المؤجر إلا بذلك. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ۷/ ۵۱۱، كوئٹه ۷/ ۳۰۰)

(۱) یہ بھی پرائیویڈنٹ فنڈ کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جاتا ہے۔

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع إذا كانت الإجارة صحيحة. (فتاوى هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، قديم ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣)

وتستحق بإحدى معاني الثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غيرها شرط أو باستيفاء المعقود عليه. (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، أشرفي ۳/ ۲۹٤)

قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن يعنى لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلك. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ۷/ ۵۱۱، كوئٹه ۷/ ۳۰۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۸۰۵): قدیم ۳/۱۴۹- ریلوے ملازموں کو پنشن نہیں ملتی ہے، بجائے اس کے وہاں یہ قانون ہے کہ ملازم کی تنخواہ سے مثلاً فی صدی دو روپے کاٹ لیتے ہیں، اور یہ وضع تنخواہ حسب قانون ریلوے ملازم ہے، چاہے کوئی راضی ہو یا نہ ہو، اور جس قدر ماہ بماہ وضع کرتی ہیں اسی قدر کمپنی یا گورنمنٹ اپنی طرف سے اس شخص کے لئے نام زد کردیتی ہے اور پھر یہ مجموعہ جو ماہ بماہ اس کی تنخواہ سے اور کمپنی کی طرف سے ہی اس کو تجارت میں لگا دیتے ہیں، اور اس کے اصول مقررہ کے مطابق اس کے نفع کو جس کو وہ سود کہتے ہیں برابر اس کے لئے رکھتے جاتے ہیں، جب ملازمت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو یہ سب روپیہ اس کو یک مُشت دیتے ہیں تنخواہ سے جو کچھ وضع کرلیتے ہیں وہ تو اس کا حق ہے، اس کی حلّت میں تو کوئی شبہ نہیں اور کمپنی اپنی طرف سے جوڈبل روپیہ اس کے لئے نام زد کرتی ہے وہ بھی عطاء سلطانی یا انعام کہا جا سکتا ہے، رہا وہ سود تو کیا اس کو سود کہہ کے لینا حرام کہا جاوے یا وہ بھی محسوب انعام میں ہوگا، کمپنی والے اس کو سود ہی کہتے ہیں، چنانچہ ہر سہ ماہی میں اس کا حساب بھیجتے رہتے ہیں، کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سب انعام اور جائزہ ہے وہ چاہے اس کو سود کہیں یا جو چاہے کہیں، بندہ نے اس مسئلہ میں بہت غور کیا تو اس طرف زیادہ خیال جاتا ہے، حضور جو ارشاد فرماویں؟

الجواب: بندہ کا مدّت سے یہ خیال تھا کہ یہ بھی صلہ ہے(۱) تسمیہ سے حرمت نہیں آئی۔

۸/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۶)

---

(۱) **ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع إذا كانت الإجارة صحيحة.** (فتاوى هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، قديم ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣)

البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ٧/ ٥١١، كوئٹه ٧/ ٣٠٠۔

الهبة: هي لغة التفضل على الغير ولو غير مال أو شرعا تمليك العين مجانا، أي بلا عوض. وسببها: إرادة الخير للواهب ...... وهي مندوبة وقبولها سنة، قال صلى الله عليه وسلم: تهادوا تحابوا. (درمختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٨٨-٤٨٩، كراچی ٥/ ٦٨٧) ←

سوال (۱۸۰۶): قدیم ۳/ ۱۴۲- بعض سرکاری ملازم گورنمنٹ سے بذریعہ کاغذات طے کر لیتے ہیں کہ ہماری تنخواہ سے دس روپے مثلاً وضع کر لیا جاوے اور مثلاً بیس برس بعد اس روپے سے جتنا جمع ہو یکمشت ہم کو دیا جائے، اب سرکاری دستور العمل یہ ہے کہ روپیہ وضع ہونا شروع ہوجاتا ہے، اگر یہ ملازم بیس برس تک زندہ رہا تو یکمشت اپنا جمع شدہ روپیہ وصول کر لیتا ہے اس سے قبل کچھ وصول نہیں کر سکتا، لیکن اگر مر گیا تو بغیر شرط کے خود گورنمنٹ وارثانِ میت کو اتنا روپیہ دیتی ہے جتنا اس ملازم کا بیس برس میں جمع ہوتا، اگرچہ ملازم یہ کارروائی کرنے کے دو ماہ بعد ہی مر جائے اور زندہ رہنے کے تقدیر پر جمع شدہ پر کچھ اضافہ بھی ملتا ہے، بعض لوگ اس کو قمار میں داخل کرتے ہیں، حالانکہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ مال من الجانبین نہیں ہے، اس لئے کہ تنخواہ کا حصہ غیر مقبوض ابھی تک ملک میں داخل نہیں جیسے جناب کے حوادث الفتاویٰ صفحہ ۳۵ سے ظاہر ہوتا ہے، اب اس مسئلہ کے متعلق جواز وعدم کی تصریح فرماویں اور نیز یہ شبہ بھی رفع فرماویں کہ موافق کتب فقہیہ اجارہ میں اجرۃ شروط ثلاثہ میں سے ایک شرط پائے جانے سے مملوک ہوجاتی ہے، تعجیل یا شرط تعجیل، یا استیفاء منافع، اب ملازم جب ایک ماہ کام کر چکا تو ایک ماہ کے منافع کا تو استیفاء ہوگیا، لہٰذا ایک ماہ کی اجرت بھی مملوک ہونی چاہئے، اگرچہ قبضہ نہ ہوا ہو، علاوہ اس کے شرط تعجیل اگرچہ نہیں ہے، ''المعروف کالمشروط'' کا قاعدہ جو فقہاء کام میں لاتے ہیں یہاں کیوں نہ جاری کیا جائے۔ حالانکہ دستور العمل بھی تائید کرتا ہے، کہ ماہواری تنخواہ باقاعدہ نہ ملنے سے ملازمت ترک

← **الهبة عقد مشروع لقوله عليه السلام: تهادوا تحابوا، وعلى ذلك انعقد الإجماع. هداية، كتاب الهبة. وفي هامشه: الهبة هي تمليك العين بلا عوض، أي بلا شرط عوض لا أن عدم العوض شرط لينتقض بالهبة بشرط.** (هداية، كتاب الهبة، اشرفي ٣/ ٢٨٣)

اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا و الضيافات، قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦)

عن محمدؒ قال: رأيت الأمراء إذا أعطوا العطاء زكوه. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٦/ ٥٢٨، رقم: ١٠٥٧٠)

أن عمر بن الخطاب كان يعطيه العطاء ولا يزكيه. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٦/ ٥٢٨، رقم: ١٠٥٦٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کر دی جاتی ہے، اب حصہ غیر مقبوض جو مملوک نہیں ہے، اس کو مدلل و موجہ فرمانے کی تکلیف دی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم کرنا مقصود ہے کہ مطلقاً اجارات کا یہ قاعدہ ہے یا ملازمت ہی کے ساتھ یہ مختص ہے؟

الجواب: اصل مدار اس معاملہ کے جواز کا اباحت مال حربی برضا ہے جو علماء اس کو جائز رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اس میں سب مذکورہ صورتیں داخل ہوگئیں، باقی میں نے یہ چاہا تھا کہ کسی عقد غیر مختلف فیہ میں اس کو داخل کرلیا جاوے، اس وقت حوادث والی توجیہ خیال میں آئی، اور استیفاء معقود علیہ سے مملوک ہوجانا ذہن میں نہیں رہا، مگر کبھی کبھی کھٹک ہوتی تھی، آج آپ کی تنبیہ سے (جزاکم اللہ تعالیٰ) کتاب دیکھی۔ وہ بناء میری غلط (*) ثابت ہوئی (کذا فی الھدایۃ باب الاجر متی یستحق) اب یہ توجیہ مدارِ جواز نہ رہی، صرف بناء اول ہی باقی رہی، جو مختلف فیہ ہے، اور علاوہ میں جو آپ نے تعجیل کی نسبت لکھا ہے وہ مفہوم نہیں ہوا، کیونکہ تعجیل سے مراد یہ ہے کہ استیفاء منافع سے قبل دے دیا جاوے، یہاں یہ نہیں ہے۔

۱۹/ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس ص ۱۳۷)

سوال (۱۸۰۷): قدیم ۳/ ۱۴۲- بعض محکموں میں گورنمنٹ جبراً تنخواہ سے کچھ کاٹ لیتی ہے اور جتنا کاٹتی ہے قریب قریب اتنا ہی اپنے پاس سے بنام سود جمع کرتی رہتی ہے پھر پنشن کے بعد وہ سب روپیہ ملتا ہے، درمیان میں اگر کوئی ضرورت واقع ہو تو تین ماہ کی تنخواہ کی مقدار تک مل سکتا ہے، جس کو ۲۴ ماہ میں باقساط وصول کرلیا جاتا ہے، لیکن سود بھی دینا پڑتا ہے (لیکن وہ سود بھی اسی کے حساب میں لگا دیا جاتا ہے، تاکہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے جو سود میں کمی واقع ہوگئی تھی وہ پوری ہوجاوے، اور روپیہ نکالنے کی وجہ سے اس رقم میں کوئی فرق واقع نہ ہو جو بعد پنشن کے ملے گی) شرعاً اس طرح روپیہ نکالنا جائز ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے گو وہ اپنے ہی حساب میں جمع ہوجاتا ہے؟

الجواب: اس سوال میں دو جز قابلِ تحقیق ہیں، ایک اپنی تنخواہ کی رقم پر گورنمنٹ سے سود لینا، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس لئے ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ گنجائش ہے جس کی تنخواہ جبراً وضع کرلی جاوے (۱)

(*) جب اجرت قبیل اعیان سے ہو تو استیفاء منافع سے اجرت کا مملوک ہوجانا معقول ہے۔ اور اگر نقود میں سے ہو کما فی صورۃ السوال تو اس کا مملوک ہونا معقول نہیں، کما فی ثمن المبیع: لہٰذا بنام سود دی ہوئی رقم حلال ہے۔ ۱۲ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط، أو

← **باستيفاء المعقود عليه.** (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، أشرفى ٣/ ٢٩٤)

دوسرا جز و جو رقم درمیان میں لی جاتی ہے اس پر سود دینا، سو یہ اس مسئلہ مختلف فیہا میں تو داخل نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ اخذ سود کا ہے۔ اور یہ اعطاء سود ہے جس کی حرمت منصوص علیہا ہے (۱) لیکن اس میں ایک تاویل ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ شخص گورنمنٹ سے قرض نہیں لیتا، بلکہ اس کا جو قرض گورنمنٹ کے ذمّہ ہے، اس کے ایک حصہ کا مطالبہ کرتا ہے، جس کا اس کو شرعاً حق ہے، پھر جس وقت اس رقم کو واپس کرتا ہے یہ واپسی ادائے

← **قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن يعنى لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلک.** (البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ٧/ ٥١١، كوئٹه ٧/ ٣٠٠)

هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك، قديم ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣-

(۱) عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم، شريف، باب لعن آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

قوله: ومؤكله: يعنى الذي يؤدي الربا إلى غيره، فإثم مفسد الربا، والتعامل به سواء في كل من الآخذ والمعطي، ثم أخذ الربا أشد من الإعطاء لما فيه من التمتع بالحرام، ولهذا جاز إعطاؤه عند الضرورة الشديدة. (تكمله فتح الملهم، باب لعن آكل الربوا، أشرفي ١/ ٦١٩)

آكل الربو أي آخذه وإن لم يأكل ...... ومؤكله أي معطيه لمن يأخذه وإن لم يأكل منه ...... قال الخطابي: سوى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين آكل الربا ومؤكله إذ كل لا يتوصل إلى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه فهما شريكان في الإثم كما كانا شريكين في الفعل، وإن كان أحدهما مغتبطا بفعله لما يستفضله من البيع والآخر منهضما لما يلحقه من النقص، ولله عز وجل حدود فلا تتجاوز في وقت الوجود من الربح والعد، وعند العسر واليسر والضرورة لا تلحقه بوجه في أن يؤكله الربا؛ لأنه قد يجد السبيل إلى أن يتوصل إلى حاجته بوجه من وجوه المعاملة والمبايعة ونحوها ...... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: هم سواء: أي في أصل الإثم وإن كانوا مختلفين في قدره. (مرقاة شرح مشكوة، باب الربا، الفصل الأول، إمداديه ملتان ٦/ ٥٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرض نہیں بلکہ مثل دیگر رقم جمع شدہ کے یہ بھی گورنمنٹ کو قرض ہی دیتا ہے، اور جب واپس کردہ رقم خود اس کی ملک ہے، اور سود ہوتا ہے دوسرے کی مملوک رقم پر، اس لئے یہ جو سود کے نام سے دیا گیا ہے سود نہیں ہے، پس اس کا دینا عطاء سود بھی نہیں اس لئے اس کو ناجائز نہ کہا جاوے گا، بلکہ اخذ مذکور کی حلت تو مختلف فیہ بھی ہے اور اس اعطاء کی حلت اس تاویل پر متفق علیہ ہوگی، البتہ پھر اس رقم پر جو اخیر میں گورنمنٹ سے سود لیا جاوے گا وہ پھر اخذ مختلف فیہ ہوگا، کما سبق واللہ اعلم۔

۱۲رشوال ۱۳۵۳ھ (النور ۹، ربیع الاول ۵۴ھ)

نفع پرامیسری نوٹ (۱)

سوال (۱۸۰۸): قدیم ۳/ ۱۵۲- انگریزی پرامیسری نوٹ کے منافع کا لینا گورنمنٹ سے جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: **في الهداية: ولا ربوا بين المسلم والحربي (۲) دلت هٰذه الرواية بعد تفصيلها بتعليلها على كون المال الذي حصل من حربي برضاه بلا غدر ولو بالعقود**

---

(۱) ''پرامیسری نوٹ'' کے معنی مخصوص دستاویز کے ہیں جو میعادی چیک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور انگریزی زمانہ کا نوٹ۔

(۲) ''ہدایہ'' کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

لا ربوا بين المسلم والحربي في دارالحرب؛ ولأن مالهم مباح في دارهم فبأي طريق أخذه المسلم أخذ مالا مباحا إذا لم يكن فيه غدر. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، أشرفي ۳/ ۸٦)

ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد، أى ولو كان الربا بسبب عقد فاسد من غير الأموال الربوية كبيع بشرط أو قمار ثمة، أي فى دار الحرب؛ لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلا غدر، قلت: ويدل على ذلک في السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان؛ لأنه إنما أخذ المباح على وجه عري عن الغدر فيكون ذلک طيبا له. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ٤۲۲-٤۲۳، كراچی ٥/ ١٨٦) ←

الفاسدة أو الباطلة مباحاً عند أبي حنيفة، وإباحة المال لا يستلزم إباحة العقد، كما إذا باع الحر من المستقرض الجاحد لاستيفاء حقه والوعيد الوارد في النصوص لم ينحصر في أكل المال بل يعم الأكل والعقد والإعانة كما روى لعن اللّٰه اٰكل الربوا ومؤكله وشاهديه وكاتبه (الحديث) فاقتضى هٰذا المجموع أن المال في الصورة المسئول عنها مباح، وهٰذا العقد حرام اٰثم، فالاٰخذ من المسلم والذمي يأثم بإثمين ومن حربي بإثم واحد هذا إذا ثبت كون الدار دار حرب ولم يثبت قوة دليل الجمهور وإلا فلا مساغ لإباحة المال أيضاً. واللّٰه اعلم

۹/ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳، ص ۳۴، حوادث اول، ص ۸٦)

← وبين الحربي والمسلم ثمة، أي لا ربا بينهما في دار الحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعا فاسدا في دار الحرب فهو جائز، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد، وفي هامش الشلبي المسلم الذي دخل دار الحرب بأمان إذا باع درهما بدرهمين أو باع خمرا أو خنزيرا أو ميتة أو قامرهم، وأخذ المال يحل عند أبي حنيفة ومحمد، ولأن مالهم مباح وبعقد الأمان لم يصر معصوما إلا أنه التزم أن لا يغدرهم ولا يتعرض لما في أيديهم بدون رضاهم، فإذا أخذه برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر، فيملكه بحكم الإباحة السابقة الخ. (زيلعي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٩٧)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٨ ـ

النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٣/ ٤٨٠ ـ

لايجوز لمسلم أن يعقد عقدا فيه ربا ولو في دار الحرب بالشروط المذكورة فلو عقد أحد مثل هذا العقد أثم لكونه عقدا محظورا، ولكن المال الذي يحصل له بهذا العقد حلال له لكونه مال حربي حصل برضاه بدون غدر، وهذا مثل المال الذي حصل عليه الإنسان بشهادة الزور في العقود والفسوخ، فإنه يأثم إثما شديدا، ولكنه يملك المال بقضاء القاضي على أصل أبي حنيفة، ومثل من باع حرا إلى مديونه الجاحد بمثل قيمة دينه فإن العقد باطل يأثم به، ولكن يملك به المال، وهذا ما تأول به الإمام محمد قاسم النانوتوى في قول أبي حنيفةؒ واستحسنه الشيخ أشرف علي التهانويؒ أيضا الخ. (فقه البيوع، الربا في دارالحرب، نعيميه ديوبند ٢/ ٧٧٠ - ٧٧١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ربوا ہندوستان

سوال (١٨٠٩): قدیم ٣/١٥٣- ہندوستان میں یہود اور نصاریٰ سے سود لینا حسب رائے مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ درست معلوم ہوتا ہے، اور حسب تحریر مولانا عبدالحئی صاحب علیہ الرحمۃ نادرست ہے، ازروئے تحقیق کس کا قول معتبر ہے؟

جواب: احقر نے دونوں بزرگوں کی تحریر نہیں دیکھی، ورنہ شاید ان کے متعلق کچھ کہہ سکتا، بہر حال نفس مسئلہ میں جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے:

لا يباح العقد لكونه ربوا نهى عنه نصاً قطعياً (١) ويباح المال الماخوذ؛ لأن مال الحربي مباح برضاه بلا غدر به (٢) ولم أر أحدا من أصحاب الفتاوىٰ حكم بحل العقد مقصودا. والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم.

١٦/شعبان ١٣٢٢ھ

---

(١) وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرة: ٢٧٥]

(٢) **لا ربوا بين المسلم والحربي في دارالحرب؛ ولأن مالهم مباح في دارهم فبأي طريق أخذه المسلم أخذ مالا مباحا إذا لم يكن فيه غدر ...... ويجوز للمسلم أخذ مال الحربي برضاه الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٨)

لا ربا بين المسلم والحربي في دارالحرب ...... لأن مالهم مباح وبعقد الأمان عنهم لم يصر معصوما إلا أنه التزم ألا يتعرض لهم لغدره ...... فإذا أخذ برضاهم أخذ مالا مباحا بلا غدر، ويملكه بحكم الإباحة الأصلية. (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٣/ ٤٨٠)

درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٢٢-٤٢٣، كراچی ٥/ ١٨٦-

زيلعي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٩٧-

هداية، كتاب البيوع، باب الربا أشرفي ٣/ ٨٦-

لايجوز لمسلم أن يعقد عقدا فيه ربا ولو في دارالحرب بالشروط المذكورة فلو عقد أحد مثل هذا العقد أثم لكونه عقدا محظورا، ولكن المال الذي يحصل له بهذا العقد حلال له لكونه مال حربي حصل برضاه بدون غدر، وهذا مثل المال الذي حصل عليه ←

سوال متعلق سوال بالا

(**توضیح سوال مذکور**) : أقول يختلج في قلبي أما أوّلاً فإن العلّامة الدهلوي قد صرح بجواز أخذ الربوا من الحربي، كما يدل عليه كلامه المنقول ولم يقل صراحة ولا إشارة أن المال مباح دون العقد، وأما ثانيا فلأن العقد الربوى من الحربي لا يخلو عن أن يكون إما صحيحا أو فاسدا أو باطِلاً، فعلى الأوّل لا يصح الحكم بعدم إباحة العقد كما هو ظاهر، وعلى الثاني الحكم بعدم إباحة العقد صحيح أما الحكم بإباحة المال فغير صحيح؛ لأن فساد العقد يورث خباثته في المال كما هو مصرح في الفقه، وعلى الثالث فحكم العقد والمال ظاهر ولم نجد في الكتب نوعاً من العقد بحيث يكون العقد فاسداً أو باطلا والمال حلالا، وأما ثالثا فإن النص المحرم قوله تعالىٰ: أحل الله البيع وحرم الربوا قطعي والخبر لاربوا (الحديث) ليس متواتراً ولا مشهورا، فبأي حجة خصص أصحابنا نصاً قطعيًا فعليكم الجواب بالدليل ليشفى العليل.

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کی عبارت محررّہ ذیل میں مذکور ہے:

مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالعزیز قدس سرہٗ ج اول ص ۳۲ (سوال) تمامی اقلیم نصاری باتفاق دارالحرب ہست یا نہ اگر ہست اہل اسلام را ازاں نصاری سود گرفتن جائز ست (جواب) بشرط یہ کہ در دارالحرب ودر روایات فقہیہ مذکور است ملاحظہ باید نمود چنانچہ برخے ازاں، دریں قرطاس ثبت خواہد شد دریں اقلیم آں مشروط را باید جست اگر متحقق شدند پس دارالحرب قرار یافت وبحکم ”اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمہ“ ہرگاہ دارالحرب شد ربوا گرفتن وداد ن بکفرۂ آنجا جائز شد، زیرا کہ در ہدایہ مذکور ست ”ولا ربوا بين المسلم والحربي

← الإنسان بشهادة الزور في العقود والفسوخ، فإنه يأثم إثما شديدا، ولكنه يملك المال بقضاء القاضي على أصل أبي حنيفة، ومثل من باع حرا إلى مديونه الجاحد بمثل قيمة دينه فإن العقد باطل يأثم به، ولكن يملك به المال، وهذا ما تأول به الإمام محمد قاسم النانوتوى في قول أبي حنيفةؒ واستحسنه الشيخ أشرف علي التهانويؒ أيضا الخ. (فقه البيوع، الربا في دارالحرب، نعيميه ديوبند ٢/ ٧٧٠-٧٧١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی دارالحرب'' وقاعدہ مقرراست کہ الاطلاق فی الروایات نفی عن تعمیمہ پس ہر دوصورت اخذ واعطاء درنفی داخل لیکن مسلمان را باید کہ در دادنِ سود بحربی احتیاط کند بے ضرورت ندہد۔ ایضا فیہ:٢٦۔

(**سوال**) سود دادن بحربیان درست است یا نہ (جواب) عبارات کتب فقہیہ عام واقع شدہ اند دادن وگرفتن را شامل اند مثل لاربوا بین المسلم والحربي في دار الحرب. وقاضی ثناءاللہ صاحبؒ پانی پتی در رسالہ توجیہ دادن سود نیز نوشتہ اند ایں وقت فقیر را یاد نیست لیکن ایں قدر ظاہر است کہ گرفتن سود از حربیان بایں وجہ حلال ست کہ مال حربی مباح است اگر در ضمن آن نقضِ عہد نباشد و حربی چوں خود بخود بدہد بلاشبہ حلال خواہد بود دادنِ سود بحربیاں بایں وجہ حلال ست کہ خورانیدن حرام بمسلمان درست نیست وآنہا حرام خوار اند اگر چیزے بطریق سود دادہ خواہد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواہد خوردہ اند؟

الجواب: قد رأيت كلامه رحمه الله تعالىٰ الدال على ما فهمتم في قولكم أولا ولكن حجية الدال تتوقف على صحته في نفسه، وثبوته بالدليل ولم يثبت ثم إطلاقه في الأخذ والإعطاء مخالف لما صرح به في الشامية: أن الفتح مؤيداً له بالسير الكبير من أن مرادهم ما إذا حصلت الزيادة للمسلم (١) لا مطلقا، وما قلتم ثانيا فأقول عن العقد عندي فاسد أو باطل ولانسلّم استلزام فساد العقد أو بطلانه لخبيث المال ألا ترى أن عقد بيع الحر حرام و باطل لكنه لوراع من مديونه الجاحد للدين بمثل دينه وقبض المال ناديا للاستيفاء بحقه يحل المال مع بطلان العقد، ويتأيد بما في رد المحتار من قول الدرالمختار مطلقاً بقوله: أى ولو بعقد فاسد تحت قوله؛ لأن ماله ثمه مباح فيحل برضاه مطلقا (٢) آه. فحكم بكون العقد فاسد أوكون المال حلالاً، وماقلتم ثالثا فالنص محرم للعقد وهو فيما ذهبت إليه فى فهم مراد أصحابنا حرام ولم أر أحدا من أصحاب الفتاوىٰ في المذهب حكم بحله مقصودا أما حل المال فالآية غير متعرضة له إثباتا أو نفيا فلا دلالة ولا تخصيص. والله اعلم

١٣/ ذیقعدہ ١٣٢١ھ (امداد، ج ٣،ص ٣٤ وحوادث اول ص ٨٦)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا ٧/ ٤٢٣، كراچى ٥/ ١٨٦۔

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا ٧/ ٤٢٣، كراچى ٥/ ١٨٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ربوا ہندوستان

سوال (۱۸۱۰): قدیم ۳/۱۵۵- امدادالفتاویٰ جلد سوم کتاب الربوا،ص ۳۴، ۳۵ کا میں نے مطالعہ کیا، اس میں (لایباح العقد الخ) اور (ولم اراحداً من اصحاب الفتاویٰ الخ) کے متعلق بدائع الصنائع کی عبارت سے ہمارے فہم ناقص میں کچھ شبہ ہوتا ہے، اس لئے بدائع کی عبارت کو بعینہ نقل کرتا ہوں:

لهما (أی لأبي حنيفةؒ ومحمدؒ) أن مال الحربي ليس بمعصوم بل هو مباح، في نفسه إلا أن المسلم المستأجر من منع من تملكه من غير رضاه لما فيه من الغدر والخيانة، فإذا بدله باختياره ورضاه فقد زال هذا المعنى فكأن الأخذ استيلاء على مال مباح غير مملوک، وأنه مشروع مفيد للملک كالاستيلاء على الحطب والحشيش، وبه تبين أن العقد ههنا ليس بتملک بل هو تحصيل شرط التملک وهو لرضاء؛ لأن ملک الحربي لايزول بدونه ومالم يزل ملكه لا يقع الأخذ تملكا لكنه إذا زال فالملک للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء لا بالعقد فلا يتحقق الربوا؛ لأن الربوا اسم لفضل يستفاد بالعقد (۱)۔ (بدائع الصنائع جلد ٥ فصل شرائط جريان الربوا ص ١٩٢)

---

(۱) بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤١٦، كراچی ٥/ ١٩٢۔

یہ چند فتاوی ۱۳۲۱ھ ۱۳۲۲ھ ۱۳۵۲ھ میں لکھے گئے ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے، جس میں ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط تھا اور ہندوستان کے داخلی اور خارجی سارے اختیار انہیں کے ہاتھ میں رہے، مکمل غلامیت کا زمانہ تھا؛ لہٰذا اس وقت حالات کے اعتبار سے ہندوستان کو دارالحرب کہنا صحیح اور بجا تھا، مگر آزادی کے بعد قانوناً ہندوستان خالص دارالحرب نہیں رہا؛ بلکہ مسلمان کا اختیار بھی حکومت میں شامل ہے؛ البتہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت کمزور پڑی ہوئی ہے، ایسے میں ہندوستان کو دارالحرب نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ جمہوریت اور مشترکہ حکومت ہے، اس میں ہندؤں سے سود حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں، نیز دارالحرب میں سود کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ سود حاصل کرنے والا مسلمان خود اسی دارالحرب کا باشندہ نہ ہو؛ بلکہ کسی دوسرے ملک سے ویزا وغیرہ سے عارضی طور پر آیا ہوا ہو، اس کا جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

وبين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة، وتحته في الشامية: أي لو كان الربا بسبب عقد فاسد من غير الأموال الربوية كبيع بشرط الخ. (درمختار مع الشامي، كراچی ٥/ ١٨٦، زكريا ديوبند ٧/ ٤٢٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس عبارت پر لکیر ہے اس کو امداد الفتاویٰ کی مذکورہ عبارت کے بظاہر مخالف سمجھتا ہوں، اگر غیر مناسب نہ سمجھا جاوے تو رفع شبہ فرما کر سرفراز فرمایا جاوے؟

الجواب: ظاہر تو وہی ہے جو آپ نے سمجھا، لیکن اتنا سوال اور بھی باقی رہ جاتا ہے کہ خود تلفظ بصیغۃ العقد کا شرعاً کیا حکم ہے، کیا اس تلفظ کو معصیت نہ کہیں گے جیسے کسی مسلمہ فاسقہ سے نکاح ہونا موقوف ہے اس کی رضا پر، اگر وہ رضا موقوف ہو کسی کلمۂ فسقیہ کے تلفظ پر، تو اس تلفظ کا کیا حکم ہوگا، میری یہی مراد ہے، کیونکہ عقد کی اصل حقیقت صیغۂ خاصہ کا تلفظ ہے، گو کہیں دلیل سے غیر تلفظ قائم مقام تلفظ کے ہو جاوے۔ (النور اص ۳ شعبان ۱۳۵۲ھ)

رسالہ (*) ''رَافِعُ الضَنک عن منافِعِ البنک''

حکم سود از بینک

سوال (۱۸۱۱): قدیم ۳/ ۱۵۵- علماء حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوالات ذیل ہیں ان کے جوابات بحوالۂ اسناد تحریر فرمائیں۔

سیونگ بینک اور بنگال بینک اور لندن بینک کہ جس کی شاخیں اکثر مقامات پر ہندوستان میں ہیں کہ جو خالص گورنمنٹ انگلشیہ کے سرمایہ سے ہیں، اس میں روپیہ داخل کر کے اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ گورنمنٹ انگلشیہ کو ملک ہندوستان میں کسی قسم کا قرضہ دینا اور اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آمدنی وقف کا ایسے بنکوں میں یا ایسے قرضوں میں صرف کر کے اس کا سود مصارف وقف میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اولاً چند اصول بطور مقدمات کے ممہد کرتا ہوں، پھر جواب عرض کروں گا۔

مقدمہ اولیٰ: جو مسئلہ ہمارے اصحاب میں مختلف فیہ ہو اس کی قواعد ترجیح میں بعد تطبیق بین الاقوال المختلفہ یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص قوتِ دلیل کو سمجھ سکتا ہے، وہ اس قول کو لے جو دلیلاً اقویٰ ہو۔

(*) **تنبیہ** از حضرت حکیم الامت قدس سرہ:- یہ رسالہ بینک وغیرہ سے سود لینے کے لئے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے، اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف دیکھی جاوے وہ سب اس سے منسوخ (یعنی مرجوع عنہ) ہے۔ ۱۲ اشرف علی۔

فـي مـقـدمة الـدر الـمـختار: رسم المفتي أن ما اتفق عليه أصحابنا في الروايات الـظاهرة يفتى به قطعا، واختلف فيما اختلفوا فيه والأصح كما في السراجية وغيرها أنه يـفـتـى بـقـول الإمـام عـلـى الإطلاق، ثم بقول الثاني ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والـحسـن بـن زياد وصحح في الحاوي القدسي قوة المدرک، وفي رد المحتار قوة المدرک أی الدليل، وبه عبر في الحاوي قال ح: والذي يظهر في التوفيق أي ما بين فـي الـحـاوي وما في السراجية أن من كان له قوة إدراک لقوة المدرک يفتى بالقول الـقـوى المدرک وإلا فالترتيب أقول: يدل عليه قول السراجية والأول أصح إذا لم يـكـن المفتي مجتهدا فهو صريح في أن المجتهد يعنى من كان أهلا للنظر في الدليل يتبـع مـن الأقـوال مـا كـان أقوىٰ دليلا وإلا فاتبع الترتيب السابق، ومن هذا تراهم قد يـرجـحـون قـول بعض أصحابه على قوله كما رجحوا قول زفر وحده في سبع عشرة مسألة فنتبع مارجحوه؛ لأنهم أهل النظر في الدليل. (۱)

مـقـدمـه ثـانـيـه: مسئلہ ربوا بین المسلم والحربی مختلف فیہ ہے، امام صاحب اور امام محمد چند قیود کے ساتھ جواز کی طرف گئے ہیں، اور ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ عدم جواز کی طرف۔

فـي الـدر الـمـختار، باب الربوا: ولا بين حربي ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد أو قـمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلا غدر خلافا للثاني والثلاثة، وحكم مـن أسلم في دارالحرب ولم يهاجر كحربي فللمسلم الربا معه خلافا لهما –إلىٰ قوله– قـلـت: ومنه يعلم حكم من أسلما ثمة ولم يهاجرا، وفي رد المحتار: احترز بالحربي عن الـمسـلـم الأصلي والذمي، وكذا عن المسلم الحربي إذا هاجر إلينا، ثم عاد إليهم، فإنه ليس للمسلم أن يرابى معه اتفاقا كما يذكره الشارح. (۲)

---

(۱) درمختار مع الشامي، المقدمة، زكريا ۱/ ۱٦۸-۱۷۲، كراچی ۱/ ٦۹-۷۱۔

(۲) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ٤۲۲-٤۲۳، كراچی ٥/ ۱۸٦۔

لا بيـن المسلم والحربي في دارالحرب خلافا لأبي يوسف والأئمة الثلاثة، وحكم من أسـلـم فـي دارالحرب ولم يهاجر كحربي عنده، خلافا لهما، فلو هاجر إلينا ثم عاد إليهم فلا ربا اتفاقا. (الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲۷) ←

مقدمہ ثالثہ: اعانت علی المعصیۃ معصیت ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان.

مقدمہ رابعہ: اگر کسی کا قول یا فعل دوسرے کے لئے سبب وقوع فی المعصیت کا ہو جاوے اور وہ حد ضرورت تک نہ پہنچا ہو، تو اس کا ترک اس پر واجب ہے، فروع کثیرہ فقہیہ اس اصل پر مبنی ہیں۔

مقدمہ خامسہ کا تتمہ للرابعہ: مواقع تہمت و بدنامی سے بچنا ضروریات سے ہے،

مقدمہ سادسہ: اسباب نہی کے مختلف ومتعدد ہو سکتے ہیں، تو ایک کے رفع سے باقی کا رفع لازم نہیں آتا، وہذا ظاہر۔

مقدمہ سابعہ: کسی کے فتویٰ جواز کے بعد اس فعل کو ترک کرنا صاحب فتویٰ کی مخالفت نہیں ہے، البتہ فتویٰ وجوب کے بعد اس فعل کو ترک کرنا یا فتویٰ حرمت کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنا یہ بیشک مخالفت ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے اب جواب عرض کرتا ہوں کہ مقدمہ ثانیہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں اتنی قیود ہیں۔

نمبر (۱): وہ محل دارالحرب ہو، نمبر (۲) معاملہ ربوا کا حربی سے ہو، نمبر (۳) مسلم اصلی سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو، اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے سے قبل اسلام لایا ہو خود یا تبعاً للآباء۔

← وبين الحربي والمسلم ثمة، أي لا ربا بينهما في دارالحرب، وكذلک إذا تبايعا بيعا فاسدا في دارالحرب فهو جائز، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد ...... ولأن مالهم مباح ...... فإذا أخذه برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر، فيملكه بحكم الإباحة السابقة ...... ولو أسلم الحربي في دارالحرب ولم يهاجر إلينا فكذلک الحكم عند أبى حنيفة. (زيلعي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤/ ٤٧٢، إمداديه ملتان ٥/ ٩٧)

ولا بين المسلم والحربي ثمة أي في دارالحرب حتى لو باع مسلما دخل إليهم مستأمنا درهما بدرهمين لا يجب عليه الحل ...... وهذا عندهما ...... وعلى هذا الخلاف الربا بين المسلم الأصلي والذي أسلم في دارالحرب ولم يهاجر إلينا، وأما إذا هاجر إلينا ثم عاد إليهم لم يجز الربا معه، وكذا لو أسلما ولم يهاجر. (النهرالفائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٣/ ٤٨٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نمبر(۴): معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دار الاسلام سے دار الحرب میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دار الحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دار الحرب میں رہتا ہو، اس قید رابع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاہیم حجت ہیں، اس بناء پر اوپر کی روایات سے یہ قید لازم ہے، اس کے بعد جو دونوں قولوں کے دلائل میں نظر کی گئی تو ابو یوسفؒ کے دلائل قوی ہیں، چنانچہ مفصلاً رسالہ تحذیر الاخوان میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے صرف ایک دلیل اس وقت ذکر کرتا ہوں۔ آیات تحریم ربوا میں ارشاد ہے:

یآاَیُّھا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُو االلّٰہَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیُ مِن الرِّ بوٰا اِنۡ کُنۡتُم مُؤمِنِیۡنَ ط(۱)

اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربوا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے لینے والے دینے والے سب حربی تھے، تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا۔ اور وہ رقم حلال ہوتی، تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا، اور یہ نص قطعی ہے ثبوتاً بھی دلالۃً بھی، اور طرفین کی دلیل یا خبر واحد ہے یا قیاس جو کہ ظنی ہیں، اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماعی ہے گو امام صاحبؒ پر سے اعتراض اس طرح مدفوع ہوسکتا ہے کہ اس قطعی میں سے بعض افراد مخصوص ہو جانے سے دلالۃً ظنی ہوگیا، لیکن یہ عذر گو دافع اعتراض ہوسکتا ہے مگر نافعِ قوت دلیل نہیں ہوسکتا یہ تو اس دلیل میں ثبوتاً کلام ہے اور دلالۃً یہ احتمال ہے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لا ربوا بین المسلم والحربی (۲)۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ نفی نہی کے لئے ہو جیسا قرآن مجید میں: لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِی الحَجِّ (۳) میں بعینہٖ یہی معنی ہیں، چونکہ حربی کے مال کے غیر معصوم ہونے سے شبہ اس کے جواز کا ہوسکتا تھا، حضور نے اس جواز کی نفی فرما دی ہو، چنانچہ خود کتب فقہیہ میں اس قسم کی عبارت اس معنی میں وارد ہے:

ففی الدر المختار عقیب الروایات المذکورة فلو هاجر إلینا ثم عاد إلیهم فلا ربوا اتفاقاً جوهرة وفي رد المحتار: أي لا یجوز الربوا معه فهو نفی بمعنی النهی کما في قوله: فلارفث ولا فسوق فافهم. (۴)

---

(۱) سورة البقرة الآیة: ۲۷۸۔

(۲) ذکره الزیلعي في نصب الرایة ٤/ ٤٤۔

(۳) سورة البقرة الآیة: ۱۹۷۔

(۴) درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٢٣، كراچی ٥ / ١٨٦۔

جب ابو یوسفؒ کے اس قول کا قوی ہونا ثابت ہوگیا، تو اس پر عمل ہوگا، جیسا کہ مقدمہ اولیٰ میں ذکر کیا گیا تو اس قول پر اب اس کے متعلق سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ لا یجوز اور اگر علی سبیل التنز ل امام صاحب ہی کے قول کو لیا جاوے تب بھی وہ مفید ہے، قیود مذکورہ کے ساتھ اور ان میں حسب ذیل کلام ہے:

نمبر (۱) ہندوستان کو بہت علماء نے دار الاسلام کہا ہے، دلیل اس قول کی رسالہ تحذیر الاخوان میں مذکور ہے۔

نمبر (۲-۳) دار الحرب ہونے کی تقدیر پر بھی بہت سے لوگ غیر حربی سے معاملہ کرتے ہیں یعنی مسلم اصلی سے یا ان غیر مسلموں سے جو دار الاسلام ہونے کے وقت میں ذمی چلے آرہے ہیں۔

نمبر (۴) اس سے بھی قطع نظر کر کے جو مسلمان یہ معاملہ کرتے ہیں وہ یہاں ہی رہتے ہیں کسی دار الاسلام سے یہاں نہیں آئے اس میں بینک سے معاملہ کرنے والے بھی داخل ہیں کہ یہ قید چہارم ان میں نہیں پائی جاتی تو اس بناء پر خود امام صاحب کے قول پر بھی یہ معاملہ جائز نہ ہوا، اور اگر ان قیود سے کلاً یا بعضاً قطع نظر بھی کرلی جاوے تب بھی بینک کے معاملہ میں یہ تفصیل ہوگی کہ جس بینک میں روپیہ داخل کیا ہے آیا وہ علی الاطلاق سرمایہ اور سود کا ذمہ دار ہے خواہ اس کو نفع ہو یا نقصان یا ایسا نہیں بلکہ نقصان ہونے سے حصہ داروں پر بھی وہ نقصان ڈالا جاتا ہے، اگر صورت ثانیہ ہے تو اس کی حقیقت شرکت ہے قرض نہیں، اور ایک شریک یا اس کے ملازمین دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کا فعل شرعاً مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور بینک والے جیسا حصہ داروں کو سود دیتے ہیں اسی طرح دوسرے قرض خواہوں سے سود لیتے ہیں، اور ان قرض خواہوں میں کوئی قید اسلام اصلی یا غیر اصلی یا کفر کی نہیں، پس وکالت کے واسطے سے گویا اس حصہ دار نے مطلقاً مسلمانوں سے بھی سود لیا جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور پہلی صورت میں یہ محذور تو لازم نہیں آیا کیونکہ یہ بنک والوں کے ذمہ قرض اور ان کی ملک ہوگیا، لیکن دوسرا یہ محذور ضرور لازم آیا کہ اس شخص نے ایسے لوگوں کو قرض دیا جو اس سے ربوا کا نفع حاصل کریں گے تو یہ ان کی اعانت ہوئی، معصیت پر جو کہ مقدمہ ثالثہ کی رو سے معصیت ہے، پھر اس قول کے لینے سے اس وقت جو مفاسد اعتقادیہ وعملیہ شائع ہوتے ہیں مشاہد ہیں کہ عوام سب قیود سے قطع نظر کر کے ان صورتوں کے مرتکب ہونے لگے ہیں جو بالاجماع ناجائز ہیں اس لئے کسی کو اس قول پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ مقدمہ رابعہ میں مذکور ہوا، پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کفار کی زبانوں پر عموماً مسلمان اور جہلاء کی زبانوں پر خصوصاً علماء سخت بدنام

ہوئے ہیں کہ ان لوگوں نے سود حلال کردیا، اور تفصیل وتقیید کو کون ذکر کرتا ہے اس تہمت سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ موقوف ہے اس قول کے ترک پر جیسا کہ مقدمہ خامسہ میں مذکور ہوا، اب یہاں سے یہ دو شبہے بھی زائل ہوگئے کہ اگر ہم سب قیود کی رعایت کرلیں تو اجازت ہونا چاہیئے، یا یہ کہ اس قول کے ترک سے امام صاحب کی مخالفت لازم آتی ہے، جواب اول کا یہ ہے کہ قیود کی رعایت سے غایت مافی الباب یہ لازم آیا کہ ایک سبب نہی کا مرتفع ہوگیا، مگر اس سے دوسرے اسباب نہی کا ارتفاع لازم نہیں آیا جن کا ذکر مقدمہ ثالثہ ورابعہ وخامسہ میں ہے، اور نہی کے لئے ایک سبب کافی ہے، پس نہی باقی رہی جیسا کہ مقدمہ سادسہ میں مذکور ہوا۔ اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے اس کو واجب نہیں فرمایا کہ اس کا ترک مخالفت سمجھا جاوے جیسا کہ مقدمہ سابعہ میں مذکور ہے، اور چونکہ یہ جواب اس باب میں بفضلہٖ تعالیٰ جامع مانع واقع ہوگیا کہ اگر مستقلاً شائع ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ نافع ہو اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا ایک لقب بھی رکھ دیا جاوے، چنانچہ رافع الضنک (بمعنی الضیق) عن منافع البنک تجویز کرتا ہوں۔

لسبع عشرین من ربیع الاول ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۰۳)

دفع شبہ حلّتِ سود بعلت افلاس مسلمانان

سوال (۱۸۱۲): قدیم ۳/۱۶۰- بنظر حالت موجودہ وافلاس مسلمانان کیا سود کا لین دین خواہ آپس میں ہو خواہ غیر اقوام سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب آیت تحریم ربوا کی نازل ہوئی ہے افلاس اس وقت سے زیادہ تھا، اور نیز بہت سا سود ان معاملات کے متعلق باقی تھا جو کہ زمانہ جاہلیت اور حالتِ کفر میں ہوگئے تھے، اُس پر بھی حکم ہوا کہ سود چھوڑ دو، ورنہ خدا اور رسول کی طرف سے اشتہار جنگ ہے (۱) جب متعاقدین کی حالتِ کفر کا سود وصول کرنا جائز نہیں رکھا گیا تو ابتداء ایسا معاملہ کرنا کیونکر جائز سمجھا جاوے گا؟ دوسرے زمانہ نزولِ وحی میں جو کفار بنی اسرائیل تھے ان کی شکایت قرآن میں موجود ہے۔ وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه. (۲) جب کفار کے لئے اجازت نہیں جو بعض علماء کے نزدیک مخاطب بالفروع بھی نہیں اور اسی بناء پر یہ علماء ربوا کو عقود

---

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ. فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ. الآية [البقرة: ۲۷۸-۲۷۹]

(۲) سورة النساء، الآية: ۱۶۱۔

ذمیّین سے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ کما في كتاب الغصب من الهداية (۱) تو مسلمانوں کو جو کہ اجماعاً مخاطب بالفروع ہیں کیونکر اجازت ہوگی؟ اور رحمت مہداۃ باب الصلح میں بیہقی سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار نجران سے جن شروط پر صلح کی تھی، ان میں یہ بھی قید تھی: مالم يحدثوا حدثا أو يأكلوا الربا. (۲) جب کفار کو اکلِ ربوا سے روکا گیا تو مسلمانوں کو کیسے حلال ہوگا؟

وما في الكتب الفقهيه من أنه لا ربوا بين المسلم والحربي (۳) فلا يستلزم إباحة المال إباحة العقد. واللہ اعلم

۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۳۶ ج ۳، حوادث ۱۲۱ ص ۸۹)

---

(۱) إذا جرت المبايعة بين الذميين؛ لأن الذمي غير ممنوع عن تمليك الخمر وتملكها، وهذا بخلاف الربوا؛ لأنه مستثنى عن عقودهم. (هداية، كتاب الغصب، فصل في غصب مالا يتقوم، أشرفي ۳/ ۳۸۵)

بخلاف الربوا؛ لأنه مستثنى عن عقودهم لقوله عليه السلام: إلا من أربى فليس بيننا وبينه عهد؛ ولأنه محرم عليهم في دينهم، قال الله تعالىٰ: وأخذهم الربا وقد نهوا عنه. (النساء: ۱٦۱، زيلعي، كتاب الغصب، زكريا ٦/ ۳٤۰، إمداديه ملتان ٥/ ۲۳٥)

البحرالرائق، كتاب الغصب، زكريا ۸/ ۲۲۳، كوئٹه ۸/ ۱۲۳۔

(۲) مکمل حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: صالح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل نجران على ألفي حلة النصف في صفر والنصف في رجب يؤدونها إلى المسلمين وعارية ثلاثين درعا وثلاثين فرسا وثلاثين بعيرا وثلاثين من كل صنف من أصناف السلاح يغزون بها، والمسلمون ضامنون لها حتى يردوها عليهم إن كان باليمن كيد ذات غدر على أن لا تهدم لهم بيعة ولا يخرج لهم قس ولا يفتنوا عن دينهم ما لم يحدثوا حدثا أو يأكلوا الربا. (أبوداؤد، كتاب الخراج، باب في أخذ الجزية، النسخة الهندية ۲/ ٤۳۰، دارالسلام، رقم: ۳۰٤۱)

(۳) لا ربوا بين المسلم والحربي في دارالحرب. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ديوبند ۳/ ۸٦)

درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ٤۲۲، كراچی ٥/ ۱۸٦۔

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲۸۔ ←

حکم بیمہ کمپنی

سوال (١٨١٣): قدیم ٣/١٦٠- یہ مسئلہ استفسار طلب ہے کہ حضوروالا کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اکثر کمپنیاں (جماعت تجارت) ایسی ہیں جو جان اور مال کا بیمہ کیا کرتی ہیں اور اس کا طریقہ ہے کہ وہ جماعت تجارت کی جو مشترک قائم ہیں وہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر ایک کمیشن سالانہ کیا کرتی ہیں، اور اگر اندر سال کے وہ مال صرف بذریعہ آتش زدگی کے تلف ہوجاوے تو جس قدر تعیین مال پر انہوں نے کمیشن لیا ہے اس قدر تعیین یک مشت مالک مال تلف شدہ کو دے دیا کرتے ہیں اکثر لوگ اپنی جائداد کا بیمہ کرایا کرتے ہیں، یہ طریقہ اس قدر رائج ہے کہ غالباً اس سے آنجناب بھی واقف ہوں گے، پس آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا یہ طریقہ بیمہ کا شرعاً جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، تمثیلاً یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اکثر لوگ نوٹ وغیرہ بذریعہ رجسٹری شدہ لفافہ کے ڈاک کی معرفت روانہ کیا کرتے ہیں جس سے مقصود صرف حفاظت نوٹ ہوتی ہے، پس اگر بیمہ کرنا ناجائز ہوگا تو غالباً رجسٹری کر کے نوٹ روانہ کرنا بھی خلاف شرع شریف ہوگا۔ امید کہ یہ سمع خراشی معاف فرمائی جاوے؟

الجواب: ان اشتہاری وتجارتی بیموں میں کمپنیاں جو مالک کو خاص صورتوں میں معاوضہ دیتی ہیں صورۃً تو وہ عوض ہے، اس مال تلف شدہ کا، مگر واقع میں عوض ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ داخل کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو مقصود وہی ہے، ورنہ مال ضائع سے ان کو کیا نفع ہوسکتا ہے؟ پس اعتبار صورت کے تو یہ قمار ہے۔ **"لأنه تعليق الملک على الخطر والمال في الجانبين"**. اور باعتبار حقیقت کے سود ہے۔ **"لعدم اشتراط المساوات في الجانبين فيما يجب فيه المساوات"**۔ اور قمار اور سود دونوں حرام ہیں، پس یہ معاملہ یقیناً حرام ہے، اسی طرح جان کا بیمہ وہ صورۃً رشوت ہے۔ **"لأن المال فيه عوض من غير متقوم وهو النفس"** اور حقیقۃً سود ہے۔ **"لعين ما مر في المال"**۔ رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے، اس کی حقیقت اور ہے؛ کیونکہ ڈاک خانہ والے اس چیز کو پہنچاتے

← **لا يجوز لمسلم أن يعقد عقدا فيه ربا، ولو في دارالحرب بالشروط المذكورة فلو عقد أحد مثل هذا انعقد أثم لكونه عقدا محظورا، ولكن المال الذي يحصل له بهذا العقد حلال به الخ.** (فقه البيوع، الربا في دارالحرب، نعيميه ديوبند ٢/ ٧٧٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہیں اور اجرت لیتے ہیں، پس یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور عملہ ڈاک اجیر ہیں، اور بیمہ زیادت اجر ہے، اور ان کی یہ ذمّہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے، جس کو بعض فقہاء نے جائز کہا ہے، بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی، اس میں یہ تاویل متحمل نہیں۔

في الدرالمختار، باب الوديعة: و اشتراط الضمان على الأمين الخ. وفي ردالمحتار: وانظر حاشية الفتال، وقد يفرق بأنه ههنا مستأجر على الحفظ قصداً بخلاف الأجير المشترك، فإنه مستأجر على العمل تأمل (١)۔

وفي الدرالمختار، باب ضمان الأجير: ولا يضمن ماهلک في يده -إلى قوله- خلافا للأشباه. وفي رد المحتار: أي من أنه إن شرط ضمانه ضمن إجماعا وهو منقول عن الخلاصة، وعزاه ابن المک وللجامع (٢) اھ قلت: وفي هذا العقد الذي يقال له بيمة يستأجر بالزيادة على الحفظ قصداً فكان أولیٰ بالجواز من الأجير المشترک يضمن على العمل. واللہ اعلم۔

۱۵/رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷۳ ج ۳، حوادث ۱،۲ ص ۸۹)

---

(١) درمختار مع الشامي، كتاب الإيداع، زكريا ٨/ ٤٥٦، كراچی ٥/ ٦٦٤۔

واشتراط الضمان على الأمين باطل وبه يفتى. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، بيروت ٣/ ٤٦٨)

وعلم من كلامه أن اشتراط الضمان على الأمين باطل، ولهذا لو شرط على الحمامي الضمان إن ضاعت ثيابه كان باطلا ولا ضمان عليه وهو اختيار الفقيه أبي الليث قال في الخلاصة: وبه يفتى. (البحرالرائق، كتاب الوديعة، زكريا ٧/ ٤٦٥، كوئٹہ ٧/ ٢٧٤)

(٢) درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، زكريا ٩/ ٨٩-٩٠، كراچی ٦/ ٦٥-٦٦۔

والمتاع في يده، أي في يد الأجير أمانة لايضمن إن هلک المتاع من غير فعله عند الإمام، وهو قول زفر وحسن بن زياد: وإن شرط عليه ضمانه؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد به أي بعدم الضمان يفتى، وفي الخانية: والفتوى على قول الإمام، وفي المنح: وقد جعل الفتوى عليه في كثير من المعتبرات، وبه جزم أصحاب المتون وكان هو المذهب، ←